رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تہذیب مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روے رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد وضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور نظر عیب پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپ کے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بنا بر این ایسے مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ مینجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند مینجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کرلی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات واطلاعات کے تحت میں مینجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط وکتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی مسلک کی پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینجر اودھ پنچ لکھنؤ

نمبر ۱

مضامین

۷ جنوری ۱۹۲۹ء

ساقی نامہ

سال ماضی وحال

پھر نبت عنب کی یاد آئی — پھر آئی جھائی پہ جھائی
ساقی سال جدید آیا — لے کر پیغام عید آیا
محفل رندانہ ہے مرتب — ہو پینے پلانے کا بھی کچھ ڈھب
پلوا اس وقت خوب سی مے — اور پیر مغاں کی بول رہے جے
کیا سرد ہوا ہے کیا گھٹا ہے — دے آگ وہ جس کا عرف ہے مے
بے اس کے ہے سونی سونی محفل — لگتا کسی کام میں نہیں دل
گر دل پہ کا رقص ہو جائے — سردی کھایا دماغ گرمائے
انتیسویں سال کا ہے آغاز — کر دے آتشکدے کا در باز
ہو مے سے دفع دل کی خنکی — ہم کھائیں تپش کے ساتھ ٹھنکی
ہیں جسم پہ گرم کپڑے اونی — بیٹھے ہیں رمائے در پہ دھونی
مل جائے جو ساغر مے ناب — کیوں ہو سی سمور و سنجاب
گلی میں رند مست ہو جائیں — پھر فکر دوشالے کی نہ فرمائیں
ہو تنچائے نہ زمہریر آزار — بے کھٹکے کریں وہ سیر کہسار
ہے دامن کوہ اک پرستاں — یورپ کے سیمتن ہیں مہماں
کوئی موٹر پہ گرم رو ہے — بر میں ملبوس نو بہ نو ہے
پیدل جو کوئی چل رہی ہے — عشاق کے دل کچل رہی ہے
سائیکل پہ ہے کوئی سیر کرتی — چڑھتی ہے کوئی۔ کوئی اترتی
دنیا ہے محو چڑھ اُتر میں — ٹھٹھرے بیٹھے ہیں ہم ہی گھر میں
ہنستا ہے جو کوئی کھیل کھلا کر — رہ جاتے ہیں ہائے تلملا کر
روئی بھی نہیں روئی بھی مفقود — کس طرح کٹے یہ جاڑا مردود
اغیار ہیں تنتے او ر اکڑتے — شرماتے ہیں اپنے اور سکڑتے
پھرتے ہیں اُچھلتے غیر لنگور — ہم گھر کی بٹاری میں ہیں انگور
دسکی ورسکاہ ہے نہ رم ہے — ٹھٹھرے کی جام جم ہے
ٹھرے کے جام دے مسلسل — حس و حرکت نہ ہو معطل
پھرکی ہیں ہر ایک سمت حوریں — پلوا دے ہیں تو ہم بھی گھوریں
کنٹر سے شراب ناب نکلے — ٹھرے سے آفتاب نکلے

بحر رنج بستہ ہے طبیعت — بہنے لگے پائے گر حرارت
پانے کا ازالہ گرمی سے — کر دے تب لطف زندگی ہے
پلوا کے شراب ارغوانی — جاری کر بحر نکتہ دانی
وہ جوشش جوانی اب کہاں ہے — آنکھوں میں مگر وہی سماں ہے
پیری میں بھی ہے خضاب کا رنگ — ہے تو۔ گو ہے خضاب کا رنگ
مستی سے ابھی ہے کار باقی — دے بادۂ خوشگوار ساقی
ہے رنج خمار سے بُرا حال — خالی دو دوں پہ اب نہ تو ٹال
اس روزہ کی آس میں ہیں بیٹھے — ہیں سال میں ایک بار پیتے
کھلنا ہے سال کا بنوا لڑا — سب کھیل خمار نے بگاڑا
پیسہ دیدیا یہ تند جھونکے — کس طرح کوئی ضعیف روکے
ساقی یہ تراقدیم میخوار — ہے رنج خمار میں گرفتار
دینے میں شراب کے نہ کر دیر — اب چشم کرم کا رُخ ادھر پھیر
تھی سال گزشتہ اک قیامت — دم بھر نہ ملی جہاں کو راحت
آیا گپ ہا گھنے کمیشن — افزوں ہوئی کلفت دل کی الجھن
لہرایا ادھر جو قومی جھنڈا — اُس سمت اُچھلا پولیس کا ڈنڈا
گھوڑے اُچکا سے لیڈروں پر — سینوں پہ سنگینوں پر سروں پر
بھوکوں نے یہاں کو ڈنڈے کھائے — غیروں نے پراٹھے انڈے کھائے
اپنوں کو ملی یہاں حوالات — غیروں کی ہوئی وہاں مدارات
یاں سامنا ڈنڈے اور بیٹن کا — واں میوں کا کیک کا مٹن کا
دھوں دھاں سے ادھر یہاں مچا تھا — لونگی کا ناچ واں رچا تھا
یاں لب پہ تھے نعرہ ہائے "گو بیک" — واں چومتے بوٹ ٹامی اور جیک
ڈنڈا اٹھا۔ تیز دم پولس کا — جھاڑو پہنچا تھا بم پولیس کا
جمہور پہ لاٹھیوں کا چلنا — گھوڑوں سے روندنا کچلنا
سُننا ہے اگر تجھے یہ قصّہ — صہبا میں لگا دے میرا حصّہ
ہے جوش پہ آج طبع موزوں — دکھلائے نہ جام طرف واژوں
خامہ میرا ہے اشہب تیز — چابک اسے چاہیئے نہ مہمیز
ظاہر میں تو چوبی اک فرس ہے — لیکن یہ غضب کا نکتہ رس ہے
کرتا ہے دشت فکر یہ طے — رکھتا ہے گو کہ صورت نے
چلتا ہے ارادے پہ یہ گھوڑا — کیسی ایڑ اور کیسا کوڑا
بن کر کنکوا اور غبارہ — بھرتا ہے فلک پہ یہ طرارہ
میداں میں اگر جگہ نہ پائی — جھٹ سوئے سما ہوا ہوائی
گہ چرخ بریں پہ گہ سمک پر — گہ سطح زمیں پہ گہ فلک پر
اک برق بلا ہے اس کی ٹھمکی — کیا ہوش ربا صدا ہے سم کی
بھونڈل پہ چڑھا کبھی جو سن سے — بس اڑ گئے ہوش سائمن کے
"گو بیک" تھی اسکی ہنہناہٹ — "چل دور" تھی اس کی سرسراہٹ

بھیں بھیں میں میں

"دونو کی ضد نے خاک میں ہم کو ملا دیا"

کی ضرورت رہے گی نہ کوئی میلا ٹھیلا کلب گھر ہوٹل تھیٹر ناچ گھر کی محفل ان سے چھوٹے گی نہ شرعی ستر کا جھول جھال رہ پائیں گی۔ جب یہ جھول بند رہے گا۔ شرعی احتیاط آزاد خیالی اور اُس تعلیم پر جس میں شرع کا مطلق لگاؤ نہیں خدا کا نام بھی کسی کتاب میں نظر نہیں آتا صدقے قربان ہو جائے گی تو بال جو ستر میں داخل ہیں غلافوں پر لہرائینگے۔ پائجامے کی جگہ جانگھیا ہو گی۔ آدھی آدھی چھاتیاں نارنگیوں کی طرح ٹوکریوں میں رکھی دکھائی دیں گی۔ فیشن تو یہی۔ فیشن نے کبھی شرع کی پروا کی ہے؟ جلد یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا خواہ مردوں کی رضامندی سے یا عورتوں کی دھینگا دھینگی سے۔ اسکے بعد کوئی عورتوں کا حامی اُٹھ کھڑا ہو گا اور کہے گا قرآن میں شراب پینے والوں کی سزا مقرر نہیں ہے وہ شراب ہی اور تھی جسے خدا نے "عمل شیطان" کہا ہے وہ وقت ہی اور تھا دنیا تعلیم یافتہ نہ تھی لوگ دل پر قابو نہ رکھتے تھے۔ خود غرض مولویوں نے خواہ مخواہ تحریم کے فتوے دے کے ایک مفید اور صحبت گرم کرنے والی چیز کو حرام کر دیا۔ نبیذ بڑے بڑوں نے پی ہے۔ حدیث کی کتابوں میں نبیذ (کھجور کی شراب یا سیندھی) کی حرمت کا پتا نہیں۔ بھلا ہارون رشید کا سا تاجدار اسلام اسکے قریب جاتا اگر شرع اجازت نہ دیتی (دیکھو الف لیلہ) یہ وسکی رم شیری پورٹ وائن اکشا "پر اطلاق خمر کا نہیں ہوتا کیا انگریزی کیا عربی وہ زمانہ جاہلیت سے قریب تھا۔ اسکے علاوہ دوا کے طور پر استعمال کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ میاں کمزور ہو تو پیے۔ اس عورتیں شوہر کی غیر حاضری میں تنہا پئیں۔ لو صاحبو! "شراب کی حرمت" کا ماخذ بھی دو قعی حماقت ٹھہرا اور مشکل حل ہو گئی۔ علیگڑھ سے اس لعنت کا بہت جلد اخراج ہو گیا۔ اب بی بی خوب پیتی ہیں بیچ کھیت پیتی ہیں بھری محفل میں پیتی ہیں۔ گھر میں طاق پر بوتلیں چنی ہوئی ہیں۔ میاں کے دوست مہمان آئے میاں گھر میں نہیں ہیں نینی تال میں ہیں ابر گھرا ہوا ہے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ ٹھنڈی ہوا کے ٹھنڈے جھونکے دل میں گدگدی پیدا کر رہے ہیں۔ مجبور ہم نشین بھی ہے۔ مہمان کا ساتھ نہ دینا۔ جی نہ بہلانا شرعاً بھی درست نہیں اخلاقاً بھی ناروا ہے (یہاں شرع و اخلاق کو بہت دخل ہے) اندر جا مستی چھائی۔

میری جان مرزا۔ اُس وقت کا جوش و خروش ہو گا کہ اللہ تیری پناہ۔ نیلی انکھڑیوں میں لال لال ڈورے پڑے چھنانے کا پیک چنے نگاہ کہتے ہیں پپوٹوں سے باہر نکلا اور لگا پیام سلام کا حق ادا کرنے سرخاب کے جوڑے کی طرح دعوت شروع ہونے کے وقت دونوں کرسیاں تھیں اس پار اور اُس پار اب بغیر صحیح ارادے کے رفتہ رفتہ خود بخود سرکنے لگیں اور سرکتے سرکتے ایک دوسرے سے جڑ گئیں جوش و خروش کی بجلی تیکی کوندھا لپکا۔ مقناطیسی شعاعوں میں موج پیدا ہوئی شرع کی عینک دھندلی ہوئی۔ ہیجان کی آندھی نے بدیسی شوہر کی یاد کا تنکا پہاڑ میں جھونکا۔ میاں کی محبت کی لعنت دل کی کوٹھری سے کالی بلا کی طرح دفان ہوئی۔ نشے کے چھو منتر نے وفاداری کا شیطان بھگایا۔ حیا کی چڑیل کو چوٹی پکڑ کے باہر نکالا۔ جان صاحب نے ساغر ہاتھ سے لیتے وقت تھرتھراتے ہاتھوں کی گزک سے پرہیز نہ فرمایا۔ بلس مانس تھی اور شبت بتی تار بجھ گئے جھنجھنی سنسنی کا جزو مد کھنچا تو تناؤ نچلے بیٹھنے کا دشمن بنا۔ انگڑائی آئی ہاتھ چاند سے کھڑے کا ہالہ بنے چاند گنڈل بیٹھا یہ مستی کی بارش کا شگون ہے بینیہ کا پکارا دیکھ کے طفل دل "دودھ" نہ مانگے ناممکن ہے۔ جام کے بعد انجام کا اندیشہ؟ ارے توبہ! عقل ہی نہ رہی تو حواس کیسے ادراک کا ورک ڈربے وڑبے خانے خانے۔ شعور کا فعل ندی نالے۔ حافظہ غیر محفوظ۔ خیال خواب و خیال۔ متعزز معطل۔ ادھر ہوس نے تان لگائی ع

لگا کے برف میں ساقی صراحی مے لا
جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا

دماغ کی گرمی نے صدا دی ع

برق چشمک زن ہے ساقی ابر ہے چھایا ہوا
جام مے دے تو کدھر جاتا ہے گھبرایا ہوا

اندر ما الاول ہم آواز ہوا ع

سنا نے لگی پیارے پلٹے کر جوانی

اُدھر انگلیوں کی لاسہ بی بی کے صدری ستار کی تونبی پر چند جواری کھولنے کے لیے گھڑ تاج کی طرف بڑھی باصرہ کو ساون میں ہرا ہی ہرا سوجھا سنبل زلف و گل رخسار کی لپٹ نے شامہ کی ناک مروڑی۔ تار چھڑا سامعہ بجز اس ترانے کے "جانی جانی جان جنا نا جان جنانی جان جنانی جان جان جان" ہر آواز کی طرف سے بہری ہوئی ذائقہ نے ہونٹوں کی مٹھاس اپنے کی ترچھی گالوں کے نمک کے سوا سب کو پھینک دیا۔ جلوہ گئیں ہوا میاں کا پاک فرش خواب بدکاری کے نجس جوش و خروش میں آلودہ ہو گیا۔ میری جان مرزا! میں بوڑھیا ہوں تمھیں میرا جوش و خروش اُکسائے۔ شرم نہ آئی۔ اے اں کیوں شرمائے۔ شرم کا پردہ چاک کرنا بھی فرض تھا

میرے قلم کا جوش و خروش باقی ہے اور مجھے بھی ضد ہے۔ دیکھوں کس کا جوش و خروش میرے قلم کے آگے قائم رہتا ہے۔ وہ اندر کی بات ہی دوسری ہے تم شکایت کرتے ہو کہ کم از کم تو انھیں مجھکو ایک کارڈ ہی لکھ دیتیں کہ کیا رائے قائم کی اور ملا جواب ہو گیا یا نہیں۔ یا دوسرے حصے کے بعد ہو گی۔ اس شکایت سے بھی دودھ کی بو آتی ہے۔ کتاب بھیجو اودھ پنچ کے دفتر میں اور شکایت کرو مجھ سے؟ اسی سمجھ پر قرآن کے معنی مطلب سمجھنے کا دعویٰ ہے۔ میں اور تم ایسوں کے آگے لاجواب ہو جاؤں؟ اے تیری قدرت اے تری شان!

میری جان ابھی تو تمھیں اسلام اور دوسرے مذاہب کا فرق بھی نہیں معلوم بھلا تمھیں قرآن میں وہ باتیں کیونکر نظر آ سکتی ہیں جو بڑے بڑے محققوں کو غور و خوض کرنے پر نظر آئیں۔ سنو اسلام نام ہے ایک ایسے مذہب کا جس نے افراط تفریط کی جڑ اکھاڑ پھینکی افراط تفریط کا پلڑا جب ہی برابر ہو سکتا ہے جب طبعی قوتوں کی منہ زوریاں روکی جائیں۔ عورتوں کا گھر سے باہر ضرورت کے وقت قدم نکالنا یا ضرورت کے وقت منہ کھول دینا آج بھی منع نہیں ہے اور یہ دستور رسول کے وقت سے آج تک جاری ہے طبعی قوتوں کی منہ زوری روکنے کے لیے عرسوں اور محفلوں میں جانے کی روک ٹوک حضرت عمرؓ نے فرمائی اور اُنھیں کے زمانہ میں جنگ کے زخمیوں کی خبر گیری عورتوں نے کی انھیں حضرت نے

کبھی نہیں ہو سکا۔ ایک ہی محفل ہے جو کسی مقام پر جائز ہے اور کہیں منع ہے۔ تو میاں صاحبزادے ہم پوچھتے ہیں کہ کب کسی عورت کی گردن پر طاقت سے دباؤ ڈالا ہے؟ جلا جواب دو جاؤں۔ میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ عورت بغیر شرعی ضرورت کے گھر سے نکل سکتی ہے نہ غیر مردوں کے سامنے منہ کھول سکتی ہے۔ اور مرتے دم تک یہی کہے جاؤں گی کہ خدا نے اپنی مصلحتیں پوری کرنے کے لیے مرد ذات اور عورت ذات میں ہر جنس میں فرق رکھا ہے اور اسلام نے بھی قدرتی فرق ملحوظ رکھ کے ہر ایک کے دائرے جداگانہ مقرر کیے ہیں۔ جو کوئی ان حکموں کو مٹانا چاہتا ہے وہ کبھی اسلام کی شان قائم نہیں رکھ سکتا خواہ مرد ہو یا عورت۔ گھر کی بات ہمارے نبی کے بعد انسان کو کسی نئی شریعت یا نئے نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ مگر اتر سے جانے نہ پائے تو کوئی فعل خلاف شرع نہ ہو سکا جائے اسکا اقرار رسول کی سنت میں موجود نہ ہو۔ یہی گروہ جنہوں نے قرآن کا دعویٰ "لا رطب ولا یابس" دشمنوں سے منوالیا۔ تم لاکھ "الا ما ظہر منہا" کی تفسیر میں منہ کھلے پھرنے کی گواہیاں تاریخ سے پیش کرو دوسری آیتوں میں جو گرہیاں کیے گئے ہیں وہ تمہارا سا منہ ہو رہیں گے۔

خیر اب تو تمہاری کتاب نہ ملی ہی گئی ہے میں ہوں اور تم ہو۔ نہ نہدی پہلے نہد ہوئی نہ اب لاجواب ہوگی۔ مرد اپن کو جب تھا کہ اپنی کتاب کے آخر میں نہدی کے خط بھی چھاپ دیتے اس وقت میں دیکھتی کہ کون سا عقل والا ہے جو میری دلیلوں پر تمہاری

لفافہ میں چند سوالوں کا جواب

آپ اپنی حسب منشا پانچ سوال نفع نقصان دکھ سکھ اولاد ترقی تبدیلی عورت محبت وغیرہ کے متعلق لکھ کر روانہ کریں ہم ان کا جواب بذریعہ رمل و نجوم ٹھیک ہدایات کے ساتھ ایک روپیہ چار آنہ کے وی سے روانہ کرتے ہیں آپکا لفافہ بھی واپس ہوگا۔ لفافہ پر شبہ کرنے کا وقت اور پتہ صاف لکھو۔ ہر مشکل میں مدد حاصل کرو۔

پروفیسر آزاد رائل اسٹرالوجر دسوزرائل نیو کولونیڈ نمبر

کیا سمجھی کہ نہدی دب گیا۔ ان خطوں میں کون سی بات باقی رہ گئی ہے بلکہ تمہاری کتاب تو اصل میں یہ ہے جیسے کہ نہدی نے قرآن حدیث اخلاق تاریخ عقل غرضکہ ہر پہلو واضح کر دیا ہے۔

تم نے جسٹس سلیمان صاحب کی تحریر اپنی کتاب کی تائید کے لیے ابتدا میں درج کی ہے وہ قانونی آدمی ہیں ان کا قول نظیروں میں پیش کیا جاتا ہے تم خود سکی

نارغ لیگ (نعیق غراب)

کاؤں کاؤں کنونیشن

دیہاتی سے سنا لیڈا ہو را کیسے جائے۔ کاگا رستہ جا کے رہ جائے

تعریف کرتے ہو۔ ایک سلیمان تھے جنکے قبضے میں دیو پری جن ہوا پانی بلکہ ہر چیز تھی ان سلیمان کے ہاتھ میں صرف انصاف ہے اور وہ انصاف بھی ایک ادھورے قانون کا مرید ہے جسے خود انصاف کی ہوا نہیں لگی۔ اچھا ہے آئندہ خط میں نہدی انہیں کے خیالات کی دیکھ بھال کرے گی اور بیچ بیچ میں تمہاری لنگڑی لولی دلیلوں کی قلعی بھی کھولیگی جلدی کوئی اودھ پنچ کا اڈیٹر تو ہے نہیں جو خاکسار کے مارے صاف صاف کچھ منہ سے نہ کہے فلسفیانہ شبہ اٹھا لیا

سے کام لے فقط سا قسمت تمہاری

بد نصیبن

عذر بگرما گرم عذر!!

منحوس دسمبر ۱۹۳۷ء کا آخر اور جنوری ۱۹۳۸ء کا پہلا ہفتہ ایک مقدمہ کی پیروی کا سی میں گویا جکڑا ہوا اڈیٹر پنچ کا نپور میں جیل کاٹ رہا تھا۔ اس تک دو تین نرالے مضمون تو ضرور ہاتھ آئے مگر جمع و ترتیب کی مہلت نہ ملی یہ مقدمہ کیم ستمبر کے ایک مضمون سے متعلق تھا سات جنوری کو اس سے بفضل خدا نجات ملی۔ جن دو قانون پیشہ دوستوں کی عنایت سے عزت کا میابی ہوئی انکا نام لے کے قلم سے شکریہ ادا کرنا ہمارے نزدیک دو وجہوں سے ناموزوں ہے۔ (۱) "تھینک یو" ہے ایک سخن تکیہ خدا بخشے حاجی لقلق "کیا نام کہ" کہا کرتے تھے آج کل کے پڑھے لکھے "تھینک یو" کہہ دیتے ہیں۔ (۲) ہمارے بھائی ان دوستوں نے "تھینک یو" کہلوانے کی نیت سے نہیں کی (۳) ان دونوں کی ہمدردی کا زبانی اظہار اوچھا پن ہے۔ دل انکی قدر کرتا ہے اور دل ہے بے زبان۔ الفاظ سریع الزوال ہیں۔ تاثر دیرپا ہے۔ بس دعائے خیر "تھینک یو" سے افضل ہے۔ اگر یہ عذر پہلے ہی سے لکھ دیتے تو احباب پریشان خاطر ہو جاتے اور ہمیں استفسارات کا جواب دینا پڑتا۔ مصیبت بڑھ جاتی گزشت آنچہ گزشت

المختصرات

المختصر کہ نیا سال ناظرین کو اور ہمیں مبارک ہو آئندہ انشاء اللہ دو پرچے تو تمام قلم ایک نمبر کے ہو کے وقت کی تلافی کر دیں گے۔

المختصر کہ جس طرح ایک معشوقہ اپنے عاشق کے دل پر قبضہ کرنے کے لیے آئینہ سامنے رکھتی اور چھلے اتار کے بالیاں بالیاں اتار کے کرن پھول کرن پھول اتار کے جڑاؤ کان جڑاؤ کان اتار کے بجلیاں پہنتی ہے اور کسی حکیم فیلسوف ماہر علم النفس کی سمجھ میں اس تغیر و تبدل کی علت نہیں آتی اسی طرح ہماری گورنمنٹ کرنسی نوٹ کی تبدیلی ہیئت میں ہر ہفتے مصروف ہے اب سنتے ہیں

مجلدات اودھ پنچ ۱۹۲۶-۲۷-۲۸ء

اُردو کو زندہ کرنے والے دل کو تازہ کرنے والے سیاسی، ادبی اخلاقی مضامین اور کارٹونوں کا مجموعہ خزانہ کتب میں محفوظ رکھنے کے قابل۔ قیمت فی جلد مع محصول

المشتہر:۔ منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ال ۷۸۳
اودھ پنچ لکھنؤ ۱۹۲۸ء
جلد چہار دہم
رجسٹرڈ نمبر ال ۷۸۳

غذائے روحانی

معدن النغمات

وہ بے نظیر کتاب جس [illegible] ہوا میں گرہ لگائی

ایک گراموفون کی طرح سُروں کے محفوظ رکھنے بلکہ [illegible] کا غذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

تا حال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی

مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

تان سین کے عہد سے لیکے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور اُنکے گلے سے نقل کی ہوئی دُھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے

اُستاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دُھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں اُنسے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اسیطرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جسطرح کہ خود اُستاد تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں اُنکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقة مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا۔ تمام ہندوستان کے اُستادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ

محصول ڈاک بہر حال ذمۂ خریدار۔

المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجّہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تُکے مضامین نہیں ہوتے۔ بیہودہ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحکہ امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ ماسبق کی اشاعت بے رو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد وضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپ کے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چہ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بنا بر این ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ مینیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند مینیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں مینیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چِٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۲

مضامین

۱۴ر جنوری ۱۹۲۹ء

تاریخی غزل

ساقی ہوش پلا بادہ کہ آیا سالِ نو
آج تک زندہ ہوں قسمت نے دکھایا سالِ نو

کانگریس والوں میں بھی باہم ہوا ہے اختلاف
خوب ڈومینیشنوں کو ہوا تو نے لڑایا سالِ نو

بارشِ تیرِ نفاق و دشمنی ہے ہر طرف
ابرِ غم بن کر سروں پہ آج چھایا سالِ نو

چھپا رہتی ہے زیرِ خاک لی جس طرح
یوں فلاحِ خلق کو تو نے چھپایا سالِ نو

شام سے اس ماہ کا میں منتظر تھا صبح تک
وہ نہ آیا سامنے آنکھوں کے آیا سالِ نو

کشت و خون آپس میں ہوگا منجّمی سب چیخ کر
یہ منجم نے کہا سب سے جب آیا سالِ نو

بادۂ گلرنگ پیتے تھے جو پچھلے سال تک
گلرنٹ ان کو خون کا تو نے پلایا سالِ نو

ذکر کیا چہروں کا ہے اب ہو گئے ہیں دل سیاہ
خلق کو تیری سیاہی نے دبایا سالِ نو

آنے ہی ماہِ دسمبر اٹھ گیا دنیا سے وہ
میرا دشمن دیکھنے تک بھی نہ پایا سالِ نو

رال جنگلی گائے کے گھی پر شکیتی ہے بہت
گھاس کا گھی تو نے انکو بھی کھلایا سالِ نو

جم رہی ہے یخ پہاڑوں میں بلا کی ٹھنڈ ہے
آتے ہی تو نے غضب سب کو ستایا سالِ نو

انقلابِ دہر کی تاریخ ہے دولھا یہ خوب
دھوم ہے تازہ پیامِ غدر لایا سالِ نو

۲۹ عیسوی ۱۹

ولہ ایضاً

یہ سن کے کیوں نہ مرا دل اُچاٹ ہو جائے
وہ کہہ رہے ہیں کہ تو بارہ باٹ ہو جائے

کنارِ گنگ نہانے کو جا رہا ہے وہ بُت
نہ غرق شرم سے پانی کا گھاٹ ہو جائے

دو نیم صورتِ جوزا ہو دشمنِ بد خو
عیاں جو تیغِ دو پیکر کا کاٹ ہو جائے

یہ گانا سُن کے دعا میں نے ٹوٹ کر جان کو دی
پسر جواب کے تیرے ہر ولاٹ ہو جائے

پسے نہ ایک بھی گیہوں نہ دل سکے ادھ لی
جدا جو ایک بھی چکی کا پاٹ ہو جائے

الٰہی خیر ہو کشتی کی آ گیا طوفان
نہاں نظر سے نہ دریا کا گھاٹ ہو جائے

ملے جو بوسے بھی دولھا تو غیر کے جھوٹے
پسند کاش زباں کو یہ چاٹ ہو جائے

دیگر

خلق و وفا سے یہ تری رنجش بعید ہے
آنکھیں نہ اس سے پھیر جو مشتاقِ دید ہے

سُنتے وہ کاش ان سے مصیبت کی داستاں
جن عاشقوں میں طاقتِ گفت و شنید ہے

آنکھیں لگی ہیں در سے ترے انتظار میں
بیمارِ ہجر کو یہ غضب شوقِ دید ہے

تیری گلی کو کم جو سمجھتے ہیں خلد سے
اُن کے لیے سقر میں عذابِ شدید ہے

اب کے عرب میں میں نے خود خواجہ سے یہ سُنا
لذت میں بوسۂ لبِ دلبر فرید ہے

دلی میں عید پیچھے دکھائینگے تم کو ہم
میلا تو کل ہے آؤ ملو آج عید ہے

جو دین کا عدو تھا کیا تم نے اسکو قتل
کافر کو کیوں کہوں کہ ستمگر شہید ہے

کرنے کا رحم غیر نہیں سنگِ بر کبھی
سنگِ رخام دل ہے کلیجا حدید ہے

دولھا وہ تانتے ہیں زمینِ قدیم پر
لیکن یہ کہہ رہے ہیں کہ دورِ جدید ہے

دولھا گیا دی از جاکنہ

تحائف سال نو

(۱) تواریخ انگلستان یعنی مسٹر لے کی "انگلش پیپل" کا اُردو ترجمہ جو میکملن اینڈ کمپنی کلکتہ کے اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ کے اعتبار سے تو بہت خاصا ہے مگر مطالب ایسے گنجلک اور نامربوط ہیں جیسے کسی تھیٹر کے اشتہار میں آپ نے قصہ کا خلاصہ دیکھا ہو۔

"سبھا میں راجہ اندر کا آنا اور پکھراج پری کا گانا۔ لال دیو کا سبز پری کی جنگلی کھانا اور گلفام کا کنوئیں میں قید ہونا۔ سبز پری کا جوگن بن کے آنا اور کالے دیو کا سفارش کرنا۔ گلفام کا قید سے چھوٹنا اور سبز پری کا ناچنا۔ زمرد شاہ باختری کا کوئے ملکاﷲ نظر آنا۔ گلیم گوش عیار کا قلابازی کھانا"

بظاہر یہ کتاب شاگردان مدارس کے لیے لکھی گئی ہے مگر اساتذہ جب تک تھیٹر کے ایکٹر کی طرح اسٹیج پر کھڑے ہو کے نقل نہ دکھائیں یا کسی بڑی اور مفصل تاریخ سے مدد نہ لیں اسوقت تک اُردو کے طالب علم اس سے فائدہ اُٹھا نہیں سکتے۔ مصنف مختلف قوموں کے نام لیتا چلا جاتا ہے اور یہ نہیں بتاتا کہ یہ قومیں کون تھیں کہاں تھیں اب ان میں سے کون سی قومیں موجود ہیں کتنی فنا ہوئیں کن قوموں نے دوسری قوموں سے مخلوط ہو کے نیا نام پایا اور مسخ ہونے کے بعد اب ان کا لقب کیا ہے۔ تعریف المجہول بالمجہول کا یہ تماشا پہاڑا چار سو چودہ صفحوں کا حجم رکھتا ہے اور ہر قدم پر لال بجھکڑ کی ضرورت ہوتی ہے جو تشریف لائیں اور کا کن کا دانہ ڈال کے بارہ سنگھے اور امرود میں امتیاز فرمائیں۔ طلاب کے لیے جو کتاب لکھی جائے اسمیں سب سے مقدم تعریفات اور مبادی ہیں کہ بغیر انکے اجمالی علم کے نفس مطلب پر ذہن منتقل نہیں ہو سکتا۔ بظاہر اس موضوع میں فاضل مترجم مسٹر سالگ رام ورما ایم اے بی اس سی کا قصور نہیں ہے اُنھوں نے مولف کی پیروی کی ہے۔ اور مولف نے کتاب کی تالیف انگلستانی طلاب کے لیے غالباً کی تھی جو اپنے وطن کے حالات اور تغیرات سے عموماً واقف کر دیے جاتے ہیں نہ اہلِ ہند کے لیے۔ یا تو یہ کتاب تتمہ ہے کسی سلسلہ کا یا مولف صاحب تعلیم کے رموز سے ناواقف اور تمدین تاریخ کے فن سے کورے ہیں۔

کتاب کے پہلے باب میں تیسری صدی پانچویں یا ساتویں پھر نویں صدی کے حالات مختصراً درج ہوئے ہیں یعنی درمیان کا ایک ایک زینہ چھوڑ کے قلم رکھا ہے۔ اور طالب علم کی طبیعت کو اسدرجہ الجھایا ہے کہ کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔ حالانکہ دنیا میں تاریخ سے زیادہ دلچسپ کوئی مضمون نہیں ہوتا۔ زیادہ اہتمام اس بات کا ہے کہ اسدرجہ خون طالب علم کہیں مقامات کے نام اور انگریز خداوندوں کے اسمائے حسنیٰ غلط نہ پڑھ جائیں جو بخشش کا امکان باقی نہ رہے۔ ہر ایک نام کیساتھ اُسکا املا انگریزی حرفوں میں لکھ دیا ہے۔ اگر یہ غلطی ہے تو بیشک کتاب خوب ہے۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ اس کتاب میں کہیں تفصیل سے کام نہیں لیا۔ نہیں صاحب غیر ضروری باتوں کی اچھی خاصی تفصیل ہے اور ضروری پولیٹکل انقلابوں کے وجوہ و اسباب میں کافی اجمال ہے کیوں! اسلیے کہ انگریزوں کی سی تہہ چھٹ آزاد قوم نے جو مسلسل کوشش شخصیت کو نیچا دکھانے میں صرف کی ہے انکی ہوا ماتحت قوم (ہندوستانی) کو نہ لگنے پائے لہذا ہمارا خیال ہے کہ تحفۂ سال ذکیہ یوں ہی سا ہے۔ مؤلف صاحب پہلے ایک باب لکھ لیتے ہیں مگر خالی دو سطر کھلتی ہے اسکے آخر میں تشریحات فرماتے ہیں مثلاً ۴۵ء میں انگلینڈ سے رومن لوگوں نے فوج ہٹالی......

سیکسن اپنے پاس چاقو اور چھرے رکھنے والی قوم۔ پھر انگریس سوالات کرتے ہیں تاکہ مصنف صاحب کی تقلید کمبخت متعلم بھی کرے اور تاریخ سے جو ذہنی ترقی شاگرد حاصل کرتا ہے اُس سے محروم ہوجائے چنانچہ ہندوستان میں اس عجیب قوم نے جو رویہ اختیار کیا۔

لفافہ میں بند سوالوں کا جواب

آپ اپنی حسب منشا پانچ سوال نفع نقصان کم رشکی اولاد ترقی تبدیلی عورت محبت وغیرہ کے متعلق لکھ کر روانہ کریں ہم انکا جواب بند لفافہ رمل نجوم ٹھیک ہدایات کے ساتھ ایک روپیہ چار آنہ کے وی پی سے روانہ کرتے ہیں۔ آپکا لفافہ بھی واپس ہوگا۔ لفافہ پر بند کرنے کا وقت اور پتہ صاف لکھو۔

ہر مشکل میں مدد حاصل کرو

پروفیسر آنند داس ایل اسٹرالوجر بحار (ای) فیروز پور شہر

اُسکی چھاپ بھی دماغ میں نہ پڑنے پائے۔

یا وہ قیصر تھا جسے کھیل کود میں وقت ضائع کرکے پیسا اُٹھاتے ہو اپنے لڑکوں کی تعلیمی استعداد کا مطالعہ بھی ڈیڑھ روپیہ میں دیکھ ڈالو۔

(۲) سلطنت ہند اور لنکا۔ یہ ہندوستانی جغرافیہ کی کتاب ہے سی ماریسن ایم اے ال ال بی اور ایم ایل جین ایم اے ایل ٹی ایم آر اے ایس کی مشترک تالیف ہے۔ اور یہ بھی مکلین اینڈ کمپنی کلکتہ کے مساعی جمیلہ میں سے ایک سعی ہے۔ کتاب اچھی ہے بُری نہیں۔ مقامی پیداوار مقامی آب و ہوا اور ہر جگہ کی مقامی خصوصیات یا تجارت مصنوعات سے باخبر کرتی ہے [illegible] عمدہ ہے چھپائی لکھائی کاغذ خوب ہے ۲۸۵ صفحہ کی کتاب ہے۔ سوا روپیہ (عمر) قیمت ہے طلباء اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں مگر حسن زبان و لطف بیان سے کم لگاؤ رکھتی ہے۔

(۳) لطف و رحمن ادبی ماہوار پرچہ

(۴) پانچ چھ نئے اخباری کاغذ

باجلاس جناب سید حسن اختار صاحب بہادر منصف اعظمی مقام سلطانپور

سمن بغرض قرار داد امور تنقیح طلب

مقدمہ ۱۹۹ سنہ ۱۹۳۱ء

تلسی راج معرسا کن نروارہ خواجہ پور — مدعی

بنام

اودری معرو غیرہ — مدعا علیہ

بنام

۱۔ اودری معرو ولد راج حسن معر
۲۔ سری رام معرو ولد رام نہل
۳۔ سبھا پت معرو ولد کمت ناتھ
ساکنان موضع نروارہ خواجہ پور پرگنہ الدے منو ضلع سلطانپور — مدعا علیہم

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابتہ دخل سیر دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۸ ماہ جنوری ۱۹۳۱ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ مذکور کی کرو اور تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر تم تائیداً اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور تصفیہ ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۱ ماہ جنوری ۱۹۳۱ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

اطلاع

(۱) اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے گواہ اپنی مرضی سے حاضر نہ ہوں گے تو تم عدالت ہذا سے سمن بنام گواہان جاری کرا سکتے ہو کہ جو گواہ حاضر نہ ہو وہ جبراً حاضر کیا جائے اور جس دستاویز کو کسی گواہ سے پیش کرانے کا تم استحقاق رکھتے ہو وہ اس سے پیش کرائی جائے بشرطیکہ تم اُسکے واسطے زر خوراک جو ضروری ہو عدالت میں داخل کرکے اس امر کی درخواست گزرانو۔

(۲) اگر تم مطالبہ مدعی کو تسلیم کرتے ہو تو تم کو لازم ہے کہ روپیہ مع خرچہ نالش عدالت میں داخل کرو تاکہ ڈگری کا اجراء جو تمہاری ذات یا مال دونوں پر ہو کرنا نہ پڑے۔

تنبیہ۔ اگر بیانات تحریری کی ضرورت ہو تو لکھنا چاہیے کہ تم کو یا فلاں فریق کو یعنی جیسی کہ صورت ہو حکم دیا جاتا ہے کہ بیان تحریری بتاریخ پچیس ۲۵ ماہ جنوری ۱۹۳۱ء تک گزرانو۔

وقت حاضری بدفتر ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک۔

مہر عدالت

اجلاس مولوی سید خورشید حسن صاحب بہادر سب جج ہردوئی

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۱۲۰ سنہ ۱۹۳۰ء

بعدالت خفیفہ سب جج مقام ہردوئی

کیشان سنگھ ولد دلہم سنگھ ٹھاکر ساکن کنٹھا کوک مزرعہ ہر پرگنہ گوپامؤ تحصیل و ضلع ہردوئی — مدعی

بنام

درگا بخش سنگھ — مدعا علیہ

بنام درگا بخش سنگھ ولد بلدیو سنگھ قوم ٹھاکر ساکن کنٹھا کوک پرگنہ گوپامؤ وارد حال موضع انوگی پرگنہ گوروہ تحصیل مصو ضلع سیتاپور۔

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابتہ وعدہ ۶۳/۲/۱ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۹ ماہ جنوری ۱۹۳۱ء بوقت دس بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعویٰ کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اُسی روز اُن کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۱ ماہ جنوری ۱۹۳۱ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

اطلاع

۱۔ اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے گواہ اپنی مرضی سے حاضر نہ ہونگے تو تم عدالت ہذا سے سمن ایسا مراد جاری کرا سکتے ہو کہ جو گواہ نہ حاضر ہو وہ جبراً حاضر کرایا جائے اور جس دستاویز کو کسی گواہ سے پیش کرانے کا تم استحقاق رکھتے ہو وہ اُس سے پیش کرائی جائے بشرطیکہ تم اُسکے واسطے زر خوراک جو ضروری ہو عدالت میں داخل کرکے اس امر کی درخواست گزرانو۔

۲۔ اگر تم مطالبہ مدعی کو تسلیم کرتے ہو تو تم کو لازم ہے کہ روپیہ مع خرچہ نالش عدالت میں داخل کرو تاکہ ڈگری کا اجراء جو تمہاری ذات یا مال پر یا دونوں پر ہو کرنا نہ پڑے۔

وقت حاضری بدفتر خفیفہ سب جج ہردوئی ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

بحکم عدالت

مہر عدالت

دستخط منصرم سب جج ہردوئی

ان رسائل و جرائد میں بعض پرانے ہیں مگر خاص نمبر نکال کے پہلے روائے طلب کرتے ہیں۔ آزردگی کے خیال سے ہم اپنے ہم پیشہ قدیم و جدید احباب کا نام لینا پسند نہیں کرتے۔

طہران میں ناصر الدین شاہ قاچار کا ایک مجسمہ ٹھیک اُسی طرح گھوڑے پر سواری کی حالت میں نہایت اہتمام سے تیار کیا گیا جسطرح ہمارے پُرانے مہربان اور دریا۔ نہاے ہند کے جدید دلسوز سر ہارکورٹ بٹلر صاحب کا مجسمہ قیصر باغ میں سر راہ استادہ ہے۔ حضرت شاہ ایسٹھے اکڑے تھے کچے تاج کسروی سر پر کجے مونچھوں پر تاؤ دیے تگینے کی طرح گھوڑے کی پشت میں جڑے ہوے ہیں۔ ایک وطن خواہ قرابانی کی نظر جب پہلی مرتبہ اس آہنی بت پر پڑی تو بیت چلایا اور کہنے لگا:-

"اے مرد کہ خود میں آیا تو بدولت ایران خدمتے کردۂ۔ آیا سودے بملت رسانیدۂ۔ آیا قلعۂ لیبار محکمے را بیورش جاں سپارانہ فتح کردۂ۔ آیا حصار متینے را از دشمن قوی پنجہ بدست آوردۂ۔ یا راہ سعادتے برائے ہموطناں خود پیدا کردۂ۔ یا موسس قانونے بودۂ کہ بمنافع عمومیہ وطن منتہی و منتج شدہ باشد۔ یا سبب رفع ظلم و بدبختی از ہموطناں تو گردیدہ باشد۔ آیا ادیب کاملے بودۂ کہ خزان ملک از آبیاری سخنہاے تو بہارے پیدا کند۔ آیا حکیمے کاملی کہ نتائج مدرکات و تجارب تو توانائے زار وطن تو مند سازد۔ مرد کہ خر چیزے بگو کہ من ترا سزاوار این گونہ غرور و دلابہ بدانم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہیچ۔ یا ئین ہیا۔"

یہ مجسمہ حضرت شاہ نے خود اپنے عظیم الشان یادگار وطن پروری کے طور پر اپنی جیب خاص سے تیار کرایا تھا۔

ہمارے دوستوں نے بھی بصرت خاص نمبر ہاے خاص و مخصوص کی تیاری میں وہی مصلحت ملحوظ رکھی ہے جو حضرت شاہ نے بمنتہاے دانشمندی اپنے مجسمہ کی تیاری میں ملحوظ رکھی تھی۔

ان جرائد میں خود بینی و خود نمائی کے سوا (جو کہ عام) ادب و حکمت کا شائبہ مشکل سے نظر آتا ہے۔ سخن شروع ہونے سے پیشتر بعض مہاجنوں کے مضامین پر تحسین و آفرین کا لام باندھنا۔ اور مضمون نگاروں کا جناب اڈیٹر صاحب کی شان میں تعریفی بھر بھر سے کھولنا۔ اور اس طرح ایک خاص نمبر کا وجود میں آنا ہمیں تو پسند نہیں۔ البتہ ہم اُن جرائد و رسائل کے مداح ہیں جنھوں نے کسی مذہبی یا وطنی یادگار کے طور پر خاص نمبر نکالے (یا روتم نہ روٹھ جانا) اگرچہ ان میں بھی تحقیق یا ندرت یا جدت کی قلت ہے لیکن قصد کے مبارک و مسعود ہونے کی وجہ سے ہم ان کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔ آج کمی ہے تو کل زیادت کی توقع فضول نہیں۔ سردست ہم مقدم الذکر جرائد و رسائل کو ناصر الدین شاہ یا ہندوستانی راج کی ایک مہارانی خیال کرتے ہیں جنھیں اپنی صورت سے بہت دلبستگی ہے حال ہی میں مصور جرائد انگلستان نے اس زندہ صورت نیم ساختہ تمثال کا فوٹو مصور کی موہت سمیت شائع کیا ہے۔ ناصر الدین مرگئے وہ خود ستا تھے اور شاعروں نے انکا دماغ خراب کر دیا تھا قدیم طرز کے بادشاہ اپنے نفس کے خدمتگار ہوتے تھے۔ مہارانی طبقہ خواتین میں ہیں سے

ہمیشہ مائل آئینہ ہی اُنھیں پایا
جو دیکھیں ہم نے بھی خود نمائیاں دیکھیں

پس یہ فرمائش کہ سے

جیسی صورت ہو مری ویسی ہی تصویر بھی ہو

یا یہ آرزو کہ شوہر کی نگاہ میں بڑھاپے تک حُسن شباب کی قدر باقی رہے بیجا نہیں۔ دوستو تم نہ بادشاہ ہو نہ مہارانی آخر اچھا بھلا کاغذ لوکار کم ہمت قلم گھسنے والوں کی دور دراز کار ہرزہ گوئی سے کیوں تباہ کرتے ہو۔ اور اپنی آپ

تعریفیں کر کے آخر کون سا فائدہ حاصل کروگے سے

ثنائے خود بخود گفتن نمی زیبد ترا صائب
. . . . کے یا بد

(۵) ظرایف علم حصہ اول و دوم۔ ہمارے شہر کے ایک منش کہ صاحب مذاق اور خوش دل وکیل بابو آوت بہاری لال صاحب نے مبتدیوں کی تعلیم کے لیے دونوں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بابو صاحب اس راز سے واقف ہیں کہ بچے کھیل کھیل کے جو تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ اسقدر راسخ ہوجاتی ہے کہ مدۃ العمر ذہول (فراموشی) سے محفوظ رہتی ہے اسلیے جملہ علوم و فنون کی ابتدا دل آویز طرز سے ہونی چاہیے تاکہ شوق بڑھے اور ذوق پیدا ہو۔ درحقیقت انھوں نے ذہنی ترقی کی صحیح علت دریافت کر لی ہے۔ اُن لوگوں کی حماقت میں کوئی شبہ نہیں جو پیدا ہوتے ہی اپنے دلبند کے لیے پوپ یا دلی کا عہدہ تجویز کر دیتے ہیں اور فطرت کے مقتضیات کی پروا نہیں کرتے۔ وہ بیچارے کیا جانیں کہ ہوشیار معلم بچوں کے ساتھ بچہ بن کے عمدہ خصلتیں اور نیک عادتیں پیدا کر دیتا ہے۔ بدو شعور میں خشک اخلاقی دیا فی وعظ کا روح فرسا نقش اگر بچوں کے دل پر بیٹھ جائے اور وہ مومنا چومنا ہو کے خدا سے محبت پیدا کرنے کے عوض اسکے خوف سے لرزنے لگیں تو یہ اُن اُٹھتی کونپلوں کے حق میں سم قاتل ہے۔ ان کے دل بجھ جائینگے کنول مُرجھا کے سرنگوں ہو جائیگا۔ اور عجب نہیں کہ پھر وہ جس دُنیا کی آبادی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اُسے ویران چھوڑ دیں۔

استدلال کے طریقوں میں سے بچپنے کے مناسب حال صرف تمثیل کا طریقہ ہے جسے باصطلاح منطق "انالوجی" کہتے ہیں۔ انالوجی میں ذہن ایک جزئی سے دوسرے جزئی کی طرف منتقل ہوتا ہے خواہ وہ جزئی حقیقی ہو یا اضافی ظرافت تمثیل کی جان اور کلام کی روح ہے۔ پے در پے متشابہ جزئیات کی طرف انتقال ذہنی کے بغیر ترقی محال ہے۔ بچہ کا ذہن بدون کسی کتابی تعلیم میں سرکھپائے ہوے جزئیات سے کلیات کا حصر کرنے لگتا ہے اور یہی انسانی کمال و تعلیم کا اصلی مقصود ہے کہ ذہن کو استقراء کامل کی مشق ہو جائے استقراء تجربہ اور مشاہدہ پر موقوف ہے۔

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھیے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ ہو

بھیں بھیں میں میں

"دونو کی ضد نے خاک میں ہم کو ملادیا"

ایک تھا جلاہا مگر مفلس تھا۔ مال تال تھا نہیں کارگاہ میں خاک اُڑتی تھی۔ بی بی ہر وقت طعنے کا گھونسا تانے کھڑی رہتی تھی "منہ جھونس سو ساری دُنیا کے مردوں کی کمائی میں برکت ہے۔ اکے کی جورو کو دیکھو سر سے پاؤں تک سونے میں زرد ہے۔ ڈھیکے کی بہو بیٹیوں سفید ہے۔ ایک تم ہو منہ خاک اتنے نہ خاک لیجیے"۔ اتفاق کی بات گاؤں میں آیا سرکس سرکس کا کھلاڑی میاں جلاہے کے سامنے دس گز اونچائی سے سر کے بل زمین پر کودا۔ تماشائیوں نے تالیاں بجائیں امیروں نے انعام دیا تمغے عنایت کیے۔ جلاہے کی جورو نے کہا "بٹیا کے باپ آج جو یہی کام تم بھی کرتے تو کنچن تمھارے یہاں بھی یونہی برستا" بات لگی ہو گئی جلاہے شاہ نے جھٹ لنگوٹ کس لیا۔ جاؤ ہم بھی کودینگے کیا ہم آدمی نہیں ہیں۔ چلو یارو سیر دیکھو۔ اب سے جو کارگاہ میں کھڑا ہوا نکل آئی بستی گاؤں بھر بٹیا کے باپ کا تماشا دیکھنے اکٹھا ہو گیا۔ ڈھول پٹی۔ ہلڑ مچا بٹیا کے باپ اونچی دیوار پر چڑھے۔ خم ٹھونکا۔ ٹھاٹھ دکھائے۔ لنگوٹا کسا ہا ہو دیوار کے آثار پر ٹیک کے جو سر اڑے پر تشریف لائے تو بٹیا کی ماں ہو گئیں بیوہ اور بٹیا ہو گئی یتیم۔ زمین مضبوط تھی سر سے بازی لے گئی۔ مُنڈیا گلے میں اور گلا سینے کی صندوق میں پیوست۔ پہلے تھے آدمی اب ہو گئے کیکڑے (سرطان)۔

دیکھا تم نے؟ جو کوئی دوسروں کے تانے میں آکے اپنی طاقت سے باہر قدم رکھتا ہے اُسکا یہی حشر ہوتا ہے۔ جس وقت تم نے بمبئی میں مُلّاؤں کے خلاف اپنی زبان کھولی اور بی بی کا گھڑا کھولا تھا مولانا اودھ پنچ نے اُسی وقت کہا تھا خدا خیر کرے شاہ آدمی سے کیکڑا بنتے جاتا ہے۔ لچھن بُرے ہیں۔ پھر تمھاری بی بی کی نامہذب تصویریں جب نگوڑے اخباری کاغذوں میں فخر کے ساتھ چھپیں اور یہاں کے موئے امیر پرست خوشامد خورے حرام کے ٹکروں سے پیٹ پالنے والے زرداروں کے غلام بے علم اخبار نویسوں نے جھوٹ کے پل خوشامد کے لام باندھنے شروع کیے کہ "حضور نے شیر مارا۔ دُنیا اُس رواج ترقی کے آثار دیکھ کے انگشت حیرت بدنداں ہے جو ایک وحشی قوم کے بادشاہ سے دفعتہً ظاہر ہوئے۔ دیکھ لیجیے گا افغانستان ایک ہی سال میں جاپان سے بڑھ جائے گا۔ زندہ باد امان اللہ خاں"۔

اسیوقت سے ہندی کا دل دھڑکا کہ ہائے اب شامت آئی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد افواہ اُڑی کہ افغانستان میں حریفوں نے یہ تصویریں تقسیم کیں۔ ملا چراغ پا ہو گئے بےدینی کے نشان پائے جاتے ہیں۔ اعلیحضرت شاہ تہذیب کا کورس پڑھا کے بہت جلد مراجعت فرمائے وطن ہو گئے۔ اُسکے بعد تم وطن کی طرف چلے لیکنے وطن سے پھر گئے۔ سکھوں کے سر سے پگڑی ملاؤں کے منہ سے داڑھی خاتونوں کے چہرے سے نقاب نوچی نوجوان لڑکیوں کی کھیپ علوم و فنون کی تعلیم صحت کا درس اور شہرت نخرے عشقبازی کورٹ شپ کا سبق پڑھنے بھیجی گئی ہے رلیں بن بنی ہیں تار کھینچ رہے ہیں ادھر دیکھو تہذیب اُدھر دیکھو تہذیب اور جبر کے ساتھ تہذیب پھیلانے کی خبریں مشہور ہوئیں جو سچی خبر اُڑی اُسکے بعد یہاں کے افغانی قنصل نے کترے "جھوٹ ہے۔ صبر کرو۔ کوئی ظلم نہیں ہوا۔ سکھوں نے خود ہی ٹوپی پہننے کی درخواست دی۔ پردہ قطعی شخصی جس کا جی چاہے کرے جس کا جی چاہے گھٹ گھٹ کے مرے۔ اعلیحضرت نہایت سادہ مزاج ہیں جمہوریت اُنکے خمیر میں داخل ہے۔ وہ ندی سختی کے ساتھ ٹاپے میں رہنے والے مرغوں کو آزادی کا عادی بنا رہے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدانخواستہ اعلیحضرت احمق ہیں۔ آپ حضرات بازاری دُھر بنگوں کا اعتبار نہ کیجیے۔ جو کچھ لکھیے قلم سنبھال کے لکھیے۔ ہاں ہاں یہ کیا بےوقوفی ہے۔ کجا خشک مُلّا کجا رند کابل؟ مُلّاؤں کی کیا مجال جو یہ نگاہ کج اس بیدار مغز روشن دماغ کی طرف دیکھ سکیں۔ ابھی کچھ اوباش لیڈروں نے سر اٹھایا ہے اُن کے کان مروڑ دیے جائینگے۔ جلال آباد بھی محفوظ ہے اور دریائے کابل کا رُخ بھی نہیں بدلا۔ براہ عنایت قلم کی روش میں اعتدال ملحوظ رکھیے تاکہ بعد کو پشیمانی نہو۔ جلال آباد کابل سے بہت دور ہے وہاں برف نہیں گرتی لہٰذا یہ خبر غلط ہے کہ برف باری کے دوران میں مجاہین نے سرگرمی دکھائی۔۔۔۔۔" آخر وہ تمام خبریں سچ نکلیں۔

آغا جان! وہ لوگ بھی بڑے سرے کے گاؤدی اور پولیٹکل رفتار سے جاہل ہیں جو انگریزوں کو کابلی فتنہ و فساد کا بانی سمجھتے ہیں۔ تمھارے دو پڑوسی ہیں ایک انگریز۔ دوسرے روسی۔ اسوقت انگریز کسی نئے فتنے کے بانی ہونے کی ضرورت نہیں سمجھتے جبکہ خود اُنکی مٹھی میں جو کچھ ہے وہ بھی پھدک رہا ہے۔ چین نے مونچھیں کھڑی سے بڑی کروا دیں ہندوستان میں لاکھ جتن کیے جاتے ہیں کہ کسی طرح بھر بنا لگا رہے مگر لوا سیر کی شکایت مہذب صحبتوں میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہنے دیتی۔ روپیہ کچھ عراق میں پھیلا ہوا ہے کچھ حجاز میں۔ کچھ قرضے میں۔ خود انگلستان میں خونریزی کے خلاف زبردست جتھے جد و جہد کر رہے ہیں۔ لے بھلا ایسی حالت میں سرحد پر شیخ سدو کی کڑاہی کون چڑھا سکتا ہے۔ کابل کی بغاوت سے فائدہ ہرگز انگریزوں کو نہیں پہونچ سکتا ہاں اگر ہو سکتا ہے تو روسیوں کو جنھوں نے چین میں پہلے گروہ بندی کروائی پھر اپنے خیالات کے مخالفوں کو دوسرے گروہ سے قتل کروا دیا۔ غضب خدا کا۔ سات سات ہزار آدمی ایک ایک دن میں ککھڑی کی طرح کٹ گئے۔ اب وہی گروہ ہٹا کٹا ڈنڑ پیل رہا ہے جو روسیوں کا ہوا خواہ ہے گویا اس سے پیشتر روسیوں نے ہندوستان کا ایک سرحدی ملک۔ اپنی گود میں لے لیا۔ اب دوسرا سرحدی مقام (کابل) ٹھیک اُسی مصلحت سے جو چین کے بارے میں تھی تاک رہے ہیں۔ انگریزوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ کابل میں امن و امان قائم رہنے کی دعائیں کرتی نہیں لال کرتی (کوٹ) کے دامن اُٹھا اُٹھا کے اُنکیں کابل کے استقلال پر اب ہندوستان کے امن کی بنیادیں قائم ہیں۔ انگریزوں نے تم سے دب کے صلح نہیں کی تھی تمھاری طاقت ہی کیا ہے جس سے کوئی دبے۔ صلح مصلحت سے تھی۔ اور یہ مصلحت اب بھی باقی ہے۔

ملکہ کی تصویریں اور تمھارے خیالات کا کچا چٹھا کابل میں روسیوں نے شائع کیا۔ اور اب کابل در حقیقت

چین فنڈ کے واسطے تیار ہے۔

آغا جان۔ تم نے یورپ کی سیر کی مگر منطق استقرائی کا سبق نہیں پڑھا جو معلول معلوم سے علت مجہول کو آسانی پہچان لیتے۔

یہ بھی تمھاری ہی غلطی ہے کہ تم نے قوی اور ضعیف افعال میں امتیاز نہ کیا اور میکانکی نظام کا قیاس کیمیائی نظام پر کر بیٹھے۔

اگر تم ایک گنواری کو ہندوستان کے دیہات سے کوٹھی رہنے کیلئے دو تو اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی کہ قالین پر لتھڑے ہوئے تلوؤں کی کیچڑ بستر کا سر میں پیر لڑنے کے تیل کے چکتے۔ آئینوں پر چھپے ہوئے اُپلے۔ روغنی دیواروں پر پیک کے چھینٹے۔ غوریوں میں کھتا جانے کی راکھ۔ گلدانوں میں راب۔ بھیا کی چھچھی پچی ہر کونے میں۔ چھچھی پچی کمانے کے لیے اعلیٰ قسم کی پلیٹیں کام آئیں گی۔

آغا تم دوڑ کے چلے اور پھسل پڑے۔ یوں دل کے بہلانے کو تو کہہ سکتے ہو کہ ہمیں کچھ پروا نہیں کرنا۔ لیکن سلطنت چھوڑنے کے بعد قدر معلوم ہوگی۔ تم نے مصطفےٰ کمال کو اپنا پیر سمجھ لیا اور یہ نہ سمجھے کہ ترک ہیں یورپ کے پڑوسی۔ تم ہو ہندوستان کے پڑوسی۔ آب و ہوا میں بہت فرق ہے۔

تمھارے یہاں کے مُلّا اکثر دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں اور جو نہیں ہیں وہ دیوبندیوں کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ اسکے علاوہ یہ مُلّا افغانی جتھوں پر کامل اقتدار رکھتے ہیں۔ امانا کہ کابل کا پایہ تخت یورپی صحبت سے فیضیاب ہو کے تمھارے خیالات کی نسبت اچھی رائے رکھتا ہے مگر یہ بالشت بھر جگہ جاہل کابل پر کیا قدرت رکھتی ہے؟

تم تو سچ مچ اُس جولاہے کے شاگرد بن بیٹھے جس کا قصہ میں نے اوپر بیان کیا۔ آغا جان تمھیں معلوم نہیں کہ ایشیائی اور یورپی تہذیب میں باپ مارے کا بیر ہے۔ یاد کرو وہ زمانہ جب ایشیا نے یورپ کی پرانی تہذیب کے باپ کو سنکھیا کھلا دی تھی۔

باپ مارے کا بیر ضرب المثل ہے۔ یہ مثل حضرت عیسیٰ کے قبل سے مشہور ہے۔ میں اس کا خلاصہ بیان کیے دیتی ہوں۔

(حیرہ) کا بادشاہ جذیمہ بن مالک بہت دبدبہ والا تھا۔ زمین اسکے خوف سے تھرائی تھی۔ اُس نے ملیح البراد بادشاہ حضر پر چڑھائی کی اور ظفریاب ہوا جب ملیح پابجولاں جذیمہ کے سامنے آیا تو جذیمہ نے دلاتی کھینچ کے ملیح کی گردن دھڑ سے جدا کر دی۔ ملیح کی ایک نہایت حسین اور ہوشیار لڑکی تھی جس کا نام زبا تھا۔ دنیا اسکی ذاتی اور صفاتی خوبیوں پر مرتی تھی۔ یتیم ہونے کے بعد زبا کچھ دنوں شام میں ٹھہری اسکے بعد اُس نے روم سے ساز باز کر لیا (یہی زمانہ حضرت عیسیٰ کی بعثت کا ہے) فوج جمع کی جذیمہ سے لڑ بھڑ کے آبائی ملک چھین لیا اور حکومت کرنے لگی۔ اس نے فرات کے شرقی اور غربی کناروں پر آمنے سامنے دو شہر آباد کیے اور فرات کے نیچے نیچے سرنگ کھود کے ایک پوشیدہ راستہ بنایا۔ جب کبھی دشمن اسے گھیرتے تو وہ اسی اندرونی راہ سے دوسرے شہر میں چلی جاتی اور چند روز کا بھلاوا دے کر غفلت میں دشمنوں کا ستھراؤ کر دیتی۔ زبا کو مرد کے نام سے نفرت تھی مگر اسکے حسن کا شہرہ سن کے میاں جذیمہ کا عشق چرّایا یعنی شامت آئی درباریوں سے عشق کا حال بیان کیا۔ سب نے تو کہا بہت مناسب ہے مگر وزیر قصیر بن سعد کہنے لگا حضور شاید بھول گئے کہ یہ عورت مردوں سے نفرت رکھتی ہے حضور ہی نے اسکے باپ کو قتل کیا ہے۔ خون کا شعلہ کبھی بجھتا نہیں وہ تو چقماق ہے چوٹ پڑی اور چنگاری اُڑا۔ اسے نہ چھیڑیے۔ ہائے میاں عشق بھلا کب نچلے بیٹھتے ہیں آخر پیامی بھیجا گیا۔ ملکہ زبا نے ایلچی کو سامنے بلا کے جواب دیا "زہے قسمت زہے نصیب۔ اسی دن کے انتظار میں تو ہندی نے کسی دوسرے سے دل نہیں لگایا تھا عورت ذات ہوں پہل میری طرف سے مناسب نہ تھی ورنہ میں تو خود بادشاہ کے ہجر میں دن کو تارے گنتی ہوں۔" جذیمہ یہ جواب سن کے پھولوں نہ سمایا۔ خاص خاص مصاحبوں کی برات ساتھ لے کے بیاہنے چلا اور اپنے بھانجے عمرو بن عدی اللخمی کو اپنا قائم مقام کیا۔ (اس شخص نے اکیس بیس برس تک سلطنت کی مشہور ہے کہ اسے بچپن میں جن اُٹھا لے گئے تھے) برات شکار کھیلتی کھاتی پیتی روانہ ہوئی مگر قصیر نے راستے بھر اُونچا نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ سامنے آتی تھی اور تمھوں نے ایک نہ چلنے دی۔ جب زبا کا علاقہ قریب آگیا اور ناظر حضور بیگ کے آنے کی خبر پائی تو فوج پیشوائی کے لیے بھیجا فوج کا ظہار دیکھتے ہی قصیر نے کہا حضور اب بھی خیریت ہے اپنے گھوڑے اُنھوں اپنے پاؤں میں نکلنا ہی نہ مانیے تو آپ عصا گھوڑے کا نام ہے کہ ہائے ہیں اگر جان بچانا چاہتے ہیں تو فوراً واپس جائیے۔ عصا کی گرد کو بھی یہ فوج نہیں پہنچ سکتی۔ حضرت کو عشق کا جن سوار تھا۔ انکار کی گردن ہلا کے چپ ہو رہے۔ قصیر نے کہا دیکھیے اگر یہ فوج سیدھی حضور کے سامنے آئے اور سلام کر تب سمجھ لیجیے کہ دغا کا ارادہ نہیں رکھتی۔ اور اگر ہو سامنے کے داہنے بائیں بکھرے اور حضور کو بیچ میں لے لے تو پھر خیر نہیں ہے اتنے میں زبا کا لشکر آیا اور سامنے دو قطاروں میں تقسیم ہو کے جذیمہ کو گھیر لیا۔ بادشاہ سلامت نے قصیر سے کہا تمھاری رائے صحیح تھی۔ قصیر بولا حضور نے جواب میں بہت دیر کی۔ بادشاہ سلامت یا بدست دگرے دست بدست دگرے سنتے ہی دولہا کی طرح ناطرے نہیں خیروں میں کہ چلے ہوئے دربار پہنچے۔ قصیر موقع پا کے ایک جست میں عصا کی پشت پر چڑھ کے جو اسے دوڑایا ہے تو آہ کے تیر کی طرح نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہوا ہو گیا۔ یہاں حضور معشوقہ کے سامنے باد کے بٹھائے گئے۔ زبا نے لونڈیوں سے کہا دولہا میاں کے واسطے مسند بچھاؤ۔ بوریا بچھایا گیا اور بانہہ کھول کے نبض کی رگ کاٹ دی گئی خون طشت میں بہنے لگا۔ اتفاق سے ایک بوند لہو کی بوریے پر گری۔ دلہن کہنے لگی دولہا دولہا اگرچہ دولہا میاں نے شہر کا خون پانی کی طرح بہایا مگر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے دولہا کا ذرا بھی خون زمین پر گرنے دوں۔" خون بہا اور جذیمہ کے دل کو خالی کر گیا۔ دولہا کو غش آیا اور دولہن کے منہ سے نکلا آہ جلدی ختم ہو گیا دل کی آگ بجھنے نہ پائی جگر ٹھنڈا نہ ہوا۔ باپ مارے کا بیر اور اتنی جلدی ختم؟" حکایت بڑی ہے پھر کبھی کہوں گی۔

آغا تم ہو مغربی تہذیب کے ایشیائی دولہا اگر تمھاری نئی منگیتر نے اپنے باپ کے خون کا عوض تم سے لیا تو کچھ بجا نہیں آتا تمھاری قوم ہے پاگل تم نے غضب کیا جو اسکے سامنے عقل کا نام لیا۔ تمھارے لیے دو ہی سبیل حضرت مدبر ہوا ہی تھیں یا قوم کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے یا خود پاگل ہو جاتے۔

اودھ پنچ لکھنؤ
جلد چہارم
غذائے روحانی
معارف النغمات
یعنی
وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ دریا میں گرہ لگا دی
اور
ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کا غذ پہ لینے کے قواعد سکھاتی ہے
یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے
تا حال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی
مصنف نے
اساتذہ فن کے علم سینہ
کو
علم سفینہ بنایا ہے
یعنی
سیاحت ظریف
یعنی
منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی
کا
منظوم سفرنامۂ عراق
المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ
شرائط ایجنسی
منیجر اودھ پنچ لکھنؤ
تان سین کے عہد سے لیکے زمانۂ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب
اُستاد محمد علی خاں
میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دُھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں اُنسے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اسیطرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جسطرح کہ خود اُستاد تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقت مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا تمام ہندوستان کے اُستادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ
محصول ڈاک بہرحال ذمۂ خریدار۔
المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ ـــ شرط ـــ

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تُکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور کر رہے بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی وسیاسی وادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد وضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اسوجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اُس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو ایک ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا داری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ خُرد ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ مینجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر بنیاز مند مینجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات واطلاعات کے تحت میں مینجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط وکتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی جانب پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ مضامین نمبر ۳
۱۲ جنوری ۱۹۲۹ء

رنگون رنگین

مصلح الاقوام مولانا پنچ- اول سلام بعدہ کلام آپ جانیے ہمارا رنگون تو رنگین ہی کوئی یہاں رہا ہوتا ہے اُسی رنگ میں رنگ جاتا ہے جو یہاں کی آب و ہوا کا مقتضٰی ہے- کشمیر کی تعریف میں عرفی نے مبالغہ سے کام لیا ہے یعنی وہاں بھونا تیتر بال و پر نکال کے پلیٹ پر یوں پھدکنے لگتا ہے جیسے خشک مینڈک کی خاک برسات کے پانی سے- ہم اپنے رنگون کی توصیف میں شاعرانہ مبالغہ سے کام نہیں لیتے جس کا جی چاہے یہاں آکے دیکھ لے بھی جو پیر صد سالہ کو تجدید وضو و غسل کی ضرورت نہو تو ہم نام بدل دیں- تھوڑی دیر کے واسطے جوان ضرور ہو جائے گا- مقوی دواؤں کے اشتہاری حکیم اکثر جھوٹے ہوتے ہیں- انکی مسیحائی نے ایک مردہ بھی کبھی زندہ نہیں کیا- کھل اُٹھ کی معصیت سہو غسل دو- کفن میں پیسٹ بینکو ٹکور دو- پکر وہ کرو- مگر حاصل وہی ڈھاک کے تین پات ہم تیار نہیں ہوتا- چھوئی موئی کی شاخ شہتیر نہیں بنتی- اسکے برعکس ہمارے شہر کا دُریان وہ پھل ہے جس پر حیوان و انسان کی رال ٹپکی پڑتی ہے- طبیبوں کی مشہور مٹیریا میڈیکا (مخزن الادویہ) میں دُریان کے عاشق کا حال لکھا ہے کہ ایک متمول سوداگر جہاز پر کروروں کا مال لاد کے آیا پہلے پہل جو دُریان کی نفیس خوشبو دماغ میں گھسی تو لگا عوعو کرنے اور شیر کی بولی بولنے مگر کچھ دنوں بعد اسکی خوشبو سے مانوس ہو گیا- دراصل عادت کی شروعات مشکل ہوتی ہے- تنبا کو پینے کھانے والے کا ابتدا ہی میں جی متلاتا ہے شراب کا پہلا گھونٹ ہی اُبکائی کا پیش خیمہ ہوتا ہے- اگر کسی دولھا کو ایسی دولھن ملے جسے بواسیر کا مرض ہو تو صرف شب اول ہی گراں گذرے گی اسکے بعد عروس انشاء اللہ سہاگ کی قوت بڑھائے گا بے اسکے چین نہ آئے گا- بعض نفیس مزاج حضرات اُمت حضرت لوط علیہ السلام کی طرح مردانہ عشق رکھتے اور اپنے والد محترم یہ بدنام مرید ہی کا عیب دھرتے ہیں کہ اُن مرحوم نے عورت کی جانب التفات فرما کے ہمت مردانہ کی توہین کی اُن کا بھی یہی حال ہے- خیر آمدم برسر قصہ تاجر صاحب دُریان سے اس درجہ مانوس ہوئے کہ ساری لیئی پونجی یہاں تک کہ دُریان کھا گئے یہاں تک کہ جہاز بھی دُریان فروشی کے نذر ہوا- بعدہ قرض دام سے یہ فرض ادا ہوتا رہا- پھر نوبت باینجا رسید کہ لنگوٹی باندھی دُریان کے درخت کے نیچے دھونی رما کے بیٹھ گئے اور بوقت رحلت وصیت فرمائی کہ دفن بھی اسی پیڑ کے نیچے ہو (خدا رحمت کرے)

سچ ہے- ابو المحجن ثقفی رضی اللہ عنہ شاعر تھے اُنھوں نے لطفاً فرمایا تھا ؎

اذا مِتُّ فادفنّي الی جنب کرمۃ
تروّی عظامی بعد موتی عروقھا
ولا تدفننّی بالفلاۃ فاننی
اخاف اذا ما مِتُّ ان لا اذوقھا

(دیکھو مروں تو انگور کی تاک میں دفن کر دینا تاکہ ہڈیاں یہ پاک رس چوستی رہیں- ایسا نہو کہ چٹیل میدان میں دفن کر دو اور بندہ اسکے ذائقہ سے محروم ہو جائے) مگر عاشق دُریان نے شاعرانہ خیال کو عمل کر دکھایا- ہے کوئی شہر یا ملک یا اقلیم جو ہمارے ملک کا مقابلہ کرے؟ کھجور انار انگور سیب بہی اور آم کی مجال نہیں کہ اسطرح کا ایک عاشق بھی دکھا سکیں جس نے اُنپر جان دی ہو-

ایں سعادت بزور بازو نیست
بہ نہ دُریان آم و آلو نیست

آب و ہوا کا قدرۃً نشاط انگیز ہونا کسی کے بس کی بات نہیں چنانچہ راوی رنگین بیاں ایک خزاں رسیدہ باغ تصوف میں نئے سر سے ہوائے رنگون و برہا بہار آنے کا واقعہ یوں رقم فرماتا ہے کہ جب دُنیا سے حضرت شیخ نے رخت سفر باندھنے کی تیاری کی اور چل چلاؤ کے اہتمام میں تکیۂ رنگون و راس سنجان سے قُل غپاڑے چل پڑیں ہنگامے کی صدائیں مثل وحی شیطانی پردۂ گوش چاک کرتی ہوئی گنبد دماغ میں گونجیں تو پیر مرید بیمار آنکھیں عصائے نگاہ ٹیکتا اُٹھا اور سیدھا کسار دریا ایک بزرگ کا استقبال کرنے پہونچ گیا- اللہ اللہ ؎

صبا از دم گشتہ خم زلف بلند تو
ثریا از تطاول شکیں کمند تو

وہ دہاں سُرخ و رخ زرد مرجھائے ہوئے کابلی سیب کو شرمائے دگیسوؤں کے کوڑیالے جب لہراتے تو مریدوں کے دل گنڈے دار بنا تے روز و شب کا تماشا آن واحد میں دکھاتے نور ایمان و ظلمت کفر کی تھوڑی بھنکا تے وہ قد کشیدہ جب بیدکی طرح لچکتا تو معتقد کا دل کبھی چکپتا کبھی اُچکتا-

مولانا پنچ- آپ کے نامہ نگار کو نہ قبروں سے عداوت ہے نہ مسلم کچی قبروں سے اُنس- نہ متصوفین و احناف کے عقائد سے دشمنی ہے نہ قبہ شکنوں سے ہمدردی- ان سب کو اختیار ہے کہ چاہیں توقبے اور منارے گرائیں اور نہ چاہیں تو بلند منارے اونچی قبریں بنائیں اور ستونے گول نگین بنا کے قبے کھڑے کر دیں یہ تو ہر مذہبی آدمیوں کی دلچسپی کی باتیں ؎

اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں
ہفتاد و دو طریق حسد کے عدد سے ہیں

البتہ بحیثیت مصلح قوم ایں جانب کو یہ ضرور ناگوار ہوا کہ جو لوگ دُنیا سے بیزاری کا دعوٰی کرتے ہیں اُن پر بھی ہمارے رنگون کی رنگینی اثر کیے بغیر نہ رہی- غضب خدا کا حضرت کا یہ خرقہ سالوسی دیکھیے اور بائسکوپ کے معائنہ پر نظر کیجیے- کلب گھروں میں صحبت گرمانے کا خیال فرمایئے- جس طرح رنگون کے باغیچے مشہور ہیں (دیکھو ہمارا مضمون مورخہ ۱۶ جون ۱۹۲۸ء) اسیطرح رنگین مزاجوں کے کلب بھی ہیں- یہ کلب سورتی میمن مغل پٹھان نوجوان خواجہ بانوں نے تفریح طبع و بیماری ہوس حاصل کرنے کے لیے کھول رکھے ہیں- ان میں تاش کھیلے جاتے ہیں (پھر خواجہ تاش پر اعتراض کیوں ہے؟ ۱۲ پنچ) شراب کا دور چلتا ہے (صحو و محو و سکر کی حالت کیونکر پیدا ہو؟ ۱۲ پنچ) ناچ ہوتا ہے داہل رقص فرماتے ہیں معاذ اللہ خدا فرما تا ہی رقص یا میرے لیے ناچو ۱۲ پنچ) تو الی بھی ہوتی ہے مجرے بھی

ہوتے ہیں دلا تقیے فرقہ جان بوجھ کے ایسے افعال کرتا ہی نہیں ہے دنیا بھر اسے بہ نفرت دیکھے افسوس آپ ابھی رموز عاشقی سے ناواقف ہیں (پنچ) آخر کونسا گناہ ایسا نہیں جو ان کلبوں میں نہ ہوتا ہو گناہ؟ ارے تو یہ جو باتیں بڑے لوگوں سے سرزد ہوں وہ گناہ میں گنی نہیں جا سکتیں "(پنچ)

راوی کہتا ہے کہ ایک ایسے ہی کلب میں مریدین خاص و معتقدین با اختصاص نے اپنے روشن ضمیر کی ضیافت کی (کیا آپ چاہتے تھے کہ مسجد میں ضیافت ہوتی؟ ۱۲ پنچ) اور بہ مزید علامت تشکر و امتنان مبلغ ایک عدد رنڈی بھی ہوائی جیسے رنڈی کا اطلاق کوئی مصور فطرت بمشکل کرسکتا ہے۔ اجی اسے رنڈی کا ہے کو رنڈی کی ہجو کہئے۔ وہی لازم تھا پیر فنا سے شباب میں تھا کا جلوہ دیکھنا ہے "(پنچ) کسمپت افریقہ کی لنگور نی یا حاتم طائی کی جورو یا دادہ خرس یا میاں تحسین خواجہ سرا کی حقیقی اور صلبی لڑکی۔ یا بہ سور عود بلاوہ پن چھپکلی چمگادڑ مینڈک کا کمسچر۔ مگر حضرت ہم تو اس شمع محفل کی قوت مستورہ کے قائل ہوگئے کیا معنی کہ جیسے ہی بی صاحبہ نے چھٹی سلیپر کا سا منہ کھول کے آواز سارنگی کی ٹھمری ویسے ہی ایک بوٹ آ آ آ کا حکم سن کے جھپ سے منہ میں گھس گیا۔ رات تری ایسی تیسی منع کرتے تھے مُردار کو پیر سے بدگمان نہ ہو دل صاف کرکے گا۔ نہ مانا چڑیل نے اب آکہ بیہودہ بڈھے کا وصال و اتصال علق کے سوراخ سے ہوگیا تو کمبخت، تھو تھو۔ آخ تھو۔ خا خا اخا خا کرتی ہے۔ ابھی کیا ہے جو ساری محفل رو نہیں گئے کہ ظلمات میں تبلاش آب حیوۃ گھس نہ جائے تو سہی۔ بیسوا کس کس کو تھوکے گی؟ جلدی سے تعقیر بخشوا دیکھ حضورِ والا پر وجد کی حالت طاری ہے دربار فرعون کے ساحروں کی

رسیاں حضور کے چہرے پر بلا گرداں ہیں اور عصائے موسیٰ کا جواب یعنی کھانا (تُرنظا اگرچہ خاموش ہے لیکن حضور تو جھوم رہے ہیں جو صورت فطری نبارزنا نسوکمری (مگر با صطلاح تصوف کرامات کا بالاارادہ ظاہر ہونا) اژدہے کی شکل اختیار کرلی تو بھاگتے راستہ نہ ملے گا یہاں تو ہم سا کا پل بھی نہیں ہے۔

بارے خیر گزری کہ بڈھے کی دراختت بھاکے ٹڈی کا گانا ہمارے حضور نے پسند فرمایا اور دست خاص

قیامت ہوگئی ہے یا جونہی تم نے نقاب الٹا

اے خانم! بادشاہی شوہرت باین یک پارچہ جامہ بستہ بود۔
شنیدی؟

سے مقدس تمغا بھی دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ تمغا پہلے ہی سے بنوا لیا تھا مگر خوش عقیدہ حضرات ناقل ہیں کہ سو پاتری کے کھا طرحکت بجایا تھا۔ سچ ہے پیروں کی بارگاہ میں کمی کس بات کی؟ بڈھے کی تماشبینی یا اُسکی خارسوار ٹانگوں سے ضرور گلے میں گنگری کے کھنانے پڑ گئے ہوں گے لہذا اجرت کافی مل گئی کچھ پروا نہیں اگر بڈھے نے غنے گلو میں تمغہ لگا کے مزا کیا۔

بندہ مضمون نگار نے سینیم ریا پانچ پیروں کی درگاہ

مقام رنگیں پہ موزوں رنگیں ہوا ہوا) میں جانکہ حضور کا نام ایک مجاور سے پوچھا تو وہ منہ بگاڑ کے صاحب پہ آ بیٹھا ... ہم لوگ ... سیادت صاحب بازار سے آئے تو پوچھئے گا۔

"ہم مجاور لوگ جگر کی بات نہیں جانتا وہ پیران پیر کا دیا ہوا والا ہے۔ درگاہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا "وہ جو بہلا قبر ادھر ہے پیر صاحب انکا لڑکی او وھر تھا۔ وہ خواب میں بتایا کہ ہم ادھر گڑا ہوا ہے اسکے الگ ادھر میں درگاہ بنایا" جناب مجاور صاحب کے کلمات کیا سمجھ میں آتے۔

ان دنوں درگاہ شریف میں عرس تھا پیر تماں زنا خواستہ و ناخواندہ بھلا کیوں نہ شریک ہوتے۔

آپ جانیے ہمارا شہر تو ہے رنگین جب شب ہائے عید شب ہائے رمضان شب قدر شب برات شب معراج گیارھویں شریف بلکہ تمام متبرک اوقات یہ لوگ بائسکوپ تھیٹر ناچ گانے شراب کباب رنڈی بازی سے دل بہلاتے ہیں تو بھلا عرس میں کیوں ثواب آخرت جمع کرنے کا سامان مہیا نہ فرماتے۔

اے اللہ اگر لہو و لعب ہی عبادت ہے تو پھر تو نے خواہ مخواہ پانچ وقت ٹکریں لگانے اور اٹھا بیٹھی کرنے کا حکم کیوں دیا۔ ان خدائی خواروں کی طرف سے بول "بڈھے کو جاؤ گاؤ تا چوہڑا کرو" ورنہ ہم لوگ قیامت کے دن ضرور عذر کریں گے "مزے کریں یہ اور پوچھ گچھ ہو ہم سے! کیوں روزہ چھوڑا کیوں نماز بھولے۔ اپنے نیدول سے دل لگی؟

دانا بینا

تحائفِ سالِ نو

نمبر ۳

(۶) دکن پنچ:۔

حکیم جگناتھ پرشاد صاحب وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد دکن اس ظریف معاصر کے ایڈیٹر ہیں۔ پرچہ ایسے مقام سے نکلا ہے جہاں قلم صرف حاکم وقت اور اُسکے مُنہ چڑھے کارندوں کی ثنا و مدح کا فرض ادا کر سکتا ہے باقی فرائض احاطۂ سرکار نظام سے باہر نکل کے ادا ہو سکتے ہیں۔ دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر؟

لہذا ہمیں شبہ کیسا یقین ہے کہ دکن پنچ کی ظرافت ملکی اور اخلاقی اصلاح میں اُسی وقت تک بکار آمد ہوگی جس وقت تک اس نکتہ کے زد میں کوئی خداوند نعمت نہ آنے ہوں۔ خداوند نعمت کے اطوار و عادات پر نکتہ چینی؟ استغفراللہ ؎

قلم در کفِ سیاہی ریزہ کاغذ سوز و دم درکش

سنکو ہی یا تہہ کے باہر نکل جا تو قلندر روش

دکن کی ریاست پر موقوف نہیں تمام ہندوستان کی ریاستیں خدا کے فضل سے آئینہ ہیں مگر یہ آئینہ دنیا بھر کے آئینوں سے نرالا ہے۔ آئینہ حسن و قبح منہ پر صاف صاف بیان کر دیتا ہے۔ یہ آئینے صرف خود بینی و خود ستائی سکھاتے ہیں اور بُرائی ظاہر کرنے یا سچ کہنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ انتظام کی خرابی کا اظہار در پردہ منتظم کی غفلت کا اشتعار ہے۔ غافل رئیس یا حاکم ایسی نکتہ چینی سے ضرور چڑھے گا لیس جاگنا اور جگانے والے پر چوٹ کرنا بنی بنائی بات ہے۔ اسکے علاوہ اگر معترض علیہ حاکم صاحب برٹش بل بوتے پر کسی ریاست میں دخیل ہوئے ہیں تو انکے خلاف مُنہ کھولنا اور زیادہ موجب قباحت ہوگا حاکم تو درکنار خود اپنے ہی خداوند نعمت حکمنامہ بھیجدینگے کہ مطبع بند کرو اور خبردار دو سال تک قلمرو اینجانب میں قدم نہ رکھنا۔

حکیم صاحب نے پرچہ نکالا تو ہم خوش ہمارا خدا خوش مگر انھیں ایک ظریف ناصح کے فرائض منصبی سے واقف رہنا چاہیے۔ پرچہ اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ نکلا ہے۔ نارنجی سرورق ہے۔ شعر و سخن کے عنوان سے جو مسدس صفحہ دوم پر ہے وہ عروض کے قیود سے آزاد ہے شعر و سخن کا شغل ہے تو عروض کی مہارت بھی ضروری ہے۔ ورنہ بے تالی گھاگی اس ظرافت پر زہرخند کرے گی۔ پردہ کے متعلق مہاراجہ کشن پرشاد کا مضمون خاصا ہے اُن کا یہ اعتراض بالکل صحیح ہے کہ قدرت نے جنس ذکور و جنس اناث کے فرائض تقسیم کرنے کے بعد دونوں کو خلق کیا ہے۔ مردانی عورتیں اور زنانے مرد اس قاعدہ مستمرہ کی مخالفت کر کے اصلی خوشی سے ضرور محروم رہیں گے۔ قدرت کا منشا کبھی پورا نہ ہوگا۔ تہذیب جسقدر قدرتی حکمت سے دور ہوتا جاتا ہے اُتنا ہی رد بہر ہو رہا ہے۔ یہ مضمون اکبر مرحوم کی نظموں کے الحاق سے کسقدر ظریف ہو گیا۔ خود مضمون میں بہت سے گوشے ہیں جن میں ظرافت اپنی ذہانت کے جوہر دکھا سکتی تھی مگر سرکشن پرشاد کے لیے خود ریاست کی دل لگیاں بہت ہیں۔

کابل میں نئی روشنی یا تہذیب کا اندھیر

بہرحال میاں دکن پنچ اگر نکلے ہی تو زندہ رہیں ایک ہمدرد ہی دعا دے سکتا ہے

(۷) بقائے دوام:۔

چھوٹی سی خوبصورت کتاب ہے۔ ایم اسلم صاحب اسکے مصنف ہیں۔ اسکی قیمت ایک روپیہ ہے نسیم بک ڈپو بازار بارود خانہ لاہور سے مل سکتی ہے۔ موضوع بحث نرالا نہیں۔ روزمرہ کی بات ہے یعنی روح کا موت کے بعد باقی رہنا۔ جن لوگوں کو کسی مذہب سے تعلق ہے وہ مرگ ظاہری کے بعد ایک دوسری زندگانی کے قائل ہیں۔ ہمیں کسی مرنے والے سے بیداری میں ملاقات کرنے کا اتفاق نہیں ہوا جو پوچھتے کہو میاں کیا حال ہے؟ ہاں خواب میں اُنکی صورتیں دیکھی ہیں خواب کی آنکھ اور بیداری کی آنکھ میں فرق ہے۔ نوم خود مرگ کی حقیقی بہن ہے اسلیے کہہ سکتے ہیں کہ جب ہم خواب کے بعد بیدار ہوں گے اور اُنھیں کے سے ہو جائینگے جن کے بارے میں شاعر بحسرت کہتا ہے ؎

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں

اب دیکھنے کو جنکے آنکھیں ترستیاں ہیں

تو پھر ہم بھی اُس عالم سے واقف ہو جائینگے جس پر یہاں سے جانے لوگ رہتے ہیں اور اُسوقت شاید کیفیت کا تفصیلی علم نہیں تو اجمالی علم ضرور ہو جائے گا۔ بالفعل ہمارا ارادہ نہیں ہے۔ ہاں عزرائیل زبردستی پکڑ لیجائیں تو دوسری بات ہے۔ اودھ پنچ میں متعدد مضامین اس مبحث پر شائع ہو چکے ہیں مگر یہ سب ماخوذ ہیں اُن حکمائے باطن و ظاہر کے اقوال سے جن کی راست گوئی کا یقین ہے۔ اپنی دیکھی باتیں نہیں ہیں۔ ان حضرات کے استدلال نہایت مبہم ہیں۔ یہ پہیلیاں بوجھواتے ہیں مگر انکی پہیلیوں میں اور یورپ والوں کی پہیلیوں میں فرق ہے۔ اور وہی فرق ہے جو معجزے اور شعبدے میں ہے۔ اسلم صاحب نے خدا جانے کیوں معجزات سے قطع تعلق فرما کے شعبدات سے رشتہ جوڑا پوری کتاب شو لمان آرنلڈ، بیکن، ہملیٹ، مونگ" اور ایسے ہی اشخاص کے اُنکر لیس ہے سمجھے کیا سی گیوں سے مرکب ہے۔ یا ہپناٹزم کے یا دیگروں کی قلابازیوں سے جو مرکے مرگئے مگر پھر بھی کچھ نہ سمجھ سکے۔ شرع کہتی ہے

انگلستان
خود غرضی
غازی

ہندوستان
دھاندلی
اُجلا تعصب

M.B.K

نغمۂ صبحگاہی

مغنی :۔ الیو برج کے کیا تم ہی ہو اجارے دار ؟

ہم خیال
انگلستانی ۔ خود غرضی :۔ آن ۔ آں ۔ سگاؤ للا تم بار بار ۔ الیو بر ج کے کیا تم ہی ہو اجار ے ..... آں ؟
غازی :۔ موری اکمیا کے کرد نیو تار مار ۔
تعصب :۔ ہیج سبھا پت لینو بار بار ۔ گالی میں دیہوں ہجار ہجار ۔
دھاندلی ۔ تم ایک ایک ہم چار چار ۔ الیو برج کے کیا تم ہی ہو اجار دار

(بالفعل بھی راگ ہے)

دیکھا ہے کہ اہتمام اور انتظام کی طرف سے غفلت ہوئی تو وہ چیز بھی باقی نہ رہی۔ عورتوں کے سر اور مردوں کی داڑھی منڈوانے سے عقائد میں بل نہیں پڑتا مگر یہ ایک بد وضعی ضرور ہے سو کچھ بُرا نہ مانتا یورپ سے ظاہری بد وضع اور تم ہو باطنی بد وضع۔ یورپ والوں کی باطنی وضعداری یہ ہے کہ بالوں کپڑوں اور ظاہری چیزوں میں وہ وضعداری کا پاس نہیں کرتے۔ تمہاری یعنی ایشیا والوں کی باطنی بد وضعی یہ ہے کہ تم اپنے وطن کی محبت سے خالی ہو اور وہی طور طریق اختیار کرتے ہو جس سے وطن کی نفرت ٹپک رہی ہو۔ کسی تراش خراش کے موجد ہونے کی حیثیت سے قابل اعتراض نہیں تم وضع اور فیشن کے ساتھ اپنا ضمیر بدل ڈالنے کی کوشش کرتے ہو اسلیے مجرم ہو۔

خیر مجھے اس سے کیا آپ کٹے بکھوڑی داڑھیوں میں مسلمانوں نے خون کے دریا بہائے اور ہمیشہ کا ٹیڑے اُس چونڈے (سر) میں جس نے میٹھے سُجھائے اندھیر برپا کردیا۔ مفسد، لیٹش، ریا، خونخوار، خونریز اور کیسہ تراش، وضع وطن فراموش فیشن پر قوم کو فدا کرنے والے دونوں پھانسی کے قابل ہیں۔ جو لوگ تمہاری مدح سرائی کرتے ہیں کہ تم جمہوریت پسند ہو وہ بھی مدح منطق نہیں جانتے۔ لے بھلا جو کوئی آتے ہی کورے استرے سے سر مونڈے اور بزرگوں کی داڑھی پر چوٹ کرے وہ انسان ہی کب ہے جو اُسے کوئی جمہور کا مصلح سمجھے۔ وضع اور فیشن بدلنے اور اختیار کرنے میں خلقت مختار ہے۔ یہ جبر کیسا؟ مجھے دیکھو نواب نے دو سو وقعہ خوشامد کی کہ آجکل باڈی اور ساری کا رواج ہے۔ خدا کے لیے بیگم تم بھی پہنو واللہ جو تم باڈی پہننے پر راضی ہو تو ابھی اعلےٰ درجہ کی گرنٹ لاؤں اور اپنے سامنے کارچوب بنوا کے تمہیں پہناؤں۔ اور بنارس تو میں جا ہی رہا ہوں ایسی عمدہ ساری لاؤں کہ شہر میں کسی کے پاس نہ نکلے۔ میں نے کہا نواب جسکی وضع ایک اُسکا باپ ایک۔ جیتے جی کون کفن میں لپٹے۔ آغا تم سے تو میں بڑھیا اچھی کہ اپنی وضع کا پاس تو ہے۔

چلتے وقت ایک نصیحت اور سن لو۔ ہندوستان میں کچھ لوگ غل مچاتے اور برطانیہ کی حکومت پر آنکھیں نکالتے ہیں کہ خبردار بہشتی بچے کا ساتھ نہ دینا ورنہ ہم بگڑ جائیں گے۔ اس ہنگامے کی پروا بھلا ہلدی کھیلی کھائی ہوشیار چالاک سیانی سرکار تو کیا کرے گی مگر تم نو کار نوآموز شاید اپنی جگہ یہ خیال کرو کہ یہ چیخنے چلانے والے کوئی جان رکھتے ہیں تو آغا یہ بجیر بیٹ ہے۔ جب تم کابلیوں کے ہم قوم ہم وطن اور حاکم ہونے کے بعد سقو بچّے کا بال بیکا نہ کر سکے تو یہ بیچارے پڑے اپنی ضمانت سے کیا نفع پہونچا سکتے ہیں ان کے واسطے تمہارے طفیل میں سیڈ ہٹنے کابلیوں سے راہ و رسم بڑھانے اور پیٹ پالنے کا نیا ذریعہ نکل آیا ہے۔

برطانوی حکومت اپنا نفع نقصان اُلٹ جانے والوں سے زیادہ سمجھتی ہے۔ اور یہ الٹ جانے والے بھی آج تمہاری حمایت میں غل مچاتے ہیں کل انھیں میاں بہشتی بچے کو خلیفۃ المسلمین کا خطاب دے کے اُسکی مدح خوانی کرینگے شرط یہ ہے کہ وہ کابل پر اچھی طرح قابو پا جائے۔ انھیں سجدہ کرنے لیے ہمیشہ ایک قوت یا زور رکھنے والے کی تلاش رہتی ہے۔ بہشتی بچہ ابھی تمہارے پیے ہوئے سگاروں کی بو شاہی ایوان سے نکال رہا ہے اس کام سے فراغت پانے کے بعد اُسکی سخاوت کے آگے آمین کہنے والے پاک ذات شہدوں کی طرف پیٹا کھائے گی وقت آنے دو سقاو الملۃ والدین مجاہد غازی (ترھانی) محی الاسلام کہف الاخلاص والتوحید اعلیحضرت امیر المومنین ہز مجسٹی حبیب اللہ خاں کہتے اُنھیں زبانوں کو سُن لینا جو اُسے بچہ سقو کہتے ہیں۔ آج اُنھوں نے تمہارے ہمراہی میں کابلی مسلمانوں پر جہاد کرنے کے لیے کمر کسی ہے کیا خوب!

"ترکش میں دو تیر نہیں۔ خان بہادر آتے ہیں"
کل یہی کہیں گے کہ یہ خونریزی ہے۔ تخت کابل پدری میراث نہیں۔ الملک للہ والارض للہ یورثہا من یشاء۔ خدا رکھے غازی حبیب اللہ کو بس معاذ اللہ رسول اللہ کی ساری خصلتیں اُس میں موجود ہیں ؎

خدا شرے برانگیزد کہ در وے خیر ما باشد

سردار امان اللہ نیک تقدیر ہیں گر سفیہ ہیں۔ خدا حافظ آغا جان شما را بخدا می سپارم خدا یت از دست بچہ سقو نگاہ دارد۔

منظوم آسا جیلم

مولانا چونچ کی نوٹ بک

غلام اور بچہ سقو

آج میاں بہشتی کی حکومت جو افغانستان میں ہوگئی تو اہل قلم متعجب ہیں مگر تاریخ بتاتی ہے کہ حکومت کوئی ماں کے پیٹ سے لے کے پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کی عجیب و غریب مساوات پسندی اس قسم کے واقعات بارہا پیش کر چکی ہے صرف ایک عہد کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے یہ خلیفہ عبد الملک بن مروان کا عہد ہے۔ اسکے زمانے میں مکہ کا گورنر عطا ابن ابی رباح تھا (غلام) یمن کا گورنر طاؤس ابن کیسان تھا (غلام) مصر کا گورنر یزید ابن ابی حبیب تھا (غلام) شام کا گورنر مکحول دمشقی تھا (غلام) الجزیرہ کا گورنر میمون بن مہران تھا (غلام) خراسان کا گورنر ضحاک ابن مزاحم تھا (غلام) بصرہ کا گورنر حسن بن ابی الحسن تھا (غلام) صرف کوفہ میں ابراہیم نخعی حاکم اعلےٰ تھے جو ایک قبیلہ کے سردار تھے۔ باقی جس صوبہ میں دیکھیے ایک غلام ڈٹا ہوا ہے۔ میاں بہشتا کسی کے غلام نہیں صاحب عزت و قوت شجاعت خود ساختہ مرد میدان ہیں بیشک دریدہ دہنوں نے "بہشتا پانی" کہتے اور شور الغسمانے اورنگ شاہی پر جلوہ گر ہوئے تو آخر اسمیں کیا کراہت ہے۔ مسلمان کیوں جھینپتے ہیں ؎

ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند

میاں بہشتا کے کندھے پر مشک کے گھٹا اگر پڑا ہوا ہے تو کیا انھیں لالہ گنگو کہار کی طرح گھٹے کی ترقی کا اصلی سبب بیان کرنا نہیں آتا۔

نقل ہے کہ لالہ گنگو تھے کہار دریائے کرم وجود الٰہی جب جوش میں آتا ہے تو کہار اور بہشتی نہیں دیکھتا کسی وجہ سے لالہ گنگو صاحب ثروت ہوگئے مگر کندھے پر بہنگی اور ڈولی اُٹھانے کے نشان موجود تھے تموّل کا تیزاب ان گھٹوں کو مٹا نہ سکا۔ پہلے خود کہار تھے اللہ نے راجہ مہاراجہ کردیا صدہا کہار اشنان کروانے کی خدمت پر معین ہوگئے۔ یہ اشنان کر رہے تھے اور خدمتی کہار گھٹوں کی سنویت اور اپنے کندھوں کے نشانوں کی مشابہت پر غور کر رہا تھا۔

گنگو: "ارے کا نہارت ہے" دکیا دیکھتا ہے؟"

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجّہ شرط ہے

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تُکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روُ رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرطِ تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اسوجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے مُلک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اُس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپ کے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہٰذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرا لیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا اداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہٰذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۴
مضامین
۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء

شکوۂ فقیرانہ

من چیتن اور خیالی پلاؤ کی حکایت بہت مشہور ہے کہتے ہیں کہ لالہ دھرم سوارل ٹٹو پر سوار ہو کے چلے اپنے علاقہ پر۔ ملازم ہمراہ تھا۔ اثنائے سفر میں لالہ نے کنوئیں کی جگت پر دوپہر کو بسیرا لیا۔ گھٹلے گو جیسے پوریاں لڈو کی پوٹلی کھولی پیٹ بھرنے بیٹھ گئے جب سفرہ معمول ہونے کا وقت آیا یعنی پیٹ بھرا تو مروت کی سوجھی "مروت سے دور ہے کہ خود کھاؤ اور نفر بھوکا رہے" آپ جانیے "خانۂ مروت خراب" مگر کچھ نہ دینے کا افسوس جان کا عذاب ہوا پھر تو خیر۔ خالی سفورہ دینے میں بھی بخل کرتے تو صاحبانِ مروت میں بروئے زیبا کی نمائش فقرہ سخت ہو جاتی فرمانے لگے:۔

"ارے ریجھرنا تو ہوں من چیتن کئے لے" (رامچرن تم بھی دل ہی دل میں چبینا چبالو) رامچرن آدمی زیرک اور منطقی تھے کہنے لگے کہ "لالہ ہم کا من چیتن کرنے کا ہوئی تو پلاؤ نہ کھاب سوکھے گلگلے اور چبینا کون گنتی ماں ہے"

ہمارے راجہ صاحب سلیم پور کو تقریب کتخدائی دختر مہمانوں کے سفرۂ طعام پر ہم نہ یاد آئے مگر سفرہ معمول ہونے کے وقت طعام کے بعد کلام کا تنقل درکار ہوا تو کہنے لگے "ہے جریف بھائی تم ہوں من چیتن کئے لیو" خداوند نعمت! خدا گھر میں ہمیشہ شادی کا ہنگام رکھے مبارک ہو لیکن

تم جاؤ تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

پوچھا بھی تو ایسے وقت میں جو دل بخیل سے زیادہ تنگ ہے۔ ایک دن میں قصیدہ بھلا کیا ہو سکتا؟ معذرت نامہ حاضر ہے اگرچہ خیالی پلاؤ سے شکم سیر نہیں ہوتا پانی میں ڈیل کا سایہ پڑنے سے پنڈا ٹھنڈا نہیں ہوتا پھر بھی تو اچھا کہنے والے کسی قدر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس معذرت کو خیالی پلاؤ سمجھیے اور اگر نمک تلخ ہو تو ہرگز منھ نہ بنائیے۔ نیاز مند بہرنہج نیاز مند ہے لقمۂ لذیذ سمجھ کے چکھ بڑھایا ہے۔ واللہ آپ کچھ اور خیال نہ فرمائیے۔

ملاحظہ ہو

کوئی شین ابھی تک نہیں ہوئی ایجاد — قصیدہ ڈھل کے نکل آئے جس سے بے تاخیر
اسے صلائے سمرقند ہم نہ کیوں سمجھیں — نہ شکوہ سنج ہو کہ نکر دل وفا تخمیر
غریب خانہ تک آ کر کبھی تو عزت دی — کبھی ادائے تغافل سے کی گئی تحقیر
ہم اپنے آئینۂ دل میں رکھیں گے محفوظ — اب ایک خلق مجسم کی دورخی تصویر
ہمارے آپ کے ملت کی کون سی صورت — کہ آپ راجہ ہمارا جہ ہم غریب فقیر
ہوئے جو موقع شادی پہ ہم نظر انداز — یہی سبب تھا کہ سمجھے ہیں حضور حقیر
نہ ہم سے نیوتے کی امید تھی نہ زینت کی — نہ ہم تعلقہ دار اور نہ صاحب جاگیر
نہ جج نہ ڈپٹی کلکٹر نہ کوئی بیرسٹر — نہ ایڈوکیٹ نہ مختار ہم نہ کوئی مشیر
ریفارمر ہیں نہ ہم قوم کے کوئی لیڈر — نہ یہ امید گورنر کے ہم بنیں گے وزیر
نہ کنڈامی ڈیٹ نہ ووٹر نہ ہم کوئی ورکر — نہ ہم کو یاد الکشن کے جنگ کی تدبیر
علامۃ العلما اور نہ حجتہ البرکات — نہ مجتہد ہیں نہ ملا نہ ہم مرید نہ پیر
نہ حاذق الحکما اور نہ ہم سول سرجن — نہ کوئی عامل کامل نہ صاحب اکسیر
نہ کانگرس سے ہے مطلب نہ لیگ میں شامل — نہ صدرین کے کمیٹی میں کی کبھی تقریر
نہ کونسلوں کے ایم ال سی نہ سی آئی ای — کہ جن پہ ختم ہے دنیا کی عزت و توقیر
نہ ہم ہیں خان بہادر کہ احترام ہو فرض — نہ ہم پہ ٹوٹی ہے لندن کے عرش سے شمشیر
ہم ایسے گوشہ نشینوں سے آپ کو مطلب — انھیں بلائیے شہرت ہو جن کی عالمگیر
انھیں کو بھیجیے دعوت قصیدہ خوانی میں — جو لوگ صاحب دولت ہوں یا امیر کبیر
ہم اپنی کملی میں خوش ہیں ہیں سب نیا — وہ صحبتیں کہ جہاں ہو دو شالہ کشمیر
پلاؤ کے نہیں بھوکے ہیں آپ بھی وہ سادات — کہ جنکے جد کی خورش تھی ہمیشہ نان شعیر
حضور تو علوی ہیں یہ جانتے ہوں گے — کہ تھا غریبوں سے کیا سلوک جناب امیر

ظریف تلخ نوا کا قصور کیجیے معاف
اگر خلاف طبیعت ہو فلسفی تحریر

"دار الادب لکھنؤ کی انجمن معین الادب کا دسواں سالانہ مشاعرہ"

تاریخ ۹ فروری ۱۹۲۹ء وقت آغاز ٹھیک ۹ بجے شب مقام۔ فضل محل سلطان منزل وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ قبل مشاعرہ نثر اردو پر عالیجناب حکیم ابو العلا سید سعید احمد صاحب ناطق لکھنوی اور انکے بعد عالیجناب شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب مدظلہ العالی علم ادب کے متعلق تقریر فرمائیں گے۔ مشاعرہ میں لکھنؤ۔ دہلی۔ الہ آباد۔ شاہجہاں پور۔ مراد آباد۔ کانپور۔ غرض کہ مختلف مقامات ہندوستان کے مشاہیر شعرا اپنا اپنا کلام بلاغت نظام ارشاد فرمائیں گے۔ حامیان زبان و قدر شناسان ادب اردو سے استدعا ہے کہ اپنے قدیم اور قابل قدر فن شعر کی ترقی و لطافت سے لطف اندوز ہوں۔ اور شریک صف سامعین ہو کر انجمن کو شکرگزار فرمائیں۔

المکلف

سید محمد جعفر حسین عرف محمد صاحب بہار آنریری الف سکریٹری

یہ کارڈ آج ملا ہے قصیدہ خوانی کا — سلیم پور میں محفل ہے کل بصد تنویر
لکھا ہے مصرع طرح تھا صبح اسیں — ہے عید نیمۂ شعبان جواب عید غدیر

شفقت نامہ منظوم آغا بچۂ سقہ بنام حبیب اللہ غازی والی کابل

میاں بھشتا۔ آجکل مسلمان ملک گیری یا ایک دوسرے پر قبضہ پانے یا مال و اسباب چھیننے کی نیت سے لڑتے ہیں اور موسے خوشامدخورے اُن کے سرداروں کو بے تحاشا غازی کا لقب دیدیتے ہیں میرے نزدیک نہ تم غازی ہو نہ امان اللہ خاں غازی ہیں۔ میرے شہر میں کوئی غازی مرد" گھوڑے کا اصطلاحی نام ہے جو گھوڑے تھان کے شہزے بدرکاب بدلگام طویلے میں لتیاؤ کرنے والے ہوتے تھے انہیں سائیس "غازی مرد" کہا کرتے تھے آخر یہی نام پورے جنس کا مقرر کر لیا گیا۔ اگر ان معنی سے میں تمھیں غازی کہوں تو تم بھی کمال منگ کی طرح بھیلاؤ اور امان اللہ خاں کو خطاب دوں تو وہ بھی یورپین تہذیب کا پتلون پھاڑ کے ننگے ناچنے لگیں۔

اصل یہ ہے کہ خونریزی ایک گناہ عظیم ہے فرشتوں نے آدم کو سجدہ کرتے وقت انکی نسل پر خونریز ہونے کا الزام لگایا تھا۔ خداوندی مصلحت نے انہیں چند لفظوں میں سمجھا دیا کہ ان میں بُرے بھی ہونگے بھلے بھی ہونگے ہم روے زمین کی اصلاح کے لیے ایسے بھلے انس انتخاب کرتے رہیں گے جنکی عقل خطا سے پاک ہو جن کی راے کا سلسلہ ہماری مشیت اور ارادے سے کبھی نہ ٹوٹے۔ یہ گروہ خونریزی کے برمحل اور بے محل ہونے سے اچھی طرح واقف ہوگا۔

میاں بھشتا۔ دُنیا میں کوئی کام نہ اچھا ہے نہ بُرا اچھائی بُرائی کی نسبت ہر فعل کے ساتھ اُس وقت لگائی جاتی ہے جبکہ وہ کسی الہامی قاعدے کی پابندی پر مبنی ہو یا اُسکے خلاف ہو ناحق خونریزی اور جہاد ڈاکو اور غازی میں بھی یہی فرق ہے۔ جہاد اور غزا کا محل کوئی خاطی انسان بمشکل سمجھ سکتا ہے یہ کام اہل اللہ کا ہے نہ اوباشوں کا۔ ڈریے ان موسے خوشامدخوروں کے دیدے سے جو ہر تلوار اٹھانے والے کو غازی اور امیرالمومنین کہدیتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے دشمنوں پر ظفریاب ہو جائے۔ ہر فاتح یا مسلط ہونیوالا فانی انسان ان کا باپ ہو جاتا ہے اور جو ناکام رہتا ہے اُسکا نام تو کوئی ادنیٰ مفسد بھی لیتے ہیں۔ خواہ وہ عرش کا کوٹھا ہوا ملا ہی کیوں نہو۔ میشا حبیب اللہ تم مسلمانوں کی تاریخ کی کتابیں اٹھا کے دیکھو تو بادشاہوں کی فہرست میں تمھیں ہزاروں نیک چاہلیا کے نام کے ساتھ ایسے ہی بڑے بڑے لقب کھائی دینگے آغا امان اللہ افغانستان کے تخت پر مسلط تھے تم نے انکی ناک میں تھی کی کو بیچارے کو چھینک آ گئی انہی نشیلی تہذیب کے بارے میں فرمانے لگے ؎

کردم ز خراب ناب توبہ

یورپی تہذیب

کابل

روس

ملا حمال

رقص

تہذیب "میں باز آئی ایسے مٹکانے سے۔ مجھے پھانس لیے آتا بہانے سے"

ملا حمال "اری دور ہو چرخا ڈانے سے"

آغا دھمال "مجھے مطلب ہے بم ٹمک بجانے سے"

روس "آجا پیاری آجا۔ بھالو کے منہ میں سما جا۔ لگی مری گت ٹھکانے سے"

وز گفتۂ ناصواب توبہ

من بندِ نقاب را گسستم

کر کن از من عتاب توبہ

ان کے کارناموں میں سے جو باتیں آجکل کے مہذبوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) یورپ گئے۔ (۲) پردے کی لعنت جو ورو کے منہ سے کیچن کی طرح دفع کی (۳) حال کے جنگی طرز سے واقف ترک ملازم رکھ کے لائے (۴) برقیہ کی وظیفہ خواری سے استفادہ یا وظیفہ برقی روشنی کا انتظام کیا (۶) جوان عورتوں کی ننگی تصویریں اور واہیات تماشے سکھلانے کی جگہ چنبیلی (۷) چند بالی مملکت سے بکریوں اور جانوروں کا قبضہ اٹھا کے بیاد فوجیوں کا گزنگا چلایا۔ (۸) شہر بنے پر کے ساتھ ایک جھوٹ موٹ کی پارلیمنٹ بنانے کا ارادہ کیا جسمیں اپنا حکم پھر بھی عام راے پر غالب رکھا یعنی جیکو پارلیمنٹ مگر اُسی وضع کی جیسی کہ محمد علی قاچار نے ایران میں بنائی تھی۔ مٹی کا گھروندا جب چاہا بنایا جب چاہا بگاڑا

میاں بھشتا یہ کوئی اصلاح میں اصلاح نہیں ہے یہ اپنی تعریف کروانے کے ڈھنگ ہیں۔ ہمارے شہر میں ہزاروں بدلگام فحش نویس بے تمیز جاہل معمولی پڑھے لکھے اُردو کے مصلح قلم کے بادشاہ سخن کے خداہن بیٹھے۔ اگر انکی تصنیفیں کوئی سمجھ یا پڑھا لکھا دیکھتا ہے تو سر دھن کے رہ جاتا ہے تو وجہ کیا؟ یہ ہے دُکانداری اسکی سجاوٹ ہی فریب کا جال ہے۔ جو ایسا نہ کریں تو چار پیسے کی چیز آٹھ پیسے کی نہ بکے اور غریب خریداروں کی چندیا کورے استرے سے نہ مونڈ سکے۔

میاں بھشتا میں نے انھیں اخباری کا قدر و سے تمھارے متعلق چند باتیں معلوم کی ہیں جو بھولے چوکے ان کی زبان سے نکل گئیں۔

(۱) تم ایک معمولی درجے کے آدمی تھے (۲) تم نے حلال طریق سے روٹی کمانے کے لیے چائے کی دُکان رکھی (۳) تم نے جنگ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے فوج میں نوکری کی (۴) تم نے دو ٹھگوں کو قتل کیا اُسکی سزا پائی۔ اسلیے کہ ٹھگ کسی بڑے جرگے کے اسامی تھے افسروالے تھے سلطنت کا انکے ذریعے پیشاب خطا ہوتا تھا (۵) قید سے رہائی پانے کے بعد تمھاری غیرت انتقام پر مائل ہوئی (۶) تم نے سلطنت کے ظاہری انصاف کے ستائے ہوئے آدمیوں کی جستجو کی اور انھیں مظلوموں مجروحوں کے کچے دھاگے کو جٹ کے ایک مضبوط رسی بٹی (۷) تم نے غریبوں کو کبھی نہیں ستایا بلکہ سلطنت کے خراج پر بار بار چھاپے مارے حرام خوروں سے دولت لی اور

اور مستحقوں میں تقسیم کر دی۔ (۸) امان اللہ خاں کی بے حیائیاں تمھیں ناگوار ہوئیں۔ (۹) نہایت ہوشیاری کے ساتھ تم نے دوسرے قبائل کو ہموار کر کے اپنے ساتھ لیا (۱۰) اور سآن واحد میں اپنے سے ہزار گنا اقتدار رکھنے والے کو مغلوب کر لیا (۱۱) امان اللہ خاں جن باتوں کو نور عظیم سمجھ کے روشن دماغ بنا تھا تم نے انھیں باتوں کے بارے میں اُس سے ہچی نامہ لکھوا لیا اور بہادر کی طرح اُسکی جان سے تعرض نہ ہوئے اسے اور اُسکے بھائی کو زندہ نکل جانے دیا (۱۲) تم وزارت کی ترتیب میں عقلمندی اور دوراندیشی صرف کر رہے ہو۔

سلطنت کی راہ سے مجھے ایسے ارادے کی قوی مصلحت سچ موقع شناس تاریخ کی کتابوں میں بہت کم اشخاص نظر آتے ہیں۔ تم نے زمانۂ حال کے اوزاروں کا جن میں نامردی اور بزدلی کا جز و زیادہ شامل ہے بہادری سے مقابلہ کیا اور اس اعتبار سے پُرانے خود ساختہ فرائض آگاہ ترقی کرنے والوں کے کارنامے ماند کر دیے۔

میاں بھشتا یہاں کے عیب جو مفتری خوشامدیوں نے تمھارے اوصاف کا ذکر ہجو کے پیرایہ میں کیا ہے۔ سچ ہے تو نکٹوں میں ایک ناک والا نکو ہوگا تو کیا ہوگا ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

بات یہ ہے کہ یہاں بہادری کی قدر باقی نہیں رہی ہر ایک نامور آدمی خواہ چالاکی سے نام پیدا کرے اور درحقیقت وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو ان خوشامدیوں کا معبود ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا تھا (ہمارے پیمبر نے اپنی اُمت کو بھی بنی اسرائیل سے مشابہت دی ہے۔ (انکم اشبہ الامم ببنی اسرائیل لترکبن طریقتہم حذو النعل النعل الحدیث) جب خدا نے حضرت شموائیل علیہ السلام کو ایک جریب عنایت کی اور فرمایا کہ جس کے قد کی ناپ پر یہ جریب برابر اُترے اور روغن جوش مارنے لگے اُسی کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بناؤ تو یہ نشانی طالوت (بلسان توراۃ ساؤل) پر ٹھیک اُتری۔ طالوت بیچارہ ایک غریب آدمی لشکر میں سقائی کرتا تھا بنی اسرائیل نے اُسے حقارت کی نظر سے دیکھا (یہ قصہ قرآن میں موجود ہے میں زیادہ بکواس پسند نہیں کرتی) اور لگے اُسکی ہجو کرنے جس طرح آج تمھاری ہجو کی جاتی ہے ”یہ اے ہے بدصورت ہے۔ اسے ہے اَن پڑھ گنوار کا لٹھ ہے۔ دستخط نہیں کر سکتا۔ انگوٹھا بناتا ہے۔ اُس نے تو پیمبری کا دعویٰ کیا ہے یہ ہے وہ ہے“

سیاں بھشتا میں سچ کہتی ہوں کہ ان ہجو کرنے والوں کو نہ ایمان سے واسطہ ہے نہ منطق سے۔ کہو بھلے مانسوں! ظاہری بدصورتی سے کیا ہوتا ہے عقل تو خوبصورت ہے ایک اَن پڑھ ہزار عالموں سے بہتر ہے اگر وہ عقل والا ہو۔ دستخط نہیں کر سکتا تو نہ سہی بڑوں بڑوں کو ٹھینگا دکھانے کی ہمت تو رکھتا ہے۔ رہا پیمبری کا دعویٰ تو یہ خالی خولی پروپگینڈا ہے اس افواہ کو منطق سے مطلق لگاؤ نہیں۔ وہ قوم جو اپنے مذہب میں اتنی متعصب ہے کہ ادنیٰ سی بدعت بھی گوارا نہ کر سکی اُسکی سرداری بھلا وہ شخص کیا کر سکے گا جو جھوٹا نبی بن بیٹھے۔ جو یہ خبر سچ ہوتی تو آج تم یہ دن نہ دیکھتے کہ سارا افغانستان تمھارے ساتھ ہو گیا۔

الغرض بیٹا بیب اللہ شکست اور فتح خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر تو غالب آیا تو بیشک تو غالب ہونے کا حق دار ہے۔ ہمت والے ہی کامیاب ہوتے ہیں اور مغلوب ہوا تب بھی تیرا نام رہتی دنیا تک قائم رہیگا لیکن غالب ہونے کی حالت میں یہی گروہ جو آج دور سے تجھے گالیاں دے رہا ہے تیرے تلوے دھو دھو کے پیئے گا اُسوقت میری یہ نصیحت یاد رکھنا کہ انکے بھلاوے میں نہ آنا۔ ان لوگوں نے ہزاروں گھر برباد کر کے تباہ کیے ہیں۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ برطانیہ سے کبھی نہ بگاڑنا۔ تیسری نصیحت یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں پر جو کاغذی گھوڑوں کے مُنھ میں خوشامد کی لگام چڑھا کے تجھ سے ملاقات کرنے اور قصیدہ خوانی کی اُجرت مانگنے آئیں کبھی نہ ملنا۔

بس جا۔ اللہ تیری مشک میں ٹھنڈا پانی زیادہ کرے اور تیرے اعمال نیک ہو جائیں۔ قزاقی نہ جو عیب پیدا کرے زیادہ نہ دیں۔ اقسمہ منطق آرا بیگم

پنچ مل خدا۔ خدا مل پنچ

”لارڈ اِروِن کی شاعری اور مٹھائی کا طباق“

ایک شاعر صاحب جب کسی امیر کی مدح میں طبع آزمائی کرتے تو قصیدہ کے ساتھ ہی ایک سینی میں مٹھائی بھی پیش کرتے غالباً مطلب یہ تھا کہ شعر کی بدمزگی محسوس نہ ہو

ہمارے لارڈ اِروِن کچھ اُس شاعر سے کم نہیں ہیں آپ نے بھی ایک بدمزہ تقریر میں اپنے نزدیک ذائقہ پیدا کرنے کیلئے تھوڑی سی شیرینی پیدا کی ہے۔ خدا رحمت کرے حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ماست
بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

یہ گلقند یا جلنجبین آفتابی عاشقوں کے واسطے مفید ہو یا مُضر لیکن شاعر اروِن خود ہی اپنے مطلب کا عاشق ہے وہ نہ ریوڑی یا بوشاہی دکھاتا ہے نہ موتی چور کے لڈو کھلاتا ہے۔ وہ ”فلاک سیر“ کی برفی عشاقِ وطن کے آگے رکھتا ہے کہ دوستو ایک ایک ڈلی کھا کے نہال ہو

ترقی معکوس یعنی تنزّل مستحسن

فارسی و افغانی جرائد "اے زہے ترقی۔ اے خہے ترقی"

انگریزی و اردو جرائد "اے حضور سبحان اللہ۔ اے خداوند فی امان اللہ۔ اس سقوط پہ ترقی نثار۔ ول ڈن"

ہندوستانی ہڑتالی مزدوروں اور انکی بیماریوں کی تحقیقات کرنے ولایت سے آئیگا۔ مسٹر ولیم تجربہ کار ماہر امراض مزدوران انگلینڈ اسکے صدر ہونگے۔

پہ شعر تنافر حروف ضعف تالیف ایطائے جلی و خفی اور دیگر اسقام عروضی سے بری تھا لہذا بمنزلہٴ "فلک سیر" کی ڈلی سے یوں دفع کی گئی ہے کہ "پبلک سیفٹی بل" کے معصومانہ پیرایہ میں "لیبرازم" کے زہر ہلاہل اثر کا تریاک مخفی ہے۔ یعنی وہی قصیدہ اور خوان حلوہٴ والا معاملہ۔ اے حضرت واہ واہ واہ اہا ہا۔ کیا شعر ارشاد فرمایا ہے۔ بزم مشاعرہٴ کونسل پھڑک اٹھے گی۔

ان منتخب اشعار کے بعد اب سامعین بذلہ سنج صرف مقطع کے شعر پر داد دیتے ہیں۔ واللہ خوان حلوہ کی لیسی تیسی توٹ زائقہ کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ شاعر فرماتا ہے۔

"میں آج تمھارے سامنے گورنر جنرل کی حیثیت سے یہاں ایستادہ نہوتا اگر مجھے یقین نہوتا کہ باشندگان برطانیہ اس وعدے سے (جو ۱۹۱۷ء میں کیا گیا تھا) دست بردار ہوگئے ہیں"

مقطع کی معنوی وسعت اسقدر زیادہ ہے کہ زمین سے آسمان تک ناپیے اور جتنی مرتبہ سانس لی ہو اتنے ہی پھیروں میں ضرب دیجیے تو شاید دسواں حصہ میدان معانی کا طے ہو سکے۔

اگر یہ مقصد ہے کہ اپنے عہد میں اس وعدے کی تکمیل کی شرط لگا کر حضور نے عہدہٴ نیابت ہند منظور فرمایا ہے اور اس پانچ چار سال کی قلیل مدت میں سلطنت کا معمہ حل ہوجائے گا قلمرو ہند اپنے اندرونی سیاست مدن میں بالکل آزاد ہوجائیگی تو واللہ ہم بھی کہیں گے:۔

"حلوائے خوب ہست دیگر بیارید"

اور اگر یہ مقصود ہے کہ کبھی نہ کبھی وعدہ ضرور پورا ہوگا چاہے سو وائسرائے ہندوستان میں اپنی ملازمت کی مدت پوری کریں مگر تم اس وعدے پر یقین کرتے رہو تو واللہ پھر بھی آمنا و صدقنا۔ مسلمان قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ ایک دن آئے گی ضرور تو اس وعدے پر ایمان رکھنا بھی انکے واسطے آسان ہے۔

ہنود آواگون کے مسئلہ میں اس بات کو ممکن سمجھتے ہیں کہ دس بیس ہزار چولے بدلنے کے بعد ممکن ہے کہ پھر کوئی روح پیکر انسانی قبول کرلے پس انھیں بھی امکان پر تعین ہے وقوع کا یقین گیا اپنی ایسی تیسی میں۔ رہے دوسرے باشندگان ہند تو وہ ضعیف الاعتقاد ہونے کے باوجود کسی نہ کسی طرح حشر و نشر کے قائل ضرور ہیں جسقدر مرتے چلے جاتے ہیں اسیقدر یہ اعتقاد پختہ ہوتا جاتا ہے امیدواروں کا یہ حال ہے کہ جان سے ہاتھ اٹھانے پر بھی امید سے منھ نہیں موڑتے۔ ایک تھے میاں کنجوس ان کے یہاں کوئی مہمان آیا مہمان آتے ہی میزبان کی روح آدھی رہ گئی "ہائے کہاں سے کھلاؤں۔ بی بی چھجے پر ہانڈی رکھو ہانڈی میں پانی بھرو اور نیچے اوتر کے صحن میں آگ روشن کرو۔ ہائے کمبخت مہمان کیوں یہاں آیا" بی بی تھیں سلیقہ شعار نچلے صحن میں الاؤ لگایا چھت کے چھجے پر ہانڈی رکھی۔ میزبان کو اس (وعدہ) کا یقین تھا کہ سال دو سال کے بعد یہ ہانڈی ضرور ابلے گی اور مہمان شریک طعام ضرور ہوگا۔ بیچارے ابلائے ہوئے الاؤ کے گرد چکر لگانے لگے زبان پر نوحہٴ حسرت جاری تھا "یک رہی ہنڈیا چھجے چھا ہے" یقین یہ استحکام ارادہ میں میزبان بھی کچھ کم نہ تھا اس نے دو روز تک وثاقت پوری کاروائی دیکھی کانوں میں اپنے دوست کا زمزمہ ہندگونجا۔ تک کی کھرچن کی سوندھی باس ناک میں پہونچی علاوہ حس لمس کے دیگر حواس نے یقین کو مدد پہونچائی۔ شام تک یہ تماشا دیکھنے کے بعد انھوں نے بھی اپنے یقین کا اظہار شروع کردیا۔ میزبان بولا۔ "پک رہی ہنڈیا چھجے چھا ہے" مہمان نے جواب دیا! "ہم رہے چوتڑ بارہ ماسی" یعنی اب خیر دو مرتبہ کھانا کھائے بندہ جانے والا نہیں۔ آپ چھ مہینے میں ایک ہانڈی پکائیے اینجانب سال بھر تک دہلیز سے نہ سرکیں گے۔

بہر حال مقطع لاجواب ہے۔ وہ حضور کیا کہنا۔ ذری پھر ارشاد ہو اہا ہا مصرعہ کیا مصرعہ ہے۔ ٹھنڈے دل سے ہم نے آپ کی تقریر تریاق نثر مرجز پر غور کیا۔ ماشاءاللہ ماشاءاللہ تبارک اللہ استغفر اللہ اعوذ باللہ ماشاءاللہ سبحان اللہ کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

امید ہے کہ بزم مشاعرہٴ ہند خیر سے چپٹ کرکے لبعد داد بیداد کی صدا بلند کرے یاراں امید امید امید امید یقین یقین یقین تسلیم تسلیم تسلیم رضا رضا رضا۔ صبر صبر صبر۔

اے کعبہ ہا از چشم نزدیک تری اما

در چشم شتر داراں دورست بیابانت

ما زخم مغیلانت بر ہم شمریم اما

بس کس کہ نہد مرہم بر زخم مغیلانت

اللہ جارج پنجم کو صحت دے تو معلوم ہو کہ انھوں نے اپنے شاعر شیریں مقال کے سخن بے مثال کی کتنی قدر کی۔

حکایت

الف لیلہ میں ایک شخص کا قصہ لکھا ہوا ہے کہ بیچارا راہزنوں کے ہاتھوں لٹ پٹ گیا۔ انگتا کھاتا راتے وارد بغداد ہوا آپ جانیے مسافر کا گھر مسجد ہے ... پیاسا مسجد کے دروازہ پر اپنی قسمت کو رو رہا تھا ... اتنے میں ایک بڑھے میاں دوسرے نوجوان کے ساتھ ادھر سے گزرے اور انھوں نے فانوس یا مشعل ...

نمونہ قابل فروخت

سمن واسطے قرارداد امور تنقیح طلب

(آرڈر ۵ قاعدہ ۱ و ۵)

نمبر مقدمہ ۲۸۰ سنہ ۱۹۲۱ء

عدالت منصفی بستی ضلع اعظم گڈھ

بیجناتھ رزارکا دو بے مدعی

بنام

مسماۃ مہدیوی کنور وغیرہ

کالکا ورام دون پانڈے و توسندن پانڈے پسران تیمبر پانڈے لاتجا پانڈے ولد رضا مل پانڈے ساکنان موضع چیتہ پور نوابی بیٹی پرگنہ برہر تحصیل ٹانڈا ضلع فیض آباد منصفی اکبرپور مدعا علیہ

ہرگاہ کہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش بابت ... کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ بائیس ۲۲ ماہ فروری ۱۹۲۱ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے بخوبی واقف کیا گیا ہو اور کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعویٰ کی جواب دو اور تم کو لازم ہے کہ اسی روز جملہ دستاویزات پیش کرو جن پر تم بتائید اپنے جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو۔

تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا

ثبت بدستخط ہمارے اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲۰ ماہ جنوری ۱۹۲۱ء جاری کیا گیا۔

(مہر عدالت)

دستخط حاکم بخط انگریزی

روشنی میں اس نوجوان خوبصورت مسافر کو در مسجد پر
کروٹیں لیتے دیکھا تھوڑی دیر غور سے دیکھنے کے بعد
بڑے میاں نے کہا میاں مسافر ایک بات کہوں؟ عرض
کی فرمائیے - بولے کہ ایک نازنین کے ساتھ شب بھر لطف
اٹھانا طعام و شراب سے سیر ہونا تکلف فرش پر آرام
کرنا بہتر ہے یا اس مسجد کا دروازہ "اندھا کیا چاہے
دو آنکھیں" مسافر صاحب نے دست بستہ عرض کی کہ سوال کا
جواب آسان ہے مگر نوازش کا سبب کیا ہے۔ بڑے میاں
نے کہا اس شخص کی لڑکی اس جوان کے ساتھ بیاہی گئی
جو میرے ہمراہ ہے - یہ جوان بھتیجا بھی ہے اور داماد بھی
یہ اپنی بی بی پر خفا ہوا اور غصہ میں طلاق بائن دے بیٹھا
مگر اب اسلیے پچھتاتا ہے کہ جورو کا عاشق تھا۔ تم اتنی
مہربانی کرو کہ رات بھر کے لیے نکاح کر کے صبح کو طلاق
دے دو نقد مہر کی ضرورت نہیں مہر کے عوض طلاق دے دینا
اگر تم اپنے عہد پر قائم نہ رہے تو پھر تمھیں دس ہزار دینار
ادا کرنے پڑینگے - میاں مسافر سوچے کہ "پڑنہ ہو سے
لڑا ہوے" چلو یوں ہی سہی - بڑے میاں کے بھتیجے
صاحب دل میں کڑھے کہ رقیب رات بھر مزے
لوٹے گا کچھ ایسا کرو کہ رنگ میں بھنگ ہو - اپنی انا سے
دل کا حال کہا - انا چڑیل بولی کہ یہ کوئی بات نہیں
اچھیث دولھن کے پاس پہونچی اور کان میں کہا نوزی
بچی رہنا تمھارے نئے دولھا کو جذام کی بیماری ہے"
پھر وہاں سے ہٹ کے دولھا کو پٹی پڑھائی کہ "میاں
کہاں پھاند پڑے دولھن کو سفیدی کا عارضہ ہے۔

اے ہے کہیں ایسا نہو سے
ساعتے عیش و غصہ سالے چند

خلوت میں نئے دولھا نے رات کاٹنے کی غرض سے
سجادہ بچھایا اور لحن مرغوب و خوب آیات کی تلاوت
کرنے لگے - دولھن کے کان کھڑے ہوے یہ ہائیں کہیں
جذامی کی آواز ایسی سریلی ہو سکتی ہے؟ چھپر کھٹ کا
پردہ الٹ کے دیکھا تو سبحان اللہ دولھا کا سارا ڈیل
نہایت خوبصورت - چہرہ چاند کا ٹکڑا ہے بڑھیا کی فطرت
پر بہت غصہ آیا - ادھر نماز کا طول دولھا میاں کو
بہت کھلا کہاں تک ٹکریں لگاتے جی میں آئی کہ لاؤ
ایک نظر دیکھ تو لو پھر کہاں ہم کہاں یہ گھر ڈرتے
ڈرتے پردہ ہٹایا منہ سے دوشالہ کھینچا - شمع اٹھا کے
شمع رخسار پر روشنی ڈالی تو جلتی ہوئی شمع کی روشنی
دھیمی پڑ گئی - دولھن نے کہا "ذری ہٹ کے خدا تمھیں
جذامی"

دولھا بولے "الگ رہنا تم ہو مبروص"
دولھن: "مبروص ہوں میرے دشمن"
دولھا: "جذامی ہوں میرے مدعی - اور آپ کے بے خبر
تجسس اور تفتیش کی نگاہوں نے انا چڑیل کا چلتر
آشکار کر دیا - دونوں ہنس کے مسرور ہوے۔

دانتی انگلوں نے پچھلوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا آج
میاں بہشتا اور ساکی از خیبی دولھن کے ساتھ کھیلی کھائی
انائیں بھی چلتر کھیل رہی ہیں - کابل کی عام آبادی
سے کہتی ہیں دولھا ہے جذامی کا فرانی کا لڑکا نکھٹو
پرنس ہے - میاں بہشتا سے کہتی ہیں ذولھن یعنی احمد جان
کا فالج گرنے والا ہے تند ہاریوں کا برص ڈیل سفید کیا
بچے رہنا - جب تک دونوں کو شمع میسر آئیگی اس وقت تک
دولھا نماز پڑھے گا دولھن انتظار کرے گی کہ سنا ہو تو
حال کھلے ممکن ہے کہ شمع کی روشنی میں نظارہ بازی
ہو چکی ہو اور ساقی نے جو یہ ڈھونگ رچایا ہے محض ہندوستانی
مسلمانوں کو امان اللہ خاں شوہر اول کی زبانی حمایت پر
آمادہ کرنے اور دولھن کو اجنبی مسافر دولھا کے وصل سے
محروم رکھنے کے لیے اڑائے ہیں دونوں پر واضح ہو گئے ہوں
باقی حکایت بھی سن لیجیے اور انتظار کیجیے کہ سقاو دولھا
کا حشر مطابق حکایت ہوتا ہے یا نہیں - رات اچھی کٹی
رات ہی بھر میں دولھا دولھن کے مزاج میں اتنی موافقت
ہو گئی کہ دونوں دعا مانگنے لگے "یا اللہ سحر نہو" مگر دعا کا
اثر کمبخت سحر پر نہونا تھا نہوا - آفتاب نکلا بڑے میاں
اپنے بھتیجے کو لے کے حجلۂ عروسی پر کھڑے ہوے "میاں
مسافر اٹھو چلو قاضی کے یہاں طلاق میں دیر ہوتی ہے"
اے بھور ہو گئی بڑے میاں اور بھتیجے صاحب چیخ رہے
ہیں مگر نہ دولھن دولھا کا دامن چھوڑتی ہے نہ دولھا
دولھن کا آنچل - آخر دولھن نے سو اشرفیوں کی تھیلی
دولھا کے ہاتھ میں تھمائی اور ہدایت کی کہ دس اشرفیاں
قاضی کی ناک پر لیپ دو اور باقی اپنے پاس رکھو کھانے
پینے میں کام آئینگی - قاضی سے کہنا کہ طلاق مہرے
اختیار میں ہے میں سمجھتا تھا کہ میرا مال تمھارے کام آنے کے
ہمراہ صبح تک آ جائے گا - میں نے وعدہ کر دیا مگر دیر
ہو گئی مجھے دس دن کی مہلت دیجیے - دس دن ہم تم
عیش کرینگے پھر خدا کوئی اور صورت نکال دیگا - بی بی
کی عشوہ کاری قاضی کی رشوت خواری کام آگئی اور مہلت
مل گئی - اتفاق سے خلیفہ ہارون رشید جعفر وزیر اور مسرور
جلاد کو ساتھ لیے فقیروں کا بھیس بدلے شہر میں گردش
کر رہے تھے - محفل عیش کے نغمات گرم دیکھ کے طالب اجازت
ہوئے - مسافر نے دروازہ کھولا - مہمان اندر آئے - صبح کو
حسرت زدہ دولھا نے دولھن سے کہا لو بی بی اب تو
دن رہ گئے - مہمان نے استفسار حال کیا دونوں بچشم پر آب
عارض مدعا ہوئے مہمان نے کہا بھائی ہم تو مفلس درویش
ہیں مگر شہر میں ہمارا ایک دوست موجود ہے شاید وہ مہر
کی رقم دے نکلے - نو روز تک فقیروں کا انتظار رہا دسویں
دن دروازے پر ٹٹو تیز مال سے لدے کھڑے تھے غلام ساتھ
تھا اس نے دولھا میاں کو رقعہ دیا اور زبانی کہا کہ
آپ کے دوست نے یہ مال بھیجا ہے بندہ غلام ہے مال
لیجیے اور مہر دے کے قبضہ کیجیے -

اللہ اللہ الٹی تو تھیں سیدھی ہوئیں خسر
صاحب نے گردن جھکا کے بھتیجے سے کہا بیٹا اب
صبر کرو - پرائی جورو پر کیا اختیار ہے - شرط پوری
ہو گئی - دونوں سامنے ہیں میں کیا کر سکتا ہوں -

المختصرات

بیماری کا سلسلہ بدستور قائم ہے یہ پرچہ پھر
ایک ہفتہ لیٹ گیا - کیا کریں - کمبخت نولہ ہم ہی کو
المختصر کیے دیتا ہے - یہ پرچہ دوسری فروری کو
تیار ہوا ہے

ارادہ ہے کہ ضمیمہ کے طور پر حضرت رند قدیم
کا لاجواب ساقی نامہ اودھ پنچ کے ساتھ
شائع کر دیں حجم کی زیادتی - اشاعت کی تاخیر
کو المختصر کر دے گی -

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳
اودھ پنچ لکھنؤ
رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳
غذائے روح
معارف النغمات
یعنی
وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی
اور
ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پہ لینے کے قواعد سکھائے
یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے
تا حال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی
سیاحت ظریف
یعنی
منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی
کا
منظوم سفرنامۂ عراق
المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ
شرائط ایجنسی
منیجر اودھ پنچ لکھنؤ
مصنف نے
اساتذہ فن کے علم سینہ
کو
علم سفینہ بنایا ہے
یعنی
تان سین کے عہد سے لیکے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے
استاد محمد علی خاں
میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں انسے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ
سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیئے گئے اسی طرح ہر ایک
راگ کو برت سکتے ہیں جس طرح کہ خود استاد تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز
بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقت مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا
نہایت مقبول ہوا۔ تمام ہندوستان کے استادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ
المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ
محصول ڈاک بہرحال ذمۂ خریدار

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے بے تُکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گرہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پہ قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منھ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلئے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے۔ افادات کی جدت۔ رائے کی صلابت بے رو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردانِ مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ مانگنے والوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان سنت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انہیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گُھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار شکایت نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گُم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کردیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ٹکٹ لگانے سے حاصل کرلی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تفحیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ آن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۵

مضامین

(۱۴ فروری ۱۹۲۹ء)

منطق آرا بیگم بنام کلمہ گویان ہند

سنو بھائیو۔ مجھ بڑھیا نے دھوپ میں چونڈا سفید نہیں کیا ہے۔ میں بھی مسلمان ہوں کلمہ پڑھتی ہوں۔ خدا نے تھوڑی سی بہت عقل دی ہے چہرہ دیکھ کے دل کا حال پہچان لیتی ہوں۔ میں نے امان اللہ خاں کی تصویر اخباری کاغذوں میں دیکھی اور غور سے دیکھنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہ نیک نیت ہیں ارادے کے مضبوط ہیں اور شاید بہادر بھی ہوں۔ اگرچہ بہادری کے لچھن آج تک نہ اخباری کاغذوں میں پڑھے نہ کانوں سنے۔ مگر سچ کہتی ہوں کہ یہ حضرت پرلے سرے کے جلد باز غصہ ور ضدی اور بے وقوف ہیں ایسے شخص کے لیے شاہی کا تخت زیب نہیں دیتا تم لاکھ سنبھالو مگر متوالے کی پگڑی کا زین سر کے گھوڑے پر نہ ٹکنا ہے نہ ٹکے گا۔ ڈھیلے تنگ کی طرح ایک کاب اونچی ایک نیچی ہی رہے گی۔ بھلا بھینس کے آگے بین بجانا عقلمندی ہے؟۔

لوگو جن چیزوں کا نام تم اصلاحات رکھتے اور انھیں بے ضرورت اصلاحات کے قصیدے پڑھتے ہو ان کی حقیقت تمھیں معلوم نہیں ہے۔ ولایتی اخبار کابل کے دوست نہیں ہیں وہ اس مردے سر امان اللہ خاں کی روشن دماغی کا راگ الاپ کے ہجو ملیح کرتے تھے اور تم اپنی سادہ لوحی کی بدولت اس راگ پر جھومتے تھے۔ دری انگریزوں کی حکمت پر غور کرو کتنے بڑے منطقی ہیں ایک وائسرائے آتا ہے وہ قیاس کا صغری بیان کرتا ہے دوسرا آتا ہے وہ کبری کا بند و بست کرتا ہے تیسرا آتا ہے وہ بیچ اوسط میں رہتا ہے آخر سو برس کے بعد نتیجے کی پھلجھڑی چھوٹتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تمام قصے قضیے فلاں غرض کیلئے کیے گئے تھے جب کامیاب خیال تمھارے سامنے موجود ہے تو کیوں تم دوسری سلطنتوں کو اسی کسوٹی پر نہیں کستے اور اخباروں کی بیہودگی پر پھٹ سے ایمان لے آتے ہو۔ تمھیں سلامتی سے کوئی ایسا اخبار بھی میسر نہیں جو تمھارے مزاج کی تہ دیگ میں اُبال پیدا کر کے اپنا پیٹ نہ بھرتا ہو تمھیں ایسی ترکیبوں کی عادت پڑ گئی ہے وہ اخباری کاغذ تمھیں پسند نہیں جو تمھیں صحیح راستہ دکھائے۔ ان اخباری کاغذوں کا فرض اسقدر ہے کہ بے وقوفوں کی مزاج گوئی کرتے رہیں۔ دیکھو جب ان اصلاحات کا غلغلہ برپا ہوا تھا تو ان میں سے کسی موئے نے یہ لکھا کہ شاہ کابل دیوانوں کی زنجیر کھڑکاتا ہے۔ اُس نے کھیت آراستہ کیے بغیر زعفران کا بیج بویا موسم کی پروا کی نہ بونے کے گُر معلوم کیے۔ اس نے شعبدہ گروں کی طرح گٹھلی بوئی اور جھٹ پٹ بندی جانے بغیر اُسی لمحے پھل کھانے کا اُمیدوار ہوا۔ پھر جو کوئی چولھے سے اُتری ہانڈی کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار نہ کرے اور جھپ سے ہاتھ ڈال کے بوٹی منھ میں رکھے اسکا حشر کیا ہوگا یہی نہ کہ ہاتھ جھلسیں منھ اولا ہو جائے۔

شاہ سیاست آگاہ نے ہماری ملکی کونسل سے بڑھ کے فضول پارلیمنٹ اسطرح بنائی کہ اپنے اشارے سے اور دباؤ سے اپنے بھیالوں کو منتخب کروایا خود ہی کھڑے ہو کے رعایا کی آزادی کا اعلان کیا اور انھیں کارندوں یا ممبروں کو اپنی مرضی کے مطابق حکم دینے لگے۔ حکم کی تعمیل میں وحشی رعایا نے چون و چرا کی تو گلے گردن ناپنے۔ بھلا یہ بھی کوئی پارلیمنٹ ہے۔ کس نے جبر کیا تھا کہ تم پارلیمنٹ بناؤ۔ رعایا ایک انتظام کی خوگر تھی جسکی ہر شاخ بسم اللہ سے شروع ہوتی تھی نئے نئے قانون بے بسم اللہ پیدا ہونے لگے تو مزاج کی اصلی وحشت نے زور باندھا ایسی حالت میں بہشتی بچہ ہوتا یا موچی نواز یا کوئی لوہار بچہ (کاویان جس نے ضحاک ماران کے ظلم کا استیصال فریدوں شاہ ایران کے زمانے میں کیا) ہر ایک فتح پا سکتا تھا۔ ارے ایسی غفلت کوئی بھی اپنے گھر بار سے کرتا ہے؟ میرے نواب میرے اور میری سوت نگوڑی کے مالک ہیں۔ نواب نہی چاہتی بیگم کی ملاقات مجھ سے کروانا چاہتے تھے بلکہ یہاں تک سامان کیا تھا کہ میرے بچے کی دودھ بڑھائی میں بغیر میری اطلاع کے وہ نگوڑی میرے گھر میں اُتر پڑے۔ اے ہے میں نے جونہی سن گن پائی تین آدمی اٹھو بند ڈیوڑھی پر بٹھا دیے کہ جب تک میں حکم نہ دوں کوئی سواری ڈیوڑھی میں نہ گھسنے پائے۔ بیوی تو سولہ سنگار کیے گھم گھم کرتی ہوئی پالکی پر سوار ہو کے جیسی ہی دہلیز کے قریب آئیں انھیں کہار پکارنے لگا دوسری سواری اُتروا لو۔ اُنکے ساتھ بھی کہاری تھی جیسے ہی میں نے کہاری کی جھلک دیکھی سمجھ گئی دربانوں سے کہلا بھیجا لینا تو اس مُردار کہاری کے جھونٹے میرا بھائی دربان چل پڑے اور نگوڑی کا سر روئی کی طرح توم کے رکھ دیا کہار ڈولیا کندھے پر رکھ کے جو بھاگے تو ہوا ہو گئے۔ دیکھا یوں بھگاتے ہیں! اُس دن سے آج تک پھر بیوی کا ہیاؤ نہ پڑا کہ ادھر کا رخ کرتیں۔ لوگو گھرداری بہت مشکل ہے۔ پتہ مارنا پڑتا ہے۔ امان اللہ خاں نے اپنی بی بی کو ولایت لے جا کے خالی یہی سکھایا کہ اسطرح سنگار کرتے ہیں یوں غیر مردوں سے ہاتھ ملاتے ہیں یوں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تھینک یو کہتے ہیں۔ کھانے کا ڈریس یہ ہے۔ سواری کا یہ۔ گھر میں پہننے کا یہ۔ کوئی کام کی بات نہ سکھائی جو اس بُرے وقت آڑے آتی۔

لوگو یہ بھی اخباری کاغذوں کی کارستانیاں ہیں وہ بہشتی بچے امیر حبیب اللہ خاں کو بدنام کرتے پھرتے ہیں کہ صاحب وہ تو بے دین ہو گیا پیمبری کا دعوی کرتا ہے حالانکہ ہرگز ایسا نہیں اُس نے اپنے فرمان میں لکھا ہے بحکم خدا و رسول خدا امیر حبیب اللہ خان زمام سلطنت را گرفتہ۔ جھنڈے کے پرچم پر لکھوایا۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور اُسکے نیچے امیر غازی حامی اسلام حبیب اللہ۔ جھنڈوں پر اس قسم کی عبارت اسوجہ سے لکھوائی کہ اُسکے پاس وردی ڈانٹے ہوئے باقاعدہ فوج نہ تھی اور ہر طرف سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بغاوت کرنے پر آمادہ ہیں لڑائی ہاتھوں ہاتھ ہو رہی ہے اپنے ساتھی بھٹکنے نہ پائیں جھنڈا دیکھتے ہی اُدھر سمٹ آئیں یہ پرانا دستور ہے۔

اخباری کاغذ کے رپورٹر بھلا پٹھانی لڑائی کا دستور

زوال کے پھندے میں پھنسائیں آپ کا فرض یہی ہے کہ خود اصلاح کیجئے یا یہ اصلاحات بیگم کے ہیں دیا نتی مشورہ دیا جائے نہ ماننے کا اختیار لڑنے والوں کو ہے۔ یا اللہ! مسلمانوں کو منطق سکھادے کہ صحیح نتیجہ نکالنے پر قادر ہو جائیں ورنہ ہر ایک گوں گیرا کی چندہ یا پیسے ہی کھیڑے پھیلا کے روز مونڈے گا اور تل بچو ٹیٹے کہے گا۔
تو یہ بات وہ بات شکاہ مروہ میرے ہاتھ"
دیکھو تاریخ اٹھا کے دیکھو ہر نیا حملہ آور پہلے باغی سمجھا جاتا ہے اور فتح پا جانے پر غازی مجاہد کا لقب پاتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ ہم اسی لڑائی کو جہاد یا غزوہ کے نام سے یاد کریں۔ اگر مجاہدوں کی یہی شان ہے تو دنیا میں بجز مجاہدوں کے کوئی غیر مجاہد ڈھونڈے نہ ملے گا سڑک پر ایک کبڑن جس کی ترکاری پڑوسن کی بکری چر گئی اور وہ گالیاں دیتے تبرا و بھترا کرنے میں تار و بود لنگی کی دھوتی بنا دو پٹے کی گاتی مار کے لگی اری تبرا رنی پیلز
کرنے وہ بھی مجاہد۔ کیوں تم اسے مجاہد نہیں کہتے میں خوب جانتی ہوں کہ یہ کھری کھری باتیں اُن لوگوں کے دل میں نشتر کی طرح لگیں گی جو اپنے جوش میں اندھے اور حشرات الارض لیڈروں کے بہکانے سے بہرے ہو رہے ہیں۔ مگر میں سچی بات کہے جاؤں گی مجھے نہ کوئی بہشتی کوئی تنخواہ دیتا ہے نہ میاں امان اللہ کی سرکار سے کوئی پنشن مقرر ہے نہ جوش پھیلا کے چندے کی رقم کی خزانچی بننا چاہتی ہوں۔ نہ آگ لگا کے آگ بجھانے کا انعام لینا منظور ہے۔ نہ شہرت کے جھنڈے پر چڑھنا مقصود ہے۔ ارے بچو کہاں پڑے اس حرام کی کمائی میں چار دن کی زندگی ہے پھر اپنا اپنا گور اپنی اپنی منزل۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ عاقبت اندیش دل رکھنے والے مجھ پر آوازے تو آوازے کسیں گے۔ پھر اس سے کیا ہوگا ہوں اپنی زبان خراب کرینگے اپنا روپیہ الغفتوں کو کھلائیں گے اپنے بچے بالوں کو فاقے دینگے اور پھر ہجرت کی تجویز پر عمل کر کے جس طرح پچھتائے تھے پچھتائینگے۔
مسلمانو تمھارے اختیار میں ہرگز یہ نہیں ہے کہ تم امان اللہ کو تخت پر بٹھا سکو یا بہشتی بچہ کو زک پہونچا سکو اگر امان اللہ خاں کو حکومت کرنی منظور ہے تو وہاں کی رعایا تم سے زیادہ صاحب اختیار ہے اُن کی خواہش پوری کرے گی۔ اگر بہشتی بچہ سلطنت کے قابل نہ ہوگا تو آج نہیں کل دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کیا جائے گا۔ یہ خانہ جنگی ہے تم کیوں خواہ مخواہ چندہ دے کے الغفتوں کا پیٹ بھرتے اور پھٹے میں پاؤں ڈالتے ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ کابل کے تخت پر کوئی احمق اپنا قدم جما سکے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ کابلیوں پر کوئی باہر والا حکومت جتائے اور وہ سہ جائیں۔ اُنھوں نے بارہا شکستیں کھائیں مگر چار دن کے بعد پھر جیسے کے تیسے۔
دیکھو تم غلطی کرتے ہو بہشتی بچہ نہایت ہوشیار ہے اُس نے پہلے ملاؤں کو ملایا پھر خدمت کر کے عظمت حاصل کی اب وہ اپنی ہوشیاری کا اور ثبوت دے رہا ہے یعنی اُس نے پایہ تخت بدلنے کی فکر کی ہے اور

بعدالت ڈسٹرکٹ جج بہادر گونڈا

درخواست دیوالیہ نمبر ۱۹ ۱۹۲۸ء

لچھمی نرائن ولد جوہری مل اگروال مالک فرم سکھدیو سہائے رام پرشاد ساکن اسٹیشن برگاؤں ضلع گونڈا
سائل دیوالیہ

بنام

فرم رام داس جوہری مل۔ فرم جوبنا داس شیو پرتاب۔ فرم شنکر رائے گوبردھن داس۔ فرم بھوگ چند دُنی چند۔ فرم جوالا بھولچند۔ فرم شمبھودیال جوہری مل۔ فرم ہرجیون لال بالکشن داس۔ فرم ٹھاکر داس جاتی رام۔ فرم کرپال داس بھگوان داس۔ بابو درگا داس لیڈر۔ لوٹن جگنا تھ پرشاد

ہرگاہ سائل نے ایک درخواست مورخہ یکم دسمبر ۱۹۲۸ء کو بنا بر دیوالیہ قرار دیے جانے کے بموجب منشائے ایکٹ دیوالیہ نمبر ۱۹۲۰ء گزرانی ہے اور تم لوگوں کے نام فہرست قرضخواہاں میں مندرج ہیں چونکہ سائل نے شامل درخواست کی ہے لہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ ۱۹۲۹ء واسطے سماعت درخواست مذکور اور لیے جانے بیان سائل کے مقرر کی ہے اگر تم کو نسبت درخواست مذکور کے کوئی عذر ہو تو اصالتاً یا بذریعہ کسی وکیل مجاز کے حاضر عدالت ہو کر عذر کرو۔

بحکم

(دستخط انگریزی) منصرم ججی

مہر عدالت

بعدالت ڈسٹرکٹ جج بہادر گونڈا

درخواست دیوالیہ نمبر ۵ ۱۹۲۸ء

اللہ بخش ولد خیراتی کنجڑا ساکن شہر اتنار پرگنہ بلرام پور سائل دیوالیہ

بنام

پراگ نرائن۔ رام شنکر۔ بہاری۔ رام ہرکھ۔ رام سیوک۔ گنگا۔ بلبھدر۔ سرو سنگھ۔ جھنش۔ بھجوتی۔ رام جب۔ مہابیر۔ بیرانی۔ پورن۔

ہرگاہ کہ سائل نے درخواست مورخہ ۵ نومبر ۱۹۲۸ء کو بنا بر دیوالیہ قرار دیے جانے کے بموجب منشائے ایکٹ دیوالیہ نمبر ۱۹۲۰ء گزرانی ہے اور تم لوگوں کے نام قرضخواہوں کی فہرست میں داخل ہیں لہذا یہ اطلاع شائع کی جاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ ۱۹۲۹ء واسطے سماعت درخواست اور لیے بیان سائل کے مقرر کی ہے۔ اگر تم لوگوں کو نسبت درخواست مذکور کے کوئی عذر ہو تو اصالتاً یا بذریعہ کسی وکیل مجاز کے تاریخ مذکور حاضر عدالت ہو کر عذر کرو۔

بحکم

دستخط انگریزی منصرم
عدالت ججی گونڈا

مہر عدالت

نمونہ قابل فروخت

سمن بنا بر انفصال مقدمہ

آرڈر ۵ قاعدہ ۱ و ۵
نمبر مقدمہ ۸۸۴ ۱۹۲۸ء
بعدالت خفیفہ۔

بابو مہاراج سنگھ لیسیدار بنی سماۃ رام دلاری کنور قوم چھتری ساکن کاسگنج پرگنہ بلرام . . . . مدعی

بنام

خوشی لال ولد کنھیا لال قوم کائستھ ساکن کاسگنج پرگنہ بلرام مدعا علیہ
ہرگاہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش بابت . . . . کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۲ ماہ فروری ۱۹۲۹ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعوی کی کرو۔ اور ہرگاہ وہ یہی تاریخ جو تمھارے حاضر رہنے کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز تمام دستاویزات کو جن پر تم اپنی جواب دہی کی تائید میں استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔ تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا۔
بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۴ ماہ فروری ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سمجھ گیا ہے کہ جنگی اعتبار سے یہ مقام پایہ تخت بنانے کے قابل نہیں بہت آسانی سے قبضہ میں آسکتا ہے اُس نے خواہ مخواہ بڑھ بڑھ کے دوسرے پہاڑ پر چھینا شروع کر دیا ہے اسکے زوال میں دوسرے دشمنوں کو بھی منہ چھپانے پڑینگے۔ غازی امان اللہ تقدیر نہیں عقل نہیں خیر اخبار نویسوں کا قول ہے کہ ہر طرف سے لوگ اُنکی مدد کرنے پر تُلے ہوئے ہیں ہمارا چندہ ہی کیا فرض کرو کہ جس طرح ترکوں کی مدد کے لیے تم نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ جمع کیا تھا اُسمیں سے آدھا تو انتظامی تنخواہ دار عہدہ داروں نے کھایا آدھے کا آدھا لیڈروں نے اُڑایا تھوڑا بہت دوکانداری کو فروغ دینے کے لیے ترکوں کے ہاتھ لگا باقی جو رہا وہ ٹاٹ اُلٹنے کی ضروری کاروائی میں صرف ہوا اسلیے اب بھی جمع کرو اور اپنے نزدیک بقول عبدالرحمن طرزی کے "تمام اقوام کے ذمہ دار اور معتبر اصحاب کی تحویل میں یہ روپیہ دے بھی دو" تو کیا ہوگا؟ یاد ہے کتنے چندے معتبر آدمیوں کے حوالے کیے ہیں۔ اے اے ؎

اک بلا ہے یہ دل ناعاقبت اندیش بھی
اُنکا بگڑا کام یا ہوا کام سمجھایا ہوا

دلا
دل سوز خیر خواہ منلق آرا بیگم

جرمنی جج کی نرالی دھج

ابھی ماشاءاللہ اس جج نے تو بھانڈوں کے رامپوری صاحبزادے والی نقل پر خاک ڈال دی جہاں باپ بھائی بہن نوکر چاکر پڑوسی ہر ایک کے حق میں "برطرفی" کا حکم صادر فرما دیتے تھے "حضور کی اماں جان بُلاتی ہیں" "وہ بھی برطرف" "باوا جان یاد کرتے ہیں" "وہ بھی برطرف"۔

بعض اخباری کاغذوں نے حال ہی میں ایک جرمنی نوجوان جج یا قاضی جون پور کی حکایت نقل کی ہے۔ جج کا ہے کو اسے قتل ساتڈرس کا معشوق سمجھیے۔ لکھنے والا لکھتا ہے کہ جج صاحب کے اجلاس پر ایک غرق شدہ جہاں باختہ کا مقدمہ پیش ہوا جو سب مرنے والا ایک شادی کی تقریب میں شریک ہوا غالباً کھانا کھانے کے بعد پانی نہیں پیا تھا اور گرمی پڑتی تھی سارے ڈیل کی پیاس بجھائی اور آب اجل سے سیراب ہوگیا۔ گواہوں نے کہا کہ اس اجل گرفتہ کی دماغی حالت اچھی نہ تھی بارہا خودکشی کا ارادہ کر چکا تھا ؎

بارہا گور دل جھکا لایا
اب کے شرطِ وفا بجا لایا

جج صاحب نے جونہی یہ واقعات سنے حکم دیا "اچھا دولہا دولھن زیر حراست" تعمیل ہوئی "براتی بھی سب زیر حراست" تعمیل ہوئی۔ بندی خانہ چڑیا گھر کی جھلکی ہوگیا۔ سمدھن سمدھی۔ آیا گیا اپنا پرایا سب ایک ہی پنجرے میں۔ تجویز نویس ٹائپسٹ کی شامت آئی بول اُٹھا "خداوند اپنے حکم پر نظر ثانی فرمائیں" ہز لارڈشپ نے فرمایا "یہ بھی زیر حراست" ایک سارجنٹ اس انصاف پہ مسکرایا تو "وہ بھی زیر حراست" دوسرا سارجنٹ کسیقدر متعجب نظر آیا تو اپنے جوڑی دار کو گرفتار کرنے کے بعد "وہ بھی زیر حراست" ؎

زنداں کو چلے مچل مچل کر

اب دو سارجنٹوں کے سوا کوئی حکم کی تعمیل کرنے والا نہ تھا لہذا جج صاحب نے خود ہی ان دو مرغوں کو حوالات کے ٹاپے میں بند کرنے کی زحمت اُٹھائی۔ دل نے کہا سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی اس قتل میں شریک معلوم ہوتا ہے اس کمبخت نے عمداً غفلت کی اچھا اسے حاضر کرو کچہری سپرنٹنڈنٹ پولیس اور اسکے ماتحت بھی زیر حراست۔ آپ جانیے پولیس کے تمام محکمہ پر ہاتھ ڈالنے کی جرات کسے ہوسکتی ہے ایک بڈھے ملازم نے دست بستہ عرض کی "حضور پولیس سپرنٹنڈنٹ اور برگوماسٹر کو ہم ادنیٰ ملازم گرفتار نہیں کرسکتے۔ کہنے لگے "اسے بھی زیر حراست" تماشائیوں نے جو رنگ بگڑا دیکھا تو بھاگے اب کچہری میں اُلو بولنے لگا۔ جج صاحب نے دیکھا کہ تعمیل حکم کرنے والا کوئی نہیں۔ غصہ آیا کانپتے تھرتھراتے اُٹھے اور دروازے سے باہر نکل گئے۔ راہ گیروں نے جو وحشت مآب جج صاحب کو بھاگتے دیکھا تو پیچھے لگے۔ حضور کہاں چلے ابھی کچہری کا وقت باقی ہے۔ بولے "تم بھی زیر حراست اور وہ بھی زیر حراست"۔ ادھر لوگوں نے حکم کی تعمیل ہی نہیں کی بلکہ بھاگے قصبے کی شاہراہ پر آئے۔ حضور کے مزاج کی خبر مشہور ہوچکی تھی۔ دیہاتی جوق جوق تماشا دیکھنے آ پہنچے تھے۔ ابھی بیٹھے تو۔ کدھر کا قصبہ۔ لینا دینا۔ نہ دینا کا خوف۔ جج صاحب ریلوے اسٹیشن کی طرف بھاگے اور بغیر ٹکٹ لیے ایک گاڑی میں گھس کے زیر حراست ہوگئے۔ خود بھی زیر حراست اور عقل بھی زیر حراست۔ اللہ اللہ ایسے جج بھی دُنیا میں پیدا ہوتے ہیں ہم تو سمجھے تھے کہ صرف ایشیا کا پاگل خانہ ایسے منصف پیدا کرتا ہے مگر نہیں صاحب! یہ اللہ کی دین ہے یورپ میں بھی کبھی کبھی سنہری تھالی چل جاتی ہے! اچھا جناب جج صاحب زیر حراست تو بندہ کا قلم ظرافت رقم بھی زیر حراست۔

راقم

اسپشل رپورٹر

پنچ۔ گھبرائیے نہیں پبلک سیفٹی بل یعنی قانون حفاظت عوام از ہوائے بالشوازم نافرجام گیارہ ووٹ کی زیادتی سے منظور ہوکر ایک منتخب کمیٹی کے سپرد کردیا گیا ہے۔ عجب نہیں کہ جرمنی جج صاحب کی عقل کو حل رہ گیا ہو اور وہ حراست سے آزاد ہوکر ہندوستان و انگلستان میں انڈے بچے دیتی پھرے۔

اس قانون کا نام درحقیقت قانون آزادی بدگمانی و حراست انصاف ہے وائسرائے اور اُنکی کونسل کو اختیار ہے چاہے پبلک سیفٹی بل کہیں یا کوئی اور نام رکھیں۔ سر ڈینس برے اس قانون کے عاشق صادق ہیں "برے" کے معنی انگریزی جاننے والے جانتے ہیں۔ عنقریب یہ آوازیں سُنی جائیں گی۔ یہ بھی زیر حراست وہ بھی زیر حراست۔ تو بھی زیر حراست میں بھی زیر حراست۔ آپ قبل از وقت تعجب کا اظہار فرماتے ہیں انشاءاللہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ سمجھے ؟۔

تعطل

"وطنی حماقت اور بیرونی تہذیب - جیسی گاڑی میں روڑا اٹکا سو ہم بھی مائل عداوت ہے"

"برمن این ماتہ بلا زیں سر و ساماں آمد"
"چہ تواں کرد بدروے کہ ز درماں آمد"

تحائفِ سالِ نو

مجتصر

خالباً لکھنؤ کی مشہور ادبی انجمن معراج الادب لکھنؤ نے قوت سے فعل کی طرف قدم بڑھایا اور ایک ماہوار ادبی رسالہ بنام ذوق جاری کر دیا۔ یہ امر قابل اطمینان ہے کہ ہمارے پرانے مشفق فاضل دوست سید ابو العلا مولوی حکیم سید احمد صاحب ناطق نے اس رسالے کی تالیف و ترتیب کا عہدہ قبول فرما لیا۔ موصوف مدت سے فن ادب و انشا کی خدمت پر اپنے دیگر اوصاف (مثلاً طب) قربان کر چکے ہیں۔

رسالہ حسنِ مخبر و منظر کے اعتبار سے ممتاز ہے کہ بعض فروگزاشت ہے بھی تو آگے چل کے رفع ہو جائے گی۔ اسکا حصۂ نظم مشاعرۂ انجمن مذکور کے طرحی کلام کا باسلیقہ اقتباس ہے۔ اور ہر نثر مضمون کے اختتام پر بغرض تبدیلِ ذوق و ذوالقہ چیدہ اشعار لطف دیتے ہیں۔ لکھنؤ صنفِ غزل میں بہت مقبول ہے۔ اور کیوں نہو۔ لوگ محنت کرتے ہیں اور پرانی باتیں نئی ہو جاتی ہیں۔ لیکن حصۂ نثر کے بعض مضامین قابل نظر ہیں مثلاً مصرعِ طرح کے عنوان سے جو مضمون لکھا گیا ہے اُسے نہ منطق سے علاقہ ہے نہ تہذیب سے ہمیں تعجب ہے کہ ایسا غیر مہذب اور سقیم مضمون کیونکر حضرت ناطق کی نگاہ سے بچا اور چھاپے خانے میں نکل بھاگا۔

کلام کی دو قسمیں ہیں دونوں کا مابہ الفرق یہ ہے کہ ایک وزن عروضی رکھتا ہے اور دوسرا اس وزن کا پابند نہیں۔ اظہار خیال کے یہی دو ذریعہ ہیں۔ موزوں کلام کی ایجاد مستفاد اہل خبرت بلا ارادہ ہوے آج بھی ہمارے سامنے کئی مثالیں موجود ہیں ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ موزوں کلام کی ایجاد طبیعت کے غیر ارادی تصرف صحیح کا نتیجہ ہے گو ہمیں معلوم نہیں کہ ہر مقام پر جو شاعری کے مرض میں گرفتار تھا یا مبتلا ہے یہ وبا کب پھیلی بھلا جب اونٹ چرانے والی چھوکری نے کہا تھا سے

اشتر صراحی گردنا آیا چہ خواہی کردنا
گردن درازی می کنی پنبہ نخواہی چیدنا

تو کیا وزن عروضی اور ضوابط قافیہ سے واقف تھی؟

یا جو بچہ اپنی توتلی زبان سے کہہ رہا ہے سے

وہ ابا آتے ہونگے جی کھلونے لاتے ہونگے جی

کیا وہ فن نظم سے واقف ہے؟ مولانا اصغی کا پوتا دو خربوزے خیرینگی کے آ بیٹھے سامنے رکھتا اور کہتا ہے سے

ایک شیر ہے ایک شیرنی ہے۔ دونوں میں گڑ جاتی ہے

یہ پانچ چھ برس کا بچہ بھلا شعر کیا جانے۔ ذاکر حسین صاحب یاس کی زوجہ محترمہ کا دماغ اعتدال سے متجاوز تھا کسی صاحبزادی کی تقریب عقد میں محفل آراستہ ہوئی یاس مرحوم ایک دبلے پتلے پستہ قد آدمی تھے اکثر نیلا رنگا ہوا کرتا پہنتے تھے انھوں نے اپنے صاحبزادوں کو مولوی صاحب کے پاس روانہ کیا کہ تشریف لائیں اور نکاح پڑھیں مولوی صاحب اتفاق سے نہ ملے حضرت یاس کی بیگم جو علحدہ بیٹھی ہوئی تھیں کہنے لگیں سے

دو چار جینگے جمع ہوے اور نیل کنٹھ اڑ آئے
ابلقے میرے دوڑے گئے سنبر علی کیوں آئے

یہ شعر ہندی عروض کے اعتبار سے بالکل درست ہے کیا باوجود خلل دماغ اس شعر کی ایجاد تعمد کی محتاج ہے؟

ان جملہ اشعار میں وزن بھی ہے بحر بھی ہے قافیہ بھی ہے۔ وزن بحر قافیہ ردیف کے قواعد کی تالیف و ترتیب کسی عداوت پر مبنی نہیں ہے جو بدتہذیبی حضرت مضمون نگار کے حق میں جامعین فن کی طرف سے سرزد ہوئی ہو اصل یہ ہے کہ بحر و قافیہ بھی اُسی طرح فطری ہے جس طرح وزن۔ جو لوگ عربی زبان سے واقف ہیں اور انھیں کبھی دس پانچ سطر لکھنے کی بھی توفیق ہوئی ہے انھیں اس کا تجربہ ہوگا کہ اسکی نثر بھی اکثر بلا ارادہ مقفیٰ ہوتی چلی جاتی ہے۔ حدیث کی کتابوں کو قافیہ سے کوئی ربط نہیں ان میں جو اقوال نقل ہوئے ہیں پچاس فیصدی مقفیٰ ہیں خلفا کے خطبے دیکھو۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوافی کا ایک دریا اُمنڈ رہا ہے۔ ان قوافی میں تجشم تکلف وضع یا ٹورنس (ٹھانس) کا وجود بالکل نہیں۔ پس وزن و قافیہ ہی جب نثر و نظم میں مابہ الفرق ٹھہرا تو ارتفاع مابہ الفرق سے نثر نظم ہو جائے گی اور نظم نثر۔ جو شخص اتنا بھی نہ جانتا ہو اُسے اتنے بڑے مبحث پر قلم اٹھانے کی جراءت کیونکر ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ سست نظم اشخاص پر قافیہ کی پابندی کیا ہر ایک پابندی دشوار ہوتی ہے اور قافیہ کی صورت دیکھ کے اُن کا دم نکل جاتا ہے کہ ہائے اسے کیونکر کھپائیں بے شک وہ قید میں پھنس کے بے راہ روی پر اُتار و ہو جاتے ہیں مگر انکے نقص کی مروت کا بار کمال کیوں اُٹھائے۔ انصاف سے کہیے اگر ہر ایک فن پست ہمت اور ناقص العلم اشخاص کی خاطر سے اپنی قوت گھٹاتا چلا جائے تو کیا پھر وہ زندہ رہ سکتا ہے؟۔

تمہیداً اتنا عرض کر دینے کے بعد اب نفس مضمون کی طرف توجہ فرمائیے مضمون کا ملخص یہ ہے کہ مشاعرہ کسی خاص طرح پر نہونا چاہیے۔ طرح کی رسی شاعر کی طبیعت کو جکڑ لیتی ہے۔ عروض (آخر جزو من الشعر الاول من البیت) اور قافیہ ہی کی قید کیا کم تھی جو اُس پر یہ قید مستزاد ہوئی اگلے زمانہ میں یہ قیود نہ تھے قدیم الایام دست با محاورہ عربی ہوا ہے نظم کے ساتھ مشاعرہ کے نشانات (جمع نشانۃ مادہ نشان) پائے جاتے ہیں۔ عرب اور عجم میں مشاعرے ہوتے تھے اُن میں محض شاعری ہوتی تھی مقابلہ اور مجادلہ مقصود نہ تھا۔ باہم شعر خوانی تک مشاعرہ محدود نہ تھا۔ رفتہ رفتہ یہ ذوق ترقی کرتا رہا اور ہوتے ہوتے مشاعروں کے ساتھ مطارحہ کا لفظ بھی شامل ہو گیا یعنی کسی ایک زمین ایک بحر میں دو یا چند شعرا کی طبع آزمائی۔ پہلے یہ ذوق انفرادی تھا پھر نہ معلوم کب اور کیونکر طرح کی صورت عمل میں آئی۔ یہ بعض اعتبارات سے اچھی ہے مگر اسکی اچھائیاں برائیوں سے کم ہیں۔ شاعری ایک آلہ ہے اظہار خیالات اور جذبات کا۔ نہ اسمیں صنائع و بدائع کی ضرورت ہے نہ اسکو لغت درکار ہیں نہ کمال عروض کی حاجت ہے نہ شاعر تنہائی کا پابند ہے..... (دور شاعری بطرز جدید) بلکہ وہ ایک آزاد جذبہ ہے...... وغیرہ۔ جب یہ سب ہے تو کونسی خطا ہے کہ اُسکے آزاد جذبات کو ردیف قوافی و عروض کا پابند کر دیا گیا۔ (فصاحت برس رہی) آخر اُس کی آزادی کو سلب کر کے اُسکو عروض و قواعد کا پابند ٹھہرا کر اسکے لیے ردیف و قافیہ کا دم چھلا لگا دینا یہ کون سا انصاف ہے۔ جن لوگوں نے ابتداءً قوافی اور ردیف کی پابندی کر کے شعر کو اس آفت میں پھنسا دیا گو در حقیقت صحیح معنی میں ظالمین میں سے ہیں (اشٹری فصاحت در حقیقت بھی صحیح معنی بھی ظالم نہیں ہیں ظالمین میں سے ہیں) قابل نفرین (لعنت) ہیں وہ ذاتیں

منہ سے ابھی تک دودھ کی بو آتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب تم خوب جانتے ہو کہ کوئی فعل فی ذاتہٖ
نہ اچھا ہے نہ برا۔ ہر کام میں نیت دیکھی جاتی ہے
اگر نیت اچھی ہے اور بدی پر آمادہ نہیں ہے تو خواہ
برا فعل بھی کوئی کرے اسکی برائی کم ہو جاتی ہے۔
ایک ہوتا ہے شرم کے اور جان بوجھ کے قتل کرنا
ایک ہے بغیر نیت کے قتل کرنا۔ جان بوجھ کے قتل
کرنے کی بھی دو قسمیں ہیں بری
نیت سے مار ڈالنا اور قصاص
کے طور پر قتل کرنا۔ بغیر ارادے
اور نیت کے قتل کرنا بھی دو
قسموں کا ہے ایک کو شبیہ عمد
کہتے ہیں دوسرے کو قتل خطا کہتے
ہیں۔ جان بوجھ کے برے ارادے
سے قتل ظلم ہے۔ حاکم کا قصاص
کے طور پر قتل کا حکم دینا انصاف
ہے فعل ایک ہی ہے مگر ایک پہلو
سے برا دوسرے پہلو سے ضروری
یہی حال دوسرے امور کا
بھی ہے۔ ایک عقلمند پر واجب
ہے کہ وہ ہر فعل کے تمام پہلوؤں
پر غور کرے اور نیت ٹھیک
رکھ کے اُسے اختیار کرے۔
شرع عورت سے بھی اُسی
لہجے میں بات چیت کرتی ہے
جس لہجہ میں مردوں سے۔
غض بصر کا حکم پرشیدہ [illegible]
جاری کرنا حکم عورتوں کو بھی
ہے مردوں کو بھی یہ حکم اُس وقت جاری ہوتا ہے جب غیر
مرد اور عورت ایک جگہ جمع ہوں ہر مقام پر یہ حکم بھی
جاری نہیں ہوتا۔ اگر ایک عورت چوری سے کسی کی
انگوٹھی گل کپڑوں میں چھپا لے تو انگوٹھی کا مالک اُس وقت
غض بصر کے حکم کی پابندی نہیں کرسکتا۔ وہ چاہے تو
جبڑے چیر کے اپنا مال لے سکتا ہے۔ غیر عورت کے
ڈیل کو ہاتھ بھی لگا سکتا ہے اور چہرے کی اسلیئے

مگر انی بھی کرسکتا ہو کہ کہیں وہ دانتوں سے انگلیاں
نہ چبالے جو پھر انگوٹھی پہنے کا آلہ ہی نہ رہے غرض
کرو کہ ایک ایسا ہی واقعہ ہوا مفتی سے مرحب
ال نے مسئلہ پوچھا اُس نے اجازت دی۔ کتاب میں
یہ فتویٰ لکھا ہوا ہے۔ یہی فتوے میاں چغتائی نے لکھا ہے
میں دیکھا اور اچھل پڑے کہ وہ اور ابھی پردہ کیسا بیا
توڑ دو اور بھری محفل میں غیر عورت کے سینے پر چڑھنا

جائز ہے خدا کی مار ان خود غرض ملاؤں پر جو خواہ مخواہ
عورتوں کو پردے میں بیٹھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ابھی شوق
سے تم عورتوں کی چھاتی پر سوار ہو یا فرض کرو کہ کسی
عورت کے گال میں سانپ نے کاٹ کھایا کوئی دوا
موجود نہیں عورت بیچاری چاروں شانے چت
پڑی تڑپ رہی ہے۔ ایک طبیب آیا اور اُس نے کہا کہ
دوا موجود نہیں لیکن زہر خفیف ہے زخم ظاہر ہے

اگر اجازت دو کہ میں زہر اپنے ہونٹوں سے چوس لوں تو
مفتی نے کہا اس شوق سے چاہیئے ان گلابی گلابی
خوبصورت گالوں پر ہونٹ لگا کے [illegible]
تا اچھی طرح چوسنا۔ یہ واقعہ بھی فتاوے کی کتاب میں
لکھا ہوا چغتائی صاحب نے دیکھا اور اسی کھونٹے پر گئے
کودنے کہ سلف صالح میں یہ آزادی تھی خدا سمجھے
ان بے سمجھے خشک ملاؤں سے جو دو عورت کی چھاتی کا
بہتناک ہیولا بنا دیتے ہیں۔
یا فرض کرو کہ ایک زچہ حاملہ
عورت سفر کر رہی تھی راستے میں
درد شروع ہوا کوئی دائی جنائی قافلے
میں نہ تھی جو مدد کرتی بچے صاحب
انگڑائی لے کے پیٹ میں پھر گئے
زچہ کی جان پر بن گئی۔ آہ مری
واے مری کی پکار مچی۔ ٹونے
ٹوٹکے گنڈے تعویذ کام نہ آئے۔
عزیزا قربا نے حکیم صاحب سے مدد
مانگی مفتی نے فتوے دیا کہ ایسے
آڑے وقت میں حکیم سے مدد لے سکتے
ہیں۔ حکیم صاحب آئے انھوں نے
مشکل آسان کی اب کوئی چغتائی
کا شاگرد یہ تماشا دیکھ کے دلیلیں
بگھارے کہ غیر عورت کا ستر دیکھنے
میں کوئی حرج نہیں جیسے ایک دفعہ
دیکھا ویسے دس دفعہ دیکھا اسلام
اسکی عام اجازت دیتا ہے بی بیو
تم اب سے ننگی پھرا کرو۔ ڈاکٹروں
کی عام رائے آجکل یہی ہے کہ لباس
کی قید صحت کے لیے مضر ہے۔ ذرا آگے لتا نہ پیچھے پتا
بی بی ہوئیں البتہ۔ پھر تاریخ کی کتابوں سے جن میں
نفس پرست عورتوں اور مردوں کی صدہا کہانیاں
ایسی ہی لکھی ہوئی ہیں دلیل لائیں کہ اسلام میں
یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تو جج صاحب! کیا اس
قسم کی دلیلیں قبول کرنے کے قابل ہونگی؟۔
جج صاحب! اسلامی شریعت کا دعویٰ ہے کہ

سقاشاہی (کابل)

سوویٹ (روس)

سقاشاہی ”حکم بادشاہ کا.........“

سوویٹ ”ابے جا بس اسی لفظ ”بادشاہ“ سے تو ہمیں نفرت ہے“

میں آسانی ہوتی کسی پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتی ہے۔ اس دعوے کا ثبوت ہر مسئلہ میں موجود ہے۔ بعض جلیل القدر صحابیوں کو یہودیوں نے لٹکا لٹکا کے رسول اللہ کی پیمبری اور خدا کی وحدانیت سے انکار کرنے پر مجبور کیا انھوں نے جان بچانے کے لیے جو کچھ یہودیوں نے کہلوایا کہہ دیا۔ پھر رسول اللہ کے پاس روتے ہوئے آئے اور ماجرا بیان کیا تو آیت اتری کہ جب دل با ایمان کی جانب مطمئن ہے تو زبان سے جبراً اسکے خلاف کہنے میں کوئی نقصان نہیں۔

خیر میں کہاں تک کہوں گی تم کب تک سنو گے میں نے مولویوں کی زبان سے ایک جملہ سنا ہے "الضرورات تبیح المحظورات" ضرورت آن پڑے تو ممنوع بات کی ممانعت رفع ہو جاتی ہے وہ مباح ہو جاتی ہے۔ یہاں ضرورت سے مراد یہ ہے کہ امکان ممنوع بات کے ترک کر دینے کا جاتا رہے۔ ایک ہی بات کسی موقع پر منع ہے کسی موقع پر مباح۔ تم قانونی آدمی ہو تمہارے واسطے اسیقدر اشارہ کافی ہے۔ پردے کے بارے میں یہی قانون ہے یعنی وہ ایک شرعی قانون ہے جسمیں مستثنیات موجود ہیں۔ "قرآن اور پردہ" کا مقدمہ لکھنے کے وقت تمہیں مؤلف کی نیت اس قضیے کے چھیڑنے کی وقتی ضرورت اسکی طبیعت کا رجحان اسکی بدزبانی کا جو اس نے فقیہوں کے بارے میں کی ہے لحاظ رکھنا ضرور تھا۔ مسٹر چغتائی کا دعوے یہ ہے کہ پردہ اسلام میں تعلیمی نہیں۔ اسلام پردے کا مخالف ہے۔ پردہ جاہلیت کی یادگار ہے۔ رسول اللہ نے پردہ کا حکم نہیں دیا۔ پردے کے خلاف اسلام کا طرز عمل موجود ہے۔ یہ بحث اسوقت چھیڑی گئی جب ملکہ ثریا نے اپنی آبرو کی طرح نقاب اتار کے سمندر میں ڈبوئی۔ مسٹر چغتائی ثریا کے اس فعل کو جائز ثابت کرنے کے درپے ہیں اور اس کبڑی بڑھیا کی طرح جس نے کہا تھا کہ میرا کب جا ہے نہ جائے مگر دنیا کبڑی ہو جائے خواہشمند ہیں کہ عالم بھر کی مسلمان عورتیں بے پردہ ہو جائیں تم لکھتے ہو "اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں کہ اسلام نے پردے کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ عورتیں

اپنے محاسن عام نگاہ سے محفوظ رکھیں" مگر مؤلف انھیں محاسن کو عام نگاہوں تک پہونچانا چاہتا ہے (رسوم کے مضامین اور ودو تحریریں دیکھو جو مجھ بڑھیا کے نام اسنے روانہ کی ہیں) تم کہتے ہو کہ ہاتھ اور چہرہ عورت کھول سکتی ہے یعنی ضرورت ہو تو ہاتھ اور چہرہ کھولنا جائز ہے اور یہی منشا ہدایہ کی عبارت کا ہے جسے تم نے نقل کیا ہے۔ مگر مؤلف اسکا مخالف ہے وہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کا بند رکھنا ممنوع ہے۔ فقیہوں اور مولویوں نے زبردستی عورتوں کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا ہے تم نے ہدایہ سے عبارت نقل کرنے کے بعد بھی غض بصر کے حکم پر کوئی غور نہیں کیا۔ آخر یہ راہ چلتے جو مردوں اور عورتوں کو غض بصر کا حکم دیدیا گیا یہ غض بصر کس چیز سے متعلق ہے۔ کپڑوں سے متعلق ہے۔ زیور سے متعلق ہے۔ یا چہرے کے محاسن سے؟ میری جان ڈاکٹر صاحب کپڑے دیکھنے سے کوئی مفسدہ پیدا نہیں ہو سکتا زیور دیکھنے سے دل پر بجلی نہیں گر سکتی۔ خدا خوب جانتا ہے کہ عورت کے چہرے میں مرد کے لیے اور مرد کے چہرے میں عورت کے لیے کتنی چیزیں دل لبھانے والی مسلطہ رکھی گئی ہیں۔ وہ خالق ہے وہ دلوں اور نگاہوں کے بھید سے واقف ہے۔ اصل چیز جس کو بچانا مقصود ہے وہ تو مرد اور عورت کی دونوں آنکھ کے درمیان ڈھنکی دھکائی رہتی ہے۔ ان پردہ نشین چیزوں کی بھڑوائی کا حق چہرہ ہی ادا کرتا ہے۔ اسے مجھے شرم آتی ہے مردوں کے سامنے کیا بیان کروں مگر خیر شرع میں شرم کا ہے کی۔ نگاہیں کھینا یا

کرتی ہیں اس کھنا ہنے کے روکنے کے لیے سارا اہتمام شریعت نے کیا ہے۔ ایک فقیہ جو اس راز سے واقف ہے ہرگز اجازت نہیں دیسکتا کہ شرعی اور مباح ضرورت کے علاوہ عورت اپنا چہرہ کھولے یا مرد اس چہرے کو نگاہیں گاڑ گاڑ کے دیکھے۔ شرعی اور مباح ضرورت کی قید اگر غض بصر کے حکم سے نکال ڈالو تو ساری آیت اپنے مفاد سے ہاتھ دھوئے لیتی ہے اور یہ حکم بیکار ہوا جاتا ہے۔ ہائے انکھیاں انجری قیامت کی چیز ہیں

ای بلا رل مد بھرے سوبت سیام رتنار
جیت مرت جھک جھک پرت پہ جیوت اکبار

زردیہ ہے شہد ہیں زہر ہیں نشیلے ہیں صاف ہیں کالے ہیں موتی ہیں رستے ہیں چلاتے ہیں مارتے ہیں متوالا بناتے ہیں ایک ہی وار میں عاشق کو بیوفا مر جاتے ہیں یہی وہ ہیں جو دو اجنبی دلوں کو ملا دیتے ہیں لڑواتے بھی ہیں۔ زری آنکھوں کے القاب دیکھو جو شاعروں نے دیے ہیں نہیں انکھوں کی تو کیا کہے کہتی ہوں کہ جتنے لقب ہیں وہ سب نتیجے کے اعتبار سے صحیح ہیں فتنہ خنجر تلوار تیر خنجر بھالا برچھی انقلاب آشوب قیامت آفت۔ غزل گو شاعر۔ ساحر۔ قاتل۔ بیمار۔ گردش زمانہ۔ مقدر کا پھیر بازی گر سب ہی کچھ کہہ گئے اور ابھی انکی صفت کے دفتر کا ایک ورق بھی ختم نہیں ہوا۔ کنایہ کا میدان آباد نہیں گنجائش باقی ہے۔ ترچھی نگاہیں بھی کارگر ہوتی ہیں سیدھی بھی نیچی نظروں سے دیکھنے سے بھی کھٹکا ہے سلامتی اسی میں ہے کہ گھر کی چار دیواری میں بند کر لے کیونکہ اور کوئی چارہ نہیں (جیسا کہ خدا نے حکم دیا ہے) فقیہوں نے

بدفعِ روس تدبیرے ضرور است
پئے خر پروری فیرے ضرور است
"بیو۔ بیو۔ برخوردار۔ پروان چڑھ کے لات مارنا"

جو صاحب پنساری۔ عطار۔ یا عطر والوں کے دس صحیح پتے حافظ سید تا محمد رفیع صاحب تیا بلغ لکھنؤ کو دینگے انکو ۳ ماشہ عمدہ عطر مفت روانہ ہوگا۔

تعلیم اسے باقی رہنے دیگی یا نہیں۔ علم (لٹریچر) لے لیجئے پہلے گھٹائیے کہ کس قسم کی کتابیں مقبول ہوئیں؟ کس قسم کی دعائیں زیادہ کھپتی ہیں کس قسم کے رسالے خالی عجز جوانوں کا جی خوش کرتے ہیں۔ کس قسم کی شاعری پسند ہوتی جاتی ہے۔ خالی خولی گھر سے جو بہو بیٹیاں تو کیا نکلیں اپنے آشناؤں کے ساتھ چوری چھپے کرتی تھیں (ملاقاتیں) وہ آوارہ جی کے ساتھ ہر پرچے میں چھپے دکھائی دیتے ہیں اور اخباری کاغذ اُنکی آؤ بھگت کرتے ہیں پھر میاں جج صاحب غیرت نگوڑی لوگوں نے بھون کھائی تو آدا کیا رنگ لائے گی؟ شرع کہتی ہے کسی کی عیب جوئی نہ کرو (لا تجسسوا) اسکی وجہ یہ ہے کہ عیب جسقدر رکھا جاتا ہے اسیقدر رشک ہوتا ہے لہذا اگر بُری بات کرو بھی تو چوری سے کرو (لا تعلنوا بالفسق) ورنہ دوہری سزا ملے گی ایک تو گناہ کی دوسرے گناہ کے اعلان کی گناہ کی تعزیر جسمانی ایذا یا تاوان اور کفارے کی صورت میں دیجاتی ہے اور اعلان گناہ کی سزا یوں کہ ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں۔ اسکی غیبت جائز ہے۔ لوگ اسے رسوا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ وہ مکلو ہو جاتا ہے (بشرطیکہ پاس پڑوس والے غیرت دار ہوں) اب تم خیال کرو اقتصادی ضرورت سے شوہر دار (تم بیاہی اور بن بیاہی کنواری اور بیوہ میں فرق نہیں کرتے) عورت باہر نکلی گوری ناک نقشے سے درست ہے مگر غریب کا خاوند کسی قدر بدصورت ہے کوئی چربی کا چھلا حرام زادہ اسکے پیچھے لگا بہکانے سے بڑے بڑے درویش گناہگار ہو چکے ہیں یہ بیچاری کس شمار قطار میں ہے۔ آزادی اور امن چین کے قانون قاعدے جنکا ذکر اوپر ہوا یہ نکٹ ہیں کسی کو روک نہیں سکتے بتاؤ شریعت کے قانون میں خلل آئیگا یا نہیں؟ قانون بنا دینا مشکل نہیں پابندی مشکل ہے۔ اسلام نے جو کار نمایاں کیا وہ یہی تھا کہ پابندی کروا چھوڑی۔ تمھارے وقتوں کا قانون پابندی کے لیے نہیں بناؤ دل پر حکومت نہیں کرتا اُسکی مخالفت کرکے انسان کبھی پشیمان نہیں ہوتا۔ اس نمبر میں صرف اشاروں سے میں نے کام لیا ہے۔ آئندہ میں اُن دلیلوں کو دیکھونگا جن کے بھروسے پر تم نے مقدمہ تیار کیا ہے اور پنجابی صاحب کو بہلایا ہے۔

جج صاحب صحت کی خرابی اور اقتصادی ضرورت بھی ایک بہانہ ہے یورپی طرز کی آزادی اختیار کرنے کا جسے کوئی اختیار کر ہی نہیں سکتا جب تک حیا کا طوق نہ بہائے کیسی صحت کی خرابی؟ میں نے عمر بھر گھر سے قدم باہر نہیں نکالا نہ باغوں کی سیر کی نہ چھوکروں کے ساتھ ونڈ پیلے پھر بھی ہٹی کٹی موجود ہوں۔ میری ماں اور دادی بھی اسی اور پچھتر برس کی عمر میں بھی خاصی ہاتھی کراری تھیں وہ کبھی بیکار نہیں رہیں جب تک خاوند زندہ رہا اُسکی کمائی سے امن چین کی زندگی بسر کی جب بیوہ ہوئیں تو گھر ہی میں بیٹھے بیٹھے حلال کی روزی کمائی بچے پالے رنڈاپا کاٹا اور عزت میں فرق نہ آنے دیا۔

بھاڑ و پھرے اُس اقتصادی ترقی پر جو شرم اور غیرت کے بدلے میں میسر آئے۔ (باقی آئندہ)

راقم

بوالفضین

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"چت بھی میری پٹ بھی میری"

مثل تو یہ ہے کہ ہاتھی کے مُنہ سے گنّے کھانا آسان نہیں مگر حال کے تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ اونٹ کے مُنہ سے ببول کی ٹہنی چھیننا بھی ویسا ہی دشوار ہے کیا معنی کہ مرزا محمد جعفر صاحب نے شیعہ کالج سے اپنا عطیہ شرط عطا کی مخالفت واضح ہوجانے پر واپس لینا چاہا تھا مگر نہ مل سکا۔ شیعہ کالج پر مولوی حاوی ہیں اور جب وہ شیعہ کانفرنس پر حملہ کرتے ہیں تو بنائے دعویٰ یہ قرار دیتے ہیں کہ شیعہ کانفرنس کی رفتار غیر شرعی ہے استغفر اللہ ہم اور ایسے خلاف شریعت مجمع کی شرکت! اب سُنیے کہ مرزا محمد جعفر صاحب نے اپنا عطیہ واپس مانگا تو کالج صاحب مع سکرٹری زین الشریعتین نے عذر کیا کہ دعویٰ خارج از میعاد ہے (خدا معلوم میعاد کا مجمول شریعت بھی پالتی ہے یا نہیں) اور دفعہ ۹۲ قانون (غالباً شرعی) اوقاف کے بموجب سرکاری قانونی مشیر سے اجازت نہیں لی گئی۔ اور اسی طرح کے دوسرے عذرات جن کا شرعی اعتبار سر دیوں کی ساکھ کی طرح ساقط ہے پیش کیے گئے۔ ان میں سے بعض تو منصف صاحب نے مان لیے اور بعض مسترد کر دیے۔ اُنکی تجویز میں کافی ظرافت موجود ہے ایک جملہ سُنیے۔ مدعی کا دعویٰ قبل از وقت ہے وہ انتظار کیوں نہیں کرتا کہ ٹرسٹی اپنی تمام قوتیں اور تدبیریں کالج کو لکھنؤ یونیورسٹی یا دوسری یونیورسٹی سے تسلیم کروانے پر صرف کر چکیں۔ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ یونیورسٹی لکھنؤ کا ایکٹ سنہ ۱۹۲۰ء میں نافذ ہوا اگر مدعی کو دعویٰ کرنا تھا تو سنہ ہی میں کیوں نہ کیا اب تو گورنمنٹ سے عمارت کالج کے لیے زمین بھی مل گئی یعنی دعویٰ چھ سال کے اندر ہونا چاہیے تھا۔

اب ان دونوں جملوں کو ملائیے تو حاصل نہایت مضحک ہے یعنی مدعی کو اپنے دعوے کے بارے میں انتظار کرنا چاہیے کہ وہ میعاد سماعت سے اور زیادہ دور ہو جائے حالانکہ اُسے چھ برس میعاد کے عنایت کیے گئے ہیں۔ واقعی قانونی منطق کا مقابلہ ارسطو کی منطق نہیں کر سکتی۔ شیعہ کالج کے مولوی بھی شرعی مسائل میں غالباً اس قانونی منطق پر زیادہ اعتماد کرینگے۔

ہم کو تو دل لگی سے غرض ہے کہیں سہی

مبارک ہو کسی نہ کسی طرح فتح و ظفر سے ہمکنار ہو گئے مقلدوں میں کون ایسا دماغ والا ہے جو ان مولویوں سے پوچھے کہ تم نے فعل حرام (غیر شرعی فیصلہ) کا وقوع کیوں گوارا کر لیا۔ نہ مقلدوں کو اس سے غرض ہے کہ اُنکے مجتہد صاحب صحیح الاعمال اور قابل اعتبار ہیں یا نہیں۔ اجی تقلید ہے عین ایمان وہ ہے مطلق۔ مجتہد کے صحت عمل کی فکر ہے نہ شرع کے عام قوانین کی غلام۔

ایک تھے شتر سوار ان کا اونٹ بدمہار۔ دُم اُٹھا کے جو پچھم کی طرف بھاگا تو ہول جھل میں نکیل سوار کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اب سوار صاحب اُتر سکتے ہیں نہ اونٹ کو راہ پر لگا سکتے ہیں گردن اونچی لمبی نکیل کا سرا زمین پر۔ راہ میں ایک دوست ملے اور حسب معمول پوچھا۔ کدھر کا قصد ہے؟ سوار صاحب بولے "جدھر اونٹ لے جائے" اب یہ مسئلہ ناظرین طے کریں کہ شتر شیعہ کالج کے اختیار میں شریعت کی نکیل ہے

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۳

جلد چہارم

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۳

اودھ پنچ لکھنؤ ۱۹۲۶ء

غذائے روحانی

معدن الموسیقی

وہ بے نظیر کتاب جس ... میں گرہ لگائی

اور

ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کا غذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

تاحال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی

مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

تان سین کے عہد سے لیکے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دُھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے

اُستاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دُھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں اُنسے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پہ قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اسیطرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جسطرح کہ خود اُستاد تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقۃ مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا تمام ہندوستان کے اُستادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ

محصول ڈاک بہرحال ذمۂ خریدار۔

المشتہر ... اودھ پنچ لکھنؤ۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ

(۱) اودھ پنچ ممالک بھر کی طرح [illegible] نہیں ہوتیں نہ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تمیزی مضامین [illegible] اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحکہ امور پر خود ہنستا ہے۔ وہ صرف اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور کہیں کہیں اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ زمانے کی صداقت بے روک رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط التصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرا لیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گمشدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے انکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور ان کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

[illegible]

جلد ۱۴ نمبر ۷

مضامین

۱۸ فروری ۱۹۲۹ء

اماں مہری کے فلسفیانہ خیالات

(۱)

"ایمانداری بہتیرن دورانمڈیشی ہے"

رہیں چھوڑے ہیں۔ خواب دیکھیں محلوں کا بھیک مانگنے چلے اور مشعلچی ساتھ نکلیں کوڑی پھیرا کرنے اور ساتھ لیں صندوق پٹارے۔ چوری نہ کھلتی ہو لاکھ جتن کرنے کی مہری گیری اور دکھائیں آنکھیں۔ پھر تو اللہ میاں نے کہا ہے ہر ستے ننگا جھوری (تلاشی) دینی پڑے گی۔ روز صندوق پٹارے اُلٹنے پلٹنے جائینگے۔

وہ کون ایسی چھوٹی بڑی سرکار ہے جہاں لوٹ کے پھلے سے لے کر جواہرات (جواہرات) تک ادھر اُدھر چھلکے نہیں پھرتے۔ اے ہاں پھر جو کوئی چیز بستا اُدھر سے اُدھر ہو گئی اور توبہ کرکے کہتی ہوں دشمن مدعی دھرے گئے تو کیسے کیسی بنی۔ بندہ بشر ہے کری پڑی چیز کون نہیں اُٹھا تا لے کوئی مہری آئے تو سامنے چھپتا چھپتی (سیتاستی) ان کے جس نے کچھ اٹھایا ہو۔ پھر جو صندوق پٹارے کا ٹبر بھی ساتھ ہوگا تو اسی میں آدمی رکھے گا۔ ابس یہی ٹبر آدمی کو دھروا دے گا۔

اے ہے جب مجھ بندی پر پہلے پہل وخت پڑا (وقت پڑا) اور میں نوکری کو نکلی۔ اے چھوکری تو تھی ہی۔ کوئی سمجھانے والا اکل (عقل) سکھانے والا بھی تھا جو کہتا ابی ہوش میں آؤ۔ تم نوکری کو جاتی ہو یا رہنے سہنے" صندوق پٹارا لیا ساتھ بے ام صاحب (بیگم صاحب) کے یہاں چلی گئی۔ اُنکے یہاں آئیں اُنکی خالہ جان مہمان طرق۔ اُن کے ساتھ اُن کی صاحبجادی (صاحبزادی) بھی آئیں اللہ رکھے اُٹھنے برس میں تھیں کیسی خصوبصورت (خوبصورت) گگلو تھنا سی کہیں کیا کہوں۔ اے کھیلتے کھیلتے صاحبجادی نے اپنی امی جان سے کہا امی جان ہماری نتی کھو گئی۔ پہلے ڈھونڈھیا مچی سارا گھر لپیٹ۔ وہ ہتا ستھ کہ توبہ۔ بی بی امیر کا بچہ کون کہے کہ تو تیا طوفان چوڑتا ہے۔ دوسرے مہمان یہ بڑی ناموسی کی بات ہے گھر والے کے لیے کہ اُسکے مہمان کا نصحان (نقصان) ہو۔ محل بھر اُلٹ ڈالا گیا نہ مالم (معلوم) انتی کدھر الوپ ہو گئی آخر باہر سرکار تک خبر پہنچ گئی۔ لے میری بی بی اب کیا تھا سب تھرا اُٹھے حکم ہو گیا کہ سب کے صندوق پٹارے گٹھری مٹھری دیکھی جائے۔ اے ہے میں تو سن سے ہو گئی صندوق پٹارا میرے ہی پاس تھا اور کوئی مار حتن (محافظ) ایسی سو رکھ دی تھی۔ جی نے کہا لو بی اماں جو کسی نے عداوت سے انتی ڈال رکھی ہو گی تو جھونٹے (بال) مونڈے جائینگے آج اللہ آبرو رکھے مدار (مگر) جو چور ہوئے رہ ڈرے۔ سرکار نے اپنے سامنے میرا صندوق کھلوایا۔ ایک لہنگا۔ دو شلوکے ایک دوپٹا ایک موٹی سولی کی لڑی تین آدیزے۔ نانی اماں کی پن کٹی۔ ایک ایک چیز میں نے کھول کے رکھ دی۔ تیہا تو چڑھا ہی ہوا تھا۔ دیکھیے حضور یہ شلوکے آپ کے ہیں۔ یہ لہنگا آپ کا ہے۔ یہ دوپٹا مجھے سرکار نے دیا تھا۔ یہ جھولے آویزے آپ کے ہیں؟ اور یہ پن کٹی حضور کی ہے؟

اتنا میرا کہنا تھا کہ نواب صاحب لال بھبو کا ہو گئے "یہ بڑی گستاخ بدتمیز ہے" بوا مجھ پر بھی جن چڑھا ہوا تھا بول اُٹھی۔ حضور غریب آدمی کی آبرو ہی کیا۔ مدا آبرو ہوتی ہے موتی کی آب ایک دفعہ اُتر کے پھر نہیں چڑھتی۔ حضور کے یہاں نوکری کرے تو ناک چوٹی کٹواے۔ بدتمیز کے سر پر وہی جو کہتے ہیں کہ سینگ نہیں ہوتے۔ جو بدتمیزی کرے وہی بدتمیز۔

میرے کڑوے بول سُن کے سارا محل سُن ہو گیا۔ بیوی بندی اپنا بوریا سمیٹ سماٹ یہ چل وہ چل پیچھے پھر کے بھی نہیں دیکھا۔ جب پہلی تاریخ آئی حساب کتاب کا وخت آیا تو گئی۔ کر بات کیا ہے مجھکو چار باتیں کہہ لو مگر دیکھو گی جواب نہ دوں گی۔ حد یہ کہ ناک کو ستے دے لو سب سہ لوں گی مگر جھوٹ تہمت سے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے پھر ایک ایسے ٹھکانے کھڑے پانی نہیں پیتی۔ بھٹ پڑے سو وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ میں کہتی ہوں۔ اور رے بھی رکھ پت رکھا پت۔ ہاتھ بیچا ہے کوئی ذات تو بیچی نہیں اللہ رزاق ہے۔ جس کی ڈھیری میں بدا ہے اُسی کی ڈھیری میں کھائیں گے۔ تو بوا جسکی اکل (عقل) ماری جائے وہ صندوق پٹارا لے کے نوکری پر جائے۔ بس چھڑے چھٹانک رہنا اچھا۔ اُس دن سے آج کی گھڑی میں ٹبرلے کے سرکاروں میں نہیں جاتی۔ میں کہتی ہوں شلوکے کی گوٹ اور نیفہ۔ کیا کم ہے جو یہ کھڑاگ کوئی دم میں باندھے۔ اے ہاں کوئی اونٹ چرانے سے رہا۔ یہی انگلی دو انگل کی چیز۔ پھر اسکے لیے صندوق پٹارے کی کیا درکار ہے۔ میں کہتی ہوں اگر عورت دوسرے پنڈے کی بجاری پھر کم ہو تو شلوکے میں اللہ جھوٹ نہ بلوائے گز دو گز کپڑا رکھ لے کیا مجال کوئی پہچ تو جائے۔ مگر اسکے لیے سلیقہ چاہیے اس طرح رکھے کہ دکھائی نہ دے۔ یا تو بغل کی طرف رکھے نہیں تو بٹن کھول کے کپڑا سینے پر لپیٹ لے اور پر سے شلوکا پہن لے جب وخت نواب صاحب نے مجھ پر لٹک کیا اور میں نے نوکری جوتی کی نوک پر مار دی اُس وخت ایک لپری گلی گرنٹ کی میرے شلوکے میں تھی اور نیفے میں کوئی سوتکی نہ ہو گی تو چھٹانک بھر الاچیاں گھر سی ہو لی تھیں پھر کسی ایسے ویسے نے پکڑ نہ لیا۔ اور جو ٹبرے میں تھیں اُسکا حساب نہیں۔ بنا دلیرا الاچی کے پان میرے حلق سے اُترتا ہی نہیں میں کیا کروں پھر اتنی اوقات نہیں کہ امیروں کی طرح روپئے سند صول کی الاچیاں خریدا کر آخر نوکری جو انسان کرتا ہے تو کا ہے کے لیے۔ نگوڑا پان تمباکو کی لت پڑ گئی ہے۔ ہاں گرنٹ ورنٹ کی طرف میں نگاہ اُٹھا کے بھی نہیں دیکھتی۔ بولی بہن جان نے رٹ لگا دی تھی کہ اللہ باجی دو چار گز جوڑوں کا کپڑا اپنی بے ام صاحب کیاں سے لادو۔ لڑکی بعد جان کھایا کرتی تھی آخر کیا کرتی تم جاؤ موئی سمتی کی نشانی ہے اماں تو مہینے کی جان چھوڑ گئی تھیں میں نے بالشتوں پالا وہ تو بیٹی کی بجائے (جگہ) ہے۔ بس یہ بات تھی نہیں تو میں اپنی حیثیت سے بڑھ کے بات کبھی نہیں کرتی۔

اماں کے پاس اور کھڑا ہو گیا نماز پڑھنے۔ بیوا نمازی
نما ہے۔ ننگے ڈیل سے نماز کس کتاب میں جائز کی گئی
ہے۔ میاں بولے تم کو خواہ مخواہ وہم ہوتی ہے۔ معبود تو
ہیں پیدا کرنے والے سے کوئی بات پوشیدہ نہیں
سنو بندوں کے سامنے ڈھانکنا چاہیے یقین نہ ہو تو
صبح کو چلنا ساتھ میں بھی مولوی صاحب سے پوچھوا دونگا۔
بی بی چپ ہو رہیں میاں نے رات جوں تیوں بسر
کی صبح ہوتے ہی سیدھے مولوی صاحب کے دولت خانہ پر
مولوی صاحب کے آگے ہاتھ جوڑے۔ بڑا احسان ہوگا اگر
حضور نے کہہ دیا کہ ننگے ڈیل نماز جائز نہیں۔ اسے
لیجیے یہ دس اشرفیاں حاضر ہیں۔ تھوڑی دیر مولوی صاحب
مراقبے میں رہے پھر فرمایا تمہارا نام کیا ہے۔ انھوں نے
کہا عمرو بن زید۔ بس اتنی گفتگو کے بعد میاں چلے آئے
اپنے گھر اور بی بی سے کہا کہ چلو مسئلہ پوچھ لو۔ بی بی
برقع اوڑھ ساتھ چلیں میاں آگے بی بی پیچھے۔
مولوی صاحب مسند تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے
انھوں نے جاتے ہی سلام علیک کے بعد دریافت
کیا "مولانا اگر تنہائی ہو تو بغیر لباس کے نماز ادا ہو سکتی
ہے؟" مولانا بولے "عمرو بن زید اسی قول کا قائل ہے"
بی بی سمجھیں عمرو بن زید کوئی بڑا عالم ہے حالانکہ وہ
انھیں کے بغل میں کھڑا ہوا تھا۔ بیچاری چپ کے
گھر چلی آئیں۔

ڈاکٹر صاحب! دوسعا نے کی ضرورت نہیں آجکل
افغانستان کے میاں مسعود یعنی غازی امان اللہ کے
معاملے کی بہت ضرورت ہے۔ مولویوں کی دو ٹکڑیاں
ہو گئی ہیں ایک تو وہیں سے بیٹھی ہوئی اپنی ڈفلی
بجا رہی ہے اور کہتی ہے کہ میاں غازی ہیں معصوم ہیں
شریعت خود انکے ساتھ ساتھ گھومتی ہے جیسے فعل انسے
سرزد ہوتے ہیں ویسی ہی بن جاتی ہے "عمرو بن زید
اسکا قائل ہے" اور دوسری ٹکڑی افغانی ملاؤں کی
ہے جس نے میاں امان اللہ کا ناطقہ تنگ کر رکھا ہے۔
یہ ٹکڑی اثر رکھتی ہے اور جو کچھ فتویٰ دیتی ہے وہ موجودہ
واقعات کے اعتبار سے سچ۔ لوگ اپنی آنکھوں سے
دیکھی ہوئی بات جھٹلا نہیں سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمرو
بن زید خود امان اللہ خاں ہیں ولایت میں ننگے ناچ

پڑھتے تھے۔ بی بی اُنکی ناچ رنگ میں شریک ہوتی
تھیں کبھی شرعی ضرورت سے باہر نہیں نکلیں انکا
باہر نکلنا میدان جنگ میں زخمیوں کی مدد کے لیے تھا
وہ کسی مسجد میں وعظ سننے ہرگز نہیں گئیں۔ وہ اپنے
ارادے سے گھٹنے کھلی ازار پہنتی ہیں کہ پنڈلیوں کی
خوبصورتی سے لوگ محروم نہ رہیں عورت کا چہرہ ستر میں داخل ہے
اسلیے کہ نگاہ نیچی رکھنے کا حکم قرآن میں صاف صاف موجود ہے۔ اگر
انھیں خود باہر نکلنے کی ضرورت بھی تھی تو دوسروں کے جلسے میں
انھوں نے کیوں دخل دیا۔ آجتک لوگوں کی وضع قطع پہناوا
پر کسی بادشاہ نے کوئی قانون نہیں بنایا۔ بہت سے بہت یہ
کہ درباری پوشاک یا وردی مقرر کر دی نوکر چاکر اور
جن کو سرکار سے کچھ سل تھا وہ اس وردی کی پابندی
کرتے تھے جو وضع ایجاد ہوئی وہ خود بخود عورت مرد
پسند کر لیتے تھے اور اسکا رواج ہو جاتا تھا۔ یہاں تک
بانٹ کا سودا تو شخصی حکومتوں میں بھی نہ تھا۔ لوگو
ایک طرف تو یہ دعویٰ ہے کہ کسی شخص سے اُسکی پوشاک
اور وضع کے بارے میں کچھ پوچھنا گچھنا تہذیب کے
خلاف ہے اور دوسری طرف یہ مصیبت کہ جو کوئی فلاں
قسم کی ٹوپی نہ پہنے گا اسپر جرمانہ ہوگا۔ آج سے نقاب
ڈال کے اگر کوئی نکلی تو سر بازار اُتار لی جائیگی
یہ معنی تہذیب اور آزادی کے نئے ہیں۔ بی ثریا
بے نقاب پھریں اُنکے شوہر صاحب گوارا کرتے۔
بھلا کون منع کر سکتا تھا۔ پاجی پن کا نام تہذیب
ہے تو آگ لگے ایسی تہذیب اور روشن خیالی میں۔
اسکے علاوہ میں کہتی ہوں کہ لوگو اگر تمھیں ننگے
کھلے پھرنے کا شوق ہے اور اپنی عورتوں کو بھی پھرانا
چاہتے ہو تو کیوں شرع کا نام لیتے ہو۔ بادشاہوں اور
شہزادیوں کی بدفعلیوں کے سانچے میں شرع کو مت
ڈھالو بچے اب تو اچھا شرع کا پیچھا چھوڑو۔ خالی یار خواہ
کے افعال نہیں تم نے تو اور لکھا دینے پیروں مولویوں
صوفیوں کے قدم جس بات میں لگے اُسکی اڑیل کھینچ
تان کے شرع سے ملا دی۔ انکے معتقد عقیدے کی ایسی
پٹی آنکھوں پر باندھی کہ پھر انصاف سے جسکا تھا وہ بھی
کوئی گناہ اب گناہ نہیں ہے جس گناہ کو ثواب
قرار دینا ہو مجھ سے کہو میں انھیں کتابوں میں سے تمھیں

ڈھونڈھ دونگی سنّی ہوں یا شیعہ دونوں اس بات پر
متفق ہیں کہ عورت کے ٹخنے ستر میں داخل ہیں۔
"پردہ اور قرآن" حقانی صاحب کی کتاب میں
بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ عورت اپنے گھٹنے غیر مرد کے
کے سامنے کھول سکتی ہے کسی مفسر نے بھی پردے کی
آیت کی تفسیر میں یہ نہیں لکھا۔ اب میں تمھیں ایک طویل
مضمون کا ترجمہ سناتی ہوں جو لاہور کے ایک شیعہ
آقا کے اخبار میں اسلیے شائع ہوا ہے کہ مجاہد اعظم
(جھوٹا) غازی (جھوٹا) امان اللہ خان خلد اللہ ملکہ
...... کے اصلاحات "شریعت کے مطابق ہیں۔

....

...... معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ ثریا بھری محفل میں
کہیں ناچی تھی اور وہ بھی ٹخنوں سے اونچی گھگھرا پہن کے
ناچی تھی بھلا انھیں کب گوارا ہو سکتا تھا کہ طفیل رسول
کی بی بیوں کے ...... سر نہ ڈھانپے اور اس
بھونڈے پن کے جواز کی صورت نہ نکلے اس لیے
صحیح بخاری سے انس کی ایک روایت نکالی کہ
اُحد میں جب رسول کا لشکر تتر بتر ہو کے بھاگ گیا تو ام المومنین
عائشہ اور ام سلیم کو میں نے دیکھا کہ وہ خوب ہوشیاری
سے دوڑ دوڑ کر پانی کی بھری ہوئی مشکیں لا رہی
تھیں اور دیکھنے والوں کی نگاہیں انکی مقدس پنڈلیوں
پر پڑتی تھیں کہ جن سے کپڑا ہٹ جاتا تھا"

ڈاکٹر صاحب ذرا غور کرو۔ یہ جنگ کا میدان
ہے زخمی پیاس کے مارے تڑپ رہے ہیں لاشوں
میں عزیز بھی ہیں جن سے خون ملا ہوا ہے۔ غیر بھی
ہیں جنھوں نے شوہر (رسول) پر جان قربان کی ہے۔
بیکس بھی ہیں جنکی خبر لینے والا کوئی نہیں۔ ایسی حالت
میں تن بدن کا ہوش کسے رہتا ہے۔ دوڑنے میں
پنڈلیوں پر سے کپڑا ہٹ گیا تو انھیں اس ہولناکی کی
خبر بھی نہ ہوئی ہوگی۔ یہ فرض تھا دیکھنے والوں کا
کہ اپنی آنکھیں بند کر لیتے۔ میں اب بھی کہتی ہوں کہ
اللہ ان دیکھنے والوں کے دیدے کیوں نہ پٹم ہو گئے۔
ارے اپنے رسول کے ناموس کے ستر پر نگاہ ڈالنا
پھر اسے لکھنا یہ بے غیرتی نہیں تو اور کیا ہے مگر
نہیں ضرور دیکھنے والوں نے ادھر سے منہ پھیر لیا ہوگا

صورتیں اُمید کی خواب پریشاں ہو گئیں
سامنے آنکھوں کے آئیں اور پنہاں ہو گئیں

"آہ مطلب کے آدمی کی تلاش ہے۔ بالفعل تو سب اوٹ پٹانگ ہیں"

وہ خود سمجھ گئے ہونگے کہ بی بی اپنے میاں کے ساتھ پیا
کی تمنا کر رہی ہیں۔ وہ ثواب اور ہمدردی جلدی اور
ضرورت کے خیال میں ہوں۔ وہ پیاسے مرنے والوں
کو دیکھیں یا اپنے لباس کو دیکھیں کہ کہاں سے پھٹ کر بیب
ہو گیا۔ راوی نے واقعہ بیان ہی اس غرض سے کیا ہے
کہ ام المومنین کی مصروفیت ظاہر ہو۔ وہ اسے مصائب
کی فہرست میں ایک بڑی مصیبت خیال کرتا ہے۔ مگر
بی شریانہ نم کے حمایتی اپنی شرافت دکھاتے ہیں
اور اس روایت سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ
بھرے مجمع میں پنڈلیاں کھل گئیں تو عیب کیا ہے؟
بزم میں وہاں کھلیں تو بزم میں یہاں۔ وہاں اراد
پنڈلیاں کھولنے کا نہ تھا۔ یہاں ارادہ کے کھولی گئیں۔
وہاں زخمیوں کی مدد منظور تھی یہاں غیروں کا گھائل
کرنا مقصود ہے۔ وہاں جنگ کی ضرورت تھی یہاں محفل
کی زینت ہے۔ راوی نے وہاں صرف پنڈلیاں
دیکھی تھیں یہاں نصف پنڈلی اور آدھا سینہ بھی کھلا
تو قباحت کیا ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ عمرو بن زید
اسی کا قائل ہے۔ اور اب ہمہ وقت عورت کو اسطرح
رہنا چاہیے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ پنڈلیاں ڈھکے
اسکے علاوہ بھی انصاف کرو مرد کے گھٹنے سے ستر شروع
ہوتا ہے تو عورت اس سے بھی گئی گزری ہوئی کہ ٹخنا
کھولے۔ واہ یہ مساوات کے بالکل خلاف ہے۔

ڈاکٹر صاحب! میں لاکھ چاہتی ہوں کہ بات نہ
بڑھاؤں مگر مجبور ہوں نئی نئی باتیں نکلتی ہی آتی ہیں۔
خیر اب تو قلم دوات سے واسطہ پڑ ہی گیا۔ بات ادھوری
نہ رہنے پائے گی۔ باقی آئندہ

راقمہ

بوالعجبین

بے بسی کی جنگ

شاندار پسپائی بھی ناممکن ہے

ابھی بھول گئے کہ یاد ہے۔ وہ بلجیم کا میدان جنگ
جہاں مٹھی بھر کالے دانے جرمنی کی انگیٹھی توڑنے میں
کامیاب ہوئے تھے۔ کالوں نے وہ جوہر مردانگی دکھائے
کہ دانتہ گوروں کے بھی چھوٹ گئے۔ انکی جیوٹ دیکھ کے

گوروں نے کان پکڑے۔

اب دوسری تازہ جنگ کا حال سنیے۔ وہی یورپ کا
میدان ہے۔ وہی کالے ہیں گورے کالوں سے مدد
مانگتے ہیں۔ کالے جان پر کھیل کے نصرت کرتے ہیں۔
یہ ایسی جنگ ہے کہ ہمیشہ یاد رہے گی۔

بات یہ ہے کہ جس طرح مرحوم انشاء اللہ خاں شاعر
کے معشوق نے برف کی قلفیاں بھیجی تھیں قلفیوں سے
میاں انشا نے فال نکالی تھی کہ "نقشہ تمہارا جم گیا"
اسی طرح یورپ کی قومیں برفستانی ممالک میں سر سے
اپنا نقشہ جمانے جایا کرتی ہیں۔ کبھی اطالیہ سے کچھ
لوگ چڑھ دوڑے۔ کبھی سوئیڈن سے کبھی ناروے
سے کبھی فرانس سے کبھی انگلینڈ سے ٹولیاں کی ٹولیاں قطب کی
تلاش میں گھوما کرتی ہیں۔ نقشہ جمنا تو خیر متوقع ہے۔
مگر سیکڑوں آدمی خود ہی جم جاتے ہیں اور ایسے جمتے ہیں
کہ پھر اکھڑنا یا ہلنا محال ہو جاتا ہے۔ تعجب ہے سکن
ارواح بھلا ارواح کیوں بیجا مداخلت سہیں۔ انہیں
دنیا والوں سے تعلق رکھنا منظور ہوتا تو کیا یہاں
انکے رہنے کی جگہ نہیں۔ جبھی وہ بھی جھلا گئیں۔ کوڑی
پھر گئی کہ تنہائی میں دخل در معقولات دینے والوں کو
تھوڑی سزا ضرور دینی چاہیے۔ اپریل مئی کا زمانہ قریب
ہے۔ گرمی بڑھی اور کوئی نہ کوئی شامت زدہ جہودہ
اے حضرت رہے پر چیونٹی بھی کاٹتی ہے۔ روحیں کسی
کی دبیل نہ تھیں آخر مسلح (برفانی) ہتھیاروں سے
مسلح ہو کے سارے یورپ پر حملہ کر بیٹھیں۔ یورپ والے
تھے غافل اچانک کی چوٹ اٹھا نہ سکے۔ تو تلے میں
اوپر۔ ہاتھ جیسے پاؤں جیسے ؎

اب کے یہ سردی پڑی ہر ایک تارا جم گیا
کاسۂ چرخ بریں سارے کا سارا جم گیا

آخر پھر زغال الدولہ نواب کالے خاں بہادر آتش جنگ
سے طالب امداد ہوئے یہ بیچارے ایک کونے میں آتش
دردِ دل نہفتہ پڑے تھے قطبی روحوں کی زیادتی اور
"الامدد" کی صدا سنتے ہی چیخے اور بولے کہ یارو نہ
گھبراؤ جب تک بندے کے سینے میں آگ دہکتی ہے
اسوقت تک تم پر آنچ نہ آنے دوں گا۔ مگر صاحب ان
روحیں کو اپنے وقت کی بھی سمجھ نہیں ہوئی تھیں سلا

یورپ کا بل ہو رہا تھا۔ جہاز جم گئے تالاب جم گئے
جھیلیں جم گئیں سمندر جم گئے درخت جم گئے یہاں تک کہ
ساعت کے گھنٹے میں بھی برف کی سلاخ شمسی بدلا
تھی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر زغال الدولہ بہادر اپنی
گرمی نہ دکھاتے تو یہ جنگ بے لڑے بھڑے روحیں
سر کرلے جاتیں۔ اسوقت گھمسان کی لڑائی کالوں اور
برفستانی گوری روحوں میں ہو رہی ہے۔ کالے جانے
خود مستقل۔ آتش جنگ کے شعلے سر بفلک۔ واہ رے
میرے شیر نواب زغال الدولہ بہادر معلوم ہے آپ کو
اب کچھ دور نہیں کہ دشمن فرار اختیار کرے۔ ہاں یار
ہمت نہ ہارنا۔ مار لیا ہے باہر والے کو۔

یہ سب کچھ ہے مگر برفستانی روحوں کی دھاک بھی
ایسی ہے کہ انکی سطوت اور جبروت کا آوازہ ایشیا تک
پہونچ گیا ہے ہر متنفس لرزاں و ترساں ہے۔
میں یہ بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ برفستانی روحوں
کے کان کھول دوں اور خوب آگاہ کردوں کہ یہ گورے
گورے کی جنگ نہیں ہے جو آپ غریب یورپین قوموں
کو دبوچ بیٹھیں یہ کالوں سے مقابلہ ہے اس میں
چھٹی کا دودھ یاد آئے گا۔ یہ لوہے کے چنے ہیں۔ یہ
جل کے راکھ کا ڈھیر ہو جائینگے مگر آپ کو آرام کی نیند
سونے نہ دیں گے۔ وہ دن بہت قریب ہے کہ پسپا
ہو کر آپ کو اپنی قطبی حد کے اندر جانا پڑے گا
یورپ پر ہمیشہ آپ کا تسلط نہیں رہ سکتا۔ یورپ
یورپ والوں کے لیے ہے۔ اگرچہ زغالستان اہل زغال
کے لیے نہیں۔

اسپیشل رپورٹر

مولانا چنچ کی نوٹ بک

سنتے ہیں کہ دہلی سے جو اخبار "کافذۂ عروس لو" کے
نام سے جاری ہوا ہے پہلے اس کا نام "طوائف" رکھا گیا
تھا مگر ڈپٹی کمشنر صاحب خدا جانے اس نام سے کیوں
بھڑک گئے جو ڈیکلریشن قبول نہیں فرمایا اور نام بدلنا پڑا!
سچ پوچھیے تو "عروس" تو بے معنی نام ہے۔ جو "عروس" ہر دواہ
ہو وہ تو کیونکر رہ سکتی ہے "طوائف" اچھا خاصا نام تھا۔

غذائے روح
معارف النغمات
یعنی
وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی
اور
ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لینے کے قواعد سکھائے
یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے
تاحال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی
مصنف نے
اساتذہ فن کے علم سینہ
کو
علم سفینہ بنایا ہے
یعنی
سیاحت ظریف
یعنی
منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی
کا
منظوم سفرنامہ عراق
شرائط ایجنسی
تان سین کے عہد سے لیکے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے
استاد محمد علی خاں
میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں انسے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اسیطرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جسطرح کہ خود استاد تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقۃ مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا تمام ہندوستان کے استادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ محصول ڈاک بہرحال ذمہ خریدار۔
منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجّہ شــــرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تکیہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے رورعایت کہنہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اسوجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیئے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو بھیجا جائے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو ایک ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان منت اگر اپنی عسرت کے سبب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انہیں لازم ہے کہ چند سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا رواداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے روکنے پر نیاز مند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے انکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور ان کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

۔ جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۸

مضامین

۲۵ فروری ۱۹۲۹ء

امامن مہری کے فلسفیانہ خیالات

(رکھ رکھاؤ)

چولہے میں جائے رکھ رکھاؤ بھاڑ میں جائے رکھ رکھاؤ۔ جان ہے تو جہان ہے۔ آدمی اپنا وقت دیکھے کہ رکھ رکھاؤ کے پیچھے پڑا نا دیوالہ نکالے۔ بنسی کہیں کی امراؤ جان (امیر زادی) نہیں جو رکھ رکھاؤ دیکھا بھالا کرے۔ یہ امیروں کا چوچلا ہے غریب غربا جو اس پھیر میں پڑیں تو نکو ہوں۔

پڑوس میں ایک بی مُنگلانی (مغلانی) رہتی تھیں۔ جوانی میں موئیں رانڈ ہو گئیں۔ اندھے کی لاٹھی ایک ہی لڑکا تھا۔ اُسی پہ ساری جوانی مٹا دی۔.......

بے ام صاحب کی سرکار میں بی مُنگلانی کا طوطی بولتا تھا۔ سارا دھرنا سیتنا رکھنا اُٹھانا اُنھیں کے سپرد (سپرد) تھا۔ اُسی سرکار سے ہزاروں کمائے۔ مگر (مگر) لڑکا نکما نکل گیا جوانی پر آتے ہی ساری دولت اُڑا دی۔ سرکار پہلے ہی بگڑ چکی تھی کچھ دنوں پیچھے (دنوں کے بعد) لڑکا بھی نگوڑا جوان جہان ہتا کوئل بی مُنگلانی کو داغ دے گیا۔ کمائی یوں غارت ہوئی گھر یوں اُجڑی۔ بچی کھچی گھر ہستی نگوڑے جھوٹے رکھ رکھاؤ نے تہس نہس کی۔ کہو بڑی بی تم کوئی جوان جہان تو ہو نہیں جو تمھارا ڈیل ڈول تمھاری چال ڈھال تمھارے شہد بھرے رسیلے دیدے دیکھ کے راہ چلتو گبرو ریجھیں گے اور آبرو میں بٹا لگے گا۔ بھلا کیلی ہو کوئی بیٹی بیاہنے کو نہیں جو باہر نکلتے دیکھ کے دُنیا تھو کے گی کہ بی مُنگلانی صاحب آپ گلیوں کی خاک چھانتی پھرتی ہیں۔ ہے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ دو پیسے کے پان منگانا ہیں تو بیچاری آس لگائے کنڑا جھانک رہی ہیں کہ کوئی آئے تو منگائیں۔ کوئی آ گیا تو اُس کے ہاتھ میں دو پیسے پکڑا دیے اور لگیں گھگیانے۔ بیوی تم جیتی رہو سُرگُن (صبح) سے پنا پان کے بیٹھی ہوں منہ صابن ہو گیا ڈلی تمباکو پھانکتے پھانکتے کلّے چھل گئے۔ پان لادو ...... اللہ کرے تمھارے بچے جئیں جس کسی سے کہا اُس نے اول تو ناک بھوں چڑھائی نکتور سے جب لائے اور خدا کرا ن کے پان لا بھی دو تو بڑی اپنے ڈبے میں رکھی۔ پھر سودا بھی اس قابل (قابل) نہیں ہو پان پھلوا لو دو گیرہ دو منڈ رسا جی (مدراسی) چار پھیلے۔ رگ موٹی۔ رنگ کا ہی۔ مزا سرہنڈا کڑوا۔ ایک آدھا ساوری بھی نکل آیا۔ آخر بیچاری اسی رکھ رکھاؤ کے کارن گھگیا گئیں دانت پہ چھپلی نہ رہی تو برقع اوڑھ کے نکلنے لگیں دل جوان ہیر کو کلیجے سے لگائے رکھا اس کا مان گون کرتی رہیں نگوڑی کی جوانی رنڈاپے میں گزر گئی بڑی بی جو آج کو اُنکا دوسرا نکاح کر دیتیں اے ایسی بھولی بھولی قبول صورت تھی کہ اونچی جگہوں میں کھپ جاتی۔ تو ایک تو اس کے آنسو پونچھتے دوسرے ان کا بھی کوئی سہارا لگ جاتا تو نہیں وہ تو رکھ رکھاؤ میں فرق آتا تھا۔

قربان اس رکھ رکھاؤ کے بیسیوں دفعہ پڑوسی کرایہ دار سے جھگڑا ہوا۔ کہیں ہتراتی و ہترالی کے منہ سے بہو کی صورت کی تعریف سن لی ہو گی اُنھیں نے دیوال (دیوار) میں چھید کیا اور لگے اُسی چھید سے دیدے ڈالنے وہ تو کہیے ہم ایسی نیک کوکھ کی تھی الٹی کر کے اُسکی آبرو رہے جو اُس نے ایک دن ساس کو کھولا اور موکھے میں چھوہارا لگا۔ جو دوسری ہوتی تو اس رکھ رکھاؤ کے جیتوں منہ میں کالک لگا کے نکل جاتی۔ بس وہ جاتا سارا رکھ رکھاؤ۔ اے ہاں کیوں ہری گھر میں ہوئے جو دن رات ڈھیلے آئیں۔ اور یہ نگوڑی بھی بی مُنگلانی ایسی تھیں کہ بیچاری منہ سے دو ہونٹ کھولنا نہیں جانتی تھیں۔ سودے والے سے سودا لیا اس نے ڈنڈی ماری اب چپکی کھڑی دیکھ رہی ہیں گویا تالو (زبان) کو کوے گئی۔ یہ نہیں کہتیں کہ ایسے کے تیسے تو نے یہ کونسی تول تولی ہے۔ کہنے کو اتنی بڑی سرکار میں رہیں کل عقل نہ آئی۔ بھاڑ میں جائے ایسا رکھ رکھاؤ۔ پھر وجاداری (وضعداری) یہ کرا۔

بے ام صاحب کے ننددوئی نے کئی مرتبے (مرتبہ) بلایا کہ بی مُنگلانی تم ہمارے یہاں چلی آؤ جیسے بھابھی صاحب کا گھر ویسے میرا گھر۔ وہ اللہ کی بندی جم کا دیا ہو گئی ایک نہیں ہزار نہیں نہ جانا تھا نہ گئیں کھو کیا دیہ بار رکھ رکھاؤ نے۔ بڑھاپا ایڑیاں رگڑتے رگڑتے کٹا۔ اے ایک بی مُنگلانی غیر وہ تو عورت ذات تھیں۔ مرثیہ خوان میر صاحب ہی کو کہو بڑے بڑے نواب جادے سہجادے (شہزادے) اُنھیں آنکھوں پہ بٹھاتے تھے۔ سروقد تعظیم کرتے تھے۔ اُنکی وجاداری (وضعداری) کو دیکھو اللہ کے بندے نے پنس پہ جو بیٹھنا شروع کیا تو تا بہ مرتے دم تک کبھی بنا (بغیر) پنس کے راستہ نہیں چلے۔ سودے سُلف کو بھی نکلتے تو چار کے کاندھے پر۔ بزار میں گھم گھم چلیں جاتی ہے۔ بھتیا ہرا دری ترک جاؤ اے میاں کبریدی تین پاؤ سیم کے بیج۔ اَدھی کا ہرا دھنیا۔ ادھی کا پودینہ ادھی کی اور ایک پیسے کی پیاز دے دو۔ میاں کبریدی نے

....

....

ایک ایک چیز پنس میں اٹھا کے رکھ دی تو دجان (دوجہ) کیا وہ تو اپنا فائدہ دیکھتا ہے نہ ایک کے دو اُسے نوکر نا ہے۔ آخر میاں جو پنس پر چڑھ کے کوئے بیٹنے آئے ہیں تو کوئی ایسے ویسے تو ہوں گے نہیں بس ایک کی جگہ دو روپیہ ٹھگ لیے۔ ایک روپیہ ہوا سودے کا ایک ہوا میاں کے رکھ رکھاؤ کا ڈنڈا۔ کسی کے باپ کا کوڑیا غلام تو ہے نہیں ایسے تو ہزار گاہک آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ے میں بڑا بول نہیں بولتی۔ خاک۔ چاٹے کہتی ہوں کوئی ایسے کا تیسا مجھے تو ٹھگ لے نگوڑے کی چھاتی پر چڑھ کے اڑھائی چاؤ لہو پی لوں۔ کیا ہنسی ٹھٹھا ہے۔ ہوں۔ سنہ کی بھی اپنے نام کی امامن ہے۔ ابھی ادھر میں دکان پر پہنچی اور دُکندار کا دم نکل گیا۔ دکاندار کے لونڈے نے پکارا ہے اَبا بڑی بی آ گئیں ان سے تم ہی سودا چکاؤ دُکندار نے میرا نام سُنا اور یہاں (وہاں) سے دوڑا آیا کہو بوا امامن آج پیسے میں کے ڈھیلے بھنا لاؤ گی ۔؟

تو ذلیل نہ دیکھے گا۔ ایسے ہی حضوروں کے ریلے پیٹ بھرتا ہے۔ کنگال چنڈال کیا کھا کے کسو کو کچھ دے گا۔ لیجیے صاحب حضور سامنے بیٹھ کے بیٹھ گئے اور اس نے گول دروازے پر پہنچتے ہی چار آنے رکھوا لیے۔ میاں بچارہ رکھ رکھاؤ کرتے کرتے کیا کرتے شخصیت میں بٹا لگتا تھا۔

بی بی اصل رکھ رکھاؤ وہ ہے جو اپنے بوتے پڑتے پر ہو۔ وہی جو مثل ہے "بل تو اپنا بل پڑیا بل جائے جل"۔ ایک دن کی دل لگی سنو صاحب کی بزار میں ایک موٹا مسٹنڈا آدمی اپنی آشنا کو ساتھ لیے جاتا تھا۔ دو آدمی رستے رستے چلے جاتے تھے رنڈی کی بوجہ پائی تو بھڑک کے چلے اور لگے آوازے کسنے پھینکنے۔ میاں رنڈی باز کو غصہ جو آیا تو ایک ڈنڈا ایک کے رسید کیا وہ تو بھاگا۔ رہ گیا دوسرا وہ تھا ذری تگڑا الٹ ہی تو گیا۔ بس ہونے لگی کشتم کشتا۔ گتھم گتھا ہوگئے۔ دونوں کے کپڑوں کی دھجیاں اڑ گئیں۔ آگر کھے پڑ نچے پڑ نچے۔ رنڈی باز کے ساتھ تھی رنڈی وہ دب جاتا تو رنڈی کی آنکھوں میں ذلیل ہوتا بس وہ پھیر پھیر کے لڑنے لگا آخر میاں راہ گیر چپ بول گئے۔ رنڈی باز نے جو ایک رابٹا کس کے میاں راہ گیر کے منہ پہ رسید کیا تو تین تلوک سوجھنے لگے اور سر پہ پاؤں رکھ کے بھاگے۔ لوگوں نے کہا وہ جھگڑا یا وہ جاتا ہے۔ اتنے میں پولیس آگئی اور راہ گیر بھی تھم گیا وہ تو کہو پولیس والا کوئی بھلے مانس تھا اس نے بیچ بچاؤ کر دیا کہ میاں شریف ہو کے راستے میں جھگڑا کرتے ہو۔ خیر دونوں اپنی اپنی راہ چلے گئے۔ تُن رنڈی باز بنچوں کے بل مونچھوں پر تاؤ دیتا چل۔ اچھا سچ ہے اپنے بل پر رکھ رکھاؤ یونہیں ہوتا ہے۔

راقم

محمد علی ردولوی

نوٹ۔ جھوپڑے اور محل خانے کی زبان سے ملی کی نئی چیز ہے۔ اچھوتی بی اماں کی زبان پر جو الفاظ جھوپڑے میں چڑھ گئے تھے وہ بھی اپنے ٹھکانے پر قائم ہیں اور جو محل خانے میں رہ کے سیکھے وہ بھی وہ شین قاف کے مخرج صحیح پر قادر ہیں مگر غلط الفاظ کی تصحیح پر قادر نہیں ہیں۔ لہذا کوئی صاحب یہ اعتراض نہ کریں کہ جب وہ شاید مین سین صحیح مخرج سے ادا کرتی ہیں تو شریف کو سریپھ کیوں کہتی ہیں "سریپھ" اُنکی مادری بولی ہے اور شاید کا استعمال اُنھوں نے محل خانہ میں سیکھا ہے۔ وہ "مگر" کی جگہ "مُل" بھی کہتی ہیں اور "مگر" بھی بجائے خود باقی ہے۔

"نامہ نگار"

بوانصیبن بنام جسٹس سلیمان

نمبر ۳

بلا سے تقریر میں تلخی آگئی۔ تلخی تو ایسی باتوں کی اصالت میں داخل ہے وہ جا نہیں سکتی۔ تلخی کے حیلتوں نبدی سچائی چھوڑ سکتی ہے۔ اے ہاں قبر میں تو پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں مرتے دم جھوٹ بولوں تو جو اعتراض سلطانی مورخوں پر میں نے کیے ہیں وہ اپنے اوپر خود ہی اوڑھ لوں۔ نا صاحب مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ ایک بڑے بھاری سخن فہم مولانا الہ آباد سے لکھتے ہیں۔

"یہ تو الہی کروز یادہ عیب نہ ہو۔ مصلحت کے خلاف ہے"

ہاں بھیا مصلحت کے خلاف ہے۔ مگر یہ پہلی سچائی نہیں جسے لوگوں نے مصلحت کے خلاف خیال کیا ہو۔ مولانا کوئی سچائی ایسی دکھاؤ جو مصلحت کے خلاف نہو تجربہ کاروں کا قول ہے "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" کہنے والے کا منشا یہ ہے کہ فتنہ روکنے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ مولانا بندی فتنہ کی ٹانگیں توڑنے اور آیندہ اصلاح کی راہ کھولنے کے لیے "سچ" سے کام لے رہی ہے۔ اسپر بھی تم اعتراض کرتے ہو۔ بسا تعجب ہے۔ خیر کچھ ہو اپنی کہانی ادھوری چھوڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

ال ڈاکٹر صاحب۔ تم لکھتے ہو کہ "اگر پردے کا رواج محض امرا اور اونچے درجوں تک محدود ہوتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ کیونکہ اونچے درجے کی خواتین کو معاشرتی میل جول کے موقع ملتے ہیں الخ"

میں کہتی ہوں کہ ہاں سچ ہے مگر شرع نے اپنے قانون میں اونچے اور نیچے درجے کو یکساں قرار دیا ہے۔ اگر رواج نے یہ درجے قائم کر دیے ہیں تو میں اُس افراط تفریط (افراط تفریط) کے مٹ جانے پر خوش

ہونگی۔ تم شوق سے سنا کرو۔ بُرا رواج تھوڑی جلد مٹے اتنا ہی اچھا۔ مطلقاً عورتوں کا گھر سے نکلنا یا اپنی تندرستی کی کوشش کرنا ہرگز شرع کے خلاف نہیں شرعی ضرورت سے منہ ہاتھ کھول دینے کی بھی ممانعت نہیں ہے معاش کی تلاش بھی ضروری ہے مگر مشکل یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اختیار اور قدرت سے شرعی قوانین کا رواج باہر ہو چکا ہے قانون کی پابندی پر ہم مجبور ہیں رہ گئی افراط و تفریط کے دونوں کنارے جو مسلمانوں کی مخصوص جماعت سے تعلق رکھتا ہو دُرست نہیں ہے خود مسلمانوں میں اچھا خاصا اختلاف ہے۔ ایک تو اس سرے پر ہے کہ عورتوں کو تازی ہوا بھی نہ لگنی چاہیے دوسرا اُس سرے پر ہے کہ ہر ایک بات جو فرنگنیں کرتی ہیں مسلمان عورتوں کے لیے بھی جائز اور مباح ہے۔ یہ امر تمہاری انصاف پسند آنکھوں سے بھی چھپا ہوا نہیں تم خود مقدمہ کے جج بنے ہو اور اس کے قائل ہو۔

رواج بدل دینا آجکل بہت آسان ہے۔ وہ یہ اور بہت جلد بدل جائے گا مگر جب اسلامی ملکوں میں خود ہی مردوں کی جماعت شرعی رواج کو کل رواج پر ترجیح دینے سے مجبور اور بے بس نظر آتی ہے تو ہندوستانی مسلمان بیچارے لولے لنگڑے بیکس بے بس کس گنتی میں ہیں۔ میں اب یورپ کی عورتوں کا ذکر نہیں چھیڑتی نہ بے پردگی کی خرابیوں کو دُہرانا چاہتی ہوں۔ ایک چھوٹی سی بات کا معقول جواب سمجھنا چاہیے۔ پردہ نوچ کے پھینک دینے کا خیال تیرہ سو برس سے ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہے اور وہ برابر تقریر تحریر میں اُسے ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ کئی اونچے گھرانے پردے کی قید سے آزاد ہو چکے۔ کیوں ڈاکٹر صاحب سچ ہے یا نہیں جب انھوں نے پردے سے باہر اپنی بی بیوں کو نکالا تھا تو اُس وقت یہی دلیل پیش کی تھی کہ ہاتھ اور چہرہ ستر میں داخل نہیں اسلامی قانون آسان ہے۔ عورتیں بھی آزاد ہیں وہ مسجدوں اور وعظ کی مجلسوں اور نماز کی جماعت کے شریک ہو سکتی ہیں۔ اگر یہی خیال سے ان مردوں نے اپنی عورتوں کا پردہ کُھلوا دیا تھا تو کیا اسکی پابندی بھی کی۔ بھلا کون سی ایسی عورتیں ہیں جیسے کہ وعظ سننے جاتی ہیں؟ نماز کی کون صاحب بتائیں۔ ہاں تھیٹر سینما کلب گھوڑ دوڑ کے جلسے میں تو نہیں شریک ہوتے سب دیکھتے ہیں۔ مسجد میں کوئی نہیں دکھائی دیتی۔ بحث کے خرافات میں تو خالی غلی بہت سی وجہ پیش کی گئی تھی کہ برقع اوڑھ کے نکلنے میں کیا نقصان ہے؟ لیکن اُسکے برقع بھی منہ پر سے سرک گیا مگر وہ سب بھی سوئی رہیں۔ اپنی شرعی دلیل کا لحاظ نہ مردوں نے کیا نہ عورتوں نے اُس خاص غرض کی پروا کی جو شرع کے مستثنیات میں بیان کی گئی تھی اور جس سے مردوں نے عموماً فائدہ اُٹھایا۔ اچھا اب خیال کرو کہ پردہ کھُلا گیا ہو ہے میں شرعی مستثنیات و مستثنیٰ شدہ ہو گئے وہ یورپ کی آزادی کی راہ تمام کے لیے چھوٹ ہوٹ کا ایک معاشرتی قانون بھی پیش کر دیا گیا اور ان شرعی قانونوں سے نکلیں پاس بھی کر لیا گیا تو اس خانہ ساز دستور کی پابندی کس طرح ممکن ہوگی۔

اب میں اس مقام پر ایک حکایت مستند کتاب سے نقل کرتی ہوں اُن بڑے بڑے عالموں کا نام جو لوگ بن کا ذکر اس حکایت میں ہے۔ یہ واقعہ بغداد کا ہے جب کہ بغداد میں علم و علما کی سلطنت تھی......

....

....

..... چند بڑے بڑے فقیہوں نے ایک عورت کے علم اور فضل کا شہرہ سنا کہ فقہ اور تفسیر کی بہت بڑی عالم ہے طالب علم اُس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ جسوقت وہ وعظ میں زبان کھولتی ہے تو سننے والے کا دل نور سے معمور ہو جاتا ہے لوگ اُسے سیدۃ المشائخ کے نام سے یاد کرتے تھے ۱۶۰ ہجری میں مصر سے بغداد کی طرف آئی اور اسی زمانے سے روزانہ کرسی پر بیٹھ کے اخلاق و ایمان کا سبق دیتی ہے عالموں کا اُسکے گرد ہجوم رہتا ہے۔ ایک فاضل ناقل ہے کہ شہرت سن کے ہم کئی آدمی اُسکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمارے ساتھ ایک رمد

باجلاس خانصاحب نواب سید اقبال احمد آنریری مجسٹریٹ درجہ اول

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قاعدہ ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۱۲۵ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت آنریری منصفی پرگنہ ارتھی پور مقام شمس آباد

سامی دیال ولد لیب قوم کسان ساکن موضع کاتکہ مزرعہ سلطان گنج پرگنہ کمپل ضلع فرخ آباد ..... مدعی

بنام خیالی ولد پرشادی قوم کسان ساکن مریال رانی گاؤں پرگنہ ارتھی پور ضلع فرخ آباد ..... مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت تمسک ماہیہ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوا ہے کہ تم بتاریخ ۱۸ ماہ اپریل ۱۹۲۹ء وقت ۱۰ بجے دن مقام شمس آباد اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو اُن ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بعدم حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ یکم ماہ مارچ ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔

دستخط سید عبدالعزیز پیشکار

مہر عدالت

اشتہار نامہ بنام داینان درخواست بابت تعین تاریخ سماعت درخواست دیوالیہ

(دفعہ ۹ ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر مقام ہردوئی

درخواست دیوالیہ نمبر ۱۲ سنہ ۱۹۲۹ء

مقدمہ قرار دیئے جانے دیوالیہ مسمی کیدار ولد دین قوم سنار ساکن موضع اوتری پرگنہ سرہ معولی تحصیل و ضلع ہردوئی

بنام مہاجنان

ہرگاہ مسمی کیدار مذکور نے عدالت ہذا میں بذریعہ عرضی مورخہ ۲۶ ماہ فروری ۱۹۲۹ء درخواست کی ہے کہ وہ حسب منشاء ایکٹ دیوالیہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء دیوالیہ قرار دیا جاوے اور تمہارا نام فہرست داینان میں جو مدیون مذکور نے داخل کی ہے پایا جاتا ہے لہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ ۲۲ ماہ اپریل ۱۹۲۹ء واسطے سماعت درخواست مذکور الصدر لینے بیان مدیون کے مقرر کی ہے۔ اگر تم کچھ اس معاملہ میں پیروی کرنا چاہتے ہو تو اصالتاً یا بذریعہ وکیل جو حال مقدمہ سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو حاضر ہو۔

آج بتاریخ یکم ماہ مارچ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

پٹیل ٹی پارٹی کا سین (پیمانہ پیمودن)

حکومت :۔ "قارورہ آمیز ہو چکا۔ اب آؤ دونوں بوتلوں کا پانی ملائیں۔ میرا گلاس کسی قدر اونچا ہے۔"

صوفی وطن۔ ہمہ اوست۔ یہ نیرنگیاں ذات واحد کا مظہر ہیں۔ قدرت کو جگجوگی مرغوب ہے۔"

رند ہوشیار :۔ اگر شراب خوری جرعۂ فشاں برخاک :

محتسب معطل۔ ازاں گناہ کہ نفعے رسد !۔ چہ باک + مگر............ چہ کنم :

مشرب ادیب بھی تھا۔ ہمارے آنے کی خبر سُن کے اُس نے ہمیں اجازت دی خود پردے کے پیچھے بیٹھی ہم باہر بیٹھے اُسکے بھائی نے ایک طبق میوے کا سامنے لاکے رکھا۔ یہ لڑکا ایسا حسین جمیل تھا کہ ادیب ہمراہی کے دل پر بجلی گری۔ گھور گھور کے دیکھنے لگا ہم لوگ میوے کی ٹنگار کرتے تھے اور فقہ کے باریک مسائل پر بحث بھی چھڑی ہوئی تھی۔ ہم نے ایک ایسا مسئلہ چھیڑا جسمیں ائمہ کی رائے مختلف تھی اس فاضل خاتون نے اختلاف کی علتیں بیان کرنی شروع کیں وہ بیان کر رہی تھی اور ہم کان لگائے خاموشی کے ساتھ سُن رہے تھے مگر ادیب صاحب بالکل بیہوش تھے انکی نگاہ جو خاتون کے بھائی کے چہرے پر لگی تو پھر نہ ہٹی۔ بحث دیر تک جاری رہی بعد ختم ہونے کے خاتون ہمارے ادیب ہمراہی کی طرف مخاطب ہوئی اور کہنے لگی تم تو میرے بھائی کی طرف ایسی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہو کہ مجھے تمہارے چال چلن پر بدگمانی ہوتی ہے شاید تم اُن لوگوں میں ہو جو مرد کو عورت پر فضیلت دیتے ہیں۔ ادیب ہمراہی اقرار پر مجبور ہوا۔ اور کہنے لگا مرد کو عورت سے افضل خدا ہی نے بنایا ہے۔ خاتون ہنسی اور کہنے لگی کہ یہ کیا خیال ہے اگر تم انصاف کو ہاتھ سے نہ دو تو میں تم سے مناظرہ کروں اچھا بتاؤ مرد کو عورت پر کس دلیل سے ترجیح ہے۔

ادیب: کتاب اور سنت عقل اور نقل دونوں سے ثابت ہے۔ خدا کہتا ہے مرد عورتوں کے محافظ مقرر کیے گئے ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کے برابر ہے مرد کو میراث میں دوہرا حصہ ملتا ہے۔ یہ تو قرآنی دلیلیں ہوئیں۔ سُنت کے رو سے بھی ثابت ہے کہ عورت کا خون بہا مرد کی دیت سے آدھا ہے۔ اب رہی عقل تو غالباً آپ جانتی ہونگی کہ مرد میں قوت فعل زیادہ ہے اور عورت میں انفعال وہ اثر کرنے والا ہے یہ اثر قبول کرنے والی ہے اور ظاہر ہے کہ فاعل افضل ہے مفعول سے۔

سیدة المشائخ: سبحان اللہ ادیب صاحب۔ آپ کی دلیلوں نے خود آپ ہی کے گلے میں پھانسی لگائی۔ اے حضرت عورت کو مرد پر ترجیح صرف ڈیل ڈول قوی ہونے کی حیثیت سے ہے بیشک ہے مرد عورتوں کے نگہبان ہیں اور ضرور ہیں۔ کماتے کھاتے ہیں کھلاتے پلاتے ہیں والی ہیں وارث ہیں مگر ان میں بچے بھی ہیں جوان بھی ہیں بوڑھے بھی ہیں اور مرد ہونے کی حیثیت سے یہ سب کے سب برابر ہیں اب حضور خود ہی بتائیں کہ اس بندی کے بھائی کی صورت پر جناب کی زیادہ توجہ کیوں ہے یہ آپکے ریش ایل ساتھی بیٹھے ہیں (اشارہ ہے راوی کیطرف) کیوں آپکی گنہگار نگاہ میں اس قابل نہ ٹھیرے جو اُن کی طرف ٹکٹکی باندھ کے آپ دیکھتے اور آپنے اپنے پدر بزرگوار کو جو یقیناً مرد تھے کیوں نہ اپنی بی بی پر نظارہ بازی کے وقت ترجیح دی۔ مہربان ادیب صاحب ذکوریت کے اعتبار سے یہاں بحث نہیں۔ بحث تو مرد کو عورت کا قائم مقام سمجھنے کے بارے میں ہے۔

آپ کی بے محابا نگاہیں جس نیت سے اُس بندی کے بھائی پر پڑتی ہیں وہ عموماً مردوں کے واسطے کسی فخر یا فضیلت کا سامان فراہم نہیں کرتیں قصور معاف حضور کے والد کرم معلوم ہوتا ہے کچھ بے وقوف تھے جو اُنھوں نے آپ کی والدہ کو مرد پر ترجیح دینے کا گناہ کیا اور اُس گناہ کا نتیجہ آج آپ کی شکل میں مجھ سے گفتگو کر رہا ہے۔"

یہ سُن کے ادیب ہمراہی جھینپا مگر کھسیان پن مٹانے کے لیے کہنے لگا "آہ آپ اس لطف سے واقف نہیں ہیں جو مجھے مردانہ حُسن میں ملتا ہے۔ عورت ہرگز حُسن و جمال میں مرد سے بڑھ کے نہیں ہوتی جانور دیکھیے مرغا مرغی سے زیادہ خوبصورت ہے کہ نہیں مور مورنی سے زیادہ حسین ہے کہ نہیں۔ اسی لیے تو رسول اللہ نے فرمایا ہے امرد پر نگاہ نہ جماؤ اس لیے کہ اُن میں حور کی جھلک پائی جاتی ہے"

سیدة المشائخ: "آپ بھی کہیں گے کہ میں شاعر اور ادیب ہوں۔ یہ حدیث تو حضور کے خلاف گواہی دے رہی ہے کیا معنی کہ "حور" ہے مشبہ بہ اور "امرد" ہے مشبہ۔ وجہ شبہ ہے حُسن۔ حور کے حُسن کی صرف ایک جھلک امرد میں ہے۔ اگر حور کا تمام حُسن کہیں امرد کو مل جاتا تو قیامت ہی برپا ہو جاتی۔ اب بتائیے کہ "امرد" افضل ہے یا "حور" جو مؤنث ہے مذکر نہیں۔"

ادیب: "ابو نواس کو تو آپ جانتی ہی ہونگی کتنا بڑا نکتہ شناس تھا اُس نے عورتوں کے جسمانی نقائص ایک شعر میں بیان کیے ہیں مثلاً حمل رہنا اور مہینے میں دو دن معطل رہنا۔ یہ مرض امردوں میں نہیں ہوتے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

یا امّۃً تھوی العذار تمتعوا

من لذۃٍ فی الخلد لیست توجد

"امرد" کی لذت وہ لذت ہے جو بہشت میں بھی نہ ملے گی اسکے علاوہ جب کسی عورت کے "کولے" کا جمال ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے تو کہتے ہیں غلامیۃ الاردافِ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

غلامیۃ الارداف تھتز فی الصبا

کما اھتز فی ریح الشمال قضیب

روزنامۂ ہمدم کی اشاعت

روز بروز بڑھ رہی ہے

تازہ ڈاک کے چند خطوط ملاحظہ فرمایئے

ایجنٹ صاحب بریلی تحریر فرماتے ہیں

۱۰ پرچہ روزانہ زائد بھیجا کیجیے

ایجنٹ صاحب گورکھپور تحریر فرماتے ہیں۔

۱۵۔ پرچے روزانہ زائد بھیجا کیجیے

ایجنٹ صاحب غازی پور تحریر فرماتے ہیں:۔

۱۷۔ پرچے روزانہ زائد بھیجا کیجیے

علاوہ بریں اس ہفتہ میں متعدد نئی ایجنسیاں قائم ہوئی ہیں

اگروال ہتیشی کا کانفرنس نمبر

پنجاب پرانشل اگروال کانفرنس جالندھر کے موقع پر حسب معمول شاندار اور باتصویر نکلے گا جسمیں جاتی کے فائدہ کے لیے ہر موضوع پر اخلاقی سوشل۔ قومی اور دھارمک مضامین ہونگے۔ اگروال بھائیوں اور جاتی کی کل سبھاؤں کا فرض ہے کہ وہ اس مفید نمبر کو خرید کر ہر ایک بھائی کے ہاتھ پہونچائیں۔

منیجر اگروال ہتیشی لاہور

(وہ غلاموں کا ساگورا رکھنے والی جو نسیم صبا کے جھونکے سے اسطرح جھومتی اور لچکتی ہے جیسے شمالی ہوا سے بید کی چھڑی) اگر غلام فحش نہ ہوتا تو جاریہ کے کولہوں کی تشبیہ شاعر کیوں دیتا۔ کیا بیان کروں جو فضیلتیں امرد کو عنایت ہوئی ہیں شاعر حیا ہوتا ہے۔ ادیب نے توصیف غلام میں رجز پڑھا)

سیدۃ المشائخ: اس عالی مذاقی پر قربان۔ پہلا امرد کہا اور پھر وصف کیا (ملاقت کے ساتھ زنانہ حسن کا سراپا بیان کیا) اے حضرت میں نے تو غزلیا کو آپ کو نہیں یہی کہتے سنا ان الدنیا عبارۃ عن النساء (دنیا سے مراد عورت ہے) امت حضرت لوط کا حال تو آپ نے قرآن شریف میں پڑھا ہی ہوگا۔ بے شک اگر امرد داخل نعمت ہوتے تو جنت میں حوروں کا کام انجام دیتے مگر وہاں تو غلمان خدمت کے لیے ہیں۔ رہی تشبیہ تو آپ اپنی سینہ سے لوگوں نے "غلام" کی تشبیہ "جاریہ" سے دی ہے اور یہ تشبیہ زیادہ عام ہے شاعروں کے کلام دیکھیے۔ حضرت اگر عورتوں میں بعض خلقی نکاوٹیں ہیں تو مردوں میں بھی ہیں جب پھول سے گالوں پر خط کا خار نکل آتا ہے تو کوئی خوبی باقی نہیں رہتی مثل مشہور ہے "ریش برآمد پاجی شدہ" تو وجہ شرط ہے عورت میں سبھی کچھ ہے۔ وہ بھی ہے جس کی تلاش میں آپ کے سے بے حیا پھرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ آپ کی بیہودگی نے مجھے بے شرمی پر مجبور کیا۔ مگر کیا کروں یہ گفتگو بھی وعظ اور اخلاقی اصلاح سے خالی نہ تھی اسلیے زبان نے حرکت کی ورنہ کہاں یہ گنہگار بندی اور کہاں یہ تقریریں۔ بہرحال مجھے امید ہے کہ آپ نے کافی نصیحت حاصل کی ہوگی اور آئندہ آپ اپنے خیال خام سے توبہ کیجیے۔

راوی کہتا ہے کہ یہ مقدس خاتون پھر خاموش ہوگئی ادیب صاحب پر گھڑوں پانی پڑ چکا تھا ندامت سے گردن جھکی ہوئی تھی۔ ہم لوگ اٹھے اور اس مفارقت پر ہمیں افسوس تھا۔

ڈاکٹر صاحب! یہ ایک فقیہہ عورت کا تذکرہ ہے۔ یہ عورت آزاد تھی پھر بھی پردے میں بیٹھ کے گفتگو کرتی تھی۔ تو وجہ کیا؟ شرعی قانون کی وقعت اسکے دل میں تھی۔ وعظ پند درس تدریس پڑھنا لکھنا اسکا شیوہ تھا۔ سچ ہے علما اور فضلا کی ہم نشینی ان لوگوں سے معاشرت جن کی نگاہوں میں خدا کی قدرت ہے ایسے ہی اخلاق پیدا کر سکتی ہے لیکن کلب گھروں کا ناچ اور باش لونڈوں کی صحبت کھیل کود ناچ رنگ اور شریعت کی تعلیم یا اسکی پابندی کا مکمل انتظام نہ ہوتا اور اسپر سے قید ہوکے گھر دس سے ننگے کھلے باہر نکلنا اور پھر سے رہا سہا پردہ (نقاب) بھی "نارڈ" انا ایسی عورتیں پیدا نہیں کر سکتا خدا کے لیے کوئی بتائے کہ شرعی پردہ کا کوئی حامی نہیں ہے تو کس برتے پر عصمت و ناموس کی حفاظت کی رہی سہی تہ بیر (نقاب پردہ) خاک میں ملا دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ (باقی آئندہ)

بو ا شیطین

مولانا پنچ کی نوٹ بک

اخباری کاغذوں کے شیوخ حدیث

(۱) روایت کی ہے حضرت زمیندار لاہور نے ایک گونگے بہرے گھسیارے سے کہتا ہے وہ اخبارے سے کہ سنا میں نے اس خبر کو ایک تازہ وارد گھوڑوں کے تاجر سے جو آیا تھا بخارا سے کہ ہوگیا ہے بچہ سقا مسخ بصورت ایک گدھے کے اور نہیں رہا اب کابل میں کوئی سیپوں سیپوں کرنے والا۔

(۲) حد ثنا "انقلاب" عن خانساماں عن باد ہوائی کہ نادر خاں نے جلال آباد پہونچتے ہی طبقہ الٹ دیا اور وہ برملا اختیار اپنی ذات کو مملکت افغانستان پر فرمانروائی کا مستحق نہیں سمجھتے۔ تن تنہا گئے ہیں اور سرحد افغانستان میں قدم رکھتے ہی اپنی تمام جسمانی و روحانی قوت امیر امان اللہ خاں کی حمایت میں صرف کردینگے۔ یورپ سے چلتے وقت انھوں نے دانتوں اور ناخنوں پر باڑھ رکھوالی تھی۔

(۳) اروی باسنادہ "پیغام صلح" عن مفعول مالم یسم فاعلہ کہ حضرت شاہ امان اللہ غازی قوم خود نے طیاروں کے ذریعہ سے کابل پر جہاں سے بچہ سقا مر ہوائی کہ فرار ہوگیا اور اب شہر بھر پر بمبار و لعوذ شاہ افغان کے خیر خواہ و کاغذیں ہیں گولے برسائے۔

(۴) الحیدر نامہ "سیاست" لاہور عن سبیل المراقبۃ والمکاشفہ باسنادہ عن تمہارا طبقیت رہینگے کہ تمام افغانستان میں کوئی شخص نہ تو شاہ امان اللہ کا تھا نہ اب ہے نہ آئندہ ہوگا۔ شنواریوں نے توبہ کی تھا کچھ دھار چھوڑتا جائےگا اب پشاور کی منیو سپلٹی میں شرک کی نالیاں دھوتا ہے علی احمد جان بھی شاہ امان اللہ کا دست راست ہے انھیں کے لیے جنگ کرتا تھا۔ وہ تو کیسے خود بخود شکست ہوگئی۔ نادر خاں تو جب بحکم امان اللہ خاں کچھ دنوں قید ہوئے پھر عہدے سے گرا دئے گئے پھر موقوف ہوئے اسیوقت سے شاہ امان اللہ کے غلام حلقہ بگوش ہوگئے تھے بچہ سقو کی نسبت ایک اور اطلاع ملی ہے کہ وہ شب کو نمرود کی طرح تنہا نے میں ام الملک کے توبہ کرتا ہے اور شاہ غازی اسے معاف کردیتے ہیں۔ پیر شور بانار المعروف (بزبان دشمناں) پیر باشا مرحمایت شاہ غازی الٹی معنی کا عمل پڑھ رہے ہیں "اصلوا یا مریخ" کے ورد پر زکوٰۃ دینے کے بعد انھیں پورا قابو ہو چکا ہے۔ یہ اُن پر بہتان ہے کہ انھوں نے اعدائے شاہ کی حمایت کی۔

(۵) قال الحقیقۃ بلغنی عن الطومارى عن الکذاب عن حاطب اللیل عن لالہ کھیوی مل پشاوری عن افاک القندھاری عن وضاع الفرضی الوہمی عن صناع الخیالی۔ راوی کہتا ہے کہ دیکھا میں نے ایک کوے کو اڑتے ہوئے جو کہ کہہ رہا تھا الامان الامان۔ جب دریافت کیا میں نے اسکا حال تو بیان کیا اُسنے کہ آئی تھی ابرہہ پر معیبت ابابیل کی مانند اسکے کہ مسلط ہوئے تھے قوم فرعون مصری پر مینڈک کہ جب وہ کھانا چاہتے تھے کوئی لقمہ تو پھدک کے لگتا تھا وہ ہاتھ میں مصریوں کے ٹھیک اسطرح جس طرح کہ کود بھاگتے ہیں سجدے جبین نیاز حضرت اقبال لاہوری سے جب کہ وہ مشغول ہوتے ہیں راز اور ناز میں حقیقت منتظر سے چنانچہ مسلط ہوگئی ہے قوم تمام کووں کی عساکر خسران آثر بچہ سقا پر۔ اور یہ کھلا دیا ہے اسے کاؤں کاؤں کی آواز اور ٹھونگوں کے ضربات مہیبہ سے۔ (باقی آئندہ)

۴ر مارچ ۲۹ء

امن مہری کے فلسفیانہ خیالات

نمبر ۳

تیہا ملنطنہ جوشا غصہ جذبہ

تیہا ہر بتے کا بڑا ہوتا ہے مگر کسی کسی وقت بہت کام دیتا ہے۔ اسے ہان کام کا نمونا آپ نے میاں پیدا ابھی کیوں کرتے۔ اللہ میاں کو تکمی چیز پیدا کرنے کی عادت نہیں میں نے تو ایک دن مولوی صاحب کے منھ پر کہہ دیا تو بات کیا ہوئی میں لیے آتی تھی ترکاری اُسمیں سے بوند میں ٹپک کے مولوی صاحب کی داڑھی پر گریں جلا کے کہنے لگے "بدبخت نجس کر دیا" مجھے جو تیہا آیا اولاری مولانا کے سر پہ اور ساری مولانا ہتھیے پر سے اکھڑ گئے تیلے پیلے دیدے نکالنے۔ میں سوچی کہ آج غضب ہو رہی تو کل مولوی کا ہوا اور زیادہ بڑھ جاتے گا۔ میں بھی آنکھیں کمر پر کے کھڑی ہو گئی اور کہنا شروع کر دیا "ابھی مولوی صاحب آپ ہی تو کہتے ہو غصہ حرام ہے اور آپ ہی یہ جہبہ (جذبہ) یہ جوشا (جوش) چڑھ آیا کہ گال سندر کے..... ہو گئے۔ ذری آئینہ لے کے دکھیو تو مُنھ لال بھبوکا ہو رہا ہے جیسے کسی نے اینٹا (انیٹ) مارا۔ پانی ہی تو تھا کوئی موت تو تھا نہیں جو تمہاری..... آسمان کو چڑھ گئی" بس میرا اتنا کہنا تھا کہ مولوی کا وضو ٹوٹ گیا لگے منتوبلائی تنے۔ بڑے آئے وہاں سے مولوی بن کے۔ دکھیا جو تیہا نہ دکھاتی تو مار ہی پڑتی۔ مگر تیہا تیہے کی تنو (طرح) کرے اسے ہاں مثل مشہور ہے "خانہ خامہ ور دیدے پر کے" تم جو کوئی امیر آدمی ہوا تو لوگوں کی نانی مرتی ہے ڈرتے ہیں کہ کبھی کہیں حضور پر غصہ نہ چڑھ بیٹھے۔ پھر بھی میاں کاٹے دوڑے ہے تو لوگ جبل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو

چڑھ بیٹھ کے دم کرنے لگے اور اسپر بھی تیور بدلے کے پڑے ہی رہے بھوؤں کی کمان چڑھی کی چڑھی ہی رہی تو سب یہ میاں کو تیہا آیا اُسی پر سارے مصاحبوں کا نزلہ بھی گرا۔ اب سامنا گھرا آنکھیں نکالنے کو مجبور۔ ہے ہے سچ کہا ہے نبی بلے دکمزوروں کی جو بیا مجبورہ (جورو) سب کی سلہج۔ غریب آدمی غصہ کی بات پہ بھی غصہ کرے تو اسکا ساتھ دینے والا کوئی نہیں۔ فقیر کا غصہ فقیر کی جان پہ اُس بچارے کو تو یا اپنے ہاتھ پاؤں کی آس ہے یا اللہ میاں کی آس اور بھئی یہ تو میں نے بہیتاں (ہمیشہ) دکھیا ہے جا ہے غریب ہو چاہے امیر غصے والے آدمی سے لوگ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو بچارہ سونا چونا گیگلا ہوا اُسکو پیل مارتے ہیں۔ اللہ نہ کرے جو آدمی نرا ہو بس اُسکی تو محل خانے میں شامت ہی آجاتی ہے۔ آدمی کو دبڑو گھسڑو بن کے رہنا نہیں چھیے (چاہیے) نہیں تو کمزور مار کھانے کی نشانی۔ دکھیو نہ بچاری بکریوں کو سب چٹ کر جاتے ہیں اور شیروں کے مُنھ کوئی نہیں لگتا دقانون لقا ہے اقوی) ورہا سو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ غصہ ناک ہی پہ دھرا رہے کوئی چولا اور جکت دی کسی نے موں سے توں کی اور کاٹ کھایا۔ ایسا آدمی لیتاں ساپٹ جاتا ہے جھنجھی ہاتھ نہیں لگتی۔ نیچ بی بی رکھ بت رکھا بٹ۔ گل غصہ بھی بھانت بھانت کا ہوتا ہے۔ اور جو آگم اندیشہ دکھیو کے ملنطنہ دکھاتا ہے وہ اچھا رہتا ہے۔ ایسے بھی اٹ کے بنا رہے ہیں جنھیں غصہ آیا تو پھر پچھل پائی (چڑیل) ہو جاتے ہیں بنا لنیر اگر اہینٹ لیے اُترنے کا نام نہیں لیتا۔ اور بعضوں کا تیہا کنوار کے جہالے کی تنوں برسا اور نکل گیا۔ ایک غصہ کی کہانی میں تمھیں سُناؤں۔ نکل (نقل) نہیں اصل۔ محلے میں تھے ایک پنڈت جی۔ پڑھے لکھے دست و قلم صورت بھگی بنگی۔ گورے چٹے خبصورت آدمی کچہری میں باسٹری پہ جایا کرتے تھے۔ ہزاروں کمائے کھاں (لاکھوں) اڑائے۔ ایسا کچھ ہوا کہ سرکار نے اُن سے کہا اب تم گھر ہی پر مقدمے لڑا یا کرو کچہری آنے کی کچھ ضرورت نہیں خیر بھئی اُنھوں نے بھی کہا چلو

اب چین لکھتا ہے۔ میں اُنکے ہیاں کبھی کبھار کھڑے تڑے چلی جاتی تھی کیا کرتی جب دم اُکتا جاتا تھا۔ مگوڑا آخر ہم بھی آدمی ہیں۔ بے ام صاحب سودے سلف کو بزار بھیجیں اگر جو سودے کی تاک اُسی وقت نہ ہوئی تو کھڑی ہو کے مقدمے کی سیر دکھنے لگی بھئی میں دل کی بات کہدوں مجھکو ٹھیٹھر (تھیٹر) بندر کا ناچ بھالو کا تماشا۔ نٹوں کی قلابازی۔ کٹ پتلی کا کھیل اتنا نہیں بھاتا جتنا مقدمہ۔ بازی میں جی لگتا ہے پھر پنڈت جی جان پہچان تھے اور ہنس مُکھ ایسے کہ مُنھ سے پھول جھڑتے تھے نہ ٹکٹ کا جھگڑا بکھیڑا نہ تمبو قناتوں کا لنبیڑا۔ چھتر قسم قسم کی باتیں۔ گواہوں کی گھبراہٹ۔ منشیوں کے ایچ پیچ تل پھوٹتے اپنے دوزخ بھرنے کی فکر۔ وکیلوں کا چکیا گھمر گھمر کرکے اپنی کالی کالی لشوازوں (عباؤں) کا گھمانا جیسے شیرازی قبوتر دکبوتر) دڑبے میں گو نجتا ہے۔ تکھار تکھار کے گواہوں سے پوچھنا۔ پنڈت جی بیچوں بیچ میں بیٹھے اونچی میز کرسی لگی ہے۔ چپراسی پکار رہے ہیں ہنو مئی بنام درگا کوئی حاجر ہے۔ سپاہی تلنگے سب ادب کا مدت سے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ روبکاری ہو رہی ہے مؤکل اپنے اپنے وکیلوں کے ساتھ کھڑے ہیں جیسے نالکا کے پیچھے نوجیاں کھڑی ہوتی ہیں گٹ پٹ ہو رہی ہے۔ دھڑا دھڑ موٹی موٹی کتابیں کھل رہی ہیں۔ ایک آیا نگوڑے نے جورو اکی ناک کاٹ ڈالی ہے بی بی آنچل سے مُنھ چھپائے کھڑی ہیں میاں کی ٹنڈیاں کسی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر آتا ہے گواہی دیتا ہے کہ حضور یہ عورت جھوٹی ہے دکھیے اسکی ناک پہ دانت کے نشان ہیں مُلجم (ملزم) کے آگو کے دانت ہی نہیں ہیں۔ آخر ناک کاٹی تو کاہے سے عورت کا وکیل کہتا ہے حضور اس نے حوالات میں اپنے دانت اُکھاڑ ڈالے میرے پاس گواہی خانہ (شاہدی) مستعد ہے کہ ڈاکٹر صاحب لیے ہوئے ہیں انھیں نے اگلے دو دانت اُکھیڑ ڈالے کہ سنگینا (سنگین) نگوڑی ناک کٹوا کے کو ٹ اور یہ میاں مزے سے دندنا پنڈت جی پوچھتے ہیں تم نے ناک کیوں کاٹی۔ وکیل کہتا ہے حضور میرا موکل ایسی ناگزیر ہے یہ سوال ہی نہیں

لکھنؤ کی نفیس زردوزی و کامدانی کے کام سے مستورات کے کپڑے بنوانا چاہوں تو حافظ مسیتا محمد رفیع صعتیا باغ لکھنؤ کو آرڈر دیں

کر چھوڑتے ہیں یہ تو سرکار عالم و جہانِ عالم کی سرکار میں ایسا ہم ہو گیا ہے ۔ دیکھو پھر بے موقع پر غصہ کرنے کی کرامات جو مس میں غصہ آتا تو سرکار عالم کی سرکار میں کیونکر پہنچ ہوتی ۔ تو میری جان غصہ کوئی اختیار کی بات نہیں نہ کہہ کے آتا ہے نہ اطلاع (اطلاع) دے کے جاتا ہے ۔ نہ پوچھتا ہے نہ کہتا ہے جب آتا ہے تو آپ ہی آپ چڑھ بیٹھتا ہے ۔ نہیں آتا تو لاکھ بلاؤ نہ آئیگا خدا بخشے تمہارے چچا جو لی ایسے نک کٹ تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر سیکڑوں گالیاں دیتے تھے ۔ ٹھوکر لگ گئی تو سودا ہو گیا ۔ مٹھو نے آٹا کھلانے میں انگلی کاٹ لی تو گھوڑے کی ٹانگیں چیر ڈالیں ۔ مل جب اور چھیت سے دھتی گری ۔ گھٹنے کی چپنی ٹوٹ گئی ۔ اس دن ذری سا غصہ نہ آیا ۔ پھر تو ایسے ہو گئے تھے جیسے ہنستی کھلی کھلتا پھول ۔ لنگڑانے کو بھی برا نہ مانتے تھے ۔

راقم

محمد علی ردولوی

تحائف سال نو

صلاح کار

جناب شیخ جناب واعظ جناب مولانا جناب زاہد حضرت قانون حضرت تہذیب استغفر اللہ کہیں اعوذ باللہ کہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ فرمائیں لعنت بکار شیطان کا ورد فرمائیں ۔ سزا دیں ۔ محفل سے نکالیں مگر دنیا کہیں اپنے ہتکھنڈوں سے باز آتی ہے ۔ شیخ و واعظ و ملا و زاہد و وکیل و مودب سب اسی فعل و انفعال کسر و انکسار کا نتیجہ ہیں جس کا وقوع اب تک خلوت میں ہوتا رہا ۔ فعل مخفی اور نتیجہ بالکل علانیہ ۔ نکاح کی ضرورت نہ دستاویز کی حاجت نواں مہینہ ختم ہونے کو آیا اور نتیجے نے پیٹ سے پاؤں نکالے ۔ شامت اعمال دکھا بیٹھنے لگی ۔ ٹی ہاؤں ٹی ہاؤں ۔ کیا کیجیے علت تکوین یہی فعل ہے یہی خطا ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں ؎

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست

جمادات زمین کے پیٹ میں یونہی جو سی پیچھے رہ کے نکلتے ہیں ۔ نباتات پر بھی اسی قسم کا ایک مخفی عمل طاری ہوتا ہے اور حیوانات کے افعال تو سب کی نگاہوں میں ہیں ۔ اپنے نفس پر گذری ہوئی بات اپنے باپ دادا کی عمل میں لائی ہوئی بات جو ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے اگر دماغ انسانی میں کوئی دوسرا طریقہ تولید المثل اور ابقائے نوع کا نہ آیا تو ہمیشہ ہوتی رہے گی ۔ جب تک کوئی دوسرا ذریعہ ہاتھ آئے اسوقت تک اس ضروری و ناگزیر فعل کے ال اور ما علیہ سے انسان کا غافل رہنا اچھا نہیں ۔ جو کے اور زندگی اکارت گئی ۔ یہ فعل کسوب و مکتسب نہیں رہی ہے ۔ انسانی تعلیم و تعلم کو اس میں چنداں دخل نہیں ۔ جب وقت آتا ہے تو فطرت خود ہی کھنچاؤ تناؤ جوش تلاطم ہیجان پیدا کر دیتی ہے اور اس سے خلاصی کی صورتیں خواہ طبعی ہوں یا غیر طبعی آپ سے آپ سوجھنے لگتی ہیں نہ سوجھیں تو خواب میں دکھائی دیتی ہیں ۔ اگر غیر طبعی صورت اختیار کی تو گئے دونوں جہاں کے کام سے ۔ اور طبعی صورتوں میں اعتدال ملحوظ نہ رہا تو اس حالت میں بھی سسکتی ملکتی زندگی ایڑیاں رگڑاتے کٹی ۔ غور کرنے کی بات ہے کہ مفلس مسکین گدا بے نوا اپنی اولاد کے گزر اوقات کا ذریعہ پیدا کرے یا نہ کرے مالی ترکہ چھوڑے یا نہ چھوڑے مگر نسل بڑھانے کی پونجی ضرور چھوڑ جاتا ہے ۔ غافل اولاد اس پونجی کا غلط مصرف اختیار کرنے پر اسقدر رنجیدہ و ملول مبتلائے ایذائے روحانی رہتی ہے کہ مال و متاع کے بیجا صرف سے اسکا عشر عشیر صدمہ بھی نہیں پہونچتا ۔ کردہ خویش کا مزہ سے زیادہ آجکل تمدنی کشاکش اس فعل شریف کے لیے جنجال اور وبال ہے ۔

ہمارے مہاتما گاندھی نے تمدنی کشاکش کی بنا پر یہ لوگوں کو مشورہ دیا تھا کہ بس بھائی اب اس فعل کا خاتمہ کرو مفلسی میں کثرت نسل عذاب جان ہے ۔ مگر بھلا دنیا کس کی سنتی ہے لوگ کسی طرح نہیں مانتے ۔ مانیں کیا خاک ۔ جی کب مانتا ہے ۔

خیر یہ تاثنا تو ختم ہوتا نظر نہیں آتا ۔ ہم بھی اسے روکنا پسند نہیں کرتے ۔ اس سے چھٹکارا نہیں ہے تو پھر ایسی راہیں اختیار کرنے اور بتانے کی ضرورت سے کوئی بھلا مانس انکار نہیں کر سکتا جن پر گام زنی اسوقت ضروری ہے جس وقت انسان کمر ہمت کس کے چلا تا چھنتا ہے ؎

اسیر پنجۂ عہد شباب کر کے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے

زمانۂ شباب جلتی پھرتی چھاؤں ہے ۔ پلک جھپکاتے گزر جاتا ہے مگر اس لمحۂ بیخودی کا لطف پھر عمر بھر یاد رہتا ہے عالم تصور میں جب شباب کی غیر معلوم العلۃ حرکتیں یاد آتی ہیں تو شرم کے ساتھ ہی ارمان ہوتا ہے کہ پھر کسی طرح وہی بجلی جسم میں پیدا ہو جاتی جو بلا بیٹھنے نہ دیتی تھی سرکار مرزا مدظلہ فرماتے ہیں ؎

ماجرائے نوجوانی عہد پیری میں نہ پوچھ
شرم آتی ہے اب اس قصہ کو دہراتے ہوئے

بہر کیف ہمارے دوست چودھری محمد علی صاحب ردولوی تعلقدار نے جو شباب کی منزلیں اعتدال یا بے اعتدالی کے ساتھ طے کر چکے ایک آدھ منزل باقی ہے اسی کو غنیمت سمجھ کے اصلاح کار کے نام سے ایک کتاب لکھ ڈالی ۔ اس کتاب میں اسی ناگزیر فعل کے مالہ وما علیہ سے بحث کی گئی ہے جس کا نام لے کے آدمی شرما جاتا ہے ۔ کتاب میں متعدد ابواب و فصول ہیں ہر باب مفتح اور ہر فصل مکشوف میں جداگانہ بحث ہے ۔ کہیں طرز تولید اور کیفیت تکوین ہے کہیں معاشرت اور حسن استمتاع (ترجمہ نہ کرینگا اصطلاح خاص ہے) کے دقیق نکات ہیں کہیں علم النفس والقوی کے کھیل دکھائے ہیں کہیں اصلاح فساد کا پند نامہ ہے کسی مقام پر اطبا کے مشورے ہیں کسی جگہ تجربہ کاروں کے بتائے ہوئے گر ہیں ۔ بیماریوں کے دفع کی تدبیریں بھی ہیں ۔ میاں بی بی کی موافقت و مخالفت مزاج کے اسباب و علل بھی ہیں ۔ کتاب بہرحال اپنے طرز میں نرالی ہے ۔ تقریر لطیف اور دلچسپ ہے ۔ وہ لوگ فحش کی تعریف نہیں جانتے جو کہتے ہیں کہ مطلقاً اس فعل کا اظہار فحش ہے تاہم انکی تسکین کے لیے لفظی فحش سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ بھائیو اگر مطلقاً یہ فعل فسق ہے تو تم اپنے بزرگوں کی تقلید نہ کرو ۔ اسے چھوڑ دو پھر تمہیں اسکے متعلق کسی ہدایت یا دستور العمل کی ضرورت نہو گی ۔ حجم کافی ہے لکھائی چھپائی اچھی ہے ۔ ایک روپیہ علاوہ محصول قیمت ہے ردولی ضلع بارہ بنکی میں مصنف کے نام خط بھیجکر منگا لیجیے یا منیجر اودھ پنچ کی وساطت سے ۔

منطق آمیز اسکیم بنام مہاتما گاندھی

مہاتما صاحب۔

دیکھو بڑھاپے میں تم بھی منطق بھول گئے۔ منطق ایسی چیز نہیں جسے کوئی بھول جائے اور پھر اس کا دھندا چلتا رہے۔ اچھا منطق گر کوئی وحشی فن ہے جو ہرن کی طرح چوکڑی بھر کے دماغ کے جنگل سے نکل بھاگتا ہے تو کیا تجربہ بھی کوئی وحشی جانور ہے۔ ودیشی کپڑا بے شک ہندوستان کی دولت کا بڑا حصہ چٹ کر جاتا ہے۔ اللہ کرے کسی بھلے مانس کے تن بدن پر ایک دھاگا بدیشی نظر نہ آئے لنگوٹی بھی ہو تو کھادر کی ہو جائے آہ کی رگڑ سے ڈیل کا برادہ اڑا دے۔ میں تو اس تجویز پر بھی صاد کر لے کہ ہو بہو جھوٹ کہ ہو تو اپنے وطن کی بنی ہوئی سوتی کی لنگوٹی ہو۔ نہیں تو کچھ نہیں۔ بلا سے داتا کی کرامات عالم آشکار رہے گی تو رہے۔

لیکن یہ بات ذری منطق کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ جب تمہارے نزدیک ملکی افلاس بدیشی کپڑے کی خریداری کے سبب سے ہے اور کپڑا پہننا لوگ نہیں چھوڑتے۔ تو بھلا ملک بیکاروں کاہلوں مفلسوں اور احمقوں سے آباد ہے جو نہ چرخے کی قدر کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں نہ تولتے ہیں تو اس ہولی کا نتیجہ کیا ہوگا یہی کہ آج تو جوش میں آ کے تمہارے کہنے سے یا محلے والوں کی توبیں اور لیڈروں کے دباؤ سے انھوں نے بدیشی فالتو کپڑا جلا دیا مگر کل اسی کی انھیں احتیاج ہوگی کیا معنی کہ کھدر اول تو ملتا نہیں ملے کیونکر جتنا کھدر۔ ملک میں تیار ہوتا ہے اگر وہ اور ہی تقسیم کیا جائے تو لوگ آگے ہاتھ بھی پیچھا رکھتے نظر آئیں دوسرے بنا ہو تو اتنا مہنگا کہ غریب غربا مول نہیں لے سکتے۔ کوئی ننگا پھرنے سے رہا۔ تن کے کپڑے جن غریبوں نے جلائے ہیں آخر پھر کے وہی بدیشی کپڑا مول لیں گے۔ احتیاج باقی جوں اور خریداری بند ہو یہ محال ہے۔ جو کپڑے جلائے گئے وہ بھی مول لیے گئے تھے کوئی صدقے خیرات میں نہیں ملے تھے۔ ایسی صورت میں تو بیرونی کارخانے زیادہ نفع کما لیجئے۔ تم روز خرید اور روز جلاؤ۔ کارخانے دار تو ہیں احمق جو اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں۔ اور حکومت ان سے زیادہ گاودی ہے جو کارخانہ داروں کی ماتا میں دیوانی ہوئی جاتی ہے۔ تم جو آج کل کپڑے کی منڈی میں ہندوستانی آڑھتیوں سے پوچھو کہ ہول کیسے پاگل پھونک تماشا دیکھنے کی بدولت سے ہے کے آج تک ولایتی مال کو کس قدر یہاں نقصان پہنچا۔ کہتے ہیں کہ ابھی معمولی نقصان اس پھونک تماشے کا نہیں ہوا۔ ہاں ہندوستان میں ولایتی سوت کے کپڑے جو ہندوستانیوں کے اہتمام سے ہاتھوں یا مشینوں سے تیار ہوتے وہ کسی قدر مقبول ہوئے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ کپڑا بننے کا سلیقہ ہندوستانیوں کو ہے کمی اتنی ہے کہ سوت اور کپاس کی صنعت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ آج تیرہ چودہ برس سے تم آہ کی پکار رہے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ دنیا لنگوٹا باندھ لے چرخا کاتنے اور ضرورت بھر سوت کاتنے کے پیٹ بھر دعا دے۔ اس میں تمھیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تو پھر یہی چال باقی رہ گئی تھی کہ ملکی طرح دیا ہر طرف سے تم خود ملتے اور ہر ایک بڑے شہر میں اعلےٰ قسم کا سوت بنانے اور اسی سوت سے عمدہ کپڑا بننے کی مشینیں کھلواتے۔ اس وقت ہندوستانی شاید اتنا پتا مارتے کہ دو پیسے گر نقصان ہی سہی بدیشی کپڑا نہ مول لینگے۔ وطن کی خاطر سے ہم یہ دو پیسے کا نقصان اٹھائیں گے تو دوسرے بھائی بندوں کو فائدہ ہوگا۔ تم جم ٹھکو ہو کے بیٹھ رہے ہائے چرخا ہائے چرخا کی جو آواز تمھارے گلے سے نکلتی تھی وہ بھی چیونٹی کی آواز کی طرح سننے کے قابل نہ رہی۔ اب خدا خدا کر کے پھر تمھاری صورت دکھائی دی اور تم نے پھر وہی تماشا کھیلنا شروع کر دیا جس سے پہلے کوئی لطف دکھایا تھا نہ اب کوئی امید ہے۔

امان اللہ خاں: "شکوہ ہے مقدر کا"
غضب خاں: "مگر لوگ تو مجھے بدنام کرتے ہیں۔ لے اب کوئی میرا نام لے تو سہی"

افغانستان کا پولٹیکل تھیٹر

ایکٹر: (الوداع کے وقت) حضرات آج کا تماشا تو ایک باب کے بعد ختم ہو جائے گا - اب نیا ایکٹر رخصت ہوتا ہے - کابل میں گپ جیب کا کھیل شروع کرے گا!!

میاں امانی: فی امان اللہ - فی امان اللہ -

حاجی مطلبی: ضمانت حبیب اللہ میں دیا ہے -

ایکٹر: جدھر سے آواز آتی ہے.. امان اللہ - امان اللہ - اچھا حضرت - انا لی امان اللہ - والسلام -

ولایت والے سرمایہ دار تمہاری آتشبازی سے پہلے ڈر گئے تھے اور انھوں نے کئی کروڑ روپیہ کا سرمایہ اس غرض سے جمع کیا تھا کہ نقصان اٹھا کے مقابلہ کرینگے سستا بیچیں گے اور مہنگا بنائینگے ایک مفلس ملک جسکی دولت ہم خود چوس گئے ہیں ہمارے مقابلہ میں دو گھڑی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ دو تین دیوالے نکلے اور ٹھنڈے پڑ گئے۔ ہم سمجھیں گے کہ اشتہار میں اتنا مال صرف کر دیا۔ یہ مال پھر کبھی نکل ہی آئیگا۔ ہندوستانیوں میں اتنی سمائی بھی نہیں ہے اتنا استقلال بھی نہیں ہے اتنا اختیار بھی نہیں ہے کہ جو گھاتیں ہیں چت کرنے کی سوچتے ہیں وہ پوری اُتریں۔ خود کچھ کرتے نہیں بدیشی مال پر محصول زیادہ کرکے ملک کی آمدنی بڑھاتے ہیں۔ بھوکی اور درماندہ خلقت مہنگا مال خرید کے برتے پر بیڑ پکارنے لگتی ہے بھلا یہ بیل خاک منڈھے چڑھے گی۔ مگر اب ولایتی مال دشمنی بالکل بجنسہ مطلق ہیں۔ انھیں دل مرہ لینے کے سلیقے اور اپنی ایجادات پر ناز ہے۔

تمہاری بھی وہی مثل ہوئی کہ میرے نواب کا ایک محل خدا گنج سدھارا۔ نواب صاحب اُس مرنے والی کو دم ہوش چاہتے تھے۔ یعنی تو نٹ کھٹ مگر نگوڑی کی صورت پیاری پیاری تھی۔ مارے لاڈ کے نواب نے اُسکا سارا کنبہ اپنے ہی گھر میں بھر رکھا تھا یہ لفنگے خوب تن تن کے کھاتے اور مونچھوں پر تاؤ دیتے تھے۔ خیر بیگم صاحب کے مرتے ہی نواب صاحب نے گھر پر قبضہ کرنا چاہا۔ پھاٹک میں ہاتھی کی ران سے موٹے قفل ڈلوائے پولیس بلوائی سرکاری آدمیوں سے تعلیقہ کرایا مگر تمام مع جتنا گھر کے اندر تھی گھر کے دو راستے تھے ایک تو نکاسی کا دروازہ اور ایک چور کھڑکی جو پچھواڑے تھی یہ میرے ڈر سے بنوائی گئی تھی جس میں میرے آنے جانے کا راز نہ کھلے سامنے تھا میرے بچوں کا مکتب جو علانیہ آتے جاتے تو لڑکے چغلی کھاتے مردوؤں کو دیکھو کیسی کیسی گھاتیں اپنے مطلب کی سوچتے ہیں۔ اُئی خیر جو کیا اچھا کیا۔ چھپانے سے عیب کہیں چھپتا ہے آخر ظاہر ہی ہوگیا۔ ہاں تو میں کیا کہتی تھی؟ ارے وہی تعلیقہ ...... تعلیقہ ہوگیا۔

مگر حضور مارے بوکھلاہٹ کے چور کھڑکی میں قفل لگانا گئے بھول۔ بیگم کے عزیزوں نے اطمینان سے تمام مال خوب ڈھویا۔ جواہرات کے صندوقچے۔ چاندی سونے کا اسباب اُگالدان پاندان مسہری کے پائے۔ بھاری بھاری ٹکڑوں کا رچوبی جوڑے یہاں تک کہ تانبے کے برتن بھی چور کھڑکی سے غائب ہوگئے باہر پہرا بیٹھا رہا۔ اب جو نواب صاحب فہرست تیار کرنے بیٹھے تو وہاں کیا رہ گیا تھا۔ پاخانے کے لوٹے دو چار بگھرے ایک تانبے کا پاندان ایک ملکا تین دیگیں ایک ٹھکرا (تھیرا) چار پانچ المونیم کی پتیلیاں کچھ تام چینی کے برتن۔ حد یہ کہ تختوں کے چوکے پر دری چاندنی اور قالین بھی جو میاں ایران سے دو ہزار کا مول لائے تھے غائب۔ لیسوا فی الدار۔ سالے سسروں نے جھاڑو دے دی۔ اب تو نواب صاحب کو آیا غصہ ارے نکلو میرے گھر سے دور ہو کمبختوں ہیں میاں دو شالا کیا ہوا ابھی پرسوں ہی تو میں نے نیا خریدا تھا۔ اور کل وضو کے وقت انگوٹھی میں نے بیگم کے پاندان کی تھالی میں رکھ دی تھی واللہ وہ والد مرحوم کی نشانی تھی نہ بھی دکھائی نہیں دیتی۔ میاں نے لاکھ لاکھ اُدھم مچایا بھلا کوئی کیوں قبول لیتا۔ اب آئے منہ بنائے ناک چڑھاتے میرے پاس۔ بھلا میں بیچاری کیا کرتی۔ جیسا کیا ویسا بھرو۔ پہلے جو میں منع کرتی تھی کہ میاں یہ سودا بڑا مول لیا ہے پچھتاؤ گے تو نہ مانا۔ والد مرحوم کی نشانی کھوگئی تو جانے میری پاپوش تم خود والد مرحوم کی نشانی ہو تمہارا ابا الو کا ہے کیوں مجھے انگوٹھی نہ دی جو میں آغا جانی کو دیتی یا اپنے پاس رکھتی جب اُسکی دولھن آتی تو اسے دیتی اب کہتے ہو واللہ اُس انگوٹھی کا قلق زیادہ ہے خیر روپیہ پیسا تو ہاتھ کا میل ہے خدا اور دیگا مگر انگوٹھی نہ ملے گی۔ ہاں سچ ہے میاں جو کماتے تو حال کھلتا۔

مہاتما۔ یہ کوئی چیستاں نہیں یا پہیلی نہیں منطقی مسئلہ ہے اور ایسے قضیوں میں سے ہے جنکے کیا ساتھ انکی دُم میں بندھے رہتے ہیں۔ تم انتظام کرتے ہو شاہراہ یا صدر دروازے کا مگر چور کھڑکی کھلی ہوئی ہے دیکھو ایسی حالت میں نہ پھنسو جس میں نواب صاحب مبتلا ہو کے نقصان اُٹھا چکے۔ قدیم صنعت کا طرز یقیناً والد مرحوم کی نشانی ہے مگر وہ تو دوسروں کے سینے لگ چکی اور اونے پونے بک بھی گئی۔ مل بھی جائے تو کون جانتا ہے کہ نگینہ حریفوں نے بدل ڈالا ہوگا اب تو ایسی فیشن کی دھوم ہے جو جوتے کے آگے سچا روتا ہے نواب صاحب نے بجھ بہ ارے بھر جیسے سہرے جلوے کے ساتھ ننھی سی بیاہ لائے تھے ستم توڑ رہے اور وہ مری پر ہمیشہ لوٹ رہے۔ ہندوستانی بھی بزرگوں کی بتائی ہوئی ریت رسم سے بیزار نظر آتے ہیں میں نے لاکھ لاکھ تدبیریں نگوڑی سوت سے پیچھا چھڑانے کی کیں۔ جنگل اتوار اسکا نام لے کے کھاری کنوئیں میں نمک کی کنکریاں پھکوائیں۔ بڑی مشکل سے اُسکے سر کے بال منگوا کے بدیشی کپڑے کی طرح چوراہے پر جلوائے۔ سیہی کا کانٹا یاسین پڑھوا کے قرآن میں رکھوایا ہزاروں ٹونے ٹوٹکے گنڈے تعویذ کیے مگر یہ سب باتیں منطق کے خلاف تھیں اسوجہ سے خاک اثر ہوا۔ تمہارا چرخا بھی گنڈے تعویذ کا قائم مقام ہے اور آتشبازی یا ہولی بھی۔ لوہا لوہے سے کٹتا ہے۔ چال بازی کا جواب چال بازی کے سوا اور کچھ نہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ تم پرانے سادھوؤں کی طرح تقدیر پر ہاتھ توڑ کے نہیں بیٹھے اور تدبیر کے قائل ہو کیا معنی کہ تقدیر پر بھروسا ہوتا تو یہ ہولی کیوں مناتے بس تدبیر کرتے ہو تو ایسی کرو کہ لوگ اسے مان بھی لیں اور دشمن بھی دل میں کہے کہ ہاں اب مقابلہ کڑی سخت ہے۔

غذائے روحانی

معدن النغمات

یعنی

وہ بے بہا کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی

اور

ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لے لینے کے قواعد بتاکر

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

تاحال بمبئی کے جز و علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی

مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

تان سین کے عہد سے لیکے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے

اُستاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں انسے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اسیطرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جسطرح کہ خود استاد تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا فی الحقیقۃ مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا تمام ہندوستان کے اُستادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ محصول ڈاک بہرحال ذمۂ خریدار۔

المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرطے

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تمیز مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی ہی ظرافت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر شبہ نہ بنائیے۔ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی صحابت۔ بے رو رعایت تنقید چینی صحیح تاریخ واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو بیش بہا جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرطیکہ تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ اطلاعات کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظرافت پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ایک نمبر میں تھوڑے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہ ہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپ حسب خواہش مضامین ہوں لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو سمجھئے کے اندر دو روپیہ تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ بغیر شاہ سلامت کے ایک مشہور اور یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان سنت اگر اپنی جیب سے قیمت کا بار نہیں اٹھا سکتے تو انہیں لازم ہے کہ کسی سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرا لیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا نادار یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب چرا لیتے ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار صاحب منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزار ہا خریداروں کے رولتھانے پر نیاز مند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی نصیحہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تحقیر اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۲ نمبر ۱۱
مضامینِ عمر
۲۵ مارچ ۱۹۲۹ء

بدنصیبن بنام جسٹس سلیمان

نمبر ۴

(بقیہ ۲۵ فروری ۱۹۲۹ء)

ڈاکٹر صاحب! میرے بیان سے تمہیں اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہندوستان میں کسی ایسے قانون کا بر ملا رواج محال ہے جو پردہ اٹھ جانے کے بعد پردہ نشینوں کی حفاظت کر سکے اور انہیں اُس وبا سے بچائے جس میں اسوقت یورپ والیاں مبتلا ہیں۔ تم تو اللہ رکھے ایک جج ہو قانون تمہارے ناخنوں پر لکھا ہوا ہے اگر تم اپنی رائے ظاہر کرنے کے ساتھ ہی ایک مسودہ ایسے قانون کا بنا کر شائع کر دیتے تو شاید زیادہ مناسب ہوتا۔ ہم بھی اس پر غور کرتے۔ آرتھر شوپنہور جرمنی فیلسوف کا ساد ہ مانہ اب نہیں ہے جو تمام عمر انہیں کا خزانہ عورت ذات کو سمجھتا تھا اب تو ہوا بدل گئی ہے رُخ پھر گیا ہے اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ مرد زیادہ بدکار ہیں یا عورتیں۔ گھر میں بیٹھنے والی عورتوں کی بیماری زیادہ تر انکے شوہروں کی بازاری کمائی سے وابستہ ہے باہر سے طرح طرح کے مرض دام خرچ کر کے مول لاتے اور گھریلو عورتوں کے سر منڈھ دیتے ہیں۔ مردوں کی اصلاح اور مردوں کا چال چلن درست ہونے سے پہلے پردہ برطرف کر دینا مدارج اخلاقی بیماریوں کے علاوہ جسمانی چھوت میں بھی غریب عورتوں کو مبتلا کر دے گا اور اُس ہی سہی صحت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا جس کی شکایت تم نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"واقعہ یہ ہے کہ انکی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ انکو مہلک بیماریاں ہو جاتی ہیں جن کا اثر اولاد پر پڑکر نسل کو بدتر بنا رہا ہے"

کیا تمہیں توقع ہے کہ مردوں کی اصلاح کے لئے جنکی اخلاقی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے عورتیں گھر سے نکلنے پر اُن بیماریوں سے محفوظ رہ سکیں گی جو آجکل اُن میں شاذ و نادر پائی جاتی ہیں۔ میاں پہلے اپنی ناکارہ جنس کی اصلاح کرو کہ اخلاقی اور شرعی قانون کی پابندی کر سکیں جب بازاروں میں ایسے بیماروں کی تعداد کم ہو اور ایسے مقدموں کا شمار کم ہو جو ہر سال کچہریوں میں پیش ہوتے رہتے ہیں۔ تو پھر ہم سے کہنا کہ چار دیواری سے باہر نکلو۔ اب تو صاف ہے کوئی تمہاری مرضی کے بغیر تمہارا دامن چھو نہیں سکتا۔ میاں تم تو جج ہو اور خوب جانتے ہو کہ کسی قانون کی پابندی یکطرفہ نہیں ہوتی۔ تم خود ہی اپنی جنس کی بد اخلاقیوں کا رونا روتے ہو اور اسکے بعد ہم سے کہتے ہو کہ اسی بداخلاق جنس میں تم منہ سے نقاب نوچ کر گھس پڑو کیا یہ عقل و اخلاق کے اعتبار سے صحیح ہے؟

آرتھر شوپنہور جو کچھ الزام عورتوں پر قائم کرتا تھا شکر ہے کہ آج اُس سے زیادہ الزام مردوں پر عائد ہو رہے ہیں۔ دیکھیا ہمارے صبر کا اثر؟

میں نے سیدۃ المشائخ کی حکایت میں اُس مونڈی کاٹے کا دعویٰ بیان کر دیا ہے جو عورتوں پر مردوں کو ترجیح دیتا تھا سیدۃ المشائخ نے اپنے جواب میں اس دلیل سے فائدہ نہیں اٹھایا کہ مرد فاعل ہے اور عورت منفعل۔ چونکہ گئی عورت تھی اور اگلے زمانے کی عورت۔ انفعال فعل کا محتاج ہے۔ انفعال فعل کی آرزو تو رکھتا ہے مگر فعل کی طرف از خود نہیں بڑھتا اسی کا نام شرم ہے۔ اور پردہ اسی کی حمایت کرتا ہے۔ فعل کی طرف سے پہلے چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے اُسکے بعد انفعال میں بے تابی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ قابو سے باہر ہونے لگتا ہے۔ یہ حالت اُسکی اصلی رکھ رکھاؤ کے خلاف ہے اسوجہ سے وہ ہیجان کے ساتھ ہی فعل کی شہزوری سے بچنا چاہتا ہے دیکھو علم النفس والفرقطی) اپنی وسعت بھر اس خودداری کا رکھ رکھاؤ کرنے کے بعد وہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ مغلوب ہوا اور ہمیشہ کے لیے کمزور ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ فعل اپنے عمل کی مسرت کا اتنا مشتاق نہیں ہوتا جتنا کہ انفعال مشتاق ہوتا ہے لیکن فعل مختار رہتا ہے اور انفعال مجبور۔ آزادی اس مجبور انفعال میں اشتیاق کی آگ زیادہ بھڑکاتی اور جتنی مزاحمت انفعال اپنے پہلے اتفاق میں فعل کی کرنا چاہتا تھا دوسرے اور تیسرے مرحلے میں زائل ہو جاتی ہے اور اور پری دل کی مزاحمت بھی نہیں ختم ہو جاتی ہے تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ ہر انفعال کا یہی قاعدہ ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ اس فرق کو پڑھے لکھے مردانہ نیچر اور زنانہ نیچر کہتے ہیں۔ اسے بے میں زندگی قابلیت جتانے مردوں میں گے بڑی علامت ہے۔

وہ ظالم مرد ہے جو عورت کے ساتھ زبردستی کرتے ہیں تمہاری عدالت میں اکثر آئے ہونگے۔ تم نے ایسے مقدمے بھی ضرور سنے ہونگے جن میں عورت مرد سے نفرت کرتی ہے مرد اُسکے ساتھ زنا بالجبر کرتا۔ ہاتھ پاؤں باندھ دیتا مارتا پیٹتا اور شراب پلا کے یہ نا پاک فعل کرتا ہے اس زور ظلم کے باوجود بھی عورت کا پیٹ پھول جاتا ہے پہلے کا نام ہے اختیار دوسرے کا لقب ہے مجبوری۔ میاں بی بی یا عاشق معشوق کی چھا چھلی پیار اخلاص میں جو تکرار کی نوبت آ جاتی ہے اسے انفعالی مزاحمت کہتے ہیں۔ انفعالی مزاحمت کے دور ہو جانے کا خطاب ہے آزادی۔ ترقی یافتہ قوموں میں بھی جب "زرک لوک" کا جھول جھال ہٹایا جانے لگا تو ہر سے پہ اس قسم کے دعوے کیے گئے کہ مرد اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور عورتیں مردوں سے کسی بات میں کم نہیں ہیں۔ اس دعوے میں مردوں کی بدنیتی شامل تھی اسوجہ سے برکت نہوئی انجام وہ ہوا جو آج تم یورپ میں دیکھتے ہو۔ قانون قاعدے اگر بنائے گئے تو ان کا پیا بھدرک نہ پڑی جیبوں کے تیوں دھرے رہے۔ تم خود ہی قائل ہو کہ "مغرب میں بھی ..... مدبرین میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اصلیت محسوس کرتے ہیں کہ پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ پس کیا تعجب ہے اگر کوئی ٹھیٹھ ہندوستانی بحفظ ما تقدم کرے کہ مغربی چھوت اسکی مستورات کو نہ لگے" یہ بات بھی کوئی چھپی ہوئی نہیں کہ رہنے سہنے کا دستور یورپ کا علیحدہ ہے اور ہندوستان کا

علاوہ ہندوستانیوں کے تمام دستور نہیں تو ننانوے فیصدی یورپ والوں کے نزدیک بدل ڈالنے کے قابل ہیں اور جو ہندوستانی یورپ کی سیر کر کے آتے ہیں وہ بھی اسی اولادِ دلی کے خبط میں مبتلا ہیں۔ یہ کی بحث نہیں، لوگوں کی طرف چھیڑی گئی ہے جھیل ہے اب رواداری کا کوئی دستور پسند نہیں نہ ایشیائی مذہب میں کوئی معقول بات نظر آتی ہے۔ یورپی تمدن کے اعتبار سے کوئی فرسودہ رواج یا قانون ماننے کے قابل نہیں۔ جو کچھ ہے پارلیمنٹ کا حکم ہے۔ چلو نہ سب یا نہ ہی کو کھا نہ ٹکا نے لگا اب اگر کوئی قانون بنا یا بھی گیا تو وہ آندھی کے چراغ کی طرح ایک جھونکے میں گل ہو جائیگا ہر رشتے دیا سلائی کھینچو اور جلاؤ۔

یورپ کی عورتوں کی کمائیاں دیکھ کے یہاں لوگوں کے منھ میں پانی بھر آتا ہے گرجس یورپ کی تقلید ہونے والی ہے وہ عنقریب نکاح بیاہ کی قید سے بھی آزاد ہونے والا ہے۔ لہذا پرانی چال اختیار کرنے والوں کو خاطر رہنا چاہیے کہ نکاح بیاہ کی قید میں بھی آگے چل کے انھیں خامیاں نظر آئینگی اور صدہا تلاش کرنی پڑینگی۔ معاملہ صرف بے پردگی پر ختم ہو جاتا تو خیر ہمیں بھی صبر کرتی۔

تم نے چار کے کاندھوں پر چڑھ کے گھر گھر ڈولی کرنے والیوں کی مذمت کی ہے مجھے بھی یہ روش پسند نہیں۔ تم حجازی پردے کو معتدل سمجھتے ہو۔ میں بھی بڑھتے ہوئے افلاس کو دیکھ کے اس تجویز کو مانے لیتی ہوں۔ اے اس کچھ روزوں میں کہار ہو جائیں گے ڈپٹی کلکٹر۔ اس وقت نہ ڈولی رہ جائے گی نہ کہار مگر چغتائی صاحب کا تو یہ مطلب نہیں وہ عورت کو کلب کی زینت بنانا چاہتے ہیں یہ اخلاقی انحطاط ہے۔ ہندوستان میں عورت اخلاق کا زیور اور سعادت کی زینت ہے۔ یورپ میں عورت کی ظاہری عزت تو یہ ہے کہ دور دور سے کسی لیڈی کو آتے دیکھا جھٹ سے ٹوپی اتار لی جیسے تماشے کا بندر چھینک ہوتے ہی ٹوپی اتار لیتا ہے مگر باطنی عزت خاک نہیں۔ عورت کے حسن کی کمان میں جتنی ڈھیل پڑتی جاتی ہے اسیقدر وہ سوسائٹی کی نگاہوں سے گرتی جاتی ہے۔ سارا تقاضہ جوانی دیوانی کے عالم تک رہتا ہے۔ عورت خود بڑھاپے میں اپنی نگاہوں کے آگے ذلیل ہو جاتی ہے۔ آرام پہونچانے اور اسکی تابعداری کرنے کا جو شوق لڑکوں کو ہوتا ہے وہ اسکی جوانی کی دم سے سنبھالا رہتا ہے وہ بہرز ڈھلی اور سے

زوال حسن ہے عاشق کنارا کرتے جاتے ہیں
بہار ختم ہوتی ہے خزاں موسم ہے سب جھڑ کا

بھلا اس سے زیادہ ایک عورت کی بے آبروئی اور کیا ہوگی۔ برخلاف اسکے یہاں یہ جو جو جیسے کالی سو بھالی ہوئے کلی جتنی پکتی ہے اتنی ہی برجھل ہوتی جاتی ہے۔ میں اس بات کی طرف پہلے بھی اشارہ کر چکی ہوں کہ ہندوستانی گھرانے میں بڑی بوڑھی عورت علی الاطلاق حاکم ہوتی ہے۔ بڑی بی راستہ چلتی ہیں تو لاکھ کیگر انھیں دادی ماما بڑی بی۔ اماں کہتے ہیں۔ سوسائٹی اور عیش پسند سوسائٹی یہ دستور باقی نہ رہنے دے گی۔ یہاں کی عورتیں بھی اس لالچ میں کہ دیر تک جوان رہیں وہی چالیں اختیار کرینگی جو یورپ والیاں اختیار کرتی ہیں۔ وہ کیا؟ خوب ورزش کرو۔ ورزش یہ نہیں کہ ناچو کودو چلو پھرو محنت کرو صحت بحال ہو کھانا ہضم ہو۔ جی نہیں وہاں کی ورزش یہ ہے کہ پیٹ کے بل لیٹ کے دونا بن جاؤ اور پاؤں کمان بنا کے سر پہ رکھ لو۔ ہمارے یہاں نٹنیاں یہی کرتی ہیں مگر جنھوں نے اس قسم کی قلابازیاں سیکھی تھیں ان میں سے سیکڑے پیچھے پچھتر اولاد سے محروم ہیں۔ خدا نے ہر چیز کی بناوٹ اس کے مزاج اور فائدے کے مطابق بنائی ہے اس میں اصلاح دینے والا قدرت کو بیوقوف بناتا ہے قدرت بیوقوف نہیں وہ نقصان پہونچنے کے وقت ہنستی ہے اور اس سے قبل چپکی بیٹھی تماشا دیکھتی ہے۔ جہاں نرمی درکار تھی وہاں ہوئی سختی جہاں جھول کی ضرورت تھی وہاں پڑ گئے اکھنچاؤ۔ اب اگر قسمت سے بچہ پیٹ میں رہ بھی گیا تو پیدائش کے وقت مزے آتے ہیں ڈاکٹر چھریاں لیے موجود رہتے ہیں بغیر چھری کانٹے کے نفیس بیل صاحبزادے باہر نکلنے کا نام نہیں لیتے لاکھ کوئی ڈھول کا دکھائے۔ جھنجھنا بجائے۔ عورتوں کے کولے جوڑ بنائے گئے ہیں یہ نرم ہوتے ہیں انکے اندر کا حصہ زیادہ جوف دار ہوتا ہے کہ بچہ خوب پھیل کے رہے ورزش اس حصے کو ضیعا بطور ہی اور ان قالب کو تنگ کر دیتی ہے۔ خیر یہ تو میں دوسری طرف چلی گئی۔

دوسری بات یہ کہ دودھ نہ پلاؤ گائے کے دودھ اور بناوٹی غذا سنا لیجن کنڈنسیڈ ملک اگر غلام پر بچہ پالو نہیں تو مثل مشہور ہے۔

"سارا جوبن ڈھالے تو ایک بالک پالے"

جوبن جلدی رخصت ہو جائے گا اور سوسائٹی کی نگاہ سے گر جاؤ گی۔ بڑھیا بازارنوں کی زبان پر ایک دوہا چڑھا رہتا ہے:۔

جوبن تھے جب سب تھے گاہک تھے سب کوئے
جوبن رتن گنوائے کے پوچھے بات اب کوئے؟

ایسے بچوں کو قدرتی غذا نہ ملنے سے جو جو بیماریاں گھائی پڑتی ہیں یا جو کمزوریاں ان میں بچپن جڑھنے کے بعد پیدا ہو جاتی ہیں انکی ذمہ داری جوبن پر اترانے والیوں کے سر ہے۔

تیسرے جب وقت آ گیا اور بی صاحب بڑھاپے کے ہاتھوں مسل مسلا کے مالودہ ہو گئیں تو سارا وقت بناوٹ میں صرف کرنا پڑتا ہے۔ پیٹ کا جھوجھو تھیلیاں سے سوئٹ کے نچلے حصے پر کر دیا اوپر سے ڈاب کسی کہ پوشاک کے اوپر گھگسوں کی شکن مسطر کے نشان کی طرح ظاہر ہونے پائے جو چار جانوں میں رسوائی ہو۔ چہرے کی جھریوں پر یا تو مسالا تھوپ کے اسپر روغن چڑھواتیاں ہیں۔ مصور عورتیں ملازم ہوئی ہیں اور اجرت لے کے چہرہ درست کرتی ہیں مگر جنھیں اجرت ادا کرنے کی توفیق نہیں وہ نرم برش سے گالوں پر رگڑے گھستے دینا شروع کرتی ہیں چہرہ تمتما جاتا ہے اور دو چار گھنٹے کے لیے ایک ورم کی تہ گالوں پہ چڑھ کے شکن مٹا دیتی ہے۔ سر کے بالوں میں نکل سیلور اور خدا جانے کیسے کیسے تیزاب لگاتی ہیں کہ گھاؤ پڑ جاتے ہیں۔ ہائے انکے نزدیک بڑھاپا ایسا عیب ہے کہ اس سے بدتر دنیا میں کوئی عیب نہیں۔ اسے چھپائے بغیر گھر سے نکل ہی نہیں سکتیں۔ ایک اکیلا خاوند ہی دیکھنے والا ہوتا تو یہ مصیبت نہ ہوتی۔ کیوں؟ وہ تو وہی ہے جس نے جوانی کے مزے لوٹے۔

بے وقوفوں کو اپنا مال نہ کھلاؤ مگر عقلمندوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ بے وقوفوں کا مال نہ کھاؤ۔ یہ دوسری بات ہے کہ دُنیا کی حماقت پسندی کے لحاظ سے عقلمند بے وقوف کا بھیس بدلے یعنی تھوڑی دیر کے واسطے عقلمندی سے ہاتھ دھوئے اور احمق بنا رہے۔ دوسرے کی عقل پر پتہ پا مارے۔ جنھیں کھانے پینے کی طرف سے اطمینان ہوتا ہے اُن کا دل خوشیاں منانے کا زیادہ آرزومند رہتا ہے خواہ مخواہ کی خوشی میں حماقت کے اجزا صاف صاف نظر آتے ہیں پس متمول حماقت و سفاہت کا دوسرا نام ہوا۔ ممکن نہیں کہ دولت گھر میں آئے اور سفاہت ساتھ نہ لائے۔ غریب اور مفلس بھی بے وقوف ہوتے ہیں اور وہ بھی اپنی حقیر پونجی کبھی کبھی حماقت کی نذر کر دیتے ہیں مگر وہ حماقت طبعی اور فطری ہوتی ہے زرخرید نہیں ہوتی۔ مفلسوں کا تذکرہ اس وجہ سے فضول ہے کہ ان کا دل ہی ٹھکانے نہیں ہوتا۔ نہ ہنسی خوشی کی آرزو نہ رونے دھونے کی پاس ہے

ہنس سکے کیا کوئی اور کیا رو سکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

لیکن احمق ساز عقلمندوں کو مفلس احمقوں سے بھی کافی دل مل جاتا ہے واللہ عقل کے پاؤں چومنے چاہئیں کیا کام کی چیز ہے۔ جتنے انداز حماقت اختیار کرتی جاتی ہے اتنے ہی جال عقل تیار کرتی جاتی ہے۔ ان کی طرز تعلیم ہے "مرکشی" کا جزو نظاہر زیادہ نظر آتا ہے تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ مرکشی کا مآل ہے زرد منہ نسی اور نسا مدودی کی جڑ اور یہ حماقت ماحول کا طرز تعلیم حماقت سے پورا لگاؤ رکھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج حماقت کو جتنا عروج ہندوستان میں حاصل ہے یورپ و دنیا میں اور کہیں نہیں۔ ہندوستانیوں کو احمق بنانے سمندر اُس پار سے بھی عقلمند آتے ہیں اور ہندوستانی احمق سازوں کی بھی ملک میں کمی نہیں۔ بیرونی احمق سازوں کا رونا کانگریس بہت رو چکی مگر احمقوں کے سامنے روئی اور اہل عقل رومال آنکھوں پر رکھے لبورا کرتے ہیں۔ جب ہاتھ سے کوئی چیز اپنی حماقت کے طفیل کھو جاتی ہے تو گریہ آتا ہے اسی وجہ سے نصیحت کی گئی ہے "لا تحزنوا علی ما فاتکم" (جو کچھ تم کھو چکے اُس پر رنج نہ کرو) خود کردہ را درماں چیست یعنی تمھیں اُس چیز پر رنج کرنے کا حق نہیں جس کے تلف ہونے کی علت خود تمھاری ذات ہے اس حکم میں مظلوموں کا رونا داخل نہیں ہے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہانا شامل ہے۔

الف لیلہ میں ایک حکایت ہے کہ ایک قسمت زدہ امیرزادہ سند عشق کی تلاش میں آوارہ پھر رہا تھا کہ ایک کانے بڑے میاں نہایت محتشم راہ میں ملے اور اُنھوں نے اُس سے کہا میاں صاحبزادے نوکری کروگے اُس نے اقرار کیا بڑے میاں شہر سے دور اُسے اپنے ہمراہ لے گئے صحرا میں ایک عمارت سر فلک استادہ تھی وہ عمارت پر پہونچنے کے بعد بڑے میاں نے کہا سنو صاحبزادے ہم چھ کانے اس گھر میں بیٹھے ہیں مال و دولت کی ہمارے پاس کمی نہیں۔ تم ہمارے گھر کے مختار ہو حسب ضرورت جو صرف کرو کھاؤ پیو ہم کچھ تعرض نہ کرینگے تمھارا کام یہ ہوگا کہ روزانہ ہمارے کھانے پینے کا اہتمام کرتے رہو تم جو کچھ دوگے ہم بلا عذر قبول کرینگے جیسا پہناؤگے پہنیں گے۔ ہمیں دُنیا میں زیادہ دنوں تک زندہ رہنا منظور نہیں جب عدم آباد سدھاریں اُس وقت یہ روپیہ پیسہ اور مکان تمھارا ہے مگر ایک شرط ہے اُس کی پابندی تم پر لازم ہوگی یعنی ہمارے کاموں میں دخل نہ دینا۔ امیرزادے نے دل میں کہا "میری جوتی کو کیا غرض ہے جو دخل دوں" اُس نے شرط منظور کرلی۔ دن بھر اُس نے مکان کی درستی اور طعام کا انتظام کیا شام کو روشنی کی ایک پہر رات گزرنے کے بعد چھ کانے دراز ریش بڈھے اپنی جگہ سے اُٹھے ایک کوٹھری کا دروازہ کھولا جس میں سیاہ فرش بچھا ہوا تھا بیچ میں شمع رکھی اور لگے "ہو ہو" کر کے رونے روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں غش کھا کے گرے اور صبح تک اسی طرح پڑے رہے۔ امیرزادہ وعدہ

عارضی اتحاد مائل بسقوط

"اے بھائی میں گرا"
"ہاں چوٹ لگے گی تو تمھارے چوتڑوں میں بندہ محفوظ ہے۔ چل میرے گھوڑے"

کفر وایمان - ایمان کفر

ملّا:- نقش خوب است در گلو بیا ویزہ و سجّاں ؎ کفرم چہ زیاں دارد گر نیک سرانجامم"

مسٹر:- تو ہم بروو براخواں ؎ ایماں بچہ کار آید گر راندۂ درگاہم"

گل صبحدمے سجود بر آشفت و بریخت
با باد صبا حکایتے گفت و بریخت
بد عہدی دہر بیں کہ در چندیں روز
سر بر زد و غنچہ گرد و بشگفت و بریخت
اگر موسم خزاں میں بھی تازہ پھولوں کی نکہت سے لطف اٹھانا ہو تو اصغر علی محمد علی عطر سازان چوک لکھنؤ
سے عطر کی ایک شیشی طلب کیجیے۔ بہار باغ ناپائدار ہے۔ اور اسکی خوشبو پائدار ہے

کر چکا تھا وہ خبر بھی نہ ہوا ہوگا۔ روتے روتے ایک ایک آنکھ جو باقی ہے وہ بھی بہا دو۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ ہر مہینے کی چاند رات کو ایک بڈھا "عدم آباد" کا پاسپورٹ لے کے چل دیتا تھا۔ یہ اُسی ماتم کدے میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ پانچ مہینے میں پانچ ارسل روانہ ہوئے صرف وہ شخص باقی، جو حسرت امیر زادہ کو نوکر رکھا تھا پانچویں بڈھے کی روانگی کے بعد میاں صاحب نے اطلاع دی کہ ماہ آئندہ تک بندہ بھی روانہ ہو جائے گا۔ میاں صاحبزادے دیکھو اس کوٹھری میں جواہر ہے اس میں اشرفیاں صدہا روپیہ ہیں یہ مکان تمہارا ہے یہ باغ تمہارا ہے۔ بعد مرگ تم اسی ماتم کدہ میں مجھے بھی دفن کر دینا مگر ایک وصیت یاد رکھو خبردار اس مکان میں جو تہخانہ ہے اسے کبھی نہ کھولنا۔ ورنہ پچھتاؤ گے" وقت گیا آ گئی ایک مہینے کا وقفہ ہی کیا۔ صبح سے شام اور شام سے صبح ہوتے ہوتے وہ بھی گذر گیا اور چاند رات آتے ہی آخری کا بھی چل بسا۔ امیر زادے نے وصیت پر عمل کیا تجہیز و تکفین و فاتحہ سے فرصت پانے کے بعد وہ نہایت آسائش سے عمر بسر کرنے لگا۔ ایک روز جی میں آئی کہ تہخانہ کھولو آخر بڈھے میاں نے اس کو کس لئے چھپایا ہے چلئے دیکھو تو سہی۔ تھوڑی دیر خواہش اور مصلحت میں مباحثہ ہوا آخر مصلحت کو شکست ہوئی القصہ کا نام لے کے صاحبزادے نے قفل پر ہتھوڑی لگائی۔ قفل مصلحت ٹوٹا اور شامت کا دروازہ کھلا تہخانہ تاریک تھا مگر اشتیاق کی آگ مشعل راہ ہوئی۔ نیچے اُترے تو معلوم ہوا کہ یہ ایک راستہ ہے۔ ارادہ مضبوط تھا یہ آگے بڑھے بہت دور پر سوئی کے ناکے برابر ایک سوراخ دکھائی دیا جس میں سے روشنی کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ یہ برابر بڑھتے گئے قریب شام اُس سوراخ کے دہانے پر پہونچے۔ وہاں میں جان آئی دیکھا تو ایک دریا کے کنارے گھاٹ کے سنگی زینہ پر کھڑے ہیں۔ دریا لہریں لے رہا ہے چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی ہوئی ہیں۔ ایک خوبصورت جوان عورتیں تفریح کر رہی ہیں۔ ان کے جھرمٹ میں ایک ہاتھی دانت کا بجرا ہے جس کی آراستگی دوسری کشتیوں سے زیادہ کا سیر چند ناچنے گانے والیاں لگا بجا کے ایک نہایت حسین شہزادی کا دل بہلا رہی ہیں۔ دفعۃً دونوں کی نگاہوں کی شست اُٹھی عشق کی کٹیا میں دل کی مچھلی پھنسی ادھر سے یہ اُچھلے اُدھر وہ بھی۔ بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا دونوں کشتی پر بیٹھے دوسرے کنارے پر جا کے اُترے اب اُنھوں نے دیکھا کہ یہاں کوئی چیز مذکر نہیں فوج بھی مؤنث ذکر جا کر بھی مونث۔ شہزادی نے کہا کہ آپ گھبرائیے نہیں آج سے آپ ہی اس مقام کے مالک و بادشاہ ہیں میں کنیز ناچیز ہوں عمر بھر خدمتگزاری کرونگی سال میں ایک ہفتے کے واسطے پدر محترم کی خدمت میں جاتی ہوں باقی روز و شب یہیں قیام رہتا ہے۔ غرض تب آؤ بھگت ہوئی۔ سال بھر تک جام و دل آرام سے صبح و شام واسطہ رہا۔ بعد ازاں شہزادی پدر عالیجاہ کی خدمت میں روانہ ہوئیں چلتے وقت وصیت کی کہ سیر کیجیے دل بہلائیے سارا گھر پڑا ہے بندی آج ہی کے دن یہاں آ جائے گی۔ فراق کا زمانہ بات کہتے کٹ جائیگا پھر وہی دن ہوگا وہی رات ہوگی مگر اپنے خدا کو مان کے سامنے والی کوٹھری کا دروازہ نہ کھولئے گا ورنہ پھر قیامت میں ملاقات ہوگی۔ وہ سمجھا بجھا کے چل دی۔ یہاں حرص مخالفت نے انگلی دکھائی دو تین دن دل پر جبر کیا آخر خفا ہوتے ہوئے چھپائے کنجی سے قفل کو نہ پایا قفل کھلا ہی ہوا سرد کا جھونکا آیا دروازہ پاٹوں پاٹ کھل گیا۔ اندر ایک مشکی رنگ کے تازی مرد تھان پر کھڑے دُم ہلا رہے تھے اُنھوں نے کنوتیاں کھڑی کر کے انھیں دیکھا ہنہنا کے ہنسے اور سمت سے شاکے انکی رانوں کے درمیان گھس پڑے یہ سمجھے کہ گھوڑا نہایت شائستہ ہے چلو سیر کریں گھوڑا جب تک کوٹھری کے اندر تھا بکری تھا باہر نکلتے ہی شیر ہوا بغل کے نیچے سے پر نکالے اور اسطرح رو بہ چرخ ہوا جیسے کرنل لارنس عراق و حجاز سے ہوائی جہاز پر من و مان لے کے اُڑ جائے۔ پلک جھپکاتے ہی میاں امیر زادے اُسی گھاٹ پر انشاءحیت پڑے تھے نہ گھوڑا تھا نہ محلسرا البتہ گھوڑے نے چلتے وقت حرص کی دونوں آنکھوں میں سے ایک پر دُم سے ایسی چوٹ کی کہ دیدہ آب آب ہو گیا۔ امیر زادے صاحب کا قول ہے کہ اُسوقت سے آجتک چھ بوڑھے بکنیوں کی طرح بندہ بھی ماتم کدہ میں روتا ہے ساتویں قبر اپنے لیے کھود چکا ہے۔ مگر رونے دھونے سے کیا ہوگا کانگریسی ہندوستانی اہل عقل بھی روئینگے تو حمق سازوں کا کیا بگاڑ لینگے از دست رفتہ عیش کا ماتم بے سود ہے ہاں ماتم اپنی حماقت کا ہے جس نے کانا بنا کے بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ مناسب ہے کہ ایک پھوٹی ہے تو دوسری پر ہاتھ رکھیں کیا معنی کہ آجکل احمق سازی کا اجارہ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

سوویٹ
قانون حفظ عوام
انھیں دوڑا دیا
قانون :- ٹھہر تو جا مردود - میں آیا"
کھلونا :- دیکھیں تو سہی "
..... چکر ہے اور اسکا دستہ بندے کے ہاتھ میں - پائندہ صحبت باقی "

ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

ہر دو برادر ایک کا پلوا

"ایک کے معنی میں پنج فیصد"اور"پلوا" کہتے ہیں ٹکڑے کو قدیم لالہ شاہی اصطلاح ہے کثرت استعمال سے "ایک کا پلوا" ہو گئی۔

ایک لالہ صاحب دو بھائیوں کے مشترک مختار تھے۔ اگلے زمانے میں چھوٹا بھائی بڑے بھائی کو باپ کی جگہ سمجھتا تھا اور بڑا بھائی باپ کا سا برتاؤ کرتا تھا مگر زمانہ علیہ السلام رکھ رکھاؤ کے دشمن ہیں۔ لالہ تھے دونوں کے نوکر متضاد احکام سے بیچارے عاجز ہو گئے۔ چھوٹے نے چپکے سے کہا۔ لالہ بھائی صاحب کو خبر نہ ہونے پائے یہ کام یوں کرو۔ بڑے نے حکم دیا یوں نہیں یوں کرو۔ ایک کہے دن تو دوسرا کہے رات۔ آپ جانئے لالہ فارسی اور ہندی کا جوڑ ن تیار نہ کر تے تو فرا قر شکم وستو م میں مبتلا ہو جاتے لہذا "ہر دو برادر ایک کا پلوا" (دونوں بھائی لغویت کے کیڑے ہیں) ان کا تکیہ کلام ہو گیا۔ مثل تو یہی۔ یکساں واقعات جب رونما ہوں گے تو مثل کا مصداق و مورد سامنے آجائیگا۔

آجکل کے مسلمان دو قسموں پر منقسم ہیں۔ ایک برقی روشنی والے۔ دوسرے ڈیوٹ اور چراغ والے۔ انکی بجلی آنکھوں میں جکا چوند پیدا کرتی ہے۔ انکی ٹمٹمی اسلام کی باریکیوں تک نگاہ کو نہیں پہنچنے دیتی۔ کم نگاہی کی بیماری دونوں جانب لاحق حال ہے۔ برقی لیمپ والوں کا تذکرہ بہت ہو چکا سر دست فقہائے بے بصر کی ٹمٹمی ملاحظہ فرمائیے۔ آجتک اسلام بزبان حکمت دیر سیرکار یہی دعوی کرتا رہا کہ اسلام اتم ذات اور نیچ قوم کے ضجعت سے آزاد ہے۔ شرافت عقل و ادب پر منحصر ہے۔ نسب اور مال پر موقوف نہیں پیشہ اختیار کرنے سے ذات نہیں بدلتی۔ کوئی شریف مفلوک اگر کسی امیر کی جوتیاں اٹھانے پر ملازم ہو تو وہ بھی کوئی بات نہیں حسن سکتا تو [illegible] کہ سمجھتے [illegible] زبان رد لو بلا ہاتھ یہی ہم ذات نہیں یعنی "نہیں جب ہاتھ" یعنی اسلامی تمام کام کرنے سے "ذات" پر اثر نہیں پڑتا اور قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ جو زیادہ متقی ہے وہی خدا کے نزدیک قابل اکرام ہے اسکے ساتھ ہی تقوے کا تعلق دل سے ہے ہاتھ سے نہیں تو "اونچ نیچ" کی قید آپ سے آپ باقی نہ رہی۔

ایک حیدر آبادی پشاوری معاصر ناقل ہے کہ ایک شخص نے کسی فقیہہ رسالے کے اڈیٹر سے دریافت کیا "نیچ قوم کو علم حدیث وغیرہ پڑھانا اور خلافت دینا چاہئے ہے یا نہیں" اڈیٹر صاحب نے جواب لکھ فرمایا کہ "جو شخص خلافت کے لائق اور علم کا اہل نہو اوسے خلافت دینے اور علم سکھانے سے بچنا۔ اور علم کی قدر کرنی چاہئیے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کتوں کے منھ میں دودھ نہ ڈالو۔ اور نا اہل اسلام کو علم سکھانا ایسا ہے جیسے خنزیر کو جواہرات پہنانا"

بتقلید لالہ لکھنؤ چند ہم فقیہہ صاحب کی سمجھ پر عربی اور ہندی جوڑن یوں تیار کرتے ہیں۔ "کلا ہما ایک کا پلوا" کیا معنی کہ "نیچ قوم" سے مراد ہے وہ گروہ جو ادنی درجے کا پیشہ اختیار کرتا ہے جیسے جوتیاں ٹانکنا خاکروبی کرنا۔ ان حرفتوں میں اور "اہلیت" میں کوئی عداوت نہیں کوئی منافات نہیں۔ منافات ہوتی تو اڈیسن (موجب گراموفون) اخبار کی کاغذات بیچتے بیچتے آج عقلائے روزگار کا خلیفہ نہ بن بیٹھتا۔ مستفتی سوال کرتا ہے "نیچ قوم" کی تعلیم و تعلم سے اور مفتی صاحب جواب دیتے ہیں نا اہل، ورنا اہل کی حدیث سے۔ اسلام کی جان پر بجلی کی چکا چوند نے جو آفت ڈھائی کہ پردہ اٹھا دو۔ روزے کھا جاؤ۔ نماز کی حاجت نہیں عقد محبت کافی ہے نکاح کا ایجاب و قبول بیکار ہے۔ کسی فقیہہ سفیہ کی ٹمٹمی بھی اوسی طرح کے مصائب نازل کرتی ہے۔ "اسلام" اور "نیچ" دیکھنے والوں میں "نہیں" اونچ نیچ "تو وہ دیکھے جو نشیب و فراز میں راہ روی کے گر سے واقف نہ ہو۔

اونچی قوم میں بھی نا اہل ہوتے ہیں نیچی قوم میں بھی ہیں انشاء اللہ فقیہہ صاحب کی عقل میں برکت عطا فرمائے اور منھ میں دودھ ڈالے کہ حقیقت فقہ کے اہل یہی ہیں۔

اطلاع نامہ بنام دائنان نسبت تعین تاریخ سماعت درخواست

دیوالہ

نمبر مقدمہ دیوالیہ [illegible]

بعدالت جناب [illegible] صاحب [illegible] بہادر — خانم مرد [illegible]

درخواست دیوالہ نمبر ۱۵ [illegible] ۱۹۲۹ء

بعد منظور کرانے جانے دیوالیہ مسمی فرم سیتا رام جے جے رام [illegible] تاجر [illegible] ہوتے لال [illegible] قصبہ [illegible] گنج [illegible]

ضلع ہردوئی

بنام مہاجنان

ہرگاہ مسمی فرم سیتا رام جے جے رام نے عدالت ہذا میں بذریعہ عرضی مورخہ [illegible] ماہ فروری ۱۹۲۹ء درخواست کی ہے کہ وہ حسب منشاء ایکٹ دیوالیہ نمبر ۵ ۱۹۲۰ء دیوالیہ قرار دیا جاوے اور تمہارا نام فہرست دائنان میں جو مرمون [illegible] داخل کی ہے پایا جاتا ہے لہذا انکو اطلاع دیجاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ [illegible] ماہ اپریل ۱۹۲۹ء واسطے سماعت درخواست مذکور الصدر اور لینے بیان مدیون کے مقرر کی ہے اگر تم کو اس معاملہ میں پیروی کرنا یا جنے ہو تو اسالتاً یا بذریعہ وکیل بحال مقدمہ سے [illegible] حاضر ہو۔

آج بتاریخ [illegible] اپریل ۱۹۲۹ء ہمارے دستخط اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم [illegible] ہردوئی [illegible] (مہر عدالت)

ہو رہا ہے۔ مجال ہے جو پھرے ان نمک حرام شاہی نوکروں پہ
موئے خود کام چور ہیں۔ مالک سے کہتے ہیں کہ مزدوروں
کی طرح رات دن کام کاج میں جتا رہے۔ چار دن
کی زندگی گھر بار، جوت کے کام دھندے بھی نہیں
کاٹتا۔ پھر ہمارے حضور تو اللہ رکھو دنیا بھر کے مالک
ہیں۔ آخر یہ بھاری بھاری تنخواہیں جو ان موئے
وزیروں نوابوں کو دی جاتی ہیں تو یہ کس مرض کی
دوا ہیں۔ واہ محنت کرے مالک اور مزے اڑائیں [illegible]
بادشاہ سلامت نے محلات کی عادت بگاڑ رکھی تھی
جاؤں جاؤں کاؤں کاؤں سن کے دل میں کہنے لگے
سچ کہتی ہیں میں ہوں بادشاہ یہ ہیں رعیت ان کو
یہ حق نہیں کہ اس طرح مجھے عیش خانے سے باہر نکال
کے محنت لیں۔

ہوا پھر پلٹ گئی۔ پھر وہی عیش وہی کھیل کود۔
صبح کو شتاس وزیر اعیان دولت کی بھیڑ لیے محل سرائے
شاہی پر آگئے مگر در قبول مقفل پایا۔ دربانوں نے حکم سنایا۔
ظل اللہ بے آرام ہو گئے۔ آج کا دربار معاف۔ آپ لوگ
اپنے اپنے گھر تشریف لیجائیں۔ سب ناامیدی کا رونا
روتے اپنے اپنے گھر چل دیے۔ جب دو چار ہفتے یوں ہی
گذر گئے تو پھر لوگوں نے شتاس کو گھیرا۔ شتاس نے ہزار
حیلہ و تدبیر ظل اللہ سے ملاقات کی۔ تخلیہ تھا۔ وزیر نے
دست بستہ عرض کی خدا کے لیے مجسم بے وقوفی یعنی
عورتوں کے مشورے پر عمل نہ کیجئے ورنہ پچھتایئے گا
دیکھیے ابھی دو دن کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے اپنے
باغ کی سرسبزی کا تذکرہ اپنی بی بی سے کیا۔ بی بی سیر
باغ کی مشتاق ہوئی بات کوئی بیجا نہ تھی میاں بی بی
دونوں اپنے باغ میں آئے ٹہلے پھرے میوہ کھایا آخر میں
بی صاحبہ کو کچھ اور سوجھی کوئی اور ہی بات یاد آئی۔
میاں نے عذر کیا کہ بھلا یہ کون سا محل ہے۔ ایسی
باتوں کے لیے گھر ہی بہتر مقام ہے۔ بی بی پر بھوت سوار
تھا کہنے لگیں سبحان اللہ گھر میں یہ ہوا کہاں یہ فضا
کہاں یہ سناٹا کہاں یہ فراغت کہاں۔ سنو میاں
تم کوئی حرام فعل تو کر دگے نہیں جو شرماتے ہو۔ میاں بولے
کہ بی بی یہ میدان کوئی محفوظ مقام نہیں مگر بس نہ چلا۔
میاں بی بی خلطے ملطے میں مشغول ہوئے اتنے میں
دو ننگوں کا ادھر سے گذر ہوا یہ سمجھے کہ یہ میاں بی بی کا
نہیں یاری آشنائی کا معاملہ ہے چوری چھپے دل کے حوصلے
نکل رہے ہیں۔ ایک نے بڑھ کے ٹوکا۔ "او بدمعاش
کیا کرتا ہے خوب تو نے جنگل میں منگل منایا ہے چل قاضی
کی کچہری میں"۔ دوسرے نے بی بی کا ہاتھ پکڑا بی بی
چلائیں کہ میاں ان موؤں سے آبرو بچاؤ۔ میاں نے
لاکھ لاکھ سمجھایا کہ لوگو یہ میرا باغ ہے اور یہ عورت میری
نکاحی بی بی ہے مگر وہ کب سننے والے تھے آخر بات بڑھی
بدمعاشوں نے میاں کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا۔
بی بی کی جو گت بنی وہ خدا کو معلوم ہے۔ خداوند نعمت
اسی طرح حضور بھی ناقص العقل گروہ کے پھیر میں پھنسے
ہیں اگرچہ عیش حلال ہے مگر ایسا نہ ہو کہ بدمعاش
تاک میں ہیں انھیں بہانہ ملے فوج لے کے چڑھ دوڑیں دیکھیے
مفت ایک کشت و خون ہوگا۔ خدارا سنبھلیے۔ امیری
کی قسمت لونڈی ہوتی ہے جو اس کا مالک بن بیٹھے اسی کا
حکم مانتی ہے۔ وزیر نے بلند پستی دکھائی تو فرمایا
نہ گھبراؤ کل انشاءاللہ دربار کروں گا۔ وزیر آنکھوں سے
اوجھل ہوا تو ایک جا بیٹی جان آئیں اور گودی میں بیٹھ کے
اس پریشانی پر جرح قدح کرنے لگیں جو وزیر کی گفتگو سے
شہریار کے روئے مبارک پر طاری ہو گئی تھی۔ "موئی
آپ کے دشمنوں کا اسوقت کیا حال ہے۔ میں دیکھتی ہوں
جب یہ وزیر نگوڑا آتا ہے ایک نہ ایک نیا نخرہ لے کے
آتا ہے۔ اسے منگل اتوار اپنے بادشاہ پر صدقہ کر دوں
آخر یہ دھمکیاں دینے والا کون؟ اے صاحب اپنی حکومت
اپنی سلطنت ہے اپنی رعیت ہے۔ واہ یہ بھی ایک ہی ہوئی
بادشاہ نہ ہوا موم کی ناک ہو گیا۔ ہر ایرے غیرے آئے داؤ
ڈالا کام نکالا۔ میں سچ کہتی ہوں حضور بھی ذری دل
سخت کریں تو کام چلیگا۔ یہ [illegible] حضور کو [illegible]
ہیں اسی طرح چوروں نے ایک سوداگر کو بھی دھوکا دیا
تھا۔ تاجر تھا مالدار چوروں نے تاکا۔ ایک دن میں
حکیم کا بھیس بدل کے آیا۔ سوداگر صاحب دسترخوان پر
بیٹھے تھے حکیم صاحب نے صدا لگائی "کام حکیم کا دوا
علاج کریں دکھ بیماری کھوئیں"۔ سوداگر نے کہا حضرت
نان خشک حاضر ہے تناول فرمایئے۔ حکیم صاحب ٹھہر کے
بیٹھ گئے تاجر جوان تھا محنتی تھا خوش خور تھا [illegible]
بعد فراغت خوش خوری کی پر حاشیہ چڑھایا یہی گھات ہاتھ
آئی فرمانے لگے حضور تو بیمار ہیں چہرہ پر مرض [illegible] کا
رنگ ہے علاج کیجئے ورنہ ایک دن دیو اجل کا لقمہ
بنیں گے۔ سوداگر نے ڈانٹ بتائی کہ یہ کیا نوبت ہے
خدا کے فضل سے میں صحیح و سالم ہوں جوان ہوں
جتنی بھوک ہے اتنا کھاتا ہوں۔ طبیب نے گردن
ہلا کے جواب دیا یہی تو خرابی ہے اچھا ایک کام کیجئے میں
گولیاں دیتا ہوں شب کو انھیں کھا کے سو رہیے اگر
طبیعت بہ نسبت آج کے ہلکی معلوم ہو تو میں سچا ورنہ [illegible]
تاجر نے گولیاں لیں۔ کھائیں گولیاں رافع قبض تھیں کھل کے
اجابت ہوئی تو سوداگر صاحب کو سودا ہوا کہ واقعی مجھے
دوا کی ضرورت ہے۔ دوسرے دن طبیب سے کہا کہ آج
بے شک میری طبیعت ہلکی ہے۔ حکیم صاحب نے آج آدھ پاؤ
جمال گوٹے کا سفوف پھنکا دیا۔ لے میرے بھائی اب تو
بیت الخلا کے ہر پھیرے میں جناب سوداگر ہلکے ہونے
لگے۔ آخر اتنے ہلکے ہوئے کہ ڈبلی روح کا بوجھ نہ اٹھا سکا
نیم جاں ہو گئے۔ چوروں نے نقلی کتھری کر کے اپنی راہ لی۔
معشوق ہوا شتاس بھی کیا چیز ہے اسکی گولیوں کا اعتبار
نہ کیجیے اگر آپ نے گولی کھا لی تو جان لیوا سفوف بھی
ایک روز کھانا پڑے گا۔ لے بھلا دشمنوں کی کیا کھاٹ
کٹی ہے کون سی مصیبت آئی ہے جو یوں پریشان ہوکے
ہیں۔ بادشاہ سلامت نے فرمایا۔ بیگم سچ کہتی ہو
واللہ اس کمبخت نے عیش منغص کر دیا۔ [illegible] میں
خلل لگاتا ہے۔ اچھا کہنے دو۔ میں تو دربار میں جاؤں گا
دیکھوں یہ کمبخت میرا کیا بنا لیتے ہیں۔ حسب معمول صبح کو
شتاس ڈیوڑھی پر حاضر ہوا مگر حضور برآمد نہ ہوئے۔
دربانوں کو راضی کر کے وزیر خلوت خانے تک پہنچا
اور حسب معمول زری کوڑے تیور ڈال کے حضور کو نصیحت
کرنے لگا کہ خواب غفلت سے ہوشیار ہو جیے لوگوں کا
ارادہ بد ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور کے خلاف
سازشوں کا طومار بندھے اور برا وقت اپنا منہ
دکھائے۔ دلوں کی آگ کبھی فنا نہیں ہوتی مثل ہے
پتھر ہزار سال تالاب میں ڈوبا رہے تو کیا ہوتا ہے جب
چوٹ کھائیگا آگ دے گا۔ رعیت کا قاعدہ ہے
کہ اپنا بدلہ ضرور لیتی ہے! سو جب ظلم کی میعاد [illegible]

تھوڑی سی ہوتی ہی۔ چند لومڑیوں نے جنگل میں ایک اونٹ کی لاش پائی۔ لومڑی کی ذات ہوشیار ہوتی ہے انہوں نے سوچا کہ آپس میں لڑائی ہو تو بہتر ہی۔ راہ میں ایک بھیڑیا چلا جاتا تھا اوسے سرپنچ بناکے درخواست کی کہ آپ یہ لاش ہم سب پر تقسیم کر دیجئے میاں بھیڑیے نے لاش دیکھی تو منھ میں پانی بھر آیا کہنے لگے بھئی آج اسے میری تحویل میں رہنے دو کل سب مل کے آنا اور بندے کی عدالت کا تماشا دیکھنا۔ لومڑیاں چلی گئیں دوسرے روز میاں بھیڑیے خاں بہادر نے فرمایا چلو ہوا کھاؤ کیسا اونٹ اور کہاں کا حصہ بخرا۔ میں تم لوگوں کے آپس میں فساد کرنا پسند نہیں کرتا دیکھو جو زیادہ بڑبڑائے تو میں بھی اپنے پنجوں اور دانتوں کا کھیل دکھا کر ختم کر دونگا۔ بھیڑیے نے جو کا دیا لومڑیاں بھاگ گئیں آخر ایک شیر سے التجا کی کہ خداوند نعمت دیکھئے آپ کی سلطنت میں یہ اندھیر ہے۔ شیر صاحب کو غصہ آیا۔ بھیڑیے پر جھپٹ پڑے ایک طمانچے میں تسکر چاک تھا پاک۔

لومڑیوں نے اونٹ کی لاش پر خود قبضہ کیا اور اپنے ہی گروہ میں سے ایک تقسیم کرنے والا مقرر کر کے اپنا اپنا حصہ لے لیا۔ بھیڑیے صاحب اگر تنہا خوری تن پروری اور غرور سے کام نہ لیتے تو حکومت انکی قائم رہتی ظل اللہ مالک عقل و عدل ہیں اپنے منصب اور اوسکی ذمہ داریوں کا خیال رکھیں اس بے بہر غلام کی یہ آخری التجا ہی۔

ظل اللہ نے وزیر کی پر مغز تقریر سنی اور وعدہ کیا کہ اچھا آج نہیں کل ضرور دربار کرونگا۔ نواب تو ادھر بیٹے ادھر جانی تھیں بیگم غصہ میں بھری چہرہ تمتمایا ہوا پردے سے باہر آئیں۔ آتے ہی حضور کے لتے لیے " واہ تم تو سچ مچ اپنے نوکروں کے غلام ہو جیسے انھوں ہی نے تمھیں بادشاہ بنایا یہ تاج و تخت انھیں کے تصدق میں تمھیں نصیب ہوا۔ آخر یہ ضد کیسی کہ خواہ مخواہ دربار ضرور کرو۔ کچھ نہیں یہ تمھاری بیجا مروت کا نتیجہ ہی دیکھئے یہ مروت کس کس کی جوتیاں اٹھواتی ہی۔ نواب تو ہو گیا ہے کمو نسٹ اپنی جوانی کے دن بھول گیا۔

چار گھڑی جو تم میرے پاس بیٹھتے ہو اسے خدا معلوم مجھ سے کہاں کا بیر ہے جو چاہتا ہے کہ حضور اپنی بیگم کے پاس نہ بیٹھیں۔ اس مردوے نے غنیم اور دشمن کا رتوا بنکے لتھیں دیا یا ہی۔ ایک چرواہے کو چور نے بکری کی طرح دھوکا دیا۔ چرواہا خوب چوکسی سے پہرا دیتا تھا چوکی گھات نہ چلی تو اوسنے شیر کی کھال میں بھوسا بھر کے ٹیلے پر کھڑا کر دیا اور صبح کو چرواہے سے کہا بھائی میں اس شیر کا نوکر ہوں بڑی مشکل سے آج سمجھا بجھا کے اوسے لایا ہوں ورنہ وہ تو کہتا تھا کہ میں گلے میں گھس کے تمام بکریاں مار ڈالوں گا۔ میں نے غصہ دیکھا کیا اب فیصلہ اس پر ٹھہرا ہے کہ روز تم ایک بکری ناشتے کیلئے دیدیا کرو۔ ریوڑ بڑی ہی سمجھ کر صدقہ دیا۔ چرواہے نے ٹیلے کی طرف غور سے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ شیر اگلے دونوں پنجے ٹیکے ہوے گلے کی طرف گھور رہا ہی۔ بیچارہ ڈر گیا اور بکری حوالے کی۔

میاں چور کے منہ میں لہو لگا صبح آئے اور موٹی سی بکری لے گئے دوپہر کو آئے اور پیام سنایا کہ شیر کہتا ہے ایک میا پیٹ نہیں بھرا دیکھو میں تمھارے سامنے جاکے پوچھتا ہوں برابر انکاری گردن ہلائے جاتا ہی میری سفارش نہیں قبول کرتا آخر ساری ریوڑ چور کے کٹنے لگی۔ تمھارے وزیر نے بھی شیر کی کھال میں بھس بھر کے فریب کا غنیم کھڑا کیا ہے۔

بادشاہ سلامت پھر اکڑ گئے۔ حسب معمول صبح کو لوگوں نے انتظار کیا جب دیکھا کہ ظل اللہ بیوی کے سایہ سے جدا نہیں ہوتے تو انھیں غصہ آیا اوس زمانے میں بڑے گو کے لوتھے نہیں پولس کے پیلے میں آگ نکلے در دولت کے چو کھٹ باز و کا ہوا ا بھونے پر آمادہ ہوگئے ظہیر الدولہ نے حضور کو معاملے کی خبر دی اب حضور کے حواس بھی بیتیرے ہوے وزیر شناس کو سامنے طلب کیا اور فرمایا۔ تم اوستاد بھی ہو وزیر اعظم بھی ہو بات بہت بڑھ گئی ہی آج کے دن ان مفسدوں کو اور شہر او کل میں ہر ایک شخص کو سامنے بلاؤں گا۔ میری طبیعت ناساز ہی نواب صاحب نے شاہی پیام سنایا۔ نرم کلام کے چھینٹے دے کے آگ بجھائی۔ اسوقت تو تھمیہ ہوئی مگر بادشاہ سلامت کو انتقام کی سوجھی " انھیں یہ ہماری بلی اور ہمیں سے میاؤں۔ رہو تو سہی کل سمجھ لوں گا۔ بیگم سچ کہتی تھیں کہ سارا فساد اسی وزیر نا ہنجار کا ہی کمبخت خود ہی آگ لگاتا ہی خود ہی پانی کو دوڑتا ہی درباری سب اس کے قبضے میں ہیں بیگم کا خیال بالکل صحیح ہے۔

اچھا اب تدبیر بتاؤ " بیگم نے کہا دس غلاموں کو بلاؤ جو اس وزیر کے اثر سے باہر ہوں۔ غلام طلب ہوئے بیگم کی آڑ سے انھیں حکم دیا گیا کہ دیکھو جی تمھیں بیش قرار انعام دیا جائیگا۔ بات یہ ہی کہ ان نمک حراموں نے والد مرحوم کے وقت میں میری اطاعت کا حلف اٹھایا تھا اسپر بلا وجہ میرے درپے آزار رہتے ہیں ان سے انتقام لینا چاہتا ہوں تم لوگ ڈھال تلوار سے لیس حاضر رہنا میں اس کھڑکی میں تنہا بیٹھوں گا اور حکم دونگا کہ اہل دربار اور اعیان دولت ایک ایک کر کے مجھ سے ملیں اور اپنی شکایتیں بیان کریں۔ وہ آکے مجھے نذر دینگے تم میرے اشارے کے منتظر رہنا جب اشارہ کروں فوراً اوس رئیس کی گردن قلم کر دینا جو مجھ سے باتیں کر رہا ہو اور تہ خانے میں لاش ڈال دینا۔ غلام اپنی مرضی کے مالک نہیں ہوتے خدا نہ کرے جو کوئی غلام بھی غلامی کا طوق گردن میں ڈالے اور غیرت و حمیت نے ان کا ساتھ چھوڑا۔ دسوں غلام تعمیل فرمان شاہی پر آمادہ ہوگئے۔ دن گذرا رات آئی اور پھر صبح ہوئی ظل اللہ حسب وعدہ ایوان حکومت میں تشریف لائے مگر نشستگاہ بدل دی درباری فرداً فرداً حاضر ہوئے اور تلوار کے گھاٹ اوترتے رہے سب سے پہلے شناس ہی کی باری آئی اسلیے کہ وہ وزیر اعظم تھا اوسکے بعد اکثر ارکان دولت نے عدم کی راہ لی۔ لاشیں باشی آدمی رہ گئے۔ جب میدان صاف ہوا تو حضور بے کھٹکے داد عیش و نشاط دینے لگے۔

کہانی لمبی چوڑی ہی اس عیاشی کا جو نتیجہ ہوا وہ عام تباہی کی صورت میں رونما ہوتا اگر ظل اللہ توبہ کر کے شناس کے نوخیز بچے کو وزیر نہ بناتے۔

لاٹ صاحب۔ کچھ دنوں سے ہندوستانی قلمرو بھی ورد خاں شاہی کے کرشمے بندی دیکھ رہی ہی جب سے میں نے مولانا اودھ پنچ کی خدمت گزاری اختیار کی ہی برابر ورد خاں شاہی کے بارے میں حکومت وقت کو ٹوکتی رہی۔ افسوس ہی کہ تمھاری کونسلوں میں نذرق سرکاری خیر خواہی جتلانے والوں کی قلت نہیں لیکن منطقی خیر خواہ ایک بھی نظر نہیں آتا۔

مصطبح وردخاں شاہ کے محل میں ناز نخرے سکرنے والی پیستے پر خون گرانے والیاں جمع ہو گئی تھیں اسی طرح انگریزی حکومت کے گرد بھی ایسے ہی غرض کے بندوں اور باتیں بنانے تنخواہ وصول کرنے والوں کا ہجوم ہے۔ ڈائر، اوڈوائر کے سے پیشہ قصائیوں کا تذکرہ فضول ہے وہ بھرتے تو تھے میری مراد ان نک خواروں کو تاہ اندیشوں سے ہے جو ہندوستانی ہوتے کے باوجود نہ تو ہندوستان کی خیر خواہی کا حق ادا کرتے ہیں نہ حکومت کو بدنامیوں سے بچانے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

خدا کے لیے ذرا ان افسروں اور ماتحتوں کا نام تو لو جنھوں نے سائمن صاحب کا بائیکاٹ کرنے کی مخالفت میں بائی کاٹیوں پر لاٹھیاں برسانے کا مشورہ حکومت کو دیا جو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ لالہ لاجپت رائے انھیں لاٹھیوں کی ضرب سے آنجہانی ہو گئے۔

سنو لاٹ صاحب۔ وردخاں شاہ نوجوان تھا۔ عورت ہوتی ہی موہنی۔ جوانی ہوتی ہے دیوانی۔ وہ عیش تلخ ہونے کی جھجل میں جاسیتی بیگم کی رائے پر چلا تو خیر۔ دوسرے وہ زمانہ اور تھا یہ وقت اور ہے برخلاف اسکے ہندوستان پر انگریزوں کی ساری قوم حکومت کرتی ہے قوم بھر جو نہیں وعیاش ہو تو ہو لیکن ہرگز جوان نہیں ہے اوسے خوشامدی غرضمند لیل کو جاسیتی بیگم کا مرتبہ عنایت کرنا ہرگز مناسب نہیں یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اس قسم کی حرکتوں سے حکومت کی حرص پوری ہو جائے گی جنھوں نے اوسکی آنکھوں پر اندھیری ڈال دی ہے ایسی چالوں کا نفع پائدار نہیں ہوتا۔ ظن اور غرور کا سر وہ گھڑی کے واسطے اونچا ہو جائے تو ہو جائے لیکن ایک نہ ایک دن ضرور جھکے گا۔ پھر وہ بات کیوں ہو جو سر نیچا کر دائے۔ لارڈ ہارڈنگ کے بعد یہاں جتنے وائسرائے آئے سب کو ان غرضمندوں نے اونگلیوں پر نچا کے نیچا دکھایا۔ آج کوئی زبان چیمسفورڈ کی تعریف کرتی ہے نہ ریڈنگ کی اور میں صاف کہتی ہوں کہ میں نے تمھاری تعریف بھی کسی سے نہیں سنی۔ تمھارا عہد کسی قدر گون مخون تھا مگر جب سے یہ کمیشن پیرا لیتن کیا اوسوقت سے ہر جینے کوئی نہ کوئی نیا بلوہ ضرور مچا۔

تم کہو گے کہ ایک پڑھی لکھی منطقی عورت ایک بات کی ظہر واقعی علت ملانیہ قرار دیتی اور جھیلتی نہیں کیا منطق میں۔ "ن کا نا پرو کا ناہ" کی بحث پڑھے بغیر کوئی شخص منطقی ہونے کا دعوی کر سکتا ہے یعنی بلوؤں کے نزول کا اصلی سبب سائمن کمیشن کے یہاں آنے کو قرار دیتی ہے حالانکہ سعادت اور نحوست اعتباری چیزیں ہیں جن کا حدوث انسان سے تعلق نہیں رکھتا۔ میں جواب دیتی ہوں کہ اس سچ ہے۔ پھر کیا کروں! عورت ہوں۔ وہ عورت ہی نہیں جس کا دماغ ان وہمی باتوں سے خالی ہو۔ میں نے دلیل "تعاقب" و دیدھ سے کمیشن کو بھن پیرا کہا۔ تو کیا بیجا کہا۔ لے جدھر کمیشن نے رُخ کیا اُدھر ہی لاٹھیاں برسیں اور نحوست نے اپنا کالا منہ دکھایا!

اسکے علاوہ عورت بھی کون؟ ہندوستانی عورت ضعیف الاعتقادی جس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ تیسرے یہ کہ جاہل عورتوں کی مصاحبت کا اثر بھی کچھ نہ کچھ ہونا چاہیئے۔ مگر ذری اپنی تو کہو ماشاء اللہ سے مرد کی صورت ہو ایک آزاد خیال ملک کے رہنے والے ہو جہاں کی عورتیں مردوں کے کان کاٹتی ہیں۔ اتنے بڑے ملک کے حاکم اعلیٰ ہو۔ لاٹ ہو صاحب اختیار ہو پڑھے لکھے عالم فاضل ہو۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے ہو۔ زمانے بھر کے عقلمند تمھیں گھیرے رہتے ہیں ان سب باتوں کے باوجود "ن کا زا پرو کا نا" کی مصیبت تمھارے خیال میں بھی گھسی ہوئی ہے۔ بھلا غور تو کرو جس قسم کی سختیاں آج عام رعایا پر کی جاتی ہیں اون کی جانب سے آنکھ بند کر لینا اور یہ کہنا کہ ہندوستان بھر میں بالشویک پھیلے ہوئے ہیں وہی اونھیں سکھاتے بھڑکاتے ہیں بم پھینکنے اور قتل کرنے کی خاص علت یہی ہے کہاں تک منطق کی رو سے درست ہے؟ حکومت کی طرف سے اس قسم کی دل آزاریاں روا نہ رکھی جاتی ہوتی رہینگی تو بالشویک مفسدوں کو یہاں آنے کی ضرورت ہی نہوگی جتنے اچھے دل برے ہوتے جائینگے اونتے ہی بالشویک پڑھینگے یہ سامنے کی علت ہے لولد صریح علت سے اسے چھوڑ دینا اور وہمی بنیاد پر نئے نئے قانون ایجاد کرنا "ن کا زا پرو کا نا" نہیں تو اور کیا ہے؟

گر ہندوستانیوں کے دل میں یہی سمائی تھی کہ سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کریں تو لاٹ صاحب اسکی پرواہی نہ کرنی تھی۔ بائیکاٹی تمھاری حکومت کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ نہ بائیکاٹ کوئی ہتھا ہے جو کاٹ کھاتا اسلیے کہ جتنے بائیکاٹی لیڈر ملک میں ہیں اون سے بہت زیادہ بڑے بڑے ہندوستانی اسوقت حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ ہندوستان کا باہمی اختلاف کوئی نیا نہیں۔ اس اختلاف کے دبنی سے کھن بارہا نکالا گیا۔ ایک گروہ بائیکاٹ کرتا دوسرا اپنی غرض کو ... ہی ٹیک کرتا آتا اور یونہی جاتا سائمن صاحب کی رپورٹ پیاسی نہ رہتی۔ دیکھ لو اب بھی مطلب حل ہو گیا۔ رپورٹ تیار ہو گئی۔ لا نتیجہ اس رپورٹ کا وہی ہوگا جو تم جانتے ہو۔ لے میں شرتی (شرط) بدتی ہوں جو تمھارے فائدے کے خلاف ایک سفارش بھی کمیشن کرے تو جو کہو وہ ہارتی ہوں۔

جو واقعات آجکل ہو رہے ہیں اون کا ذکر بے فائدہ ہے اخباری کاغذوں میں شایع ہو چکے ان واقعات پر غور کرنے کے بعد میں نے وردخاں شاہی کا اثر دونوں طرف محسوس کیا یعنی سرکاری گروہ جو سختی پر تلا ہوا ہے اپنے لذیذ فوائد کے آگے دوسروں کے فوائد ہیچ سمجھتا ہے اور ایسے قانون بنانا چاہتا ہے جن کے نفوذ سے اصلی گناہ گاروں کے عوض وہمی اور فرضی گناہگاروں بلکہ خیر خواہوں کے پھنسنے کا بھی احتمال ہے اپنے وقت کا وردخاں شاہ ہے اور وہ عقل باختہ بہت چھٹ جلد باز گروہ بھی سرکاری حاملوں کی بے تمیزی پر حد سے زیادہ جراغ پا ہو کے بم بازی اور خونریزی پر کمر بستہ ہو گیا اپنے وقت کا وردخاں شاہ ہے۔ ملک اور حکومت کا فائدہ نہ ایسے قوانین کے نفوذ میں ہے نہ بم بازی اور پس نشیت سے حملہ کرنے میں۔

قانون کی آنکھ میں وہ لوگ خار کی طرح کھٹکینگے جو علانیہ خدمت ملک کرنے کھڑے ہونگے اور اپنے غرور کی بدولت

چوہا اسپ بنساری عطار۔ باعطر والوں کے دس صحیح پتے حافظ سیتا محمد رفیع صحتیا باغ لکھنؤ کو دینگے اُن کو تین ماشہ عمدہ عطر مفت روانہ ہوگا۔

جان بچی اور لاکھوں پائے

(یاد کرو الف لیلہ کا وہ مشہور قصہ جس میں تین شاہزادے ایک شہزادی پر عاشق ہو کے تین تحفہ لائے تھے اس مسافر کے پاس بھی تین تحفہ ہیں۔ بلند پروازی تخیل یعنی ہوا پیما کرسی دافع ہر مرض۔ دوربین یا نائب نما آلہ)

سرکاری تماشائی۔ (۱) دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدا را (۲) دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

حکومت سے شوربینگے۔ ہم باز اون اشخاص سے جان لیں گے جنھیں وہ اپنے اغراض کی راہ میں حائل سمجھیں گے۔ (ان میں زیادہ تعداد ہندوستانیوں کی ہی) میاں ہندوستان کی چندیا اوسی طرح گنجی ہو جائیگی جس طرح ایک ادھیڑ شوہر کی چندیا دو بی بیوں نے صاف کر دی تھی۔ ایک بی بی بڑھیا تھیں وہ سیاہ بال میاں سکے چن چن ڈالتی تھیں دوسری جوان تھیں وہ سفید بال موچنے سے اوکھاڑ ڈالتی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے نہ سیاہی رہی نہ سفیدی چندیا بالکل صاف نکل آئی۔ جھلملاتی کھوپڑی دیکھ کے بادا رنی لونڈوں کے منہ میں پانی بھر آیا لالچ نے ستایا لگے ہاتھ بھونکنے۔

حاصل یہ ہی کہ انگریزی حکومت ابھی تک محبوب ہی۔ اور محبوب رہ سکتی ہی بشرطیکہ جن عمال کے ہاتھ میں قانون کا انفاذ ہی اونکی باگ ڈور ذرا سخت کر دی جائے۔ بالفعل قانون کا بے محل استعمال بکثرت عوام کو ضرر پہونچا رہا ہی۔ انصاف کی بہ نسبت جانب داری زیادہ ملحوظ رہتی ہے ہر صوبہ کے ماتحت عمال یہ چاہتے ہیں کہ حاکم اعلیٰ کے سامنے سرخ رو ہوں چاہی طمانچے مار کے اپنا منہ لال کرنا پڑے۔ حکومت اس طرز عمل کا تدارک نہیں کرتی جھوٹ یا حمق ثابت بھی ہو تو سزا نہیں دیتی۔ دوسری جانب غصہ ور نوجوان آپے سے باہر ہو گئے ہیں دونوں یکطرفہ کارروائیاں کر رہے ہیں اور حماقت میں مبتلا ہیں۔ اردن کا عہد دولت و حکومت ورندی خانہ شاہی عہد نہ ہونا چاہئیے۔ ہندی انگریزی حکومت کی بھی خیر خواہ ہی اور ہندوستانیوں کی بھی۔ یہ چند کلمہ کسی بری نیت سے نہیں لکھے ہیں۔ آگے تم جانو تمھارا قانون جانے کیمونسٹ جائیں بالشویک جائیں قانون ساز جائیں بم باز جائیں۔

راستم

دنیا بھر کی خیر اندیش ملکہ آرا بیگم

ہندیت ننگی بازعنوان لیٹی تار تار کیا گیا

اجی مولانا۔ برسر اقتدار ہونے کی بھی کیا بات ہی ادھر "زرد لیپا" ہاتھ لگی ہونے کسی گھر میں چھیل دکھائی ادھر خیر اخاں ڈیا خاں میاں وفاقی بھائی خیراتی ووڈ پڑے۔ بڑد ہانڈ آئی۔ خیر عوام تو ہوتے ہی ہیں "بھیڑیا دھسان" بہ عامل اون کا ذکر ہی کیا۔ بڑے بڑے مقدس عمامہ وریش والے بھی وحی شیطانی کی باتیں بکے ہوئے ہیں۔ دیکھیے نہ؟

"دوست! فکر کی ضرورت نہیں۔ بندوق نہیں چلوتا ہی"

جیل نادر خاں صاحب تو ہندوستانیوں کے دل سے اوتر گئے کیوں اسلیے کہ انھوں نے شہریار غازی کا کلمہ نہیں پڑھا۔ رہے امرا غیر انھو خیرا تو وہ برسات کی للی گھوڑیاں ہیں آج تلے اوپر رنگتی دکھائی دیتی ہیں کل غائب۔ ان بیچاروں نے ہندیت ہندوستان میں نہیں ہی شہرت سے فائدہ اوٹھانے کی چالیں بھی انھیں معلوم نہیں۔ تو ان کا نام کوئی کاغذ اخبار کیوں لے۔ اب

کابلی میدان میں شہریار غازی اور ... رہ گئے۔

حضرت سقا السلطنۃ کبھی بیان ... آئے روپیہ لٹایا۔ کبھی ایسا اقتدار ... کر روشناس ہوتے اور قوت پرست ... میں اپنا سردار مان لیتے۔ ان کے ... ہیں وہ تنبان پہننے والے کابلی ہیں۔ شہریار ... سے براہ راست مقابلہ حضرت کا ہی اسوجہ سے ... نام بہ دشنام لیے بغیر چارہ نہیں لیکن ... حضرت شہریار غازی جسطرح محیط ہوا ... بزرگ خواب دیکھ رہے ہیں کہ محفل ... آراستہ ہی اور (معاذ اللہ) ذات ... پیشانی حضرت شہریار غازی ... بوسے دے رہی ہی اسی طرح ... مقدس پیر حضرت سقا الملۃ کے بارے میں ... نزول برکات روحانیہ کا دعویٰ کرتے ہیں ... منقول ہی راوی کہتا ہی کہ دیکھا میں نے ... بیداری ایک خواب کہ شب کو ... مقدس روحیں قبر سے نکلیں اور ... چلیں حضرت سقا الملۃ کی طرف جھک کے ... ایک تخت زمرد اخضر پر دکنوں کی جگہ ... اور سلام کیا اونھیں ... آمین دربار شاہی اور حکم دیا اونھوں نے اون روحوں کو کہ ... کو جو دشمن جانی ہی ہمارا اور مار رہا ... اپنی کھالوں سے تاکہ ہری ہوں ... تمام پس گرفتار کر لائی روحانی فوج حضرت ... غازی کو اور کھول دیے گئے ... مشکیں ... کے اوپر آن کے اور ساری مانی اونھوں نے ... ہو گئیں وہ روحیں سرداران قبائل کے سر ... اور متحد کر دیا اونھیں اوپر لڑائی کے مقابلے میں شہریار غازی کے۔

اتنے میں آنکھ کھلی تو دیکھتے کیا ہیں کہ ... شہنشاہی ... ابھی خدا سمجھے ان جھوٹوں ... نہ یہی سمجھے ہیں۔ فقط ...

اودھ پنچ لکھنؤ ۱۹۲۹ء
رجسٹرنمبر ا
جلد چہار دہم
معدن الموسیقی
یعنی
وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی
ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لے لینے کے قواعد سکھائے
یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے
تاحال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی
مصنف نے
اساتذہ فن کے علم سینہ
کو
علم سفینہ بنایا ہے
یعنی
تان سین کے عہد سے لیکے زمانہ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائی ہوئی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے
استاد محمد علی خاں
میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں انکے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ
سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اسی طرح ہر ایک
راگ کو برت سکتے ہیں جسطرح کہ خود استاد تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایہ ناز
بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقۃ مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا
ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا۔ تمام ہندوستان کے استادوں کا سرمایہ ناز اس میں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ
محصول ڈاک بہرحال ذمہ خریدار۔
المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ۔
سیاحت ظریف
یعنی
منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی
کا
منظوم سفرنامہ
المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ
شرائط ایجنسی
منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

WIS MAN IS NOT TO BE DICTATED HE IS TO
1929
LUCKNOW
OUDH PUNCH
जिलद
न: १४
جلد چہاردہم
क़ीमत पेशगी
सालाना (४) छमाही (३)
तिमाही (२)
DOGAWAN LUCKNOW

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحکہ امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس کی نقل بھی کرتے ہیں اور کریں بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بشاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منھ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلئے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے رو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر کیجیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ مانگنے والوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپ کے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے منشا مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بنابریں ایسے مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان علم اگر اپنی جیب سے قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار شکایت نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے روانگانے پر نیاز مند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کردیا جاتا ہے۔ لہذا التجا ہے خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کرلی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق مطالبہ و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی مصلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

نیچی کی شکل کا جو ہو رہے سے   خدا بندہ اوسے اپنا کہے ہے

اظہار حال خود

پلا ساقی مجھے پیالہ شتابی   کہ اس گردش نے کی خانہ خرابی
ہوا آوارہ ہندستاں جب سے   قضا جب میں لائی مجھکو تب سے
لگا تھا ایک بت سے یاں مرا دل   ہوئی اوسکی جدائی سخت مشکل
وطن لکھنؤ میں وہ صورت گڑی تھی   پیالی میں جو چھپی سی جڑی تھی
اگرچہ واں سے میں آگے تو آیا   ولے اوسکی جدائی نے ستایا
ہلا گاڑی میں یوں آ ئیں لاچار   قفس میں جس طرح صید گرفتار

غرض کرتے تو کی قطع منازل   ولے ہر ہر قدم رہتا گیا دل
جب اوس کی بات آجاتی کوئی یاد   جرس کی طرح میں کرتا تھا فریاد
بگولے کی طرح گہ مضطرب حال   گہے نقش قدم کی طرح پامال
بہانہ رکھ کے جدائی کا وطن کی   میں رو رو ندیاں کرتا تھا بہکی
بصورت غرض افتاں و خیزاں   چلا آتا تھا میں حیران و ترساں
تمنا تھا مجھے اوس گلبدن کا   کہ پھر منہ کیونکہ دیکھوں گا چمن کا
کسی سے کہہ نہ سکتا تھا کچھ احوال   کہ ہو شرم و حیائے عشق رنبال
مثال شمع جی دیتا تھا کچھ چپ   گرے پڑتے تھے آنسو میرے ٹپ ٹپ
ہر اک میداں تھا اس اشک سے گل   کٹی برسات میں وہ میری منزل
کسی رہ میں نظر پڑتا تھا جب باغ   میں اپنے دل کے گنتا دیکھنے داغ
رہا میں ڈیک میں آکر کئی ماہ   چلا واں سو رضائے حق کے ہمراہ
کہ یوں پورب کو جھڑی جاتی تھی راک   اوٹھے ہم ساتھ اوسکے اوس مکاں سے

یہ شفیق میر سیف اسعد جو ہیں   اور آن کے بھائی نور اسعد وہ ہیں
یہ دونوں اس سفر کے آشنا ہیں   اگرچہ ان دنوں مجھسے جدا ہیں
انھوں میں اور ہم میں ایک مدت   بہم گزری ہے اک عالم کی صحبت
مدار اس قافلے کا تھا جھڑی پر   چلے ہم واں سے جھڑیوں سا تھل کر
کوئی پردے سے تھی چہرہ دکھاتی   کوئی آواز کچھ گا کر سناتی
کوئی چلتی ادھر اٹکھیلیوں سے   کوئی بیٹھی ہی جی لیتی دلوں سے
جہاں ملتا کہیں پانی کا منبع   وہاں ہوتا پری زادوں کا مجمع
کنویں پر یوں نظر آتا ہر اک ماہ   کہ جوں یوسف کھڑا ہو بر سر چاہ
کوئی لیتا شتابی اور کوئی پان   کوئی جاتا کسی کے پاس ان جان
کوئی آنچل سے منہ اپنا چھپاتی   کوئی پردہ اوٹھاتی اور گراتی
کوئی شربت کوئی ستو بناتا   کسی کو کوئی حقہ ہی پلاتا
سے میں غم سے بے برگ و نوا تھا   مجھے کو پان اور حقے سے کیا تھا
نکما تھا میں یہاں جس خاطر کبھی پان   اوسے کر یاد جاتی تھی میری جان
نہ حقے سے کب تھا سر پھراتا   بہانہ تھا کسی کا منہ تکانا
کوئی بیٹھا کہیں کوئی کھڑا تھا   کسی کا منتظر کوئی پڑا تھا

پہنچ اور وہاں تھے باہم تبارت   ہر اک چھوکی تھی واں تخت طلسمات
پہنچتے آکے جب منزل پہ شام   ادھر پڑتا ہر اک واں بھر آرام
ڈنڈال واں کھڑی کرتے تھے جھیڑیاں   وہ چھیڑیاں کیا بھلی لگتی تھیں کھڑیاں
زیادہ حاجتی مائل تھے سب سے   رسوم اوس کے بجا لاتے ادب سے
ملاقات سر شب روز کرتے   دیے جھیڑیوں کے آگے لاکے دھرتے
فنگور کا جو دیکھا تو عجب حال   کھڑے سے تنے ہیں اور بیٹھے ہیں بے حال
... غلباں بھی ہیں چھم چھم   کہ دم کا جگاتے ہیں کھڑے دم
کوئی جھڑا کی کرتا دعائیں   کھڑا چپ چپ کوئی لیتا بلائیں
چڑھاتا ریوڑی کوئی کوئی پھول   ... بھی کوئی لاتا یہ معمول
ادھر اودھر کوئی کرتا نظارہ   نکل آتا کہیں سے ماہ پارہ
دیئے تھے روکہ دعوت کے بہانے   ہوا تھا جمع واں حسن پرستاں
ہجوم ماہ رویاں اس قدر تھا   کہ ہم کو دل کے کھونے کا ڈر تھا
نہ پائی خال نے اس حسن میں رہ   بہم پہنچی نہ تل دھرنے کو جاگہ
زبس تھی حسن کی کثرت کی گرمی   مثال موم تھا دل صرف نرمی
پہنچنے کا اونھوں تک کون کے پاؤں   نظر نے بھی کہ بیخود اپنا رکھا پاؤں
مثال بید مجنوں ہر کھڑی تھی   کہ اوس کے گرد ہر لیلیٰ کھڑی تھی
کہ وہ نیزے تھے یا اندر سبھاں تھے   کہ سجدے میں جن آگے انس و جاں تھے
وہ جھیڑیاں نہیں کہ تھیں ... گلزار   کہ تھی جو سایہ ... سبز نمودار
بلندی میں ہر اک ایسی کھڑی تھی   کہ جس ماہ کی جس پر چڑھی تھی
سیہ نیزوں کا اندر اس کے دستور   جو اخون میں وہ تھی مثل شب نور
سیاہی یوں بھلی لگتی تھی سب کی   کہ گویا زلف تھی بکھری ہوئی شب کی
گئی وہ زلف جو تھی ہر فلک کی   سیاہی میں تھی جیسی سرخ فلک کی
پری رو گرد یوں پھرتی تھی پھرتے   پتنگے شمع پر جیسے ہوں گرتے
سب ہی محظوظ اور خوش تھے ہر رنگ   وہی اک میں ہی اپنے جی سے تھا تنگ
دو نیزے تھے مرے سب دیکھ بھالے   سمجھتا تھا میں ان نیزے اپنے نالے
مری آہیں سے جھیڑیاں تھیں گویا   مجھے تھا روز و شب اون کا تماشا
میں اپنے دل کی کرتا تھا زیارت   مجھے منظور تھی واں کی بشارت
مرادوں کا وہی اک آسرا تھا   خدا ہی کے میں دروازے کھڑا تھا

پلا ساقی مجھے اک جام لب ریز   کہ چھیڑوں ایک قصہ الفت آمیز
قضا را اُن میں اک رشک پری تھی   کہ مدہ میں اپنے جوبن کے بھری تھی
مرے اون آشناؤں میں سے اکبار   ہوا دل ایک کا اوس سے گرفتار
میں اپنے ایک دم تھا غم میں   مجھے مرنا پڑا اوس کے الم میں
ہوا اوسکو بھی رنج عشق منظور   قضا نے ایک جا رکھے دو رنجور
تعشق نے کیا اوسکو بھی شیدا   ہوا دل کا مرے ہمدرد پیدا

کوئی یاں سیر کے قابل نہیں جا | کہ جاکر دیکھیے واں کا تماشا
گر یاں ہو تو جائے خواجہ باسط | کہ تھی موزوں برائے خواجہ باسط
رکھے حق جس کو یہ دعا ستاں ہے | کہ دہلی جس کی دلی کا نشاں ہے
خوشا پیوند وقتی و شوق منزل | سرود و مجلس و حال عزیزاں
نمونہ ہی ہے یہ ہندوستان کے | ورق ہے یہ مرقع کا وہاں کے
رہے نت آصف الدولہ سلامت | کہ جسنے کی یہاں طرح اقامت
عمارت کی یہاں ڈالی وہ بنیاد | کہ نظارے سے جسکے ہو جہاں شاد
بنائی اس نے سبحاں کی کہ قدرت | بنائی لکھنؤ کی ایک صورت
رہے قائم سدا یارب یہ سردار | کہ "بنگلہ لکھنؤ" ہے جس سے گلزار
رہے وہ مرد مومن خرم و شاد | کیا کوفے کو جس نے حمید آباد

(باقی آئندہ)

نوٹ:۔ پرانے لکھنؤ کی پہچان مبارک دکھانے کے بعد شاعر فیض آباد کا رخ کرتا ہے کچھ اسوقت اودھ کا دار الحکومت تھا فیض آباد کی حالت دیکھ کے وہیں اقامت گزین ہوتا ہے بعض قابل شرح امور بعد اختتام مثنوی لکھے جائینگے اور آئندہ زبان پر بھی بحث کیجائیگی اسوقت صرف اسقدر اشارہ کافی ہے کہ بلا ضرورت فارسی و عربی الفاظ کی آمیزش نے گو اسقدر زبان کی شوکت و حشمت بڑھائی لیکن جو شیرینی اس سادہ زبان میں تھی وہ غلیظ الفاظ کے داخل ہوتے ہی نفرد ہو گئی۔
بہر حال ہمارا لکھنؤ باعتبار "مکان" نہل سہی مگر باعتبار "مکین" و ذہانت خداداد قابل ہجو و مذمت نہیں۔ یہی شکر ہے۔ "فلاسفر"

بد نصیبین بنام مسز سلیمان

(نمبرہ نقیب ۲۵ مارچ ۱۹۳۱ء)

جج صاحب دلیلوں کا خزانہ خالی نہیں ہوتا۔ بہت کچھ کہی اور جہاں تک کہو گی جو ہمارا ذمہ ہے مجھے یقین ہے کہ سوسائٹی کی بڑھتی ہوئی امنگ کے آگے کوئی دلیل کام نہ دیگی ہو گا وہی جو دنیا چاہیگی۔ جو کچھ میں نے لکھا اوسمیں کسی ہمدردی اور بدنیتی کا لگاؤ نہیں ہے۔ جو کچھ لکھا گیا وہ مختصر ہے مگر ہر پہلو سے مکمل ہے تمنے اپنی تحریر کے آخر میں مشورہ دیا ہے کہ ہماری طرح کا یہ دو امتحاناً جاری کیا جائے تو اب منطق اور بیگم صاحب کہتی ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کہ ہندوستان حجاز نہیں اور حجاز ہندوستان نہیں۔ میرا منطق نہیں جانتی۔ تم جانتے ہو جواب دیسکتے ہو۔ مگر میں اسے پہلے ہی تسلیم کر چکی ہوں۔ تمہارا قول ہے:۔

"اس کی بابت یعنی نقصان کا پہلے تجربہ کر لیا جائے اور یہ تجربہ ہی بتادیگا کہ آیا ہم قدم آگے بڑھائیں یا پیچھے ہٹنا چاہیئے۔ اس بحث کو بغیر یہ کہے ہوئے ہم ختم نہیں کر سکتے کہ ہماری جماعت میں ہز ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال نے بنفس نفیس مثال دکھادی ہے اور بیگم صاحبہ کی شخصیت ایسی عظیم الشان ہے کہ لیڈر کا معیار ہے کہ طبقہ نسواں کس حد تک ترقی کر سکتا ہے۔"

جج صاحب تجربہ کی میں قائل نہیں۔ آزمودہ را آزمودن جہل است کیا معنی کہ نکلے پاؤں پھر نہیں سمٹتے اپنا تجربہ میں اگر کوئی خرابی معلوم ہوئی تو پھر کوئی اصلاح ممکن نہیں۔ نوکر مرغ کی ایک ٹانگ بھونتے ہی ہضم کر گیا۔ اور دعوی کرتا رہا کہ مرغ کی ایک ہی ٹانگ تھی اوسے گھورے پر بیٹھا ہوا ایک مرغ دکھائی دیا جو ایک ہی ٹانگ سے کھڑا تھا دلیل کے ثبوت میں اوسنے آقا کو دکھایا۔ آقا نے ہش کہکے تالی بجائی اور دوسری ٹانگ نمودار ہو گئی۔ نوکر پھر بھی قائل نہوا اور کہنے لگا پیرو مرشد آپ نے دستر خوان پر کیوں تالی بجا کے ہش ہش نہ کی اور دوسری ٹانگ پیدا کر لی۔ ظاہر ہے کہ تالی بجا کے ہش کہنے سے جو ٹانگ کہ صاحب اپنے پیٹ میں رکھ چکے تھے وہ واپس نہیں آسکتی تھی۔

اب رہی بیگم بھوپال کی نظیر تو وہ یہاں پر کئی وجوں سے نہیں کھپتی۔ ایک تو وہ امیر کبیر دوسرے سن آجانے کے بعد نکلیں۔ تیسرے ملکی ضرورت سے باہر نکلیں اون کو جو مردانہ کام تھے بے قدم گھر سے نکلے یہ کام نہ بنتے چوتھے اون کی غرض یہ نہ تھی کہ اپنی حجب تختی دکھا کے لوگوں کو رجھائیں اور کلب گھروں کی رونق بڑھائیں۔ پانچویں وہ بیوہ ہیں خود مختار ہیں کسی ایسے ویسے کی اطاعت ان پر فرض نہیں ذاتی وصف یہ ہے کہ کسی کی مجال نہیں جو ان کی طرف بد نگاہی سے دیکھے۔ تم اتنے بڑے جج ہو کے ایسی نظیریں پیش کرتے ہو۔ اور چغتائی صاحب کا اصلی مطلب نہیں سمجھتے۔ تعجب ہے۔

تمہاری تحریر کے خاتمہ کا بند "مسلم عورتوں کی بیکاری" کے عنوان سے شروع ہوتا ہے اس سے مجھے لفظ بلفظ اتفاق ہے مگر جہاں تک میں نے غور سے دیکھا اس عبارت کو "پردہ" سے کوئی تعلق نہیں۔ امیر گھرانوں میں نسوانی تعلیم کا رواج بڑھ رہا ہے ان کو کبھی کام کی دھن تھی نہ اب ہوگی ان کا کام یہی ہے کہ پوشاک اور لباس کی نئی نئی وضع ایجاد کرتی رہیں گاڑیوں موٹروں پر چڑھ کے باغوں کی سیر کرتی پھریں جلسوں میں جائیں

"فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے"

مسٹر پنچ: "گھر پھونک تماشا دیکھنے کی مثل یہیں پر صادق آتی ہے۔ پہلے عام ناراضی کے وجوہ پر غور کرو۔"

تشریف رکھیں۔ ناولوں اور قصوں کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر یہ کام چور ہے تو اس سے کون ترقی کسی قوم کو آج تک نہیں ہوئی کسی ترقی یافتہ قوم میں یہ باتیں اگر پیدا ہوگئیں تو وہ ترقی پانے کے بعد ترقی کی بدولت سے عیش سے ہوتی ہے اور اسکی انتہا آرام طلبی کے سامان مہیا کرنے پر ہے ہر گھرانے کی عورتوں کو ترقی اور جفاکشی کی ضرورت نہیں جب گھر میں آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے واسطے دولت موجود ہے تو جب تک دولت موجود ہے محنت کرے اون کی پاپوش پرچائی ولیسے کے مرد اور عورت نہ بہت آرام طلب ہوتے ہیں نہ زیادہ جفاکش تھا ان کا ایک ہی دستور تمام دنیا میں تھا۔ یہ گردش دولت اور افلاس ہی سے ہے۔ اب غریب اور مفلس گروہ کے عورت مرد رہ گئے یہ بیچارے ہمیشہ سے محنتی اور جفاکش ہیں۔ بیکار ہیں تو کھائیں کیا۔ ایک دن بھی ضائع ہو تو چولہا ٹھنڈا رہے۔ دو روز بیمار پڑ جائیں تو کنبہ فاقوں مر جائے۔ مرد باہر کام کاج مزدوری محنت کرتے ہیں عورتیں گھر میں لونڈیاں کا رہتی چرخا کاتتی سلائی کرتی موزے بناتی بچے پالتی چولہا چکی کرتی ہیں چار دیواری اور پردہ انھیں بیکاری میں مبتلا نہیں کرتا۔ اسمیں شک نہیں کہ پابندی کسی دستور کی ہو بلائے جان ہو جاتی ہے

غریب عورت کو ساس نندوں کی اطاعت پر خواہ مخواہ مجبور کرتے ہیں اس قسم کے ظلم کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ دستور ایسا عام ہے کہ محلے والے بھی کہتے ہیں "حضرت وہ بہو کیا جو ساس اور سسرے کی اطاعت نہ کرے۔ سسرے بیچارے قرضدار تھے انھوں نے بہو کا زیور بیچ ڈالا کیا کرتے قرض لے کے تو شادی ہی کی تھی اسی لئے

کوئی کہتا ہے کہ بڑھیا قیامت کی ہے۔ کوئی کہتا ہے نئی تعلیم اور نئی تہذیب سے واقف نہیں۔ پرانی دھرانی ملاؤں کی سی باتیں کرتی ہے۔ کوئی صاحب اعتراض کرتے ہیں "رجعت پسند ہے" کوئی صاحب اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں کہ بندے نے بندہ کی بے وقوفی پر جو استدلال اپنے فلاں مضمون میں کئے ہیں بڑی بی سے اون کا جواب نہ ہو سکا۔

سچ صاحب سنا اور پڑھا ہوا کسی کی ایک دو پر اثر نہیں کرتا۔ ہٹ دھرمی کوئی دوا نہیں۔ "رجعت پسندی" نساوادی بداخلاقی کے مقابلے میں عین انصاف ہے۔ تم سمجھے ہمید انصاف تھی اسلیے میں نے قلم اٹھایا ورنہ بندی کو کسی سے عداوت نہیں۔ نہ میرے یہاں کوئی لڑکی "گھر کی چار دیواری میں بیکار" وقت ضائع کرتی ہے تمھارے دیباچہ کے الفاظ سے مجھے معلوم ہوا کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے نیک نیتی سے لکھا ہے حالانکہ چغتائی صاحب نے "صاحبیت" کی حنفیہ داری پر فقہا کی محنت مفسروں کی عکرکاوی اور مجتہدوں کی تحقیق تصدیق کرنے کے لیے کتاب تیار کی ہے۔ اون کی غرض کے لحاظ سے جو لہجہ میں نے اپنے تحریر میں اختیار کیا ہے وہی مناسب تھا۔ لہذا اگر کہیں کوئی جملہ تمھارے مزاج کے خلاف میرے قلم سے نکل گیا ہو تو بخشا معاف کرنا۔ اللہ بخشے میرے مولوی صاحب کو

ہنس کے کہتا ہے مصور سے وہ غارتگر ہوش جیسی صورت ہے مری ویسی ہی تصویر بھی ہو

مسٹر پنچ "واقعی نینوکد نذر بخت نصر کے عہد میں ایسی ہی مصوری ہوا کرتی تھی۔ اس حسن صنعت پہ جان ہند نثار"

پردے کی پابندی سے زیادہ دوسرے مضر دستوروں کی پابندی ایذا دیتی ہے۔ اور بداخلاقی اگر دستور میں داخل ہو تو اوسکی پابندی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ چغتائی صاحب کے بعض خطوط کے جواب میں چند برے دستوروں کا جو مردوں میں موجود ہیں میں نے حوالہ دیا ہے۔ مثلاً:-
(۱) مہر ادا کرنا (۲) جہیز کو اپنے باپ کا مال سمجھنا۔
(۳) ساس بہو میں میزان نہ بنے تو خاوند یا سسر کے حصے

شادی کی کہ جب جہیز ملیگا تو قرضہ ادا کر دینگے۔ مگر بہو وہ قتال فلک ہے کہ اوسنے مہنا شروع کر دیا۔ کو جہیز پر قبضہ کیا چاہا۔ آخر سسرے نے ڈولیا اور لٹیا میکے پہنچا دی۔ جاؤ اماں ابا کے سر کھاؤ بیوی
کتنی گنواؤں بہ آؤں تو مضمون کبھی ختم نہ ہو۔
اودھ پنچ کے دفتر میں بعض حضرات کے خط میرے مضمون کے متعلق پہونچے ہیں۔ میں نے انھیں غور سے دیکھا

کہا کرتے تھے ۔ع
نوشتہ باند سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید
اسکے ساتھ ہی اگر میری کوئی بات تمھارے دل کو نہ لگے یا سمجھ میں نہ آئی ہو تو مولانا اودھ پنچ کے ذریعے سے مجھے اطلاع دو۔ سو کام چھوڑ کے تمھاری تشفی کر دوں گی۔ فقط

راقمہ
بڑی بی

سنہ ۱۹۳۰ء کا متوقع منظر

حکومت :- دیکھو لے دیکھو بھائیو۔ یہ ناشکری۔ ہم تو دیتے ہیں یہ انکار کرتی ہیں۔ اتنا بڑا بُندا گران کے بھادیں نہیں۔

انڈیا جان :- نگوڑا شیشہ موتی۔ جھوٹا۔ بھاری۔ اجگر۔ یہ گمد رہے یا بندا۔ پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان۔

دستور نمبر ۴۸۳
اودھ پنچ لکھنؤ ۱۹۲۹ء
رجسٹرڈ نمبر اے ۴۸۳
جلد چہارم

نغمۂ روحانی

معارف النغمات

یعنی

وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی

اور

ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لکھ دینے کے قواعد سکھائے

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے

تا حال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی

مصنف نے

اساتذہ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

شرائط ایجنسی

(۱) روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔
(۲) رقم جمع شدہ کے ادا ہونے پر پرچوں کی روانگی موقوف کر دی جائیگی۔
(۳) پانچ پرچہ فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائے گی۔
(۴) حساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائے گا۔
علاوہ خاص حالتوں کے پرانے پرچے واپس نہ لیے جائینگے
منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

سیاحت ظریف

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی

کا

منظوم سفرنامہ عراق

عجیب و غریب نظم ہے جس سے اور شاعر کی شاعرانہ استادی سے فائدہ اٹھائیے۔ قیمت فی جلد ۶؎
ٹکٹ بھیجیے یا وی پی اور منی آرڈر جلد بھیجئے۔
المشتہر۔ منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

تان سین کے عہد سے لیکے زمانۂ حال تک صدہا اساتذۂ فن کی گائکی اور انکے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے

استاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں انکے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اسیطرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جسطرح کہ خود استاد تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقۃ مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ حصہ دوم نہایت مقبول ہوا تمام ہندوستان کے استادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔ قیمت پانچ روپیہ

المشتہر منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

محصول ڈاک بہر حال ذمۂ خریدار۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳
REGISTERD Nº A 783
1929
LUCKNOW
1929
OUDH PUNCH
जिलद
न: १४
جلد چہارم
क़ीमत पेशगी
तिमाही
M.B. Khan Artist

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور کریں گے۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپ کے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ مینیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند مینیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں مینیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہونا چاہیے۔

نوٹ

جملہ حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ سحر نمبر ۱۶
مضامین
۲۹ / اپریل ۱۹۲۹ء

مختصر فسانوں کا فسانہ

"پیری و بو پسر سے داشت گم کردہ باز یافت" یہ جملہ ایک ظریف نے جواب میں اس سوال کے کہا تھا کہ حضرت یعقوب و یوسف پر کیا گذری؟ واقعی قصہ کوتاہ کرنا مقصود ہو تو اس پیر ظریف کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اکثر نے یہی کیا۔ دو آدمی کھانا کھانے بیٹھے ایک تھا خالی الذہن سادہ لوح دوسرا تھا چالاک مجھری بھی مختصر۔ بسم اللہ کے بعد ہی چالاک ظریف نے بیوقوف شریف سے کہا حافظ جی تمہیں سورہ مزمل یاد ہے؟ حافظ کھانے کی کتاب کا افتتاح بسم اللہ سے کر چکے تھے اب امتحان حافظہ دینے بیٹھ گئے۔ ادھر تو قلیلاً سبیلاً وبیلاً کے قافیہ بحسن قرأۃ ڈھلنے لگے۔ ادھر شریک نے بے دردی کے ساتھ سارا کھانا ٹیلا۔ حافظ جی نے "غفور رحیم" کہہ کے سورہ ختم فرمایا ظریف نے ڈکار لے کے ترجمہ "غذاءً اثقیلاً" کی رسید حاصل کی۔ بیچارے حافظ صاحب کی آنتیں "قل ہو اللہ" پڑھتی رہ گئیں۔ اب حافظ جی چلتے۔ دوسرے وقت حافظ جی نے عوض۔ لینے کے ارادہ سے ظریف شریک پر لعنت کی بوچھار شروع کی۔ "بندۂ غدار تم نہایت بیہودہ ہو ایک سورہ بھی تمہیں یاد نہیں حشر کے دن اندھے اٹھوگے"۔ ظریف نے باطمینان جواب دیا کہ اگرچہ ضرورت حفظ کی نہیں بفضل خدا پڑھا جاتا ہوں حافظہ نہ سہی ناظرہ تو ہے۔ پھر بھی چند سورے یاد ہیں۔

حافظ جی سمجھے کہ اب پالا مار لیا دیکھو تو کیا لقمہ دیتا ہوں کہ حلق ہی سے نہ اترے۔ کہنے لگے۔ "تو حضرت پڑھیے سورہ و الشمس" ظریف نے بڑا سا نوالا انگلیوں میں کپڑا اور کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والشمس وضحٰها۔

...... بیچ کے چند " ہا " ولا یخاف عقبٰها آخری " ہا " ادا کرنے میں پھاڑ سا منہ کھلا اور نوالہ منہ کے اندر چلیے کھانے کا قصہ مختصر۔

آجکل بتقلید یورپ یہاں کے اہل قلم نے مختصر کہانیاں لکھنی شروع کی ہیں۔ یورپ والے دماغ سے کام لیتے ہیں اسوجہ سے اون کی تصنیفات لطف و عجائب سے خالی نہیں ہوتے۔ یہاں معاملہ ہی معکوس کہانی بھی مہمل بے نتیجہ رد کی بھی اور ادبی لطف بھی مفقود آدہ ایک صفحہ کی عبارت میں فضول سین سینری بکھی۔ نے کی سعی بھی ہر یعنی اگر اختصار کی رشتہ داری کا لحاظ واجب کر لیا گیا تھا تو پھر غیر متعلق تمہید یا تفصیل سے کیوں احتراز نہ فرمایا۔

عشاق بھی داستان ہجر سنانے سے تھکتے نہیں قاصد اور معشوق کا اس بکواس سے ناک میں دم آتا جی گھبرا آتا ہے غالب مرحوم فرماتے ہیں ؎

وہ بدخو اور میری داستان عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ کو

معشوق اور عاشق کے درمیان ایسا علاقہ ہوتا ہے جو بدخوئی کے ہوتے ہوئے بھی طولانی تقریر کی تلخی نہیں کسی قدر گوارائی پیدا کر دیتا ہے۔ "آگ لگے تمہاری باتوں پر بیوکا پڑے تمہاری بکواس میں افوہ کان کھا گئے۔ ہاں ہاں سن لیا مرتے ہو دم دیتے ہو۔ اب سونے بھی دو گے ارے مرتے ہو تو مر چکو"۔ جوانوں کو اس قسم کی گفتگو ولاویز معلوم ہوتی ہے خواہ اپنی ذات سے متعلق ہو یا غیر کی ذات سے۔ بڑھاپے میں یہ مزا بالکل تشریف لیجاتا ہے چنانچہ ایک مشہور ظریف مرحوم شاعر کا واقعہ ہے کہ اون کی معشوقہ سے اور اون سے شکر رنجی ہو گئی۔ پیام سلام موقوف مگر آپ جانیے کھلایا ہوا انگارا ہو اہو تلخیتے ہی دہکنے لگتا ہے اتفاقاً ایک بڑے میاں جو شاعر صاحب کے بھی دوست تھے اور وضع داری کے اقتضا سے ان کی معشوقہ کے یہاں بھی آتے جاتے تھے ملنے آئے چلتے وقت شاعر صاحب نے دریافت فرمایا "بھئی یہاں سے کہاں جانے کا قصد ہے"۔ انھوں نے کہا "کٹڑے تک جاؤں گا ...... کے یہاں"۔

شاعر: "تو ایک میرا کام بھی ہے ...... سے کہنا کہ شاعر ظریف کی حالت تمہاری جدائی میں بہت ابتر ہو گئی ہے۔ دن کو تارے گنتا ہے کسی پہلو قرار نہیں آتش ہجر کی حرارت سے جگر کباب ہے دل تباہ ہے۔ جب تمہاری نرگسی آنکھیں یاد آتی ہیں دیدے کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں۔ پیچ پیچ زلفوں کا خیال آتے ہی پیٹ میں مروڑا اٹھتا ہے اون آنے لگتی ہے۔ عناب لب کی دھن میں کھانسی آتے آتے آدمی سے بہرے دال ہو گیا ہے شب و روز کھوں کھوں کرتا رہتا ہے گردن کا تصور بند ہے۔ عالی کہ از کا دورہ ہوا ساق پا کا دھیان آیا اور لگا زمین پر آلو کرنے۔ کمر موہوم کی دھن میں دنا ہوا جاتا ہے غرض حال ابتر ہے خدا کیلیے اب غصہ تھوک ڈالو اور چلی آؤ"۔

دوست: "میاں یہ باتیں میری زبان سے ادا ہونے کے قابل نہیں میرا حافظہ بھی اتنا قوی نہیں پھر بھی جو کچھ یاد رہیگا کہہ دوں گا"۔

بڑے میاں نے اپنی راہ لی دو چار دن کے بعد پھر آئے تو شاعر صاحب نے پوچھا۔ کہو تم کٹڑے گئے تھے؟۔

دوست: "ہاں"

شاعر: "میرا پیام کہہ دیا تھا؟"

دوست: "کہا تو۔ مگر بہت مختصر اور جامع"

شاعر: "آخر کچھ میں بھی تو سنوں"

دوست: "کیا کروگے سن کے"

شاعر: "بھئی واہ یہ ایک ہی ہوئی۔ میرا ہی پیام اور مجھی کو نہیں بتاتے"

دوست: "دیکھو بگڑنے کی سند نہیں میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ نا نا ثنوا مجھے یاد نہ رہیگا۔ میں شاعر نہ شاعر کا پڑوسی۔ کبھی عشق کا جھول بھی نہیں پالا" جو "ہائے وائے" سے واقف ہوتا۔ میں نے مختصراً یہی کہہ دیا کہ میاں ...... شاعر تمہارے ہجر میں سہنے کو ترستے ہیں بری جگہ پڑ گئی ہے خدا کے لیے مرہم دیدار کی ڈبیا عطا کرو ورنہ برا حال ہوگا"۔

دیکھا آپ نے؟ اگر یہ بڑے میاں جوان ہوتے تو ضرور شاعر صاحب کے دردناک الفاظ کا تھوڑا سا حصہ انھیں یاد رہتا۔ اور گفتگو میں مزا بھی آتا۔ شاعر صاحب اس طرح کے اختصار پر ہرگز نہ جھینپتے۔

الرد شیخ الراکب الحجازی

جناب اڈیٹر صاحب تسلیم۔ آپ کا نامہ نگار شوقی عشق حرمین بیت اصدریہ ہو چکا ہے۔ اور علم میں آپ کے لئے دعا کرتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ گنبد خضرا کے سایہ میں بھی اپنے عنایت فرماؤں کو فراموش نہ کروں گا ؎

بعد ہے جسطرح امی نشاند اکنوں یار
گر اے شہر نگہ کن کہ بسیر گلبن شد

فی الحال تحفہ حجاز ارسال خدمت ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں کوئی سفر نامہ لکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔ زمزمیوں اور کھجوروں کا وقت بعد کو آئیگا اس وقت تو صرف کچھ داڑھیاں پیش کرتا ہوں۔

قدیم تعریفیں اکثر چیزوں کی غلط ثابت ہو رہی ہیں۔ پرانے اصول اکثر بدل رہے ہیں۔ عناصر چار تھے اب خدا جانے کتنے مانے جاتے ہیں۔ پہلے جواہر آفتاب کی وجہ سے رنگ پکڑتے تھے اب ریڈیم کے ذریعہ سے تیار ہوتے ہیں پہلے مرغیاں انڈوں پر بیٹھتی تھی۔ اب انکیوبیٹر یہ رانی بنکر بیٹھی ہیں ایسی ذیل میں اس دقیانوسی تعریف کو بھی رکھیے جو داڑھیوں کی ہوئی تھی ؎

ایک داڑھی ان منوہر ایک داڑھی بھبھو
ایک داڑھی خلق نصیحت ایک داڑھی ٹھنڈ

مگر جہاز پر داڑھیاں دیکھکر معلوم ہوا کہ اس تعریف میں بہت ترمیمیں ضروری ہیں مثلاً ان منوہر داڑھی لیجئے۔ یہ وہ داڑھی ہے جو گردے کی ہو اور بال ہر جگہ برابر ہوں مگر اس داڑھی کو کیا کہئے گا جو قدرت کی فیاضی سے ہو تو ان منوہر مگر گالوں کے بالائی حصہ پر اور ٹھوڑی پر استرے کے دست برد میں آگئی ہو اور باقیات الصالحات صرف جبڑوں پر اور حلق پر تاشے کی جھالر کی طرح پڑی ہو۔ بھبھو داڑھی وہ کہلاتی تھی جو بہت گھنی اور بہت بڑی ہو آنکھوں کے نیچے سے شروع ہوتی ہو اور [illegible] گردن نکل کر ناف پر لہریں لے رہی ہو۔ لیکن اگر اسی داڑھی کا ہر بال کھڑا ہو کر آفتاب کی کرنوں کی طرح چہرہ کے گرد حلقہ [illegible] ہو تو اسکو کیا کہئے گا (راکب [illegible] شیخ)

خلق نصیحت داڑھی کے نمونے البتہ موجود ہیں کہ کر تعریف متذکرہ بالا جامع ہو گر مانع نہیں۔ ٹھنڈ داڑھی کی قسمیں بہت ہیں اور دل چاہتا ہے کہ کاش اسکے بھی تقریباً دس بیس مختلف نام ہوتے اسمیں کوئی کلام نہیں کہ ہندوستان کے ہر صوبہ کو تمام اقسام کی داڑھیوں میں اچھا خاصہ حصہ ملا ہے مگر جو شہرت مشرقی بنگال کو حاصل ہے وہ دوسرے مقامات کو نصیب نہیں ٹھنڈ اور خلق نصیحت داڑھیوں کا بادشاہ یہی صوبہ ہے۔

کہاں سے موقلم لاؤں اور کہاں قوت رقم پاؤں کہ جن داڑھیوں کا نقشہ اتار لوں۔ ایک داڑھی ٹھنڈ قسم کی نادرات زمانہ میں سے دیکھی ہے کہ بنگال ایسا داڑھی خیز مقام بھی اسپر مباہات کرتا ہے۔ اس داڑھی میں تقریباً سو بال ہونگے مگر سعدی کے دس درویشوں کی طرح صرف ٹھوڑی کے بیچ بیچ نہایت کم جگہ میں آسن مارے بیٹھے ہیں۔ اگر سیدھے لٹکے ہوتے تو کوئی بات نہ تھی مگر کمال تو یہ ہے کہ اگنے کے مقام سے یہ مختصر گروہ اونچا ہو کر آگے کو بڑھا ہے اور تقریباً آدھا انچ چلکر پھر پیچھے کو ہٹا ہے نوک پر پہنچ کر ایک ذرا سا آگے کو جھک کر ختم ہو گیا ہے۔ جیسے انگریزی کا نشان استفہام ہوتا ہے یہ داڑھی گویا خود اپنے اوپر تعجب کرکے "کیف خلقت" کی صدا بلند کر رہی ہے۔

ایک دوسرا تحفہ بنگالہ نے اپنی فوج کے تین مورچے باندھے ہیں میمنہ جبڑے کی سب سے نازل ہڈی کے ٹیلے پر ہزار پریشانی پاؤں جمائے ہے۔ میسرہ اسی کے مقابل میں دوسری طرف ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ بھاگنے پر تیار ہے قلب لشکر نہایت سراسیمگی کے ساتھ پائے استقامت جمائے ہوئے اپنا مختصر پھریرا لہرا رہا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب گرنے والا ہے۔ یہ داڑھیاں مشت نمونہ از خروارے ہیں اور صوبہ کا نام بلند کرتی ہیں۔ بمبئی بھی اپنی داڑھیوں میں ایسی ہیٹی نہیں لمبے چہرے پر ٹھنڈ داڑھی ایک عام منظر ہے بمبئی نے یہ کمال دکھایا ہے کہ گول اور کتابی چہرے پر ٹھنڈ داڑھیوں کی کاریگری کا خاتمہ کر دیا ہے۔ مگر باوجود ان صناعیوں کے گو سبقت بنگالہ ہی لے گیا ہوتا اگر ایک داڑھی جہاز پر بمبئی کا نام نہ روشن کرتی یہ داڑھی بہت لمبی ہو اور چہرہ بھی داڑھی سے تناسب ہو مگر [illegible] صرف [illegible] داڑھی [illegible] نقش [illegible] اکمل صناعت ہو کر ایسا [illegible] نہایت [illegible] اور تقریباً چھ انچ چل کر داہنے بائیں تقسیم ہو گئی ہو تو خط کے نیچے جھانکتی ہے۔

محرم کی روداد مع اڈیٹر صاحب کے مختصر کچھ نقیبہ

پنچ۔ چودھری صاحب آپ کی باتیں بھی کچھ سننے کے قابل ہیں کہاں لا مذہب سری بے ریش و بدعت مرشد کی سوانح اور کہاں حجازیوں اور حجاز والوں کی مقدس داڑھیاں۔ پٹیالہ کی گرنٹ کہ انکا سہرا کے داڑھی پر جٹ! انچیر حضرت۔ سفر حجاز و شرکت حج مبارک ہو عربی داڑھیوں کے اقسام عربی کتابوں میں مفصل موجود ہیں زلف معشوق و ریش حضرت شیخ اب دونوں منت کی طرح بڑھنے والی ہیں زلف کی منت بڑھ چکی ریش کی منت مدت دراز سے بڑھائی جا چکی۔ ریش ہی نہیں بروت (مونچھ) کی چند بالیں "ق" (قاف مدور) کے نقطوں کی طرح دو کالی بوندیں کہیں رہ گئی ہیں کہیں وہ بھی ندارد۔ زیادہ رجحان اسی طرف ہے کہ ان دو فرشتگان سیاہ سے جو ہونٹوں کے اوپر بیچ بیچ سے چوٹی کئے بیٹھے ہیں چھٹکارا ہو جانا چاہیئے۔

نئے پڑھے ہوئے تو خیر دین کی طرف سے بے پروا ہی ہیں ایک لمبی داڑھی مولوی نے باتباع سنت ان لکھی اپنے بھائی ہندوں کی داڑھی گھسوٹنے کا مشورہ ابھی حال ہی میں دیا ہے غالباً وہ سمجھتے ہیں کہ ریش کے جنگل ترقی تہذیب یورپی اصلاحات سیاسی میں سد سکندر ہو جاتے ہیں داڑھی منڈے اعلان فسق کے مجرم ہیں اسلئے انکی غیبت جائز ہے ایک مولوی داڑھی منڈوں کے خلاف فیل مچانے میں اپنے پیکینڈا بہت جلد کامیاب ہو جاتے ہیں داڑھی منڈوں کا بنا بنایا اسلامی کمبل نوتی کفر و فسق کی دواسلائی سے یوں خاک سیاہ ہو جاتا ہے جیسے ایرج کی داڑھی جسنے کتاب میں لکھا دیکھا کہ طول لحیہ دلیل حماقت ہے تینچی ڈھونڈی نہ ملی۔ جا تو تلاش کیا کہ بلا سے رہی داڑھی کی بال کاٹے وہ بھی نہ پایا۔ آخر مٹھی میں داڑھی پکڑ کے چراغ کی لو سے لگا دی ؎

فروغ شعلہ خس یکنفس ہے

جلد دوم

جلد سوم

جلد چہارم

اصلاح زبان

منیجر جنرل

پہونچے جہاں ہیں سے ہوا غل نہیں نہیں
بچنے کو بائیکاٹ سے مامن کہیں نہیں

آہ سے کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت سائیمن + تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں

ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
"دیکھیو پھولوں کی لاج رکھیو گل یاسمن کے رنگ سے ہمارا رنگ پھیکا پڑا جاتا ہے خوشبو کا دعوی ہے
تو یہ عطر حاضر ہے"
کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

داڑھی کے پوٹے میں آگ لگی ؎
الٰہی زندہ بمانے بجاں ریڈ یہ
شد و شیوہ زار ریش شانہ لیز
بجھ سے آواز آئی شعلہ بالیں کو جلاتا مٹی کی جلد تک
پہونچا وفنا عذاب النار کہہ کے داڑھی چھوڑی تو آگ نے
دم تک غیرت جلیے خانۂ طاقت سوخت ؎
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

لاؤ کہ علمائے رشیا ئیل کا فرسازی کی ذم اس وقت تک
نہ جلے گی جب تک کہ روشن خیال علمائے کے استرے کا بجھارا
اوس پر نہ پہیر کر نہ کھود ڈالیں گے جس میں تکفیر کی مرغی انڈا
دیتی ہے یا جس کند فخر و مباہات پر بڑھ کے مغرور
علماسان تک پرواز کرتے ہیں۔

سنہ علمائے روشن خیال ہلمو الی امادہ اللہ آہ ایضاً
اوں اسد خاں کی۔ درگر دس کے صفا چٹ کلے دیکھ کر
باغی ملاؤں کی عوام کے بھڑکانے کا موقع ملا۔

پس جناب چودھری صاحب الیخ آبادی مولوی کی
تسلی آج نہیں تو کل ضرور اپنا اثر دکھائے گی چند روز
میں یہ نورانی شکلیں بدل جائینگی اور آپ بھی دلچسپ
داڑھیوں کی کمل "نیستی" پر آنسو بہاکے فرمائینگے ؎
وہ داڑھیاں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

ایک حیلہ "گل خند" کا انجام کے ہاتھ میں ہے وہ بھی
جاتا رہیگا۔

ہندی شعر میں جتنی قسمیں داڑھیوں کی گنائی گئی ہیں
وہ ریچھ کی کھال کا ایک بال ہیں یعنی داڑھی دو حصہ جسم
کی وضع قطع کی تابع فرمان ہوتی ہے جس پر وہ اُگی ہے۔
یہ حصہ جسم ہر شخص میں ایک ہی وضع پر قائم نہیں ہے۔ نچلے
جبڑے کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں ٹھوڈی کی بلندی
درازی پہنائی حجم در طول سطح عرض میں جداگانہ ہوتی ہے
ان دونوں کی مزجی امتزاجی شکل سے نئی طرحیں
متولد ہوتی ہیں پس داڑھیوں کی قسمیں بھی بدلتی رہتی
ہیں ایک دوہے یا شعر میں کل قسمیں بھلا کیا سما تیں یہی
وجہ ہے کہ آپنے بعض نئی داڑھیوں پر اظہار تعجب کیا ہے
خیر اگر فرصت ملی تو آئندہ نمبر میں چند نئے اقسام ریش
کی جنبش کا تماشا دکھایا جائیگا۔

بالفعل پنچ میں بھی انجا ضب لانذا موش نہ فرمایا اس
عنایت کا شکریہ قبول فرمائیے۔

نقد انتقد

"ادبی دنیا"

مولانا تاجور نجیب آبادی نے ایک ماہوار رسالہ لاہور سے
شایع کیا ہے سازو سامان صورت شکل چھپائی لکھائی
تصاویر و حجم کے اعتبار سے یقیناً قبول عام ہونے کی
صلاحیت رکھتا ہے۔ رسالہ کا اصلی اور اہم مقصد یہ ہے
کہ اردو میں سنسکرت یا عربی کے مشکل الفاظ کی جگہ
آسان اور عام فہم الفاظ لکھے جائیں۔ اگر کوئی بری
نیت سے نہ دیکھے تو یہ مقصد برا نہیں مگر صرف اسی غرض
کا اظہار ایک صفحہ میں کیا گیا اور اس ایک صفحہ میں
بیسیوں مرکب الفاظ ایسے استعمال ہوئے جن کی توضیح
ایک جداگانہ فرہنگ میں کرنی پڑی۔ اگر کوشش
کی جاتی تو صاف اور سادہ اردو میں یہ غرض بیان کی جا سکتی
تھی۔ ایک صاحب نے اپنے ایک ملاقاتی سے شکایت کی کہ
آپ گالیاں بہت بکتے ہیں۔ دوست نے تڑ سے جواب دیا
یہ کون مادر بخطا ولد الزنا آپ سے کہتا ہے؟ اُن نقلیں
فحاشی کا ثبوت ملا ہمیں آسان پسندی کا۔ مثلاً
"یہ جلبہ" ادبی دنیا کے ذریعہ اُردو مصنفین اور اہل صحافت
کے خامۂ گوہر چکاں میں یہی زبان پیدا کرینگے"۔
اگر ایسی ہی زبان اور آسان زبان پیدا کرنے کا ارادہ ہے
تو یہ تحصیل حاصل ہے خدا بخشے ملا مفع العلا کو وہ بھی ایسی ہی
آسان زبان بولتے تھے چنانچہ جب اون سے کسی نے
گھوڑے کیلئے تھوڑی سی گھانس مانگ بھیجی تو کہنے لگے
"میرے تشین میں اس قدر تبن نہیں ہے کہ عسافیر
اپنے مناقیر سے ترتیب آشیانہ میں استنصار کر سکیں
چہ جائیکہ افراس وخیول احباب الطیاب"۔
نوکر نے صاحب فرانس سے کہا: حضور میں نے
گھانس فلاں صاحب سے مانگی تھی اونھوں نے کچھ جواب
نہیں دیا درود پڑھا کئے"۔
ادبی دنیا بھی سمجھے گی کہ نامہ نگار درود پڑھتے ہیں
لغت کی جلدیں دائشیں فرہنگ سے مدد لی۔ بات کیا ہے؟

افشرہ و نتائج ۔۔۔ کیسے ۔۔۔
۔۔۔ مقاصد ۔۔۔ ہم دیکھنا
چاہتے ہیں کہ فرہنگ ۔۔۔ آخر میں ۔۔۔ معانی
کس طرح سمجھائے ہیں۔

فرہنگ نگار صاحب "آرزو انگیزی" کا ترجمہ
فرماتے ہیں "دلی آرزوؤں کو بیدار کرنا" اول تو
آرزو انگیزی کی ترکیب ہی خوبصورت ہے اگرچہ
کسی بھلے مانس کی زبان سے یہ ترکیب نہیں سنی۔
خیر ہوگی اور صحیح ہوگی لیکن انگیختن بمعنی بیدار کردن
کسی لغت میں نہیں ہے۔ انگیختن کے معنی ابھارنے۔
جنبش دینے بلند کرنے کھینچنے دور کرنے پیدا کرنے
بلانے اشتعال کرنے کے آتے ہیں۔ یوں کہتے کہ آرزو
پیدا کرنا تو صحیح بھی ہوتا اور آسان بھی "دلی" کا اضافہ
اور پھر نوم کا تذکرہ کیے بغیر بیداری کا الحاق خدا جانے
کس قسم کی آسانی ہے۔

واقعی "خامۂ گوہر چکاں اہل صحافت" اب غوطہ
لگاکے موتی نکالنے لگے گا۔ خدا بچائے اُس موتی سے
جو اُردو کی آبرو اتارے۔

اصراف بمعنی صرف بیجا "س" سے ہے فرہنگ نگار صاحب
اس تصرف کو تسلیم فرماتے ہیں اور "ص" سے لکھنے پر
اعتراض نہیں کرتے۔

ہر لفظ و معنی کی تنقید کے لئے فرصت درکار ہے۔ ہم سامنے
کے دو چار الفاظ سے بحث کرینگے یک کیپر کے اصطلاحی
معنی ہیں "محاسب" مگر فرہنگ میں "منیم" لکھے ہیں
حالانکہ منیم در اصل "مناب" بود مناب بر سبیل الاختصار منیب
بزبان عوام پیچیدہ منیم شد۔ منیب اصطلاحاً قائم مقام کو
کہتے ہیں جو مالک کے عوض لین دین اور لکھا پڑھی کرے۔
پس خوردہ "جھوٹن یعنی کھا کے چھوڑے" ہوئے
کھانے کو کہتے ہیں فرہنگ کہتی ہے اسکے معنے ہیں
"بچے کھچے"۔
بر وئے کار آیا۔ پورا آیا۔ (فرہنگ) نئے معنی ہیں۔
بر روئے کار آمدن پیش آمدن کا مرادف ہے مژدہ باد
اہل صحافت یہ زبان حاضر ہے۔
بیکس خلوتوں۔ ایسی تنہائیوں میں جہاں کوئی ساتھی نہ ہو
(فرہنگ) بیکسی کے معنی ہیں تنہائی خلوت کے معنی بھی ہیں

"وہ لوگ جو خدا کو اور شہر کے بیچ کے اور گردونیں سے کے پار کیا کرتے ہیں" لڑکے نے آکا دو ہو کے جواب میں آیت پڑھی "اس میں سوار ہو خدا کا نام لے کے" ابو نواس اپنے کام میں مشغول ہوا مگر صاحبزادے کو چڑانا ہوا تو انھوں نے فرمایا "ارشادہوں کا دستور ہے کہ جس گاؤں میں داخل ہوتے ہیں اوسے خراب کر دیتے ہیں۔"

اتفاقاً اسی گوشے کے قریب ایک بڑے میاں بھی بیٹھے ان دونوں کی آیت بازی سن رہے تھے آپ جانتے ہیں شیخ جی مشہور ہے ایک آیت انھیں بھی بروقت یاد آ گئی "کھاؤ اور فقیروں کو کھلاؤ" آیت کا جواب ابو نواس نے تو نہیں دیا۔ مگر حاجی ابتدا پھر بھی نہ چوکا اور کہنے لگا "خدا کسی پر اوس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا"

آپ کہینگے کہ حکایت فحش سی ہے۔ نہیں جناب فحش نہیں ہے ایسی بہت سی حکایتیں عبرت کے لیے اہل علم نے کتابوں میں جمع کی ہیں۔ اس تمہید و تالیف سے ان کا مقصود اس جانب مخفی اشارہ کرنا ہے کہ ایک فاسق و فاجر کس طرح اپنے فسق و فجور کو قرآنی آیات سے آراستہ کر کے مقدس بناتا ہے۔

"تو ڈی" لاہور کے سرورق پر جب ہمنے ایک مشہور قرآنی آیت دیکھی تو ہمیں یہ حکایت یاد آ گئی۔ یہ پرچہ چند مخصوص اشخاص کی عداوت میں نکالا گیا ہے جو سب کے سب مسلمان اور ایک ہی قبلہ کی طرف سجدہ کرنے والے ہیں۔

"تو ڈی" باصطلاح اہل پنجاب آجکل ان مسلمانوں کو کہتے ہیں جو نہرو رپورٹ کے مخالف ہیں اس پرچے کا نام تو ہے "تو ڈی" مگر وہ خود ہے "ٹوڈیوں" کا مخالف۔

ٹوڈی کی بنیاد انقلاب لاہور اور سیاست لاہور کی مخالفت پر مبنی ہے۔ یہ دونوں مشہور پرچے مسلمانوں کے اہتمام سے نکلتے ہیں۔ زمیندار سے اور ان دونوں سے آجکل خوب چلی کٹی ہو رہی ہے بظاہر "ٹوڈی" زمیندار کا حمایتی ہے۔ ٹوڈی اور زمیندار بھی مسلمانوں کے اہتمام سے نکلتے ہیں۔ بھلا مسلمانوں میں جوتا چلے اور قرآنی آیات کی آواز نہ بلند ہو یہ کب ممکن ہے۔

ہمیں اس کا علم نہیں کہ ان سورماؤں میں ابو نواس کون ہے اور طفل کثیر خرج کون مگر اسقدر کہ دونوں کی غرض ہے تشنیع۔ ٹوڈی اس شناعت کو آیات کی آڑ میں چھپاتا اور دعویٰ کرتا ہے ؎

حق کی تلوار کو کھینچے ہوئے اسلام آیا

خیل باطل کے لیے موت کا پیغام آیا

کئی اہل قلم تیغ بھی اوسکے ساتھ ہیں اور "کلوا منھا واطعموا البائس الفقیر" کی تلاوت میں مشغول ہیں نہرو رپورٹ کی مخالفت اور تائید تمام جرائد نے کی مگر جو اسلامی شان رد و قبول پنجاب کے مسلمانی پرچے ظاہر کر رہے ہیں اوسکی ہوا بھی دوسروں کو نہیں لگی ہمیں نہ زمیندار پارٹی سے عناد ہے نہ سیاست پارٹی سے تعلق و داد لیکن ابو نواسی تقدس پسند نہیں۔

یہ پرچہ لاہور سے شایع ہوتا ہے ۱۲ سالانہ قیمت دیکر شریک فی التقدس ہو جائیے۔

جنت کی طرف بازگشت

اجی مولانا پنچ۔ آپ تو حافظ قرآن ہیں آپ سے کون سی بات پوشیدہ ہے باوا آدم کا افسانہ تو لوح حافظہ پر محفوظ ہوگا۔ یعنی حضرت ناوسید نا ہوا کو آرام کی جگہ (فردوس میں) تین بلاؤں میں پھنسے طوعاً کرہاً اعلیٰ علیین سے بروئے زمین تشریف لانا پڑا۔ ایک تریاہٹ۔ دوسرے شیطان کا مکر۔ تیسرے دانۂ گندم۔ تریاہٹ کا استیصال عنقریب ہو جائیگا بایں معنی کہ "تریا" آئی زنانہ مائل ہے "نر" ہونے کی جانب۔ خدا سلامت رکھے ڈاکٹروں کو اونھوں نے مونث کو مذکر بنانے کی تدبیر معلوم کر لی ہے۔ مونث غدود کی جگہ مذکر غدود رکھ دیتے ہیں چند روز میں خانم صاحب خاں اور لیڈی صاحبہ لیڈ ا ہو جاتی ہیں دیکھ لیجئے گا چند روز میں گھور گھار کے لیے ایک "تریا" بروئے زمین پر نہ ملے گی۔ بس جب تریا نہیں تو "ہٹ" کہاں۔ علی ہذا القیاس شیطان کی ساری شرارت شیطنت کا آلہ کار تھیں بی تریا۔ تریا ہو گئی ناری تو ناقص رہ گئی میاں شیطان کی مکاری تو چند تولہ گزشت جو باوجود پوشیدہ بدن کے تمام دنیا میں ادہم جوت رہا ہے میدان کائنات میں یکہ و تنہا "لمن الملک الیوم" بجائیگا مگر جب نسل و تناسل کا ڈر باقی نہ رہیگا تو اندیشے۔ بچے کہاں رہیں گے اور اندیشے نہ رہے تو پھر دولت کی ضرورت کیسے ہوگی اور دولت کی طمع اور تیجہ ہوئی بال بچوں کے لیے میراث چھوڑنے کی حاجت نہ رہی تو پھر جنگ و جدل کی آگ کیوں بھڑکنے لگی تھی۔

الغرض میاں شیطان کا طلسم اڑا دھڑیم ہو کے رہیگا۔ اب رہ گئے "دانۂ گندم" صاحب تو ان کا یہ حال ہے کہ قحط و خشک سالی کی بدولت ہر شے غائب ہو جانے کی دہمکی دیتے ہیں۔ جمکانے یورپ مصنوعی غذا کی ایجاد میں مصروف ہیں کوئی کیلے کا آٹا نکال رہا ہے کوئی گھانس کھانے کی فکر میں ہے کوئی خاک کی ٹکیاں پکا رہا ہے کہ رزاق مطلق کی محتاجی کم از کم پیٹ کے دھندے میں باقی نہ رہے خاک ہی سے پیدا ہوئے خاک ہی پھانک کے عمر بسر کر لی جائے۔ خاک کا قحط ہو نہیں سکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب بنی آدم کے یہ تینوں دشمن جل بسے تو پھر کیوں نہ ہم بارگاہ رب العزت میں اپنے مسکن قدیم کی واپسی کا استغاثہ دائر کر دیں اور کہیں کہ بارالٰہا ہم ترسے تاشاد و نامراد بندے نرسے کھرے اولیا ہیں گیہوں ہم نہیں کھاتے عورت کوئی ہم میں ہے نہیں۔ شیطان کا قابو اور دعویٰ ہم پر چلتا نہیں۔

ملا لے اب ہمیں جنت کے وسیع باغ میں اور دھو دے ہمارے دلوں سے شکوہ و شکایت کا یہ داغ کہ ؎

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود

آدمم آورد دریں دیر خراب آبادم

راقم "فلاسفر"

مولانا پنچ کا پوسٹ بیگ
سیکھ ہو گیا

اجی مولانا۔ سنا آپنے؟ روس کا عالی شان نامی گرامی "ٹالسٹائی" وطن سے جبر کا تو زن سے مسلمان ہو گیا۔

من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم

سر بٹلر۔ " تاج حماقت پے راجا بس است + یہ تلج ! میں اچھا رہا "

سر لزلی۔ " دست تہی حاصل دنیا بس است + بیکار ! میں بھی اچھا رہا "

مگر نسیم تنت صبح بر چمن بگذشت
کہ گل ز بوئے تو بر تن چو صبح جامہ درید
اصغر علی محمد علی تاجران عطر

REGISTERD Nº A 785
DICTATE UNTO OTHERS ARISTOTLES
LUCKNOW
1929
OUDH PUNCH
B. KHAN ARTIST
LUCKNOW

توجہ شرط ہے

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تکیہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روے و رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد وضوابط

(۱) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) نمونہ اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اسوجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بنا برایں ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کیلیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف تمیت ہے۔

(۶) [illegible] صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے [illegible] میں پانچ چار جناب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دو لفافے پر بنیاد سند منیجر خود نہیں [illegible] سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض [illegible] حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا منصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) [illegible] ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو دیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا [illegible] اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و [illegible] منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے انکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) [illegible] مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور ان کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) [illegible] مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

[illegible] ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

کا سامان اونکے لئے اور ٹسوے بہانے کے بہشت کا قصر ایسے بیٹھا انیل کیا تھا وہ بد قسمتی سے چلتوں دریائے نسیان پہونچے یا ساورہ گیا تھا یہ پول سیاہ اوس کے منہ منڈھ دیا جائے۔ مگر نہین اعلیحضرت

"مسلمانان ہند بسیار غریب و مفلس استیم"

کے جواب مین اونہے صبر کی ہدایت کر چکے لہذا وہ صلہ پا چکا ان خدا صبر کرنے والون کے ساتھ ہے البتہ یہ حقیر چھوٹے نہین پیٹے قلمی خدمات برابر انجام دیتا رہا اور اعلیحضرت کے بارے مین ہر قسم کی بدگوئی کا سد باب کرتا رہا چنانچہ حال ہی مین "کافرون سے استمداد" کا الزام بندے نے یون رفع کر دیا ملاحظہ ہو "شاہ غازی (منصور بھول گئے) دفعۃً قندھار سے چمن پہونچ گئے...... شاہ امان اللہ خان انگریزون سے گفت و شنید کرنے آئے ہین دل ہی کہتا ہو کہ شاہ غازی کا اسطرح دفعۃً صرف اپنے بھائی اور ملکہ ثریا کو ساتھ لے کر چمن پہونچ جانا پناہ لینے کی غرض سے نہین ہو سکتا (خیال عقلی و عادی ہے ہنگام گریز کوئی ایسی حماقت نہین کرتا) اگر خدانخواستہ انھین ہندوستان مین پناہ لینا یا یورپ جانا مقصود ہوتا تو وہ اپنا ضروری سامان (جو شاید بھاگنے مین چھوٹ گیا) اور اپنے اعزہ و اقارب (کوہ صحرا و ملک تخت و فوج کا تب کی فروگذاشت ہے) کو ہمراہ لیکر آتے...... لیکن اس حالت مین بھی ہم خدا کے فضل سے مایوس نہین ہ (شغل چندہ بازی برقرار رہیگا شاہ غازی ...... تو ...... معذا لکھنؤ ...... اجر خدمت کے طور پر یہ چند پارہ ہائے سیم اس سقیم کے سہارے جائین تو زیادہ مناسب ہے۔

ظاہر ہے کہ شاہ غازی کا اسمین کچھ حرج ہوتا ہو نہ خرچ بس ہون "کا اشارہ کافی ہے۔ شاہی ،، ہون" سے زیادہ قابل وثوق کوئی رجسٹری کی ہوئی دستاویز بھی نہین ہو سکتی۔

ایک فرضی تحریر

(احمد علی خان قاجار (شاہ معزول ایران)

بنام

امان اللہ خان (شہریار مفرور افغانستان)

جیبا! سلام علیکم۔ شنیدم کہ شما از وطن گریختہ براروپا (یورپ) متواری شدن می خواہید۔ بہ بہ۔ خوب ست۔ چند سال ست کہ من ہم درین جا عطری فروختم۔ باللہ این کار ست خیلی پر نفع۔ خانمہا ے خوشگل بجستجوے بوے خوش بہ تجر تجارتگاہ بندہ گرد می آیند۔ عطر می گیرند و قیمتہا می دہند۔ درین ہمہ اسباب تجارت کہ چیدہ ام تا بفروشم نگینہ ہاے قیمتی و جواہر زواہر خزانۂ ایران است مال پدرم بود ہر چہ خواستم صرف کردم۔ شنیدم کہ شما ہم ترک افغانستان گفتہ بیرہا ے نادیم و معدنیات پر بہا ہمراہ می آرید۔ بلے سہ برائے نہادن چہ سنگ و زر

شما اینجا تجارت انگوزہ (ہینگ) می توانید کرد۔ تا باشد کہ ما و شہریار تخت باختہ ہم شدہ دماغ خانمہاے اینجا را از بوے عطر و انگوزہ معطر و پراگندہ کنیم و بے مہریہاے رعیت پدر سوختہ را فراموش نمائیم۔ جا کہ زادہ بر جاے بندہ نشینند و سقا زادہ بر مقام شما۔ سوداے خام ملک داری پختن درین ہنگام آزادی و تہذیب بد می نماید۔ مردمان می خواہند کہ بادشاہ را پرستن آئین و قوانین زنگار زنگ بستہ غلام خود شان سازند و خدمت گیرند۔ از پدر و جد آموختہ ام کہ این شاہی نیست۔ شاہ باید آزاد و مختار و مطاع چنانکہ جد و پدر بندہ بودند و جد مرحوم شما امیر عبدالرحمن خان کہ بیک جریمہ بے مقدار عبدالحکیم خان جنرل و دست و دیگر را بر دہن توپ بستہ آتش در داد و نہ سنگ رعیت۔ رعیت اگر حاکم است بر شاہ پس چرا رعیت و با خم وا زدہ نکتہ چینیان دخوردہ گیران آسودہ زیست نمائیم سرکہ تاج و او آرام و آرد براد بر صفا نم بجبرا ید نوشتہ دیدم کہ ہنوز گو

من از مفصل این نکتہ مجملے گفتم
تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

والسلام

نمقہ احمد علی شاہ قاجار

شاہ ہی می شنوید و دل ...... فارغ شدہ ...... کہ ...... البیت را ...... در یورپ فروختہ قیمتش را بر گرداندہ ...... نمودہ ...... شغل ...... دیگر چیزے دیگر نیست۔ کہ ...... غیر رسوائی و انقطاع ...... چیزے دیگر نیست۔

برادر۔ دو یک ماہ قبل ازین بگوشم رسیدہ بود کہ بچہ ہا نے جوان شیر صولت مردانہ وار شمشیر بدست گرفتہ برکومک شما بستہ پائے در میدان کارزار گذاشتہ اند۔ آخر آنہا چہ شدند؟ چرا ایشان را حکم نمی فرمائید کہ شوہر گرفتہ دو دو سہ سہ بچہ ہاے نرینہ تا ...... بزایند تا باشد کہ بچہ ہا جوان شدہ تربیت یافتہ دمار از سر روزگار بچہ سقاے ناہنجار برآرند براے شان این کار از بس آسان ست۔ ہرگاہ کہ دہ ہزار لشکر منظم شدہ در میدان جنگ آمد بچہ سقا نمی تواند اراد مجادلہ نماید اگر آنجا رسید و ...... است ...... ہمہ را در یورپ ہمراہ خود بیارید کہ زنان اینجا جنگلی مردان روزگار را دیدہ بسی فتوت می گویند

پورٹیبل اسٹیم انجن

(برائے فروخت)

ہمارے پاس ...... پورٹیبل اسٹیم انجن ...... سنگل ...... کمپونڈ ...... ۸ گھوڑے سے لیکر ...... گھوڑے تک ہر وقت گودام مین موجود رہتے ہین اور مقابلتاً سستی قیمت پر فروخت کئے جاتے ہین۔ دوسری جگہ خرید کرنے سے پہلے ہمارے پاس تشریف لائین۔ نیز آل ...... ۲۵ سے ۵۰ گھوڑے ...... پچاس گھوڑے ...... ہر قسم کی مشینین ...... رولر ...... اور اسٹیم ...... انجن ...... ایجنسی ...... (لاہور)

مٹی جہان کی ہو وہین فنائے جاتے ہین

سنتے ہین کہ بجبڑون کے مُردے چپ چپاتے دفن ہوتے ہین - محلے والے مُردون کو خبر نہین ہوتی - نہ لاش لیجاتے کوئی دیکھتا ہے مگر یہ نہ رکھے ہوئے - شہر کا شیعہ کالج ایسے بجبڑے کا مُردہ تو ہو نہین جس کا سنگ بنیاد با سنگ طلبیون چپ چپاتے رکھ دیا جائے کہ کسی کو کانون کان خبر نہو - ایک زمانہ وہ تھا کہ امیر المومنین لارڈ مسٹن نے بقول بعض طلابان متشرع ایک ہاتھ مین دین پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے دُنیا کی دُم تھامی بالائی کی مدد نقرئی کنی بسولی کی لیپ پوت اور ٹھکار سے کام لے کے اس نو مولود کی نال بھرے مجمع مین کاٹی تھی مرگھٹ مین زچا خانے گائے گئے تھے مؤذن دعقیقہ ہوا تھا مولوی [?] پڑھتے تھے دائی جنابی نے گوشت کا حصہ اور ہلدی پیچ کے دام وصول کیے تھے عجب افواہ ایک وقت یہ ہی کہ پاروالی کربلا کے گورستان سے متصل تین چار مولویون دو تین مولوی نما اون چار پانچ ملاپرستون نے گڑھا کھدوایا کندھون پر کنی بسولی اور تھالی کلمہ بنی کا لا الٰہ الا اللہ الخ پڑھتے ہوئے چلے اور چپ چپاتے کچھ روڑے کچھ پتھر گڑھے مین رکھ کے توپ دیئے - یہ شان ولادت کی نہین - موتے کی ہے - چنانچہ کالج کے پرانے طلاب (اولڈ بوائز) کا قول ہے کہ شیعہ کالج بیئر حاک کیا جا رہا ہے "اگر فی الاصل مقبرے مین یہ ولادت ثانوی نہین بلکہ تقریب تدفین ہے تو ہم بھی ان مولویون کے ہم خیال ہین - اچھا کیا جو چپ چپاتے دفن کر دیا قومی رسوائی پر مٹی بھر خاک ڈال دی اور بزبان حال چپکے چپکے تلقین پڑھی "اسمع افہم اسمع افہم یا شیعہ کالج ابن الامۃ ایمکار...... لاتخف ولاتحزن وقل فی جواب من ملک عن ربک دعن نبیک دعن دینک دعن کتابک دعن قبلتک دعن امامک ان لا ستبدا دربی والتبجاج نبیی والبلطاقہ دینی ویونیورسٹی ایکٹ کتابی والا بار دعا چائی قبلتی -

دیخان بہادر مولوی مہدی حسن شمس العلماٰ یمن وچند چھوٹی گولی کے مولوی اُمتی وسادتی و قاوتی وشفعائی بہم الوتی دصی لعقلاو ابتراً ......اللہمت یا شیعہ کالج ابن الامۃ ایمکار ثبتک اللہ بالقول المدحص الخ -

افواہاً یہ بھی مسموع ہوا ہے کہ جب یہ حضرات دفن سے فارغ ہوئے اور سنگ لحد کو تنہا چھوڑ کے اپنے گھرون مین پلٹ آئے تو شب کو بعض نا ہنجار بجو دکن مردہ خور دون نے یہ تازہ اور بودی قبر کھود ڈالی یہی نہین بلکہ اس گڑھے مین کچھ ایسی حرکت کی جس سے مٹی زیادہ گیلی ہو گئی اور کیوڑے گلاب کے عوض بری بو آنے لگی - گمان کیا جاتا ہے کہ یہ ناشائستہ حرکت کسی دشمن کالج سے سرزد ہوئی ہے لہذا آئندہ پولیس کا پہرا بٹھایا جائیگا تاکہ دوبارہ شریر و بدنفس دشمن تعلیم گاہ کو پیشاب گاہ نہ بنانے پائین - ہم اس انتظام کی تکمیل اسطرح چاہتے ہین کہ پہرے کے ساتھ ایک نائی بھی رکھا جائے اور جو [illegible] پکڑا جائے تو فوراً اوس کا ختنہ کروا دیا جائے تاکہ عبرت ہو موذی اقبال ان ترموکم - راقم

نہ لوح ہے نہ نشان سر مزار ہے اب

پنچ - حضرت آپ کا یہ دعوٰے غلط ہے کہ بنیاد کی اینٹ رکھنے مین جو اسراف مرحوم فتح علیخان کے عہد مین جائز رکھا گیا تھا وہی دوبارہ بھی کیا جاتا تو اچھا تھا - اے جناب یہ فانی ہو قوم خفقانی ہو کالج کے ستونون میں اہل غرض کا طوطی بولتا ہو وہ کبھی خواہ مخواہ کی ڈھون ڈھون پون پون جائز نہین رکھ سکتے ! اپنی تلقین واپس لیجئے ایسا نہو کہ آپ بھی تکفیر کی کمند مین پھنسین اور دور از حال سو برس کے بعد کوئی تلقین پڑھنے والا یا گلاب چھڑکنے والا بھی میسر نہ آئے - شیعہ کالج کوئی مذہبی درسگاہ نہین پھر بھی مولویون کے ہاتھ

جو چیز لگ جائے وہ مقدس ہو جاتی ہے - چاہے "وائٹ ہارس" ہو کا اشتہار ہی کیون نہو -

---

پنچ مل خدا - خدا مل پنچ

چند کنایات و اشارات کی تصریح

اودھ پنچ کی اشاعت تین ہفتہ معطل رہی طبریہ پاسی [?] ہو گئین پرچہ ٹھہرا ٹھہرا نکلیگا - آپ اخبار ہفتہ ہائے ماضی کو اخبار حال کے ساتھ مدغم کر لیجیے اور ہرگز اوپر لکھی ہوئی تاریخ کو خبر [?] کی تاریخ نہ سمجھیے - نیاز مند
ایڈیٹر

برگ سبز است تحفہ درویش

غازی گریزان سے حسن کارگزاری و تدبر کی اُمید ہندوستانیون کو تھی اور خدا خوش باوری کا بھلا کرے اب بھی ہے - انڈین نیشنل کانگریس عقلمندون کا مجموعہ نہین اسکے بعض شرکا بنے ہوئے احمق بھی ہین اور بنائے ہوئے احمق بھی بس کوئی تعجب نہین کہ پنڈت موتی لال نہرو نے حضرت شہریار ہزیمت شعار کی خدمت مین الوداعی تحفہ پیش کرنے کے لیے عمدہ پھول چنے اور کشتی مین لگا کے بھیج دیئے - احمقون نے اس تحفہ پر اس وجہ سے صاد کیا کہ آرائش کی چیز ہے لنکہ ثریا ہمراہ ہین - دماغ تھکا ہوا ہے راحت کی ضرورت ہے - خوشبودار شے ہے بارود کی بو گنبد دماغ مین گونج رہی ہو اسکے بخیے گندھک او

خواب خرگوش (تعبیر تین سال کے اندر)

سر مائیکل اوڈوائر "ہند! ہند!! ہند!!! ڈناڈن ڈنا ڈن - ڈن - ڈن - ڈن !!!

خیالات ازدن "خواب میں بھی پیشگوئی - ہائے میرا عہد حکومت اور اُسکا انجام"

گل صبحدمے بخود بر آشفت و بریخت
با باد صبا حکایتے گفت و بریخت
بدعہدی دہر بیں کہ در چندیں روز
سر برزد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت
اگر موسم خزاں میں بھی تازہ پھولوں کی نکہت سے لطف اٹھانا ہو تو اصغر علی محمد علی عطر سازان چوک لکھنؤ
سے عطر کی ایک شیشی طلب کیجیے۔ بہار باغ ناپائدار ہے۔ اور اسکی خوشبو پائدار ہے

دیکھنے کی عفونت نکال باہر کرتے - پھول محبت کی علامت ہے اہل وطن کی عداوت کی تلافی ہو جائیگی - عقلا اس تحفہ پر اسوجہ سے راضی ہوے کہ بمبئی کے زرووزنے از راہ سادہ دلی زرین ہار ولایت روانہ ہونے کے وقت دیا تھا کافی صلہ نہ ملنے کے سبب وہ ہوا تا ساز دار شہریار غازی ہار گئے اور ہار کے دوبارہ منہ دکھایا - زرین ہار تھا نقلی اب اصلی ہار پھول و سستا بھی ہے ملکا بھی ہے خوانچہ کانگریس پر گران نگذریگا اور اس طرف بھی اشارہ ہو جائیگا کہ

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت اون غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اسکے علاوہ شہریار غازی گل بازی اور گیند دھرکا ہو رہے ہین نہ ادھر کے ہین نہ اودھر کے - ملک و تخت چھوڑنے کے بعد پھول سونگھنے کے سوا کام ہی کیا رہ گیا ہے وہ دن لد گئے جب کہتے تھے سہ

گل و ریحان با تیغ است و خنجر
بکار ما نیاید نرگس و آس
شراب ماست خون بچہ سقو
اساس کلہ او بہترین کاس

وقت چو از دست رفت پشیمانی چہ سود -

سنتے ہین کہ ثریا خانم نے اوس برہم زن ملک نقاب سے پھر رشتہ جوڑا جو سفر ولایت کے وقت بمبئی سے آگے بڑھتے ہی سمندر مین پٹک گرا تھا - نقاب کا ہے کو خونی دریا کی ناؤ سمجھئے جو ساٹھ ہزار جانون کو لے ڈوبی - مثل مشہور ہے کھوٹا پیسا اور برا بیٹا کبھی نہ کبھی کام دے جاتا ہے - آج اگر یہ بالشت بھر کا چیتھڑا نہ ہوتا تو خفت اور جھیپ کے آثار کسی طرح چھپاے نہ چھپتے رنگت کی زردی عالم آشکارا ہو جاتی دیکھنے والے دیکھتے ہی پہچان لیتے - انگلیاں اوٹھتین کہ وہ ملکہ ثریا آتی ہین وہ چلین - وہ جاتی ہین - غالب مرحوم نے بنات النعش کو شب کے وقت عریان دیکھ کے وجہ پوچھی تھی سہ

تھین بنات النعش گردون دن کے پردے مین نہان
شب کو ان کے جی مین کیا آئی کہ عریان ہو گئین ؟

ثریا کا دن دہاڑے بے نقاب ہونا اور لوگون کو ننگا چہرہ دکھانا اوس سے زیادہ حیرت انگیز ہوتا - معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ ثریا اپنے خاوند سے زیادہ باحواس رہا کیا سنتے کہ وہ تو بھاگتے وقت قمیص اور پتلون کے سوا باقی سب کچھ یعنی جوتا بھی چھوڑ آئے ملکہ جا ہے جھگڑ ہون مگر نقاب سا تھ لیتی آئین اگرچہ یہ نیا اہندی عارضی اور مصلحتی ہے - ادھر سمندری جہاز پہونچا ادھر تموج دریا کے جھٹکے سے نقاب کا ڈورا ٹوٹا - دل مین تلاطم امواج کے ابر نقاب کا سایہ طوفان برپا کر دیگا -

پھندے کا دھندا یا پھندا -

خلافت گئی خلیفہ کا وجود نہ رہا مگر کمیٹی جی و قائم ہے یعنی یہ مسئلہ غلط ہے کہ سبب کے زوال سے مسبب غائب غلہ ہو جاتا ہے علی ہذا القیاس امان اللہ خان کی شاہی بہ یک اشارہ ملایان سینہ زور کابل سے یورپ سدھاری با ایں ہمہ امان اللہ شاہ فنڈ کا سلسلہ جاری ہے - یعنی گردن اہل اسلام ہند سے چندے کا پھندا جدا نہ ہوگا - ایک ہفتہ مین غازی شہریار کا نام نامی لوح سینہ اہل ہند سے حرف غلط کی طرح مٹ جائیگا - اخبار ی کاغذ نام بھی نہ لیگے -

اب جنرل نادر خان شاہ کابل علی احمد جان فرمان رواے قندھار - سردار ولیعہد عنایت اللہ فرضی فاتح غزنی - اور غلام نبی خان کو مالی مدد پہونچانے کی شدید ضرورت ہے - کیا جانئے کل کیا ہو - آخر بھائیو آجتک تم سے ان لوگون نے کوڑی نہین مانگی - کوئی بروزر وزمانگنے تو آئیگے نہین پھر امان اللہی فنڈ کمیٹی کیون منتشر کی جائے - یہ سب بچہ سقا کے مقابلے مین امان اللہ کی سی حیثیت رکھتے ہین - جنرل نادر خان سابق و شاہ نادر خان حال کا ایک وکیل مطلق گمنام شان حال ہی مین سردار راہمہ خان شاوری کا مہمان ہوا ہے وہ دروہ مطلع کرتا ہے کہ جنرل نادر شاہ ایران کا ہمنام ہے نادر شاہ ماضی کو خزانہ ہند پر فاتحانہ حق حاصل تھا پس نادر شاہ حال کو بھی ہندوستانی مسلمانون سے کچھ ملنا چاہیئے [illegible] بچہ سقا ملکی خزانہ لیکے لے گیا - رہا سہا مال بھاگتے وقت شاہ غازی لے کے چل دیے - خانہ جنگی کیوجہ سے قبائل زراعت و تجارت کر نہین سکتے - اوصاف نادری فی الحقیقت حضرت شہریار غازی سے بدرجہا فائق ہین - یہی وقت ہے - قندھار چلو - بلغار چلو - زر دار چلو - بیکار چلو - گریز کی اجرت رونمائی دے چکے اب فتح قریب کی نذر دلواؤ - ہم ذمہ کرتے ہین کہ بچہ سقا اور اوس کے طرفدار ملا ضرور رک اٹھائیگے - بشرطیکہ تمھین اماک کی بیماری نہ گھیرے -

جائین یورپ کو نہ کیون کعبے مین کیا رکھا ہے
توبہ توبہ نہ صنم ہے نہ حسد ار کھا ہے

بعض ملکی جرائد مشورہ دیتے ہین کہ شاہ غازی

یورپ سے قبل مکہ کی زیارت سے مشرف ہوں
تحت سلطنت بیت اللہ کھڑے ہو کے بچہ سقو
کے پیٹ میں دعائے بد کا چھڑو بھونکیں۔ حج
بحکم الٰہی فرض عین ہے اور دعا بھی خانۂ خدا
میں جلدی قبول ہوتی ہے مگر ملکہ ثریا کہتی
ہیں کہ مجھے تو پیرس کی آب و ہوا پسند ہے۔
طواف کون کرے" یہ تعمیر سے بھی بہلیگا۔
شاہ کے پاس پونجی ہے کم سے کم بحیثیت مجموعی
کل ساٹھ ستر لاکھ یورپ میں ایسی حقیر ذلیل
رقم کی ہستی ہی کیا ہے لہذا وہ مستطیع نہیں
ہیں اور سه

انچہ جور و جفا بعشر باید روا است
حکم جور و جفا نہ از حکم خداست

پر عمل فرمائیے۔ آدمی ہیں کفایت شعار دھیلے
سفر میں ایک جھنجھی کسی کو نہ دی ہاں جو کچھ
کسی نے دلا لیا ہا پیرس میں تجارت کر لیجئے
تو سرمایہ دار ہو جائیے۔ حج وج کی سی دل لگی
بازی میں روپیہ صرف کرنے کا محل نہیں۔

تاریخی یادگار

نو سے گھوڑے کی طاقت رکھنے والی موٹریں
جو کہ بطور آلۂ فرار شہریار غازی نے استعمال
فرمائیں ایک تاریخی یادگار کی طرح عجائب خانہ ہند
یا انگلینڈ میں رکھنے کے قابل ہیں۔ لہٰذا ہند
و انگلینڈ کی حکومتوں کو اس یادگار کی
اتنی ہی قدر کرنی چاہیئے جتنی کہ طوطنخ آمون
کی ٹیبل ریل گاڑی کی۔

سادھو اور بیسوا

اس نام کا ایک افسانہ پنڈت کشن پرشاد صاحب
کول ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ نے
انڈین پریس الہ آباد میں نہایت خوشنما چھپوا کر
شائع کیا ہے۔ پنڈت جی کے اکثر قلمی آثار
پر انجانب اظہار حسن و قبح کر چکے ہیں یہ کتاب
بھی انکا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ افسانے
کا خلاصہ یہ ہے کہ سندری نام ایک بیسوا تھی
کلیاں بھی ہونے کے وجود ساغر دل شراب
معرفت سے لبریز تھا سوامی رامانند ایک زاہد
مرتاض تھے اور تلقین اس بیسوا کو ہدایت
کرنے کا شوق ہوا آخر وعظ و تلقین کارگر
ہوئی بیسوا نے توبہ کی مگر بیسوا کی ترانی بلائیں
بھوت بن کے سوامی جی کے چمٹ گئیں۔
سوامی جی ہوس پرست نہ تھے پھر بھی ان
شیاطین سے پیچھا نہ چھڑا سکے آخر گرد گر
بھی نہ رہے نہر ہو گئے اور جیلی ہو گئی قند
کی ڈلی۔ افسانہ دلچسپ ہے۔ ارباب افسانہ
کی لیاقت اور علمی استعداد کے مطابق بولی
چال کا لحاظ رکھا ہے۔ سوامی جی ہندو دانے
تصوف اور فلسفہ کے اصطلاحات میں
بات چیت کرتے ہیں اور مسلمان قاضی عربی
اصطلاحات میں۔ یہ ایک خوبی ہے مگر سه

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

الہ آباد کا مشہور انگریزی روزانہ اخباری
کاغذ عربی اور فارسی کی جلن میں مبتلا ہو کے
پنڈت جی پر طعن کرتا ہے کہ فارسیت انکی
زبان میں بہت ہے۔ پوچھیے کہ پنڈت جی
فارسی جانتے اور فصیح اردو لکھ سکتے ہیں
تو میاں تمہاری جان کیوں سوکھی جاتی ہے۔
اس تصنیف میں جو اصلی خامی ہے وہ الہ آبادی
معاصر کو اردو ہندی کے غبار آلود تعصبی چشمے
نے دیکھنے نہ دی۔ یعنی سوامی رامانند
نفس پر قابو رکھنے کے باوجود کیوں آخر
وقت ناستک (لامذہب) ہو گئے۔
علم النفس کے اعتبار سے مصنف نے کوئی
وجہ وجیہ اس انقلاب کی تحریر نہیں کی۔
ابلیس کی مثال اس محل پر کافی نہیں ہے۔
سندری کی وفات سے اگر شیشۂ دل پر چوٹ
پڑی وہ ٹوٹ گیا اور شراب عرفان بہ گئی
تو یہ ایک اضطراری حالت ہے۔ دل و دماغ
قابو سے باہر ہو جائے تو انسان کی کوئی
حرکت قابل گرفت نہیں۔ سادھو کا آخری
انجام تھیٹروں میں دکھایا گیا ہے جو اس نقص کی
تکمیل ہو جاتی۔ وہ دیوانے ہو گئے۔ دیوانہ
مرفوع القلم ہوتا ہے۔ جو نیک افعال ان سے
نے بحالت صحت انجام دیے انکا ثواب
ضرور ملیگا۔ دیوانگی کے جوش میں ان سے
جو کچھ سرزد ہوا اسکا مواخذہ نہ ہوگا۔
پس عبرت کا اثر افسانے کے ناظرین پر
اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک
سادھو جی صحیح الدماغ ہونے کے باوجود
ابلیسی خیالات کے پیرو نہ ثابت ہوں۔
۲۰۲ صفحہ کی کتاب ہے ۲ ر قیمت ہے
انڈین پریس الہ آباد سے ملیگی۔

اندھیر ہے

ایک صاحب زمانہ کی شکایت کرتے تھے
کہ دیکھیے کیا اندھیر ہے جس کا گلا دبا وہی
آنکھیں نکالتا ہے۔ سنئے بچہ سقاؤ یعنی حضرت
امیر حبیب اللہ فرمانروائے مملکت خداداد
کابل کا تجارتی ایجنٹ امام دین آجکل
پشاور میں ہے پریس کا ٹو ہیرالڈ (ہوسس)
یا نمائندہ) حالات کا کھوج لگانے امام دین
کے پاس گیا اور پوچھنے لگا بچہ سقاؤ بچہ سقا
کا حال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ آقا کے بارے میں
کوئی نوکر تو اپنی لقب نہیں سن سکتا
امام دین کو تاؤ آ گیا اور اوسنے پریس کے
ٹو ہیے کو صلواتیں سنا کے رکھ دیں اس پر
اخباری کاغذ امام دین کو بے ادب قرار
دیتے ہیں مفہوم ہوا کہ داب و آداب گفتگو میں
یہ اخباری کاغذ بھی ویسے ہی کورے ہیں
جیسے کہ "پریس ٹو ہیے" صاحب۔ ہمارے
نزدیک تو امام دین خان نے ہاتھ سے جواب
نہ دے کے اپنے حلم و تحمل کا پورا ثبوت دیا۔ کوئی
ان سے پوچھے کہ آپ امیر حبیب اللہ کی توہین
کرنے گئے تھے یا ٹوہ لینے۔ بدتمیزی کی
پہل آپ کی طرف سے ہوئی یا اوسکی
جانب سے۔

جلد ۱۴ ۔ نمبر ۱۹

مضامین

۲۰ ۔ مئی ۱۹۲۹ء

یہ تاریخ اشاعت جب یہ پرچے چھپ کر
شائع ہو رہے ہیں لہذا یہ نہ سمجھیے کہ تاریخ
پرانی ہے تو واقعات بھی کہنہ ہونگے

منطق آرا بیگم بنام امان اللہ خان

سنو خان صاحب! اخباری کالم میں تمہارا بیان جو ہمی میں نے دیکھا بس کیا کہوں کیا حال ہوا۔ یا میں تم نے ایسی منطق جھلا دی کہ منطق کی پہلی شکل بنگلا نتیجہ بھی آسانی سے نکال لیتے ہیں ذہن سے مٹ گئی۔ اب میں سمجھی کہ اسی منطق بھلا دینے کا نتیجہ شکست کی صورت میں ونما ہوا۔ ایک وہاں کھونے کے بعد تمہارے متعلق مضمون آرائی کا طومار ختم ہو جائیگا۔ اور پھر کا ہے کا ہے تمہارا نام اخباروں کا نذر ہوں میں عام خبروں کے ساتھ لیا جائیگا۔ ان تبصروں میں کوئی اہمیت نہ ہوگی مثلاً ملکہ ثریا فلان تاریخ وارد ہوا۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ ملا شور بازار کی بد دعا اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ شہریار مفرور معزول خیریت سے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ رنج و تشویش کچھ اتنی بڑھ گئی ہے۔ پیرس کی مشہور ناچنے والی مس فلان کا اثر پڑتا جاتا ہے۔ بس تمہارے بارے میں بند دو کی بھی یہ آخری تحریر ٹیپ کا بند اور مقطع کا شعر ہے۔ ارادہ تو یہ تھا کہ اخباری کالم دن کی چہ میگوئیاں میٹھی مسکراہٹوں اور ہونٹ نہ کھولوں مگر پھر دل نے کہا کہ منطق پر تمہارے بیان کا برا اثر پڑیگا اور تمہاری غلط منطق یا منطقی غلطی ممکن ہے کہ رواج پا جائے۔ تمہارا قول ہے کہ

"میری فوجوں کو کہیں بھی شکست نہیں
ہوئی۔ غزنی کی لڑائی سخت تھی مگر
فوج نے پیچھے قدم نہیں ہٹایا۔"

تم یہ کہتے ہو اور تمہارے ساتھی یہ کہتے ہیں کہ تھوا بہشتی بچہ ہم پر غالب ہوا۔ قدم پیچھے نہ ہٹانے کا عظیم الشان نتیجہ اگر "فرار" ہے تو یہ ثابت قدمی بے فائدہ ہے۔ کہ لڑ کٹ پٹ کے کھیت رہے تو یا بھاگ کھڑا ہو تو۔ دونوں حالتوں میں دشمن کا نفع ہو۔ بات پر مرجانے والوں کا نام بہادروں کی فہرست میں لکھ جانے سے تمہیں کوئی سرخروئی حاصل نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ تم بہادروں کے سردار تھے۔ اگلے زمانے میں جو سردار اپنی فوج کو مصیبت میں چھوڑ کے نکل بھاگتا تھا اوس پر دنیا تھڑی تھڑی کرتی تھی۔ نہ شاہ نہ غیوروں کا ذکر نہیں وہ تو لالچی کے لئے اپنی غرض کو دیکھتے ہیں۔ اور تم جیسے دیلے سے خاک اوٹھانا اون کا دستور ہے کسی نامور کے پیچھے لگنا اون کا ایمان ہے۔ اور تمہیں اختیار ہے جتنا جی چاہے تم اپنی تعریف کر لو اپنا دست اور تمہارا دماغ خود ... ہیں۔

"واہ خدا رکھے کیا خوب جواب ہے۔ اتنا کہنا۔ سپاہ گری کے چھتیس ۳۲ فنون میں سے ایک فن جان بچانا بھی ہے۔ اے حضور والا اللہ آپ بڑے جیجے کے آدمی ہیں بھاگنے میں بھی پیٹھ نہیں پھیری۔ ایسے موقع پر اچھے اچھے ہانپنے لگے ہیں۔ اور یہ کیا سمجھا کہ کسی نے بھاگتے نہیں دیکھا۔ جان نثاروں کا مقصد یہی تھا کہ حضور کی جان بچ جائے۔ آخر ڈھائی ہزار نے گردن کٹوا دی تو باقی ڈھائی ہزار کیوں رہ جائیں۔"

تم کہتے ہو کہ:۔

"میرا مقصد یہ تھا کہ اہل وطن کا عزیز خون زمین پر نہ بہے۔ میں جنگ سے پہلو تہی کرتا تھا اس وجہ سے قندھار چلا گیا۔"

دیکھو یہی منطقی غلطی ہے جب گہرائی میں ہوتی ہے تو اپنا کام اچھا جاننا گوشہ۔ جہاں کہیں غیر مطمئن نکلتی۔ اگر تم اپنی ذات کو حق پر سمجھتے تھے مظلوم تھے دشمنوں نے تمہیں گھیر لیا تھا تو خونریزی کا گلہ تم پر نہیں تمہارے دشمنوں کی گردن پر وبال غلطی کے جو بھیجے بھاڑ میں۔ تمہیں اپنا حق منوانا تھا یا اور پھر بھی حق کے اسے میں خون بہانے پر مجبور ہوئے تو میاں تم کیوں ہٹ کے نہیں رہو۔ صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ نئے قانون قاعدے سے دنیا کو پسند نہ آئے بغاوت پھیلی گھر میں اپنے غرور میں مست رہا۔ جہاں روپیہ پیسہ سے کام کرنے کا محل تھا وہاں زبانی جمع خرچ اور ضد سے کام نکالنا چاہا میں سمجھتا تھا کہ ملاؤں اور پیروں کو لالا تھی کر کے اور امیروں سے جبراً فتووں پر دستخط کروا لئے تو کام نکل جائیگا۔ یہی بھول گیا۔ دھوکے سے اور دباؤ سے فتوے لئے ... کر دیا۔ اونھوں نے ... دستخط کر دیئے۔ تمہیں اطمینان ہوگیا

چنین ... تا تش باخیل تاتش
... شید ... مباش

اگر ... تحریر ... شائع کرنے کے بعد ... تک ... حراست میں رکھتے جب تک تمہارا جاری کیا ہوا ... قانون کی اہمیت زائل ہوتی تو ... قید سے باہر نکلتے ہی تمہاری مخالفت کا موقع نہ ملتا۔ واقعہ تازہ تھا اور برسر تھے بغاوت کا درخت خوب پھلا پھولا۔ اور بہشتی بچہ ... ۱۳ آدمیوں کی مختصر فوج لے کے چڑھ دوڑا۔ تم ہوگئے بے قابو۔ اوس نے رحم کیا اور تمہیں قندھار کی طرف بھاگ جانے دیا۔

تمہارا بیان ہے کہ:۔

"میں نے اپنی افواج کو حکم دے رکھا تھا کہ کسی قبیلے پر حملہ نہ کریں۔ صلح کی کوشش برابر جاری رہی مگر بغاوت کی آگ تمام ملک میں پھیل گئی۔ ۱۰۰ نمائندوں کی ایک کانفرنس

ہوئی اور میری مخالفت فرض عین قرار دی گئی۔ میری نصیحتیں رائیگان ہوگئیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب تمام ملک تمہارا مخالف ہوگیا تو از خود دعا کرنے کا حکم نہ دینا ضروری تھا یقیناً یہ خلاف عقل تھی۔ میں تمہاری ہوشیاری کی داد دیتی ہوں۔ مگر تمہارے ہوا خواہ اخبار نویس لکھتے ہیں کہ "تمام ملک اعلیٰحضرت شہریار غازی کے قدموں پر جان نثار کرنے پر تیار ہے" خدا جانے وہ جھوٹے ہیں کہ تم۔ شنواریوں کی بغاوت اوس آگ کی لپک تھی جو سارے ملک کے دماغ میں سُلگ رہی تھی۔ مگر مجھے اس میں شک ہے کہ تمہارے قبضے میں کوئی نام لینے کے قابل فوج بھی تھی افغانستان کی فوج ضرورت کے وقت "چیل جھپور" کہنے پر جمع ہوجاتی ہے یہی پرانا دستور تھا اور یہی اب بھی ہے۔ زبردست افغانی قبائل میں تمہارا ساتھ ہزارہ والے قزلباشوں نے دیا مگر سوکھا چنا بھاڑ نہیں پھوڑتا۔ اب بتاؤ کہ جب فوج ہی نہ تھی تو حکم کیسے دیا۔

تم اقرار کرتے ہو کہ:۔

"میرے تمام نصائح اور عام اعلانات معانی بے اثر ثابت ہوئے"

پیروں اور مذہبی پیشواؤں کا مرتبہ تمہیں حاصل نہ تھا پھر نصیحت کا اثر کیا ہوتا۔ مدینہ در دیوار منطق کے خلاف ہے۔ جو بات تمہارے نزدیک داخل گناہ تھی وہی دوسروں کی دانست میں عین ثواب۔ گناہ معاف کیا جاتا ہے ثواب

کی معافی تمہاری جدت ہے۔ مگر بہشتی زادے نے جب پائے تخت پر قبضہ کرلیا اُسوقت تمہیں اپنا گناہ محسوس ہوا اور تم نے بعد از وقت یہ اعلان کیا کہ جواب ایسی خطا نہ ہوگی میں تمام جدید قوانین سے دست بردار ہوتا ہوں۔ حکم کا نفاذ موجود رہتا ہو معدوم پر نہیں۔ تم خود محتاج عفو تھے۔ اعلان دھرے رہ گئے۔

تم کہتے ہو کہ:۔

"فتنہ قتل و نہب روکنے کی غرض سے میں نے اپنے بھائی سردار عنایت اللہ کو تخت پر بٹھا دیا اور خود قندھار چلا گیا۔ کہ بھائی کو کمک پہونچاؤں"

یہ بھی "نقش برآب بستن" سے کم نہیں۔

باغیوں سے استصواب کئے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے ملک پر نیا بادشاہ مقرر کرنا تمہارا کام تھا۔ نہ وہی رہے نہ تم۔

تمہارا یہ قول بھی خوش باوری پر مبنی ہو کہ:۔

"درگروں کے اصرار پر عنان ملک پھر اپنے ہاتھ میں لی۔ مشرقی قبائل میرے دوست تھے۔ بچہ سقا پر حملہ کرنا چاہا۔ قندھار اور کابل کی درمیانی آبادی میری حمایت پر مستعد ہوئی۔ یہ جماعت بہشتی بچے پر بھاری تھی اوسکا ساتھ میرے باپ دادا کے نمک حرام ملازموں نے دیا تھا۔ جو ہزار بارہ سو کے قریب ہونگے۔ میں سمجھا کہ بالا مارلونگا۔ جرگے آئے اور بظاہر اطاعت کرتے رہے۔ میں غزنی پہنچا اور معاملہ دگرگون پایا۔ خیال یہ تھا کہ حریف کے ہمراہی عین وقت پر میری حمایت میں حریف کو دغا دینگے مگر یہاں اپنے خلاف بغاوت کا نقشہ دیکھا اور میں قلات کی طرف کوچ کرنے پر مجبور رہا ہوا صلح کرنی چاہی مگر ایک نہ چلی"

سچ کہا ہے "بلا مرا لانسان من اللسان"

بغاوت کے اصلی اسباب کا ازالہ نہیں کیا اور دل میں سمجھ لیے کہ دُنیا مجھ سے راضی ہوگئی۔ اس منطق کے صدقے اس رموز فہمی کے قربان۔ کپڑے سے نجاست دور نہ کیجائے تو عمر بھر غوطے دینے پر بھی پاک نہیں ہوسکتا۔ کسی مُلّا سے پوچھ لیا ہوتا۔

تم پھر اپنی صلح جوئی کا اعادہ یوں کرتے ہو کہ:۔

غازی افغان

بچہ تہذیب یورپ

"او چھوکری تیرا پیرہن تو نقشہ بدلوا دیتا"

اب بتا۔ اشاہ مجھ بڈھے کو تمیز سکھانے آئی تھی!

یہ پائے خونریزی اور جیسا کیا اللہ نے پھر سے
دنیا کو سونا سا اجاڑ دیں چھوڑ پردیس کی
راہ لی میری فوج کا لیے کسی شکست
سا نا ہوا ہی نہیں جو مجھ کو شکست دیتا۔
ایک جھیلے نے حملہ کیا تھی تو وہ میری ہمت
دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا تھیلا نیر جنا خود؟
اور ہزیمت ؟

اسکے یہ معنی ہیں کہ تم بڑے بڑے بھاگ آئے تھے فوجیں فراہم کی تھیں تو لڑنے کے لیے نہیں بھاگ جانے کے لیے جمع کی تھیں۔ حالانکہ بھاگنے والے کو فوج کی ضرورت نہیں ہوتی۔ فوج لڑنے جانے کے لیے ہوتی ہے۔ بھبکیاں دکھانے کی غرض سے نہیں ہوتی۔ ڈھائی ہزار آدمی صرف ایک حملے میں تمہاری فوج کے جان سے گئے اور خونریزی کس کا نام ہے؟ جو شخص خون دیکھ کے غش کھا جائے وہ فصادی کا پیشہ نہیں کر سکتا ۔۔۔ خونریزی سے پرہیز تھا تو لشکر دلوا کے گھاٹ اتروانے کے لیے میدان میں کیوں لائے ہو؟ ملک داری نہ تھی تو دو سو دن کی طلاکاری سے مروا ڈالنے کی ضرورت کیا تھی۔ رحمدلی کا ایسا بیجا صرف میری نگاہ سے کبھی نہیں گزرا خونخوار کے مقابلے میں رحمدلی ظلم ہے۔ اگر تمہارا حریف ڈاکو ظالم بدکردار خلق کا بدخواہ ہے اور تم رعایا پرایسے شخص کا حاکم ہونا اپنے ایمان کے خلاف سمجھتے ہو تو یہ مانا تمہاری گریز بزدلی اور اضطراب کی دلیل ہے۔ تمہاری ایسی نیکی نہیں جو تمہارے کچھ دے اور بود ے پن پر رحمدلی کی چادر ڈالے۔

دماغ عشق ناداری کا بجائے زلف ہیں
سر این معاملہ با خاطر پریشان نیست

جب میں چھوٹی سی تھی تو میری کھلائی تیس مار خاں کی کہانی کہا کرتی تھی۔

ایک صاحب تھے تو بڑے گھر بی بی کے سامنے ہمیشہ مونچھوں پر تاؤ دیا کرتے تھے۔ بیوی کے سامنے میاں کی ڈینگیں ہو تو بہادری کہانے پر شیر ہوتا ہے۔ میاں بیٹھے بھاگ گھونٹ رہے تھے گڑ کی ڈلی سامنے رکھی تھی اور اس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں ۔ میاں کو غصہ آیا تو پنکھا کے جو جھپٹے ہیں تو ایک ساتھ تیس مکھیاں مر گئیں۔ اسی دن سے بضد ہو کر حکم دیا گیا کہ مجھے تیس مار خاں کہا کرو۔ تھوڑے ہی دنوں میں بی بی کے پرو پگنڈا سے تیس مار خاں مشہور ہو گئے محلے والے تیس مار خاں کہنے لگے ہمسائے اور پاس پڑوس کے دیکھنے چلا ہوں تیس مار خاں کی رعب دار شکل پہلے ہی سے جم چکی تھی انہوں نے بھی اصلی نام اپنا چھوڑ دیا۔ اتفاق کی بات کہ شہر میں ایک جنگلی شیر آنکلا اوس نے بہت سے آدمی مار ڈالے جیسوں گھات لگائی گئی مگر کسی طرح ہتھے نہ چڑھا۔ بادشاہ سے کسی نے کہا: خداوند نعمت فلاں محلے میں تیس مار خاں رہتے ہیں۔ بڑے بہادر ہیں انکا نام سن کے گا بھی گا بھ ڈالتی اور شیر کا پیشاب خطا ہوتا ہے۔ بادشاہ نے سواری بھیجی خان صاحب کو بلوایا۔ تعظیم کے ساتھ پاس بٹھایا شیر کا حال کہا اور خلعت دے کے رخصت کیا۔ خان صاحب دربار میں خوب اکڑے۔ "اونہہ جنگلی کتے کا مار لینا کتنی بڑی بات ہے۔ کان پکڑ کے حاضر کروں گا۔" لیکن گھر آتے ہی بی بی پر برس پڑے۔ حرامزادی ہر وقت تیس مار خاں تیس مار خاں جپا کرتی تھی۔ لے اب چوڑیاں توڑ کے بیٹھ۔ ہم تیس مار خاں ہیں؟ دیکھا آج بادشاہ نے شیر کے مقابلے پر بھیجا ہے۔ وہ بخت ایک طمانچہ لگائے گا تیرا تیس مار خاں خفا ہو جائے گا۔ بس رنڈاپا چرخا کات کے کاٹنا۔ حکم خود ہی دیا تھا آئی گئی بی بی پر ہو گئی۔ بی بی نے کہا تو پھر اس شہر سے نکل چلو۔ خدا رزاق ہے کہیں اور جا رہیں گے مشورہ معقول تھا قائم ہوا۔ خلعت و انعام کی رقم سے خان صاحب نے ایک گدھا خریدا کہ آدھی رات کو یہاں سے کسی طرف اسباب لاد کے نکل جائیں گے۔ اتنے میں ڈھونڈ ڈھکار گدھا اٹھی۔

چاہئے تھا با ہم پڑنے لگا۔ اور آدھی رات تک پڑے بی بی نے کہا اب چلنے کی تیاری کرو۔ خان صاحب صحن میں آئے۔ بوندیں بڑ رہی تھیں۔ گدھا بجلی کی چمک سے ڈر کے خدا جانے کہاں چل دیا۔ ارے اب کیا کریں۔ بی بی نے کہا باہر نکل کے ڈھونڈ و یہیں کہیں ہوگا۔ پاؤں سند سے ہوئے ہیں دور نہیں جا سکتا۔ خان صاحب باہر نکلے۔ اندھیرے میں گدھا ڈھونڈنے لگے تھوڑی دور پر پھوس کی جھونپڑی تھی بجلی کی لپک میں انھوں نے جھونپڑی میں ایک چوپایہ کھڑے دیکھا وہ تھا شیر مگر یہ سمجھے گدھا ہے۔ رعد کی گرج بجلی کی چمک سے پناہ لینے کے لیے شیر جھونپڑی میں آرام لے رہا تھا۔ کائنات کے حوادث جو شخص میں آتے ہیں تو شیر کو بکری بنا دیتے ہیں۔ شیر کا پیٹ بھرا ہوا تھا تو اوسکے سر میں درد ہونے لگتا ہے شیر شیر بہت سست ہو رہا تھا اتفاقاً خان صاحب نے جاتے ہی ایک دو تین چار ڈنڈے شیر کے چوتڑوں پر رسید کیے کان پکڑے اور اندھیرے میں گھسیٹتے ہوئے گھر کی انگنائی میں لائے شیر سب میں آ گیا تھا۔ ہنکا بھی نہیں۔ خان صاحب نے موٹی موٹی رسیوں سے جامن کے درخت میں اوسے خوب جکڑا۔ بندھا خوب مار کھاتا ہے۔ خان صاحب غصہ ور آدمی تھے پھر جلال آ گیا۔ دھوں دھماں کا تار باندھ دیا۔ اس اثنا میں پھر بجلی چمکی گدھے کے حلیہ میں فرق نظر آیا۔ بادل کی گرج نے شیر کو گزشتہ کا سبق دیا اوسنے بھی "ہاؤں" کی صدا بلند کی خان صاحب کو طہارت کی ضرورت ہو گئی۔ دانت بیٹھ گئے گھگی بندھ گئی۔ "بی بی مدد کرو" اور چار دن شامت لیے گرے۔ بی بی معاملہ فہم تھیں اس اتفاق پر خوش ہو گئیں میاں کو کھینچ کے کوٹھری میں لائیں تلوے سہلائے۔ پانی کا چھینٹا دیا۔ پاجامہ بدلوایا۔ خان صاحب نے آنکھ کھولی اور [illegible] "ارے شیر" بی بی نے تسلی دی اور کہا تم کوٹھری میں بیٹھے رہو اندر سے کنڈی دے لو۔ صبح کو

مین بات بنا لونگی۔ صبح ہی سرکاری پیادے خانصاحب کی جھونپڑی پر آئے۔ دروازہ آمدمی کے جھکڑ مین گر گیا تھا۔ جاسن کے دخمعے مین شیر بندھا ہوا دیکھ کے بیچارے بدحواس ہو گئے۔ خانصاحب کی جلادت کا کلمہ پڑھا۔ آواز دی "اجی خانصاحب باہر تشریف لائیے" بی بی نے خان صاحب سے کہا "تھوڑی دیر کے لیے تو مرد بن جاؤ" خان صاحب کی مصنوعی بہادری پلٹی۔ کڑک کے بولے "یہ کون ہے۔ ابے کون ہے جو صبح صبح ہمارے آرام مین خلل ڈالنے آیا ہے" جواب ملا۔ "ہم ہین سرکاری پیادے۔"

خانصاحب "واہ کیا دل لگی ہے۔ بڑے آئے وہان سے سرکاری پیادے بن کے۔ کچھ شامت آئی ہے؟ واللہ جو ظل اللہ کے نمک کا خیال نہ ہوتا تو ابھی تم سب کا بھیجا تمھارے ہاتھوں کے رستے بہا دیتا۔ سرکاری مین گو کھاتے پھرتے۔ بادشاہ سلامت سے عرض کر دو جنگلی کتا زندہ میرے گھر مین موجود ہے مگر کمبخت میری صورت سے اتنا ڈر گیا ہے کہ ابکی میرا سامنا ہوا تو اوسکا دم ہی نکل جائیگا۔ مین پکڑ تو لایا ہون۔ بلم برداروں کو حکم دیا جائے کہ وہ اسے زنجیرون مین جکڑ کے لے جائین۔ مین باہر نکلا تو مفت ایک غریب جانور کی جان ہلاک ہوگی۔ خونریزی میرا کام نہین" عرض بیگی نے خان صاحب کے ملفوظات سے بادشاہ کو اطلاع دی۔ جلتی لکڑیون اور بھالون کے گھیرے مین شیر بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ جب شیر کٹہرے مین بند ہو گیا تو خان صاحب پہونچے اور آداب بجا لانے کے بعد ذری کرلے تیورون سے کہنے لگے "خداوندا! غلام سپاہی ہے ڈرپا نہین جو کتے پکڑتا پھرے۔ غلام کی بہادری اُسوقت ثابت ہوگی جب خدانخواستہ کوئی غنیم حملہ کرے۔ تو میرا نام تیس مار خان جبھی تھا غنیم کی فوج گھونگٹ نہ کھائے"

بادشاہ "ہان بیشک تم بہادر ہو تمہارا کیا کہنا۔ ہمین تمہاری ذات پر فخر ہے"

خان صاحب "تو ایک کام کیجیے۔ لشکر آج سے موقوف۔ خواہ مخواہ رعایا کی گردن پر اتنی تنخواہون کا بوجھ ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

بادشاہ "بے شک موقوف"

ہفتہ عشرہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ شاہی فیلخانے کا ایک ہاتھی مست ہو گیا۔ جنگل ہاتھی چاروں بھٹیان ٹپکتی ہوئی۔ جسے پایا بھنبھوڑ کر مین دبا کے اوٹھایا اور چھپکلی کی طرح دے ٹپکا۔ خلقت مین بھگدڑ پڑ گئی۔ خانصاحب طلا(؟) شکلات تھے فیل شکاری کا حکم انھین ملا۔ حکم سنتے ہی بسورتے ہوئے گھر مین آئے۔ اور بولے کہ بی بی خدا تم سے سمجھے ارے مین بہادر بنا تھا تو کیون تمنے تنبے دیا تھا۔ اب کہو کیا ہوگا۔ ہائے ہائے ہاتھی مردود پاؤن تلے روند ڈالیگا ہڈیان سرمہ ہو جائینگی"

خانصاحب "ہو گیا کیا۔ کچھ نہین۔ بھاگ چلو اس شہر سے گھربار چھوڑ دو"

خان صاحب پھر گدھا لائے آدھی رات کو ہلکا اور قیمتی مال گدھے پر لادا خود بیٹھے بی بی کو بٹھایا۔ بوتا سیدھا لیتا تیرا نام۔ سوتا ستنار جاگتا پاک پروردگار۔ قسمت نے اوسی ویرانے مین پہونچایا جہان ہاتھی جھوم رہا تھا۔ ہاتھی دور سے نظر آیا۔ خانصاحب کی جان نکل گئی "بی بی۔ ہاتھی" بی بی اور میان دونون جیون تیون ایک اونچے درخت پر چڑھ گئے ہاتھی نے آدمی کی بو پائی۔ جھپٹا اور درخت مین ٹکرین لگانے لگا۔ دو چار جھٹکے کھائے۔ ڈالے خانم کے ہاتھ مین تکلا تھا۔ ہاتھی نے انکی طرف سونڈ بڑھائی سونڈ اونچی تھی نتھنا کھلا تھا۔ خانم نے تکلا سونڈ کے سوراخ مین گرا دیا۔ تکلا شہاب ثاقب کی طرح سونڈ کے آخری حصہ مین گرا اور نرم گوشت مین پیوست ہو گیا۔ سونڈ ہاتھی کی جان ہے۔ بیچارہ زمین پر گر کے لگا لوٹنے۔ سر ہو گیا چڑھا بگر نکلا نہ نکلنا تھا نہ نکلا۔ صبح کو ایک کالا پہاڑ درخت کی جڑ مین ڈھیر تھا۔ بی بی کے یقین دلانے سے کہ ہاتھی چل بسا خان صاحب اوترے ڈرتے ڈرتے دم چھوئی۔ مرنے کا یقین ہوا۔ ارادہ بدلا۔ گھر پلٹے۔ چلتے وقت ہاتھی کے کان کاٹ لیے غلام کو گھر پہونچا کے دربار کی راہ لی۔ بادشاہ کے سامنے کان ڈال دیے "لیجیے حضور یہ گھونس کے کان حاضر ہین۔ کمبخت بھیرلیا تھا ہونہو۔ خدا کی شان ایک گھونسا جو ستکبر مارتا ہون تو میان ہاتھی صاحب وہین لمبے لمبے لیٹ گئے

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد
ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

خان صاحب کی دھاک بیٹھ گئی۔ شہر بھر کے بانکے نام سُن کے تھرا جاتے۔ کچھ دنون بعد فوج کی بیطرفی رنگ لائی۔ خان صاحب کی جان پر تیارہ آفت آئی۔ اسی وقت کا پاس پڑوس کی سلطنتون کو انتظار تھا۔ ایک غنیم اس بادشاہ پر حملہ آور ہوا۔ شہر پناہ کی کڑکی مین بادشاہ سلامت پھنسے خانصاحب طلب کیے گئے غنیم اور فوج کا نام سنتے ہی بغیر منضج و مسہل کے تنقیہ ہونے لگا "فرار" کا مجرب نسخہ بھلا کہین فراموش ہوتا ہے۔ کہنے لگے "حضور عالی یہ فوج کیا مال ہے وہ جنگ معقول دونگا کہ بھاگتے راہ نہ ملیگی غلام کو ایک تیز رو راہوار درکار ہے۔ سرکار سے عنایت ہو" منہ سے تو یہ کہا مگر دل مین یہ تھا کہ حضور کی ایسی تیسی آلۂ فرار (گھوڑا) ہاتھ لگا تو بندہ ہو جائیگا فرار (پارہ سیماب) بندے کی گرد بھی دکھائی نہ دیگی۔ حکم ہوا کہ خاصے کے اصطبل سے جو گھوڑا خان صاحب پسند فرمائین وہ کھول دو۔ خان صاحب کی نظر انتخاب ایک گورخر پر جمی۔ گورخر حسب عادت تھان پر تین ٹانگون سے کھڑا تھا اسکا ایک پاؤن ہمیشہ زمین سے اوٹھا رہتا ہی

لکھنؤ کی نفیس زردوزی وکامدانی کے کام سے مستورات کے کپڑے سجانا ہوں تو حافظ میتا محمد رفیع صحبتیا باغ لکھنؤ کو آرڈر دیں۔

زغارت چمنت بر بہار منّت ہاست کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
"دیکھیے پھولوں کی لاج۔ کیسے گل عارض کے رنگ سے ان کا رنگ پھیکا ہوا جاتا ہے۔ خوشبو درکار ہے
تو یہ عطر حاضر ہے"
کارخانہ صغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

خان صاحب سمجھے کہ لنگڑا گدھا ہو۔ ایسی پر بیٹھ کے اپنی راہ لو۔ غنیم خرسوار دیکھ کے خیال کریگا کہ کوئی دھوبی ہے۔ دھوبی جان کے چھوڑ دیگا۔ غرض خان صاحب نے تھان پر سواری کا نٹھی وحشی گورخر کے تھنے ٹٹولے۔ کان کھڑے ہوے فرآیا۔ دھاری دار کھال جھرجھرائی۔ خانصاحب کا دم سوکھ گیا۔ سائیس سے کہنے لگے کہ ابے دیکھتا کیا ہے موٹی موٹی پتھر کی دو سلیں اٹھالا۔ ایک پشت پر اور دوسری میرے سینہ پر باندھ دے۔ سائیس نے حکم کی تعمیل کی۔ خانصاحب نے خود کی جگہ ایک بڑا سا لوہے کا کڑھاؤ سر پر اوندھایا بازوؤں پر لوہے کے خول چڑھوائے ٹانگیں گورخر کے پیٹ میں کسوائیں کہ گر نہ پڑیں اور فرمایا کہ کھول دو اگاڑی پچھاڑیا۔ تو یہ گورخر کے دماغ میں جو ہوا بھری تو بھاگا۔ شہر پناہ کے دربانوں کو پہلے ہی پروانگی مل چکی تھی۔ انھوں نے تیس مارخان کے پہونچتے ہی پھاٹک کھول دیا۔ اب کھلا میدان ملا میاں گورخر لگے طرارے بھرنے اگرچہ خانصاحب گورخر کی پشت میں جڑے اور جکڑے ہوے تھے مگر اتنی تیزی سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا راہ میں ان کے درخت لگے تھے پسلی تمام کے پیٹ جانے کا ارادہ کیا ان کی جڑ تمھاری سلطنت سے زیادہ بودی ہوتی ہے۔ درخت جڑ سے اکھڑ گیا۔ کیا معنی کہ اگر خان صاحب سواری کی پشت میں زنجیروں سے جکڑے ہوے نہ ہوتے تو گر پڑتے۔ درخت گورخر کے جھٹکے کی تاب نہ لا سکا۔ میدان تھا ریگستان اندھڑ چل رہا تھا۔ درخت کی جڑ اور ٹاپوں نے جھاڑ و جو دی تو گرد کا ایک ستون بلند ہوا۔ دوپہر کا وقت تھا غنیم کی فوج آرام میں مشغول تھی دیدبان سے محافظ نے گرد کا کھوج لگایا! "اوہو۔ یہ کیا بلا ہے۔ کوئی دیو ہے۔ نہیں جادو کا پیڑ ہے۔ خدایا تیری پناہ" غنیم کو خبر ہوئی کہ حریف کی طرف سے ایک بلائے

سیاہ جس کا نہ سر ہے نہ پاؤں گنبد کے برابر کالا کالا سر دکھائی دیتا ہو اور بڑا سا درخت اوسی کے ساتھ نتھی ہے سنا ما مار اسی طرف چلی آتی ہو۔ معلوم ہوتا ہو کہ اسی بلائے سیاہ کے بھروسے پر حریف نے فوج برطرف کر دی تھی۔ ابے بھاگو نے بیارے بھائی اب تو "بھاگو۔ بھاگو" کی پکار پڑ گئی۔ لو ہے کے دل پانی ہو گئے۔ جس کا جدھر سینگ سمایا منہ اٹھایا اور بھاگ نکلا۔ کیسا مال جال خیمہ خرگاہ۔ جان ہے تو جہان ہے۔ بھگدڑ پڑی۔ ادھر ہمارے تیس مارخان اپنے قابو میں نہ تھے۔ گورخر جنگل کی ہوا کا مشتاق تھا وہ تو اپنے شوق میں بھرا ہوا تھا مگر غنیم کی فوج سمجھی کہ تعاقب ہو رہا ہے۔ بیس کوس تک یہ بلا ارادہ تعاقب جاری رہا۔ بھاگنے والوں کی پھیپھڑیاں پھول گئیں۔ مگر جان بڑی چیز ہے۔ آخر سب تتر بتر ہو گئے شام کو میاں گورخر ماندہ ہوے رفتار سست پڑی ایک درخت کے سایہ میں ٹھہرے۔ گورخر کا کھوج لگانے کے لیے بادشاہی سوار بھی پیچھے پیچھے آرہے تھے دو چار گھنٹوں کے بعد وہ میدان جنگ سے گزرے تو واہ واہ غنیم کے لشکر کا نشان ہی نہیں۔ لیسوا فی الدار۔ مقام فنا نظر آتا ہو اب تیس مارخان صاحب کی تلاش ہوئی جنھوں نے بغیر خونریزی کے اتنی بڑی مہم سر کی تھی۔ حلیۂ مبارک معلوم تھا پتا چل گیا۔ جلدی جلدی رستیاں کاٹیں سینہ و پشت کی سلیں جدا کیں سر سے کڑھاؤ اتارا۔ خان صاحب ہانپتے کانپتے نیم جان پشت زین سے روے زمین پر تشریف لائے۔ گو سواروں نے مجرا کیا پاؤں چومے تعریفیں کیں کہ

وہ کام کیا تمنے جو رستم سے نہوگا

خان صاحب "ارے تو کیا ہم جیت گئے۔ پالا مار لیا۔ تم ہمارے بادشاہ کے ملازم ہو؟"

گوسندرے "ہاں ہاں حضور ہی کے تابعدار ہیں۔ غنیم رو بفرار لایا۔ اب حضور پلٹ چلیں بس بھگیلوں کا پیچھا نہیں کرتے۔ ظل اللہ منتظر ہیں"

خانصاحب "رتن سے کہہ دینا اپنے بادشاہ سے میں اب نوکری نہیں کرونگا غضب خدا کا نہ لاکھ نہ دو لاکھ مجھ سے بہادر یگانہ کو چیدہ دست دیا شکستہ آدمیوں کے مقابلے میں بھیجا۔ صریح توہین ہے۔ بس بچ پچ لی او نہار نعمت کھائی۔

منت خوشامد سے خانصاحب واپس ہوے۔ جیسے اون کے دن پھرے ویسے کہتے سنتے کے پھریں آمین۔

الغرض تیس مارخان کا افسانہ اگر فرضی نہیں ہے تو مجھ بہ ضرور ہے کوئی ذی عقل اس قسم کے اتفاقات کی امید خام پر ملک داری نہیں کر سکتا۔

تمھارا یہ کہنا کہ میری شکست نے ملک کو خواب غفلت سے بیدار کر دیا ہے۔ بلا سے میں تخت و تاج سے محروم ہوا تو ہوا جو اصلاحات تجویز کیے ہیں کشت و خون کے بعد اون پر اہل ملک ضرور غور کرینگے اگرچہ صحیح ہے لیکن وہ وقت بہت دور ہے۔ انگریزوں کو ہندوستان میں آئے صدہا سال گزر گئے۔ باوجود متمدن قوم ہونے کے اہل ہند ابھی تک "نیٹو کالا آدمی" ہیں اچھا اگر تمھارا دل اس خیال سے مطمئن ہو جا تو بندی کو سر تسلیم خم کر دینے میں کوئی عذر نہیں

والسلام راقم

خیر خواہ خلق منطق آرا بیگم

اعلان

شائع شدہ نمبروں پر جو تاریخ اشاعت درج ہے وہ تاریخ سلسلہ ہے تاریخ اشاعت نہیں ہے صحیح تاریخ تو بخار کے مرض میں مبتلا ہو کے ضعیف ہو گئی اب جس روز آپکو یہ نمبر ملے وہی تاریخ اشاعت سمجھیے۔ والسلام

المشتہر

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرط ہے

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تمیزیہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر نمود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روے و رعایت لکھنہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات و قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اسوجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے مُلک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بنا بر ایں ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے در تک جانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کردیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کرلی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق کل خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۰ نمبر ۲۰

مضامین پنچ

بابت ۲۷ مئی سنہ ۱۹۲۹ عیسوی

ذکر العیش نصف العیش

"بلی کے خواب میں چھیچھڑے"

ایک ظریف حکیم کہتا ہے ہماں کرتے کیوں ہو عیش کا سامان میسر نہیں تو خیالی سلطنت کے بادشاہ بن بیٹھو۔ چاہے تیسرے فاقے مردار جانور ملنے کی بھی آس نہ ہو۔ فرضی دسترخوان پر قورما پلاؤ سبزہ اور حسین بیگم کی جگہ پہلو میں تکیہ رکھ کے پڑ رہو۔ ہم ذمہ دار ہیں جو شب بھر مزے کی نیند نہ آئے۔

اودھ پنچ میں اسی قسم کی چند حکایتیں چھپ چکی ہیں الف لیلہ، سے نائی کا قصہ، عشاش دھنگر کی حکایت۔ شیخ چلی کی شیشہ فروشی اور حجاج کی تقریر جلاہے کی مہتابی برباد یہ سب ایشیائی دماغ کے کارکنے تھے۔ ان میں سامان عیش بھی ایشیائی تھا۔ ابھی پرواز پر ہمارے صوبہ کے مشہور اینگلو انڈین اخبار "پانیر" نے ایک حکایت لکھی ہے۔ پانیر صاحب اب سرکار علاقوں کی فہرست سے نام کٹوا چکے ہیں اگلے سے پانیر نہیں ہیں جو "پہنیر" کہتے کی طرح صاحب بہادروں کی دم میں بندھے رہتے تھے۔ بہر حال "شکرگزار شوہر" کے عنوان سے جو کہانی انھوں نے لکھی ہے اُس میں ایشیائی ارمان اور یورپی ارمان کا تفاوت ہے۔ بالفاظ اینجانب شکرگزار شوہر صاحب کہتے ہیں:۔

"کہو سنا آپ نے ابکی ہماری میم صاحب نینی تال یا مسوری میں گرمیاں نہ منائینگی بلکہ اینجانب کا پہلو گرمائینگی واللہ خوب گزریگی۔ لوگ کہتے ہیں کہ خدانخواستہ رنگت مجلس کے گھر ہی ہو جائیگی مگر وہ ہیں احمق۔ فیاض فطرت نے انھیں وہ لازوال حسن دیا ہے کہ جب پیٹی کیورا اور دیزلیا صابون ملتی اور پوڈر ملا کے سامنے آتی ہیں تو گری کی ترلس اور تابش کی کرنس پارے کی قلعی کی طرح اُڑ جاتی ہے وہ نکھار ہوتا ہے کہ پھول گلاب کا پھول نثار اور اینجانب کے دل کی شگفتہ کلی تصدق۔ اوہ! اِدھر دیکھو تو شوقی اُدھر دیکھو تو شوقی شب کو مزے اُڑانے کے بعد جب ہم دونوں چہل قدمی کرتے ہوئے باغ کو اپنی خوش مزاجی سے تازگی کی خیرات بانٹتے ہونگے اور جب پرانے ملبے کھڑیوں دیکھنے آنکھیں پھیلاتے پہنچے ہونگے تو ہماری پہلی حاضری لائیگا۔ ہم دونوں حاضری کھا چکیں گے اور پورے سے شیپ سے تبدیل آب و ہوا کرتے جائیں گے جہاں تک بے رحم آفتاب آنکھ مار جائے۔ اب تمہارا ایمان کوئی کام نہیں دیدے کے سوفت تک ذہن بیٹھے گپیں اُڑائیں گے۔ پھر بند و کلاہ اپنے کام کو سدھاریں گے اور میم صاحب حسن کی منشی کی آرزو میں رام کہانی ناول دیکھیں گی۔ قصے پڑھیں گی۔ اخبار کی گپ سے شغل ہوا کیگی نیند آئیگی تو مسہری پر لیٹ کے خشکی میں ملازمی کے ہاتھ لگائینگی جب میں آ دونگا تو میرا استقبال فرمائینگی۔ میں اُنکی صورت دیکھتے ہی سارا امتحان بھول جاؤنگا۔ مسکراؤنگا قہقہہ مارونگا۔ وہ بتوسے چبائینگی میں لطیفے سُناؤنگا۔ دوپہر یا منانے کے بعد ٹینس کورٹ ہوگا۔ میں ہونگا وہ ہونگی۔ اُنکی ہر ضرب میرے دل کے گیند پر وارد ہوگی گیند اُچھلیگا دل دھڑکیگا۔ گیند نہیں تو محبت کے دریا میں شناوری ہوگی کبھی ٹکر کبھی ملاپ۔ وہ قلقاریاں مارینگی میں قہقہوں کا بیاہ ٹھٹھوں سے کرونگا۔ جھپٹتے چلینگے پھر کچھ تنقل کی مہرچی ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے تھیٹر سینما کا تماشا دیکھنے جائینگے۔ افسانہائے عشق و محبت وہ بھی دیکھینگی میں بھی دیکھونگا۔ اگر قصے کے ہیرو نے ہیروئن کا منہ چوما تو میں بھی تھوتھن بڑھاؤنگا وہ نانسے جھاڑ ایان بتائینگی میں اعزازت ربردستی کرونگا۔ شیریں کلامی اور کرشمہ و عشوہ کی بازار گرم ہوگی۔ تماشا انگڑائی لے لے کے نیند کی یاد دلائیگا۔ گھڑی سدھیا بھرونگا۔ گھر پہونچ کے طعام نیم شبی اور شراب خواب کش کا شغل ہوگا۔ میں مسہری پر لیٹونگا وہ پیانو کے دھیمے دھیمے سُروں پر الاپینگی۔

آجاری نندیا تو آکیوں نہ جا میرے ..... کی آنکھوں میں گھل مل جا"

جب سُروں کی مارے شریں لال ٹپکی گی تو پھر کیسا کھولیا کیا ہوگا ؂

جو لیلی ہو وصل نوشت جائے سب رنج و محن اپنا
دہن اُنکا زباں اپنی۔ زباں اُنکی دہن اپنا
بھلا کیوں تری اپنے بچوں کو اس طرح کیا بھرا کے گی۔

بس فقر غوں غشر غوں کیوں حضرت کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ میم صاحب کے پہاڑ کا سفر ترک کرنے سے آمدنی میں اتنا پس انداز نہ ہوسکیگا جو ہمارے واسطے آئندہ کار آمد ہو واللہ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ بھلا دنیا وہی وضع کا ہے اسکی اور سرنوشت ہوگی۔ آدھا حصہ فکر ہی کا ہے وہ خشتی بنیگا۔ بھلا اُس سرزمین پر ہوگا جہاں ہم دونوں گھس لیں گر وہ پڑی ہیں بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ کسی مستقل جگہ گھر نسلا نہ ہو کرایہ کے بنگلوں میں انڈے بچے دیتا اور پھر آج اس مکان میں کل اس مکان میں بچھونے اُٹھاکے لیجا کسقدر رونے کی بات ہے اور ذاتی مسکن کا کیا کہنا۔ ہمارا مسکن صفائی اور زیبائی کا گھر ہوگا چھپکلیاں اور مکڑیاں وہاں نہ رہ سکیں گی۔ کیا مجال کسی چوہیا کی جو رات کو گھر پر شور کرکے نیند حرام کرے۔ میم صاحب نوکروں چاکروں پر باقاعدہ حکومت کرینگی گستاخی اور شرارت تنکے کے بل کی طرح نکل جائیگی۔ بس ڈیم فول کہہ کے آنکھ نکالی اُنکا پیشاب خطا ہوا۔ صحن باغ کا مالی روز گلدستہ بناکر میز پر رکھیگا۔ مجھے کسی آدمی سے سروکار نہ ہوگا۔ کون دمڑی دمڑی کا حساب کرکے اپنا عیش تلخ کرے کون ذرا سی بات پر نکالی اتاریے۔ پانی نکوڑا کے ٹھنڈا کرو۔ لیبرا کی فصل ہو اور اندھا دھند لگ رہے کا کچھ کا پرچا کا ہے داہنے چھینکا ماگنا۔ گرمیوں میں خس خانہ جاڑوں میں حمام۔ یار دوست آتے ہیں دعوتیں چکھتے ہیں جوتے چاٹتے ہیں دل بہلاتے ہیں دن عید رات شب برات ہے۔

اے لو دورے کا زمانہ آگیا۔ تمبو خیمہ قناتیں چھپرکولیں پرگنے تحصیلدار کو رسد پہونچانے کا پروانہ جا چکا۔ پروگرام مرتب ہو گیا۔ بندوقیں صاف ہوگئیں۔ کارتوسوں کی پیٹیاں خرید لی گئیں۔ میم صاحب کے لئے شکاری لباس خاکی رنگ کا سی کے آگیا۔ سانپ کی کھال کی قیمتی زنانی جوتی کے جوڑے تیار ہوگئے۔ اب دورہ میں ہوں۔ آج اس کھلے سرسبز شاداب گاؤں میں قیام ہے۔ تقدیر والے مردود اپنی جان سے عاجز ہیں۔ میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔ صبح سے بارہ بجے تک چڑیوں اور ہرنوں کی جان ماری پکڑے شکار لادا کیمپ میں آئے خانساماں لے شکار حاضر کیا۔ تازے تازے بھونے گوشت اور نفیس وائٹ ہارس وسکی ہا ہا خوب گزری۔ دو بجے سرشتہ دار نے اطلاع دی کہ کچہری معمور ہے۔ لیجے منادو گھنٹے ان شاء اللہ

آئے۔ اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاں بھی ہوا۔ بائیکاٹ بائیکاٹ یا سوشل بائیکاٹ۔ ہندوستان میں ہی ولایت میں بھی کچھ لوگ سے کچھ کا سے لعنت ملامت چھٹکارہ تیس (تیس) ہو گئے۔ اسٹیشن پر بھیڑ کیا کرکی، بھاتی اور پاپولیس چوکی دینگل منڈ کھاتی نے بڑا دھاڑا ہوتا۔ خواجہ نے بغیر اجرت کے دیوار بنائی کمیشن کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ اجرت ملنے کے ابھی بقایا دیوار گرا دیگا اور ڈھیر کریگا چٹا دھندا کریگا۔ وہ دیوار یتیم کے خزانہ کی محافظ تھی یعنی تو معتقد اسکا حق محفوظ ہو گیا۔ کانگریس والوں کا خیال ہے کہ یہ دیوار گری تو معتقدوں کا رہا سہا حق لٹ جائیگا۔ جسکی اُڑنے لگی۔ خواجہ نے زبردستی ہی سہی اجازت حاصل کرلی پردہ کرادے بغیر گھروں میں نہیں گھسے گورنمنٹ نے اجازت کی راہ نہ دیکھی کیسا پردہ کیسا ارشاد۔ پس گھس پل کے آدمیکے۔ وہی ایک دیوار۔ یہ ہے ایک ملک۔ وہاں بیسوگی کا ازالہ مقصود۔ یہاں بقول ڈاکٹروں کے بنیاد اکھاڑنا مرکوز خاطر ہے بات بنے تو کیونکر بنے۔

صلاح کار کجا و من خراب کجا

دوسرے مصرعہ کے حرف ردی کی دیوار میں یوں روزن لگی کہ:—

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ایک ردی ہے ساکن دوسری متحرک۔ بھلا جو دو شخوص متحرک اور کبھی کا سنگم کیونکر ہوسکتا ہے فقط

مراقـــــــــم

لب تشنہ ام بوصل بجز م مشو دلیل
کیں تشنگی نگردد از ان آب برطرف

بقــــــــــلم

رپورٹر

نقد النقد

ہنٹر۔

لاہور سے "تازیانہ" یہ تازیانے کا انگریزی ہمنام اب نکلا ہے مگر زبان بے زبانی دعویٰ کرتا ہے کہ ہم تازیانے کے بڑے بھائی ہیں یعنی ستمبر ۱۹۲۹ء میں شری نکالا چلا تھا۔ یہ دوسرا ہے۔ منشی تاج الدین احمد صاحب تاج اسکے اڈیٹر ہیں۔ یہ نام بھی تازیانہ کی طرح نامرغوب ہے گرگیا کیجیے۔ زمانہ کی خوش پسندی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا۔ گرو گھنٹال۔ پلٹنے خاں۔ شیطان۔ طمانچہ۔ جوتا۔ گھونسا۔ نیچر اور اسی قسم کے دوسرے ناموں سے یہ نام پھر غنیمت ہے۔

ہنٹر کی وجہ اشاعت مسلمانوں کے مذہبی سیاسی تمدنی اور مجلسی حقوق کی صحیح ترجمانی ہے۔ حقیقت رقوت ترجم جانتے نہیں مگر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہنٹر مقابل کی بدزبانی اور بیہودگی کا جواب انہیں الفاظ میں دینے کا سلیقہ رکھتا ہے جن الفاظ میں متکلم اپنی فوقیت ظاہر کرنا چاہتا ہو۔ مثلاً مقتول راجپال کو گرو گھنٹال نے شہید کا لقب عنایت کیا تو ہنٹر نے اُسکے قاتل کو مظلوم و صابر کا خطاب دیدیا۔ انصاف سے پوچھیے تو راجپال صاحب نہ کوئی ہندو مذہب کے عالم تھے نہ فاضل تھے نہ معزز تھے بیچارے صحیح اُردو بھی لکھنے کی استعداد نہ رکھتے تھے۔ کتب فروش تھے۔ تجارت کی ہوس میں ایسی کتابیں بیچنے پر آمادہ رہتے تھے جو مقبول ہو جائیں اور خوب بکیں چاہے ان کتابوں کی اشاعت ملک کے لیے مفید ہو یا مضر۔ ممکن ہے کہ جہالت کی بدولت غیر معمولی تعصب بھی رکھتے ہوں اور اسوجہ سے مقبول ہو گئے ہوں۔ علیٰ ہذاالقیاس میاں علم الدین بھی کوئی عالم نہیں فاضل نہیں، متبحر نہیں حاجی نہیں مبلغ نہیں پیر نہیں ایک مغلوب الغضب نوجوان ہیں۔ راجپال شہید نہیں ہوسکتے اسلیے کہ یہ مسلمانوں کی خاص اصطلاح ہے۔ ہمارے ایک دوست پنڈت جی یہاں موجود ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہندوؤں کی روایات کے بموجب جو شخص کسی ناپاک پاپی بدکار کے ہاتھ اجل کے گھاٹ اُترے اُسکی نجات بھی مشکل ہے۔ ہاں اگر کوئی کسی متقی پرہیزگار دیوتا اوتار کی تلوار سے مارا جائے تو اُسکے

جنت ہونے میں کلام نہیں۔ علیٰ ہذاالقیاس مسلمانوں کے عقائد کے بموجب علم الدین صاحب نہ صابروں کی فہرست میں داخل ہوسکتے ہیں نہ مظلوموں کے رجسٹر میں نام لکھوا سکتے ہیں۔ کیا معنی کہ حکومت کا محکمہ قضا انکہیں حملہ آور قاتل کی حیثیت سے دیکھتا ہے نہ حملہ کرنے (یکہ) سے نہ جانے پھانسی کا حکم نہ دیا جاتا۔ اُنہوں نے اگر حملہ کیا تو اسلامی اور شرعی محکمے کی اجازت و حکم سے نہیں کیا۔ راجپال پر کسی شرعی عدالت میں جرم عائد ہوتا وہ واجب القتل ٹھہرتے اور علم الدین الفاظ و شرعی کے سبب عذاب میں پھنستے تو ایک بات تھی۔ ازخود حملہ نہ کرتے تو صابروں کے ذیل میں شامل ہوسکتے تھے۔ مبر بنا سے افواہ و شہرت معاملہ یہ ہے کہ راجپال مشہور کتاب رنگیلا رسول کے اصلی مصنف نہ تھے یاروں نے انہیں مصنف بنادیا اور خود کونے میں دبک رہے۔ فساد برپا ہوا مورچے آراستہ کیے گئے۔ اشتعال کے سامان مہیا ہوئے پھر جو کچھ ہونا تھا ہوا۔

مولانا محمد علی ایسے معاملات میں ہمیشہ سونٹ کھینچ لیتے ہیں جسمیں حق ایک فریق نہیں بلکہ تماشائیں کا دل دکھانے۔ مگر جب اس قسم کے پرچے نکلتے ہی چلے آتے ہیں تو کیا کریں۔ قلم کی آگ بڑھ رہی ہے۔ ملک جل رہا ہے۔

ترکوں کے زمانہ میں بمقام مصر بابر دست ایک پادری نے "ازواج مطہرات" کے نام سے ایک کتاب لکھی مگر وہاں نہ مصنف پر کوئی زجر ہوا نہ کوئی مسلمان بپھرا۔ قلم کا جواب قلم سے دے کے لوگ بیٹھ رہے۔ غالباً اُسی کتاب سے مدد لے کے "امہات المومنین" کے نام سے دوسری کتاب اُردو میں لکھی گئی۔ اور فوفوٹو فوٹو شوٹو۔ ہاے واے فریاد چیخ پکار، وغیرہ ڈبے۔ جنبلی کے مطالبہ پر معاملہ ختم ہو گیا۔ شاید کسی نے جواب بھی لکھا ہو۔ راجپال کی کتاب تیسری کتاب ہے۔ ہم سمجھے تھے کہ بات پرانی ہو گئی مگر نہیں۔ راجپال جل بسے۔ علم دین کی زندگی سے یاس ہو اور اخباری کا غذ ایسا مواد جمع کر رہے ہیں کہ راجپال اور علم دین کل کی ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں۔ خدا جانے قلم اور زبان کے پیٹ میں کونسا خناس گھس گیا ہے۔

ہنٹر میں گورو گھنٹال سے جو مضمون نقل کیا گیا ہے وہ ایسا غیرت دل ہے کہ واقعی شرافت اُس سے دامن بچا کے چلنا چاہتی ہے مگر ہنٹر صاحب کا اشتعال بھی اعتدال کی حد پھاند گیا ہے۔ لڑو یار وجہانگ لڑا جائے۔ نہ شیر شاہ باقی ہیں نہ سلیم ست، ۔۔ ڈھیاں بھی نہیں مگر طول و تصویر جنگ

زبانِ حال

"پہاڑ چھوٹا اور میں بڑا- ایک گردن ہے دو سر ہیں- ایک جُھک گیا تو کیا ہوا"

گل صبحدمے ز بود برآشفت و بریخت
با باد صبا حکایتے گفت و بریخت
بدعہدی دہر بیں کہ در چندیں روز
سر برزد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

اگر موسم خزاں میں بھی تازہ پھولوں کی نکہت سے لطف اٹھانا ہو تو اصغر علی محمد علی عطر سازان چوک لکھنؤ سے عطر کی ایک شیشی طلب کیجیے۔ بہار باغ ناپائدار ہے۔ اور اسکی خوشبو پائدار ہے

یا مجبوراً ان کے تماشائی بن بیٹھتے ہیں۔ رعایا سے کچھ لاتو لا نہیں تو رئیس کے سر ہو رہے۔ ممکن ہے کہ خود ادیر "مظلوم" مصنوعی مظلوموں کی اُمنگاکے جال میں پھنس جائیں اس لیے ہم نے یہ راز افشا کر دیا۔ پرچہ ۲۰ + ۲۰ کے پیمانے پر نکالا ہے کاغذ بھی اچھا ہے چھپائی بھی اچھی ہے۔ پہلے نمبر کی ترتیب میں صفحات غلط جڑ گئے تو یہ کوئی جرم نہیں اللہ رکھے کاپی نویسوں اور کاتبوں کو ایسا بار بار ہوگا حجم بھی کافی ہے ہم دعا کرتے ہیں کہ ہمارا جدید معاصر "ظلم شناس" ہو جائے اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے میں کامیاب ہو۔ کیا معنی کہ رئیس کا بے گناہ اور مظلوم ہونا بھی محال نہیں مثلاً ہندو رئیس اور مسلمان رعایا، مسلمان رئیس اور ہندو رعایا کا جھگڑا پھیل رہا ہے۔ مسلمان اخبار نویس

سمن واسطے قرار داد امور تنقیح طلب

(آرڈر ۵۔ قاعدہ ۱، ۵)

نمبر مقدمہ ۸۸ سنہ ۱۹۲۹ء

عدالت منصفی شہر اعظم گڈھ ضلع اعظم گڈھ

سرجو پانڈے پسر شیو پال پانڈے ساکن موضع حلوائی پور پرگنہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ

بنام

مسماۃ ڈھنگی کنور زوجہ جگر ناتھ ناگرجات۔ ۲۔ بانسری لال پسر جگرناتھ و بوابت جگرناتھ بدرای ساکنان موضع سید پور منصفی سید پور ضلع غازیپور۔ ۳۔ گنگا دھر لال پسر جانکی پرشاد۔ ۴۔ للتا پرشاد پسر جھابو پرشاد ۵۔ باسدیو لال ست دیو لال۔ دولاسے لال پسران کچن لال ساکنان موضع حلوائی پور پرگنہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ .... مدعا علیہ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ان امور کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم تاریخ انتیس ۲۹ ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء بوقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ کی کرو اور چونکہ تقرر ہوا ہے کہ تم اسی روز جملہ دستاویزات پیش کرو جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو۔

تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہو۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۵ ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔ دستخط حاکم بحروف انگریزی

(مہر عدالت)

کی دانست میں مسلمان رعایا ہمیشہ مظلوم ہوتی ہے ہندو جرنلسٹ کی رائے کبھی کسی مسلم رئیس کی حمایت نہیں کرتی۔ ان کا اقتضا یہ ہے کہ مسلمان مجرم چاہے لٹیرا ہی کیوں نہ ہندو ریاست میں مجرم اسلام اور ہندو مجرم چاہے خائن ہی کیوں نہ ہو ایک مسلمان رئیس کی ماتحتی میں ہمیشہ بھلا، ہندویت سزا پاتا ہے اصلی مجرم خود مجرم صاحب فلاں ہر بیں فرماتے وہ تو سزا کی جگہ مجرم اور پھر توحید و شرک کا جھگڑا پھیلا کے نکالنا چاہتے ہیں "مظلوم" کے اس نمبر میں ایک آدھ تحریر اسی طرح کی شائع ہوئی ہے نامہ نگار صاحب نے "مظلوم" کی زیارت جنہیں کی صرف اشاعت کی خبر پائی تھی کہ اپنی داستان مصیبت لے بیٹھے۔ آپ کا اسم مبارک "متولی" ہے۔

مظلوم کے آئندہ نمبر دیکھنے کے بعد ہم پھر یا نیچ پر قلم اٹھائیں گے ابھی تو آمد مبارک پر اکتفا کرتے ہیں۔ فقط

راقم

ادبار البرائۃ والریاست

ناحق کا الزام

بے جرم ہی رکھا ہے تو تیغ گلے کو
کچھ بات بری منہ سے نکلی تھی بھلے کو

سنئے مولا حق۔ ایک تھیں چاند بوا۔ بیچاری دنیا سازی اور مزاج گوئی کا سلیقہ نہ رکھتی تھیں جو دل میں آئی زبان سے نکال بیٹھیں۔ ایسی اکل کھری زبان کی پھوہڑ سے بھلا کون راضی رہتا۔ جس گھر میں جاتیں لوگ دشمن ہو جاتے۔ کوئی کام کسی سے بگڑا اس نے چاند بوا کا نام لے دیا۔ ناؤ ڈوب گئی۔ چاند بوا نے ڈبوئی چھت گر پڑی چاند بوا نے گرائی۔ بھیا کو پسلی کا عارضہ ہوا۔ چاند بوا کے چلتوں۔ بی بی کے یہاں بچہ نہیں ہوتا۔ چاند بوا جن پیری ہیں۔ کھانے میں نمک نہیں بدمزا ہے۔ پکانے والی چاند بوا سے لڑی اور نمک بھول گئی۔ غرض فائدے کی باتیں دوسرے کے پائے نام اور نقصان سب چاند بوا کے ماتھے۔

چند روز سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ حاجی شوکت علی و حاجی محمد علی کو بعض اخباری کاغذوں نے چاند بوا بنا رکھا ہے۔ جب تک انپر اس قسم کے الزام تھے کہ مال مزدی نصیب فاقہ میں کچھ کے چندے ہضم کر گئے

اور ڈکار تک نہ لی پہلے ابن سعود کی عارتگری پر چھوٹ جو جو تی پیزار کرکے ڈالتے رہے پھر جب اس نے منہ لگایا تو اتنے نے گالیاں دینے اس وقت تک ہم نے سکوت سے کام لیا کہ ہوگا بھی جو آگ کھائیگا انگارے ہگیگا۔ الزامات میں اتنا پن کی جھلک تھی مگر یہ الزام کہ انکی زبان اور انکے قلم نے ابن سعود کو ضرر پہونچایا۔ مصطفے کمال کی ہوا بگاڑی اور آخری وقت میں امان اللہ خاں کی عافیت تلخ کرکے انھیں کابل سے بے دخل کرایا بالکل بے اصل ہیں۔ اور بالکل ویسے ہی ہیں جیسے بیچاری چاند بوا پر لگائے گئے تھے۔ لے بھلا کہاں حاجیین اور کہاں سلطنت خداداد افغانستان۔ اور اگر حاجیین کا اثر دور دراز بستیوں اور غیر قوموں پر ایسا کاری ہے کہ ایک جنبش قلم و حرکت زبان امان اللہ خاں سے مقتدر شخص کو بے تخت اور حبیب اللہ خاں سقہ کو تاجپوش کرا اور نگ نشین کر دے تو واللہ اہل ہند پر لے سرے کے ناقدرے ہیں جو ان دونوں بھائیوں کو گلے کا کنٹھا اور بازو کا تعویذ نہیں بناتے۔

حاجیین کی رسائی دربار سرکار بچہ سقہ تک نہیں ہوئی یہ مسلم ہے ابھی تک سرکار سقائی کی جانب سے ہندوستان میں کوئی پروپگنڈا شروع نہیں ہوا جو کوئی یہ کہے کہ

بچہ سقہ کا گن گاتے ہیں
خربوزہ کھاتے ہیں اسکا گاتے ہیں

اون کا ایجنٹ کچھ یونہی سا ہے۔ اگر اپنے مطلب کے لوگ ہندوستان میں ڈھونڈے تو ایک دو نہیں دربدر ل جائینگے بلکہ وہی افراد کلمہ بھرنے لگیں گے جو امان اللہ خاں کی نازیبی حمایت میں سرکار سقائی پر علانیہ لعنت کرنا جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ یہ ایجنٹ بھی حاجیین کی خدمت میں باریاب نہیں ہوا۔ برخلاف اسکے چھوٹے حاجی صاحب کی آنکھوں سے زوال امان اللہ خاں پر ڈیڑھ سیر کے قطرے آنسوؤں کے گرتے اور پلیٹ فارم کی سنگی فصیل سے ٹکراتے ہوئے دیکھے گئے۔ چھوٹے بڑے دونوں حاجی صاحب طرفداری امان اللہی کا شرف حاصل کر چکے ہیں اگرچہ دعا قبول نہیں ہوئی خیر یہ تو قسمت کی بات ہے ایک سنگرنی کہا کرتی تھی "گریب کا دیو بھی گریب ہوت ہے" و معاذ اللہ غریب کا خدا بھی غریب ہوتا ہے جب مانگو ٹکا سا جواب ملتا ہے پہلی آمد میں امان اللہ خاں غربت مجبو

جلد ۵۳ نمبر ۱۷

مضامین

(بابت ۲۴ جون ۱۹۳۸ء)

مرحوم خطوط کا تھیلا

نمبر ۱

گھبرائیے نہیں یہ ڈیڈ لیٹرز کا تھیلا ہے جس کا ترجمہ ہے دور از حال بند ہنچ ۔۔۔ ڈپٹی ایڈیشنل آئی اور میں ملازم تھا ایک روز جی میں آئی کہ یہ لاکھوں خطوط بیکار وارث پڑے ہوتے ہیں لاوارث مضمون کیجئے تو سی آخر ان میں کیا ہے۔ کچھ کام کی بات نکلے تو مولانا اودھ پنچ کو بھی نقل کرکے بھیجدو۔ آخر مفید الانشا اور انشائے خالق اردو کے علی ادوا پنچ آہنگ وغیرہ وغیرہ کتابیں چھاپی جاتی ہیں۔ اب تک انشاء اللہ پنچ کیوں نہ مرتب ہوئی۔ مثلق آرا بیگم کے خطوط فلسفیانہ ہوتے ہیں عوام کی سمجھ میں نہیں آتے۔ ان خطوط کے سمجھنے اور پڑھنے کیلئے لا، مجسٹریٹ اور گریجویٹ کی سی استعداد رکھنے والے شاگرد درکار ہیں مگر ضرورت آسان اور عام فہم خطوط کی ہے۔ الغرض بندے نے فرضی ڈیڈ لیٹرز کا تھیلا کھولا اور اس بہانے سے کہ مکتوب الیہم مفقود میں شاید خاتمہ پر کاتب کا نام نشان مل جائے تو خط کاتب کو واپس دیے جائیں جن خطوں کی شان جاذب توجہ نظر آئی انکا لفافہ چاک کر ڈالا۔ ملاحظہ ہوا۔ (۱)

مونث مریدہ کا خط باکرامت پیر کے نام

پیر آبرو گیر تاریک ضمیر سلامت۔ حضرت جب سے آپ تشریف لے گئے دیدار کو آنکھیں ترستی ہیں۔ ہاں میاں اب ہم غریبوں کی طرف بھلا کاہے کو توجہ ہوگی۔ وہ دن آپ کو بھلا کیوں یاد آئینگے جب ابا جان مجھے لیکے آپ کی خدمت میں گئے تھے میرے پیٹ میں اکثر درد رہتا تھا آپ نے درد کی دعا چالیس روز تک روز پھونکی اس ترکیب سے پیٹ پر پھونکی کہ نیچے کا پیٹ ابھرنا شروع ہوا۔ میں بھی کہ خالی کھال میں پھونک بھر گئی ہے وہ ایک روز میں پچک جائیگی ہوا کے ساتھ درد بھی ہوا ہو جائیگا۔ مگر آپ دعا دم کرکے اس طرح تو مجھے بھاگے کہ پھر دم نہ لیا۔ یہاں ابھار یا ابھار تو ہم برابر بڑھتا گیا آخر نو مہینے کے بعد بڑی کروکاوش سے آپکی پھونک سانس لیتی بھی جاگتی تھی۔ اور بہا دم دلائی نے آپکی پھونک کا گلا کچھ اس طرح دبایا کہ دم گھٹ گیا پھر کا پڑے آپکی پھونک ہیں۔ اسے میاں آپ اللہ والے کہاتے ہیں "اللہ ہو" کا دم بھرتے ہیں۔ میں نادان ناتجربہ کار تھی آپ کے دم میں آگئی۔ اگر آپ کی مریدی کا فخر ابا جان کی حماقت کی بدولت حاصل نہ ہوا ہوتا تو جب دم جھانسے میں آپ نے پھانسا تھا وہ مجھ نگوڑی کا دم لے کے ٹلتا۔ ابا جان نے خود کردہ را درماں چیست کی لاج رکھی اور پھونک کا مرحلہ چوری چھپے طے ہو گیا۔ ورنہ میں بیچاری پردہ نشین استادام داعیہ نہ رکھتی تھی جو بدنامی سے بچنے کا انتظام کر سکتی۔ پھونک کا قضیہ ختم ہوا اس پر خاک ڈالیے مگر آپ دوگنا کرنیکے بہانے سے جو زیور لے گئے ہیں اُسکی طرف سے دل بچین ہے۔ میرا اعتقاد ہے کہ آپ میں سب طرح کی قدرت ہے معدوم چیز پھونک کے سہارے پیٹ میں پیدا کر دیتے ہیں تو ضرور زیور بھی پیٹ کی طرح ایک ہی پھونک میں پھول کے دوگنا ہو سکتا ہے۔ لیکن شک اس میں ہے کہ دوگنا ہونیکے بعد بھی مردار کے پاس پہنچیگا یا نہیں۔

آپنے ابا جان کو تنخواہ بڑھنے کا جو تعویذ دیا تھا اوسکا اثر اتنا تو ہوا کہ نوکری چھوٹ گئی تعویذ ابا جان کے بازو پر جیوں کا تیوں موجود ہے اور جو اسم آپنے "دست غیب" کے واسطے تعلیم کیا تھا وہ بھی آدھی رات کو کنویں میں منہ ڈال کے پڑھا جاتا ہے۔ گھر کے برتن باسن بنیے مہاجن کے یہاں پہونچ گئے۔ صبح شام میرے زیوروں کی تلاش ہونے والی ہے۔ میرے علاج معالجے میں ابا جان بہت قرضدار ہوگئے۔ بال بال قرضے میں نتھی ہے۔ بتائیے اگر وہ زیور کی بابت پوچھ بیٹھے تو میں کیا جواب دونگی۔

آپنے چلتے وقت اپنا پتا بھی نہیں بتایا آج اتفاق سے آپکے مرید خانصاحب جنہوں نے ابا جان کو آپکا مرید بنایا تھا مل گئے اُن سے معلوم ہوا کہ آپ زندہ موجود ہیں اور آپ کا کام خوب چل رہا ہے۔ لوگوں کے دل کا حال بتاتے ہیں اور منہ مانگی مراد پاتے ہیں۔ مریدوں اور مریدنیوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ بے اولادوں کو اولاد بیماروں کو شفا اور بے روزگاروں کو روزگار۔ ضعیف الیقینوں کو ایمان غرض ہر ایک کی مراد بر آتی ہے۔ آپ غور کرتے ہیں تو پارہ چاندی بن جاتا ہے۔ سونگھتے ہیں تو شیشہ ہیرا ہو جاتا ہے۔ میں بھی آپ ہی کا نام لیے گھر میں بیٹھی ہوں۔ اب شادی بیاہ کی امنگ دل میں نہیں۔ ابا جان بھی آپکی تلاش میں ہیں کہ مل جائیے تو مجھے آپکی کنیزی میں ہمیشہ کے لیے سونپ دیں۔ آپ خود روشن ضمیر ہیں میری حالت جانتے ہونگے۔ اور خانصاحب نے بھی وعدہ کیا تھا کہ میری حالت کی آپکو اطلاع دینگے مگر چند روز ہوگئے خانصاحب پلٹ کے اِدھر کی کروٹ بھی نہ لی۔ مجبوراً جو پتا بتا گئے تھے اُسی پر میں یہ خط لکھ رہی ہوں۔ پیر باپ کی جگہ ہوتا ہے آپکی اطاعت مجھ پر تین طرح واجب ہے جب تک آپنے پھونک نہیں ڈالی تھی میں آپ کو میاں کہتی تھی اب دوسرے رشتہ سے میاں کہتی ہوں اور آپ روحانی باپ بھی ہیں۔ مگر میرا ان پڑھ بدمذہب بھائی آپ سے جلتا ہے اُس نے چھری تیز کر رکھی ہے آپ کے پیچھے گرگے لگا رکھے ہیں کہ جہاں دیکھیں اُسے خبر کر دیں یقین رکھیے کہ اُسکے تیور بُرے ہیں۔ علانیہ کہتا پھرتا ہے کہ ناک کان کاٹونگا اسلیے کہ پیر صاحب نے میری آبرو لی ہے۔ داڑھی پر پیشاب کرونگا اسلیے کہ یہی دُنیا کے پھانسنے کا جال ہے۔ تو ند پھاڑونگا اسلیے کہ مال حرام کا یہی خزانہ ہے اور حرامکاری کی پھونک اسی مشک میں بھری ہے فقط

راقمہ درد رسیدہ شکم آرا۔ از پیر پور ضلع فرید نگر

نوٹ۔ بندے نے کاتبہ کا پتا ڈاک کے لفافہ پر لکھا اور خط کے نیچے خالی جگہ پر کاتبہ کے نام ذیل کی عبارت لکھ کے لفافہ ڈاک میں ڈالدیا:۔

"شکم آرا صاحبہ۔ آپکے پیر صاحب غالباً خانصاحب کا خط پاگئے اور آپکے بھائی کے ڈر سے الوپ انجن لگا کے اُڑنچھو ہوگئے۔ صاحب کرامت ہیں۔ خفیہ پولیس کے بغیر جو معدوم اور مخفی ثبوت جرم کو موجود اور آشکار کرنے میں مہارت رکھتی ہے کوئی دوسرا اُنھیں پکڑ نہیں سکتا۔"

آقائے ہند۔ (آخر مئی سنہ ۱۹۲۹ء) "کھٹ کھٹ۔ بند"

نہرو: "ابھی نہا تو لینے دو"

مہتر سائمن: "(دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء) ما ہم رسیدیم۔ ایک ہی دفعہ نہانا۔ ابھی نجاست پاشی کا مرحلہ ختم نہیں ہوا۔ گھڑی گھڑی اشنان کیسا۔

زغارت چمنت بر بہار منت ہاست کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
"دیکھیے پھولوں کی لاج رکھیے گل عارض کے رنگ سے اسکا رنگ پھیکا ہوا جاتا ہے۔ خوشبو درکار ہے
تو یہ عطر حاضر ہے"
کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

قیامت

اس نام سے ایک نیا ہفتہ وار پرچہ برپا ہوا ہے لکھنؤ اس کا مقر ہے اور ڈاکٹر عظمت الٰہی صاحب ملوری اسکے اڈیٹر ہیں۔ ظریف جرائد کے مضامین کی تنقید سے ہم عمدًا احتراز کرتے ہیں۔ ہر شخص کو اختیار ہے حق ظرافت ادا کرنے کے لیے جو طرز مناسب سمجھے اختیار کرے۔ مذاق جداگانہ ہوتے ہیں اور ہر مذاق کے لوگ موجود ہیں جس مذاق کی جنس پیش کیجائیگی اُسی مذاق کے طبقہ میں مقبول ہو جائیگی۔ لہذا "قیامت" کے مضامین سے تعرض کرنے کی بالفعل کوئی وجہ نہیں۔ یہ بھی اپنے طبقہ میں ضرور مقبول ہوگا۔

اس پرچے کے تین نمبر تک شائع ہوئے اور دو نمبر یعنی پہلا اور تیسرا ہمیں پہونچے۔ ۷ جون ۱۹۲۹ء کے نمبر میں "بازپرس قیامت" کے عنوان سے ایک مضمون معزز معاصر انقلاب لاہور کے اُس اعتراض پر شائع ہوا ہے کہ ایک ظریف اخبار کا نام قیامت کیونکر موزوں ہوسکتا ہے کیونکہ قیامت کوئی ہنسی کھیل نہیں نہایت ہولناک حقیقت ہے۔ قیامت مجیب ہے کہ قیامت سے مراد انتہائی شوخی ہے (بحوالہ بہار عجم سراج اللغات وغیاث وغیرہ)

معاصر انقلاب کے اعتراض کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ قیامت سے حقیقی مراد "روز رستخیز" ہے اور یہی متعارف ہے۔ جو معنی کہ غیاث اور دیگر کتب میں ہیں وہ بقرینہ سمجھے جاسکتے ہیں۔ تنہا لفظ قیامت جب مستعمل ہوگا تو معنی متعارف ہی لیے جائینگے۔ یہی بلاغت کا دستور ہے۔ اگر اس پرچہ کا نام "قیامت کی ظرافت" ہوتا تو بیشک قیامت کے اصلی معنی نہ لیے جاتے۔ اور قرینہ دوسرے معنی کی جانب اشارہ کرتا۔ تائید میں جو اشعار پیش کیے گئے ہیں اُنہیں بھی قرینۂ صدول موجود ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ ان قوانین کی پائمالی بھی ظرافت میں داخل سمجھی جائے۔

معزز معاصر انقلاب نے اسی ذیل میں شاید اودھ پنچ کا نام بھی لے دیا ہے کہ "اودھ پنچ جیسے اعلی پایہ ظریفانہ پرچے کے ہوتے ہوئے قیامت کا پھولنا پھلنا اور نکمام ہونا بیحد مشکل ہے" یہ اُس کا حُسن ظن ہے مگر اظہار اُس کا ہمارے حق میں نامناسب ہے۔ چودہ برس کے پرچے موجود ہیں اور اشتہارات بھی دیکھ لیجئے ہم نے کبھی دُنیا بھر کو پچھاڑنے کا دعویٰ نہیں کیا۔

جیسا ہوں اور جتنا ہوں خود جان لینگے لوگ
جوہر کو کیوں میں عرض کروں کیف و کم کے ساتھ

اودھ پنچ کی عزت کا رکھ رکھاؤ اسی میں ہے کہ اگر اُس کی روش پسند آئے یا کوئی مضمون قابل التفات ہو تو کسی دوسرے ظریف سے تعرض و مقابلہ نہ کیجئے وادعنایت فرمایئے اور شکریہ لیجئے۔ ؎

کی جفا تم نے بہت اچھا کیا — میں نے اک ذرا بھی کچھ شکوا کیا
جو کیا اچھا کیا۔ یہ کیا کیا — جس جگہ بیٹھے مزا ہو جا کیا
خود ہوئے رسوا مجھے رسوا کیا

ایک کرم فرما پنچ صاحب نے کرم عنایت آمیز الفاظ اودھ پنچ کی شان میں کہہ کے اپنی توقیر بڑھانی چاہی ہم خبر بھی نہ ہوئے۔ کوئی علمی مسئلہ یا کوئی قلم کی اعجاز نمائی کا میدان ہوتا تو شاید ہم متوجہ ہوتے۔ "قیامت" کی قیمت سالانہ ہے مقام اشاعت نمبر ۱۴ نصالی پلہ لکھنؤ

مولانا پنچ کی نوٹ بک

تم بھی چیخو

دُنیا کے متوجہ کرنے کا نسخہ "چیخو دھاڑو" ہے۔ خاموش آدمی کس کام کا۔ دیکھ لیجئے بیچارہ بچہ سقا خاموش آدمی ہے۔ جس اخبار نویس کے قلم میں کھجلی ہوئی ہر اس غریب کی چندیا سہلا کے کھجلی مٹاتا ہے۔ غازی کی کھجلی کی شان میں نثر و نظم قصائد چلا چلا کے پڑھتا ہے۔ غازی کے لیے یہ چیخ پکار باعث بلند نامی ہو تمام اخلاقی دینی اور سیاسی غلطیاں صواب ہوگئی ہیں۔ اور سقازادے کے تدبر اور تجربہ کا کوئی نام بھی نہیں لیتا اُسکی طرف چیخنے والے نہیں ہیں۔ پس اگر خاموشی کے مضر نتائج سے متاثر ہو کے مہاراجہ پٹیالا نے بطور انجمن والیان ریاست کے چانسلر کے دیگر والیان ریاست سے "چیخنے" کی فرمائش کی تو بیجا اور بے محل نہیں۔ ایک ہوشیار نائی کچھ ایسے آرام سے خط بنانا تھا کہ بعض نیم بجھان سو رہتے اور ادھر اونگھنے لگتے تھے خلیفہ لاکھ بک بک کرکے دماغ چاٹتے مگر بک بک ... لوری ہو جاتی۔ یکایک جھک جانے یا اونگھنے سے چرکا لگنے کے علاوہ خلیفہ کا حرج بھی ہوتا تھا۔ جگائیں تو ادب کے خلاف نہ جگائیں تو مونڈنے کا ڈھب نہیں پڑتا آخر خلیفہ نے ترکیب نکالی اور کارگر ترکیب نکالی یعنی اِدھر کوئی صاحب اونگھے اُدھر خلیفہ نے بال بھگونے کے بہانے میل میں لتھڑی ہوئی تکیں اُنگلی یا صابن کے پھین سے آلودہ کھار کی غسیچے منہ میں گھسیڑ دی۔ اب بھلا جہان صاحب کی مجال ہے جو اونگھیں تھے۔ اخ تھو اخ تھو۔ اماں خلیفہ یہ کیا کرتے ہو۔ لاحول ولاقوۃ عجیب بد تمیز ہو جی متلانے لگا۔

والیان ریاست کی حجامت بن ہی رہی ہے۔ الزام کچھ بجا ہیں کچھ بیجا ہیں۔ صحیح الزام کا جواب نہیں ہوسکتا تو نہ سہی۔ غلط الزاموں کے ابطال اور ہلڑ میں ضرور صحیح الزام بھی دب جائینگے۔ پس اُنکی یہ تحریر سوتے ہوئے والیان ریاست کے حلق میں صابن بھری کوچی ہے۔ والیان ریاست کو ضرور مہاراجہ پٹیالا کے مشورے پر چلنا چاہیئے۔ دریں کہ اخبار کی فوزوں کی چل پوں ہم نے کا اثر اس موضوع میں بہ نسبت انگریزی جرائد کے زیادہ ہے لہذا دیسی اخباری کانفرنس کے ذریعہ استرداد اعتراضات زیادہ مؤثر ہوگا۔ جن لوگوں کے قلم میں زور ہے اُنکی خدمات

رجسٹرڈ نمبر اے ۳ ۸ ۷
LUCKNOW
1929
OUDH PUNCH
क़ीमत पेशगी
M.B. Khan Artist
Jogayan Lucknow

توجّہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تُکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابلِ مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلئے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدّت۔ رائے کی اصابت بے رو رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردانِ مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ تصدیق ضروری ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہٰذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما خیر شما بہ سلامت۔ بنا بریں ایسے مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی بے بضاعتی کے سبب سے قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اجرا کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دو لفافے پر نیا نشان منیجر خود نہیں پہنچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہٰذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کرلی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے مشتہر خود اپنی تحریر کا ذمہ دار ہے۔

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی مصلحت اور پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۵۱ مضامین غیر نمبر ۲۲

۱۷ جون ۱۹۲۹ء

مرحوم خطوط کا تھیلا

(مسلسل)

لندنی طالب علم کا خط دوست کے نام

ڈیر حمید۔ تم سے رخصت ہو کر بخیریت منزل پر پہنچ گیا۔ یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے بہشت ہے۔ سبحان اللہ کیسی صفائی آرام سے رہنے کے دستور۔ دیانت داری اور جسمانی تندرستی اور نقل و حرکت کے آسانی ذرائع مشینوں کا استعمال جیسے کوئی صاحب عقل ذی روح کام کرتا ہے۔ حسن صورت قواعد معاشرت کی پابندی یہ سب باتیں اس درجہ سے قابل تعریف ہیں کہ یہ جگہ مشہور خاص و عام ہے۔ ہندوستانیوں کا مرجع حکومت ہے کتابوں اور اخباروں میں کونسی بات ہے جو مشتہر نہیں یا ہندوستان سے پوشیدہ ہے تم تو یہاں ایک مرتبہ آ چکے ہو تم سے ساخت کیا بیان کروں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ لندن ہر سال کثرت ایجادات و اضافہ اعمال کی وجہ سے نیا ہو جاتا ہے تو یہ تغیرات کوئی کہاں تک لکھے اور لکھا بھی تو فائدہ کیا؟ میں تو خط لکھنے بیٹھا ہوں ضروری باتیں ان فضولیات کے چلتوں بیان سے رہ جاتی ہیں۔ مجھے یہاں آئے دوسرا مہینہ ہے ہوٹل میں رہنے کا بندوبست کر لیا ہے یہ ہندوستان تو ہے نہیں کہ لوگ شریف صورت دیکھ کے خواہ مخواہ حق میزبانی ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور اپنے دام خرچ کرنے پر خود ہی مہمان کا اُلٹا شکریہ بجا لائیں۔ جی نہیں یہاں تو

شکر بجا آر کہ مہمان تو
روزی خود می خورد از خوان تو

کا فلسفہ مروج نہیں۔ لوگ بات بات پر تھینک یو کہتے ہیں مگر واسطہ اوپری دل سے اور ہمیشہ معمولی سے معاملے پر۔ یہاں باپ بیٹے بھائی بہن اور ماں بیٹی میں تاجرانہ معاملت ہوتی ہے ہر معاملت میں ہر شخص برابر ایک دوسرے کی رعایت نہیں کرتا۔ صاحبزادے اپنے باپ کی تجارت گاہ میں اور پدر بزرگوار اپنے بیٹے کی دکان پر تنخواہ لے کے کام کرتے ہیں اور ضوابط کی پابندی دونوں پر لازم ہوتی ہے خلاف ورزی کی حالت میں تاوان ہر ایک دوسرے سے وصول کرنے میں دریغ نہیں کرتا۔ پھر بھلا میں ہفتہ وار صحیح وقت پر ہوٹل کا کرایہ نہ ادا کروں تو کہاں رہوں بھائی ایک دفعہ صرف پانچ منٹ کی دیر مقررہ ساعت میں ہو گئی تو منیجر بہت بدماغ ہو گیا ایک لیڈی جو یہاں کارکن ہے مجھ پر بہت مہربان ہے اُس نے منیجر صاحب کا مزاج دھیما کیا۔ پیارے دوست اس عورت کا سلیقہ دیکھ کے بھوک پیاس جاتی ہے آہ کیا بات ہے تعلیم کی۔ دیکھو اُس کی صورت شکل تو بالکل واجبی ہی واجبی ہے بلکہ اگر رنگت یاد ہوتی گو میں سمجھتا کہ ہندوستان کی کوئی [illegible] ہے ناک بالشت بھر کی آنکھیں بے نوری گالوں پر سوڈھا پن عمر چالیس سال مگر جب کام کاج سے فرصت پاتی اور بن ٹھن کے باہر نکلتی تو کیا کہوں کیا عالم نظر آتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس کا سنگھار ایسا میرے دل پر بے طرح قابو پا رہا ہے۔ خدا خیر کرے۔ بار بار یہ خیال ہوتا ہے کہ والدین نے اپنی مرضی سے میری شادی چچا کی لڑکی سے کر دی نتیجہ اس معاہدے کی پابندی ضروری معلوم نہیں ہوتی وہ اپنے وقت کی حور سہی مگر جب پہلے سے کوئی اُنس و محبت کا نقش دل پر نہیں پڑا تو اُن بھرے کیا چیز۔

خیران بی صاحب کی وجہ سے ایام مسافرت کسیقدر پُر لطف ہو گئے ہیں۔ سر شام تفریح کے لیے ہائیڈ پارک میں تنہا جانے کی کوفت سے محفوظ ہوں اور بھائی ان کی ذات سے اور بھی تھوڑا سا آرام ہے وہ یہ کہ انھیں کے ہاتھ میں ہوٹل کا گودام ہے۔ توس مکھن مقدس گوشت شکر چائے انڈا بسکٹ کیک جیلی سگریٹ سگار روغن تلے کا دودھ اکثر بلا قیمت اور بعض اوقات نصف قیمت پر یہ چیزیں مل جاتی ہیں۔ سنتا ہوں کہ میم صاحب اب تک تین شوہروں سے طلاق لے چکی ہیں۔ لوگ بے مہری کا الزام میم صاحب ہی کے سر تھوپتے ہیں مگر مجھے یقین نہیں آتا۔ بھلا ایسی مرنجان مرنج عورت کسی کا دل کیا دکھائے گی۔ مجھ غریب الدیار پر جب اتنی عنایت کرتی ہے کہ مفت بوسہ دیتی ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے گھومتی ہے کبھی فرمائش نہیں کرتی تو اپنے ہم قوم کو شکایت کا موقع کیوں دے گی۔ چند روز ہوئے میں نے ایک دس پونڈ کی انگوٹھی اصرار کر کے تحفہ دینا چاہی وہ لیتی نہ تھی۔ آخر میں نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا کہ لے لو یہ مجھ مسافر کی یادگار محبت ہے۔ تو اُس نے مسکرا کے اپنا بایاں ہاتھ میری طرف بڑھایا اور میں نے چھنگلیا میں انگوٹھی پہنا دی۔ میں نے وطن میں سنا تھا کہ یورپ میں بدگمانی کا رواج نہیں لیکن یہ غلط مشہور ہے جب سے میم صاحب کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنچی ہے اُس وقت سے میم صاحب کے شناسا ان کو بری طرح چھیڑتے ہیں۔ اور ایسے اشارے کرتے ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ گویا میم صاحب نے ایک کالے ہندوستانی کو شوہر بنانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ وہ سائنٹی انھیں اب تیکھی چتونوں دیکھنے لگے ہیں۔

کل کا واقعہ سنو کہ مجھے اُنھوں نے نماز پڑھتے دیکھ لیا وہ بہت متعجب ہوئیں اور کہنے لگیں کہ یہ تم کیا کر رہے تھے میں تو سمجھی کہ تمہارا دماغ بگڑ گیا۔ مگر تم صحیح نظر آتے ہو خالباً یہ کوئی ورزش کا نیا طریقہ ہے میں نے سینڈو کی ورزش کی کتابیں دیکھی ہیں اور بعض طریقوں پر روزانہ عمل بھی کرتی ہوں لیکن اُس کتاب میں ایسا کوئی طریقہ نہیں تم سیدھے کھڑے ہوئے پھر جھکے پھر اوندھے منھ گر پڑے یہی عمل تم نے کئی بار کیا۔ اگر یہ کوئی ورزش ہے تو بالکل آسان ہے اسمیں کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی پڑتی جو اعصاب کو محنت کا عادی بنائے۔ میں نے جواب دیا کہ میم صاحب یہ ہمارے یہاں کی نماز ہے ہم پانچ وقت اسی طرح عبادت کرتے ہیں۔ ہم ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوتے ہیں یہ خدا کے دربار کا ادب ہے۔ ہم جھکتے ہیں یہ فروتنی کا اظہار ہے یعنی سرکشی تیری جناب میں کسی کی چل نہیں سکتی۔ پھر ہم سجدہ کرتے ہیں یہ اپنی بندگی کا اعتراف و اقرار ہے۔ میم صاحب نے کہا کہ بالکل تضیع اوقات ہے۔ خلوص دل سے اُس کے وجود اور اُسکی قدرت کا اعتراف ہر وقت کرنا چاہیے اس اٹھا بیٹھی سے وہ جو ایک عقل محض ہے راضی نہیں

دلائل کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں اور آغا بابا صاحب اپنی طرز پر معقول وجوہ خلاف در اختلاف۔ اسطرح ناظر کا ذہن ردو قبول میں آزادانہ راے قائم کر سکتا ہے۔ فتح کے خواب کی تعبیر کے واسطے ارسطو کا سا معبر درکار ہے۔

منقول ہے کہ سکندر نے خواب میں اپنے تئیں دارا سے کشتی لڑتے دیکھا۔ دارا نے سکندر کو زمین سے بلند کرکے دے مارا۔ آنکھ جو کھلی خوابی کشتی کا رعب طاری تھا سکندر کا ارادہ فوراً بدل گیا افسران فوج سے کہا بس بھائی اب لڑ چکے مقدر میں فتح نہیں ہے۔ جب ارسطو نے یہ ماجرا سُنا تو اُسنے سکندر سے کہا کہ دارا نے جو تمہیں خواب میں زمین پر دے مارا تو کچھ بُرائی نہیں ہو زمین سے دستبردار ہو گیا تم جاؤ اور اُسکی زمین پر قبضہ کرو۔ دارا ہارا سکندر جیتا۔

(ا ۔ ف)

خاکسار او بار الحمد اللہ

پنچ:۔ ٹوڈی غالباً انگریزی لفظ Tory کی مسخ شدہ شکل ہے مگر فصاحت کی دشمن تھی اسلیے ڈ سے بدل گئی اسے دلیل اقبال خیال فرمایئے یا علامت ادبار ہنجانب دخل نہ دیں گے۔

خدا حافظ منجانب منطق آ بیگم بنام لارڈ ارون

خدا حافظ لاٹ صاحب خدا حافظ۔

جس طرح پشت دکھائی ہے اسی طرح پھر منہ دکھانا نصیب ہو۔ پہلے تو مشہور تھا کہ تم یونہیں سیر و تفریح کے لیے اپنے وطن جاتے ہو۔ عزیزوں سے ملو گے۔ انھیں دیکھو گے اپنے تئیں دکھاؤ گے۔ مگر تم نے خود ہی بھانڈا اپھوڑ دیا کہ کسی اور کو دیکھنا دکھانا منظور نہیں ہم تو ہندوستان کا دل انگلستان کے سامنے کھول کے رکھ دینگے۔ ہندوستان دکھائے گا انگلستان دیکھے گا۔ ملاّ لی کا حق بزبان حال پالیسی مقال دل کا حال یوں ادا کرے گا کہ بھائیو ؎

ایک دل بیچتا ہوں ہے کوئی لینے والا؟

ٹوٹا پھوٹا ڈلا ڈھنکا۔ پھولا پچکا پھیٹا درکا پٹخا پکسا ہے تو یہ صحیح سالم چاق چوبند خوش خرم سلغ سلوتر ہموار مضبوط ہے تو یہ ؎

دل تو ہم بیچتے ہیں ٹھونک بجا کر دیکھو
پھر نہ پھیر یں گے جو نکلا کہیں ٹوٹا پھوٹا

بھائیو دل ہے اور ہندوستانی دل ہے۔ وسیع بھی ہے تنگ بھی۔ باحیا ہے بے نام و ننگ بھی۔ بد رنگ بھی ہے خوشرنگ بھی موم بھی ہے سنگ بھی۔ اس دل میں اک دنیا بستی ہے کہیں چہل پہل ہے کہیں وحشت برستی ہے اخلاقی مکارم اور خوبیاں بھی اسی میں ہیں شیطانی ذمائم اور بد اسلوبیاں بھی اسی میں ہیں۔ دل کاسے کو دھوبی کا چھیلا ہے آدھا اُجلا آدھا میلا ہے نامرد نور بُزدل و محرور۔ ہتک و ستر بخشیدہ دمعجزہ۔ نفاق شقاق آگ پانی ہوا مٹی جو کچھ ڈھونڈھو گے اسمیں پاؤ گے البتہ ایک جنس اسکے دساور میں نایاب ہے جسے اتفاق و اتحاد کہتے ہیں تو اُسکی تمھیں کیا حاجت ہے یکانگی و یکرنگی کی تمھاری منڈی میں خود بہتات ہے خدا کا شکر ہے کہ اس دل کے بارے میں اگرچہ اسوقت تمھارا یہ قول ہے ؎

ایسا نہ دے زمانے کو پروردگار دل
آشفتہ دل فریفتہ دل بے قرار دل

لیکن سچ پوچھو تو بھلا تمھارا اسی میں ہے۔ ذری دشمنوں کے بھڑکانے سے بھڑک گیا ہے تسلی دو دلاسا دو چمکارو بہلاؤ جی بہلاؤ تھپکی دو تو رام ہو جائیگا طوطا چشمی کے باوجود برطانیہ کا پیارا پیارا مٹھو کھنے اور پونے کا آٹا اُگلنے لگے گا۔ اس دل میں ارمان بھرے ہیں مگر ایک ارمان دوسرے کا دشمن ہے۔ سینہ چڑیا کی جھبڑی ہے جس میں طوطی بھی ہے زاغ بھی۔ بلبل بھی ہے کلاغ بھی۔ چغد بھی ہے ہما بھی۔ کھوسٹ بھی ہے مینا بھی۔ باز بھی ہے عصفور بھی ترلی بھی ہے گھگھو بھی۔ آپس میں ملی پنجہ جو نچ باز رکھے اور ہر وقت چلتے ہیں۔ جنگجوئی کے حوصلے نکلتے ہیں۔ کمزوروں میں ہمت نہیں۔ شہزوروں میں مروت نہیں۔ لیڈروں میں دیانت نہیں۔ مریدوں میں متانت نہیں۔ بااینہمہ یہ دل آزادی کا طلبگار ہے دینے نہ دینے کا تمھیں اختیار ہے یارو ؎

دل بیتاب کا سنبھلنا کیا
دیکھ لو پیار کی نگاہوں سے

لاٹ صاحب۔ یہ نہیں بات؟ تم یہی کہو گے یا اور کچھ۔ اگر یہی کہنا ہے تو کیوں سفر کی زحمت اُٹھاتے ہو یہ تو عالم آشکارا بات ہے کیا ولایت والے اس سے ناواقف ہیں۔ ابھی وہ دو سو برس سے جانتے ہیں۔

....

.... بیان کرنے کے قابل اتنی سی بات ہے کہ بقول کانگریس یہ تمام جانور اپنی متضاد طبیعتوں کے باوجود چڑیا رسے چند شکایتیں رکھنے میں یکزبان اور متفق القول ہیں۔ آپ لوگ دل کی خریداری کیجیے یا نہ کیجیے مگر ان شکایتوں کو ضرور رفع کر دیجیے ورنہ پنجرے میں گھٹ گھٹ کے مر جائینگے۔

(۱) جانور آزاد ہوتے ہیں تو ہر ایک چل پھر کے دانہ چگنے اور طعمہ حاصل کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے قسمت پر شاکر رہتا ہے ؎

آنچہ نصیب است ہم می رسد

دُنیا وسیع ہے لہٰذا ہر جُثہ اپنی حفاظت کی تدبیر تمام کمزور خود ہی کر لیتے ہیں۔ یہاں یہ حال ہے کہ بقول کانگریس درجن بھر بھوکے جانوروں کے سامنے دو دانے ڈالے جاتے ہیں اسپر چونچ اور لات نہ چلے تو کیا ہو لہٰذا اگر پوری آزادی ذاتی مصلحت کے خلاف ہے تو پنجرے کا میدان تھوڑا وسیع ہو جانا چاہیے کہ بھاگنے والا بھاگ کے جان بچا سکے۔ اور ٹکر دینے والا دوڑ دھوپ سے کچھ تھکے۔

(۲) لڑائی بھڑائی کے جو اسباب ہیں اُنمیں سے قوی سبب یہ ہے کہ بیرونی آدمی پیداوار کا خرمن خوشہ اور سبھو سمیت سمندر پار اُڑائے جاتی ہے لہٰذا جانوروں کو صرف سیلا چُننے پر قناعت کرنی پڑتی ہے جیٹھ یا رغرمن کو ٹیٹوں سے نہیں گھیرتے۔ بھوک کی جھانجھ میں ایک کو ایک چبانے کی نیت کرتا ہے۔ حالانکہ آدمی سے زیادہ ان جانوروں کا پوتا مستحق ہے۔

(۳) جب پالی شیار ہو جاتی ہے تو چڑیمار صاحب کبھی دونوں کی منڈیا گنجی کر دیتے ہیں اور کبھی ایک کی خیمدیا سہلاتے دوسرے کا بھیجا کھاتے ہیں۔ مگر مظلوم کو اس دادرسی سے نفع نہیں ہوتا کیا معنی کہ انصاف بے ہنگا۔ جو چڑیماروں سے بچتا ہے وہ رشوت میں جاتا ہے

(۴) الغرض ایسی تنخواہ دی جاتی ہے جو مصرف اور ضرورت کے مخالف ہوتی ہے اور شکایت کرتے ہیں تو زیادہ تنگی ہونے لگتی ہے۔ نئے نئے بنا لیے تفسیر تشبیہات کے قاعدے گڑھے جاتے ہیں جو عمل کے قابل نہ ہونے کے سبب سے اپنی شکست کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ اب لاکھ دانہ پوٹے میں سڑ کے زہریلا ہو جائے مگر کوئی تدبیر نہیں کی جاتی آرے چلے ہوں یا ان خونی ظالم ایکٹان کی موت کوئی سے۔ بغیر کی چونچ سے کوئی انسان قتل نہیں ہو سکتا مگر جوک کے تالاب میں اگر کسی شیر نے اتفاقاً ہاتھ پہ چونچ ماردی تو انشاء اسے اور چند مرتے تو دوڑ کر دوڑے پولیس موجود مشین گن بنا جگہوں میں گرودا دیں۔ چڑھا دی جاتی ہیں۔ سچ پوچھ بے زبان بے زبانی صرف چارہ طلب کرتی ہے خدا نخواستہ کسی حاکم کے زاتی اقتدار یا اصلی مالک کے وقار میں رخنہ ڈالنا مقصود نہیں ہوتا مگر اسکے معنی یہی لیے جاتے ہیں۔ سادہ ش پراسے بیکلنی نہ والو چیکا کار ڈالو۔

(۵) نئے قانون جس وقت پاس کرائے جاتے ہیں تو اُن کے معصوم ہونا چو منا بے ضرر ہونا یا بالکل ہونے کا یقین دلایا جاتا ہے۔ لیکن جب اُن کا عمل شروع ہوتا ہے تو استغفر اللہ نعوذ باللہ کتنا بیگار ہوتا ہے۔ بیگناہ بھی بعض بہت چھٹ نہیں بچہ چھٹ ڈک چھٹ جانور جو اپنے کام کے لیے سدھائے گئے ہیں وہ برادری میں غافل ہونے کے باوجود کچھ پروا نہیں کرتے اور جس تیلی گردن پر چوٹ کرتے ہیں اُسے خدا یاد آ جاتا ہے۔ صیاد اس چوٹ پر خوش ہوتے ہیں کہ تعلیم ضائع نہیں ہوئی امتحان میں پورے اُترے۔ قانون کا منشا تو یہ ہے کہ کالی چڑیاں جو پیوٹے میں دانہ چرا لیا کرتی ہیں وہی شکار ہوں مگر جھپیٹ میں بیگناہ چڑیاں بھی آ جاتی ہیں۔ ان شکاری چڑیوں سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوتی جتنی چاہیں زیادتی یا بے احتیاطی کریں اگر کبھی کبھار گرم نگاہ پڑ بھی گئی تو وہ ظالم و مظلوم دونوں کے لیے بے اثر ہوتی ہے اور اسطرح بدظنی بڑھتی ہے سرکاری رعب دل سے برطرف ہو جاتا ہے اور انصاف کی ساکھ بگڑ جاتی ہے پھر جو بیگناہ چڑیاں اپنی بیگناہی ثابت کرنے کی حسرت میں ہیں تو وہ کے تنکے بھی صرف کر دیتی ہیں اور بری بھی ہو جاتی ہیں انکے آنسو پونچھے نہیں جاتے بری تو ہو گئیں مگر گھر اجڑ گیا۔

(۶) سردار بھگت سنگھ بہادر کے والد نے لاہور کے ایک جلسے میں دردناک حال بیان کیا ہے کہ بھگت سنگھ کو بعض شکاری چڑیوں نے صاف صاف الفاظ میں دھمکی دی تھی کہ رہو میاں تمہیں [illegible] ضرور ہی ہو لوائیں گے۔ یہ واقعہ غلط ہو یا صحیح مگر اس قسم کی دھمکیوں کی آواز ہر مقام اور ہر شہر میں سنی جا سکتی ہے اسکے واسطے آواز بڑھانے والے آلے کی ضرورت نہیں۔ جس مقام پر جی چاہے سن لو۔ کہاں تک کہوں اور تمام ہندوستان کے دل تمہارے سامنے اکٹھا کروں۔

الغرض ہندوستانی دلوں کے بُرے بھلے اوصاف بیان کر دینے سے انگلستان کی منڈی میں ہمل نہیں بڑھ سکتا۔ اور موجودہ حالت میں اندیشہ ہے کہ ایسا جواب ملے ؎

جنس ناقص ہے ہنسا بھی نہیں لینے والا

اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو سفر کی زحمت رائیگاں ہو جائیگی کہئے کہ تو فوجداری قانون بھی ہے دیوانی بھی مال بھی مگر دیوانی قانون میں اخلاق و رحم کا جزو نہیں ایسلیے حقیقی چین آرام رعایا کو نہیں ملتا پولیس کے اختیارات اتنے وسیع ہیں کہ بادشاہی اختیارات اُنکے آگے ہیچ ہیں۔ پولیس کی نوکری میں اخلاق کی خوبی مشروط نہیں۔ خفیہ پولیس کا شعبہ ظاہری پولیس کے افعال کی نگرانی نہیں کرتا۔ پکڑنے اور سزا دیدینے کے علاوہ ان کا اور کوئی فرض نہیں۔ دیوانی صرف اپنا جلاد رکھتی ہے۔ مال کی کچہری تو نبی نور علی نور۔ اصلاحات کا نتیجہ اگر خلائق کی آسودگی ہے تو پرانے قانون قاعدے بدلنے کی سفارش کرو اور ان قوانین کی عمارت آرام آسائش کی بنیاد پر قائم کرو ورنہ کونسلوں میں نمائندگی اور ہر روز بیکار نئے قانون بنانے سے کوئی فائدہ ہوگا۔ ایک زمانہ تھا کہ دلوں پر انگریزی حکومت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اب بھی مل رہی ہیں البتہ حکومت دلداری اور دلبری کے انداز بھول گئی ہے۔ ساری ابتری اور بے چینی کا خلاصہ یہ ہے آگے تم جانو اور تمہارا کام ؎

اُستاد بناؤ آئینہ کو سکھا انداز دلبری کا
اچھا لے سدھار و خدا حافظ دیکھو ہمیں نہ بھولنا۔

راقم
تمہاری وفادار مطلق آرا

یہ بھی بیگم صاحبہ جو کہا آپ نے غرض یہ کہ لاٹ صاحب بات نہیں ہے سچ یہ کہ ہندوستان کی مٹی تمام اُس کی ذمہ دار ہے جو آج تک ہیں برپا ہے۔ کہ جس کے نمبردار تشفی کرنا ضرور لباس کے آگے پرانی پیونہ دامنگیری کی جانب توجہ کی زحمت نہیں۔ مگر آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ جو دل پاٹ لاٹ صاحب کے ہاتھوں انگلستان کی خدمت میں پیش کیا جائے گا وہ ایک کالا ہے بہر بلکہ خاور پر ہوگا اہل ہند کو ہرگز دیانی زندگی کے شکوہ کا پیچ گیت ملاجا ہے ؎

مل نئے کے تغزل دشمن تم ہیں برباد کر گئے
دل لیل لیل نئے لیدول کا آزاد ایراد کر گئے

لاٹ صاحب کے ولایت پہنچنے تک ہندوستان کی مختلف جماعتیں یا القول آپ کے جاتی ہیں کہ دل مظلوم ہو کے پہنچ جائیں گے ؎

تا دل غرقہ کنجوں ہی پہ دوآں طرفہ غزال
گرد اوالہ ستہ النعت زلبیاری دل

ہر دل کی زبان بنا لاٹ صاحب کے واسطے ناگزیر ہے ممکن ہے کہ آپ کا دل بھی اپنی کہانی سنا سکے آپ کا دل اُس شاعر کا دل ہے جو شکایت کرتا ہے ؎

خواب نازندی مال ادا ہائی کند مارا
خدا رسوا کند دل راکہ رسوائی کند مارا

حسب ارڈرہ قاعدہ ضابطہ دیوانی

نوٹس

بعدالت جناب بابو گوپال چندر صاحب بہادر منصف مٹھی مقام سلطانپور
اجراء ڈگری نمبری ۳۳ ۱۹۲۹ء
بالگوبند سوکل وغیرہ — ڈگریداران
بنام
ستیلا بخش سنگھ وغیرہ — مدیون
بنام شیو مراتی ولد جانگیا سنگھ ساکن موضع مہراج پور پرگنہ و تحصیل مٹھی ضلع سلطانپور — مدیونان

ہرگاہ ڈگریداران نے درخواست اجراء ڈگری اس عدالت میں گذرانی ہے کہ مطالبہ ڈگری ذریعہ قرقی نیلام جائداد غیر منقولہ وصول کرا دیا جائے۔
لہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بوقت ۱۰ بجے بتاریخ ۱۰ ستره ماہ جولائی ۱۹۲۹ء اس عدالت میں حاضر ہو کر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ اگر دیا ذکر وگے تو درخواست مذکور تمہاری غیر حاضری میں سماعت کی جاوے گی۔
اور بتاریخ مذکور حاضر عدالت ہو کر بیان کرو کہ آیا جائداد نیلام طلب تمہاری مرہونہ ہے یا مکسوبہ۔
بتاریخ ۲۵ ماہ جون ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

وقت حاضری ۹ بجے سے ۴ بجے تک

از عاجزی بیچارہ نمی آید ہیچ
جز آنکہ ز صدق دل دعائے بکند

"پیارے بچھڑے۔ موٹا ہونا تو خیر مگر مٹھی بھر چارہ ملتا رہے گا بشرطیکہ دشمن بھوسے میں آگ نہ لگا دیں۔"

مگر نسیم تنت صبح بر چمن بگزشت
کہ گل ز بوئے تو بر تن چو صبح جامہ درید
بیشک ہر محبوب مطلوب اپنے جسم کو ایسا ہی معطر کر سکتا
ہے بشرطیکہ
تاجران عطر
سے طلب کرے

مولانا سانچ کی نوٹ بک

سوز موسیقی

سُنتے ہیں کہ مقام کراچی میں ایک بڑی دوکان آلاتِ موسیقی کی جل گئی۔ کوئی تعجب کی بات نہیں کیا عجب کہ میاں تانسین مرحوم میں اُٹھ کے "دیپک راگ" الاپتے تھے جہاں تک آواز جاتی تھی وہاں تک بے جلائے چراغ جل اُٹھتے تھے۔ وہ موسیقی ہی کیا جو سوز سے خالی ہو۔ ساز کے سینے میں سوز مخفی تھا۔ رقت ہی تو ہے پردے آپس میں رگڑ گئے اور آگ برسنے لگی ؂

کوک کردوں تو جگ سے جنگل ہو جل جائے

خیر بھئی اب تو کارخانہ کا مالک اپنے آلاتِ موسیقی کے بارے میں اعلان کر سکتا ہے کہ "سچّے سُروں کی آزمائش میں ستّر ہزار کا نقصان ہوا۔ خریدارو باجے جلدی خریدو۔ باجے کے ساتھ ایک ایک دیا سلائی (دستپناہ) مفت ملیگا۔ انگلیوں سے گھوں دیجئے سے باجا بجاؤ۔ اور بجانے سے پیشتر یا تو کسی "میگھ راگ" الاپنے والے کو بلا لیا کرو کہ تم آگ لگاؤ وہ پانی برسائے یا میونسپلٹی سے آگ بجھانے والا انجن منگوا لیا کرو۔

ہمارے نزدیک کارخانہ دار کا زیادہ نقصان نہ ہوگا۔ جلے ہوئے آلات کے اجزا دُنیا کے عجائب خانے مول لے کے اس معجزۂ موسیقی کی تاریخی یادگار قائم کرینگے ؂

نہ بجا بجا کے نہ رکھ انہیں ترے جلوہ دہ سازہیں
کہ جو جل اٹھیں تو عزیز تر ہیں نگاہِ باجہ نواز میں

اپنی اپنی قسمت

ہمارے حاجی شوکت علی صاحب کو یقیناً اس علمائے بے عمل پر غصہ آیا ہوگا جو غلطیاں جناب ملکہ ثریا سے ہرٹل کے مہتروں کے حق میں سرزد ہوئی۔ آپ کو وامندہ مہتروں پر عنایت کہ الماس اور پکھراج کی انگوٹھیاں نشانی کے طور پر دیجائیں اور یہاں مسلمانانِ ہند غریب یتیم کے جواب میں بصد حشم شاہی سے چند صبر آزما مجموعے موتی تمل کے دہن شاہی لکے آبشیخ میں قطرے کی طرح جذب ہو جائیں؟ ؂

آئینہ بہ ہم ولگشائے تو رسد - اے غیرت ماہ
ہم خانہ تو رعب مشکسائے تو رسد - دل راچہ گناہ
مہتر کو ملیں نگینہ اے یاقوت - ترسیں حاجی
دل خون شود و حنا بپائے تو رسد - سبحان اللہ

سچ ہے "رو سے جھکتے ہیں تو گشتوں کی طرف" کس دل سے یہ گوارا ہو کہ زچا خانے کا گوڑ دیکھنے والے لعل و گوہر سے مالا مال ہوں اور زبانِ ثنا گو موتی رولے اور کوڑی نہ پائے تشنۂ انعام رہے۔

اس نبل و عطا پر خوشامدیوں کو اختیار ہے تاریخ کے صفحات کے لیے جھرنے واقعات جتنے چاہیں فراہم کریں مگر ہم ہرگز صاد نہیں کر سکتے۔ ہم حاجی صاحب کے ساتھ ہیں غضب خدا کا مذہبی انجمنیں محروم۔ ستائشگر اخباری کاغذ محروم۔ یتیم خانے محروم۔ گدائے دعاگو محروم۔ علمی مجالس محروم۔ فیضیاب کون؟ مہتر! یہ بھی ایک چال ہے کہ جسنے مہتروں کے ٹوکرے جواہر سے بھر دیے اُسنے تہنیت خوانوں کے مُنھ خالی نہ چھوڑے ہونگے۔

استحقاق

ایک معمولی اصطلاح ہے جسے آجکل کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ "جسے پی چاہے وہی سہاگن" آنریبل سر حبیب اللہ کی جانشینی کے مسئلہ پر یار لوگ چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ فلاں ہوگا اور فلاں ہوگا۔ آخر میاں سر فضل حسین بنیابت سرکار سر حبیب اللہ کے خلیفہ ہوگئے۔ اور یہ خیال کہ ہمارے صوبے کے موم ممبر نواب صاحب چھتاری اس جانشینی کے مستحق ہیں پورا نہوا۔ سوال یہ ہے کہ استحقاق کی ہانڈی کیوں کھٹکنی ہوگئی؟ جواب کچھ مشکل نہیں۔ وجہ استحقاق یہی تھی نہ؟ کہ جب سر الگزنڈر مڈیمن تعطیلاتی ہوئے تو نواب صاحب چھتاری نے قابلیت کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیے۔ کیجیے ہاں - اچھا تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب چھتاری کسی عہدہ پر رہتے تعطیلاتی ہونے پر ترقی پاتے ہیں لیکن اسی دستور کی پابندی کی گئی پینل کی راہ سے یہ مسئلہ چنداں پیچیدہ نہیں۔

گلوگیر منطق

یہ منطق نئی ہے اسکی تدوین کی ذمہ داری مسئلہ افغانستان و شاہ امان اللہ خاں کے سر عائد ہوتی ہے غرض اصلی یہ نہیں ہے کہ ذہن فکر کی غلطی سے محفوظ رہے بلکہ یہ اپنے اوپر عمل کرنے والے کا ٹیٹوا دباتی ہے اور یوں ٹیٹوا دباتی ہے کہ آنکھیں نکل آتی ہیں۔ علمائے دیوبند میں سے مولانا حامد الانصاری صاحب اسی منطق پر عامل ہیں آپ فرماتے ہیں کہ

افغانستان کی بدقسمتی کا وہ پہلا دن تھا جب غازی جیسا اولوالعزم روشن خیال جری شجاع غیرتمند سخی اور رحمدل بادشاہ سردار محمود طرزی کے افغانستان میں مخفی تشکیلات کو دیکھکر مرعوب ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی اصلاحات کے احیا میں شاہ کو خلاف طبع جلدی کرنی پڑی۔

اب منطق کی گلوگیری ملاحظہ ہو۔ جو کسی عزم کا مالک ہوتا ہے وہ دوسرے کے بس میں نہیں ہوتا۔ روشن خیالی گیسو کی روشنی اور برقی روشنی سے کام لینے کا نام نہیں۔ اگر یہی ہے تو ہمارا شہر بھی خدا کے فضل سے روشن خیال ہے اور شاہ غازی ہو سکتا ہے۔ جرأت کا مقتضی یہ نہیں ہے کہ یورپ میں آدمی ناچے اور خون کی بوند دیکھتے ہی بیہوش ہو جائے۔ شجاعت سے مراد وہ جرأت ہے جو عقل کا ساتھ کبھی نہ چھوڑے۔ تہور اور شجاعت میں یہی فرق ہے۔ شاہ کی غیرتمندی کا تجربہ اُن عورتوں کو بھی ہو چکا ہے جو خوست کی لڑائی میں افواج شاہی کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں اور بقول بد نصیبوں کے ننگ مستور جسم خدا بے مقنع و چادر کابل کی بازار میں پھرائی گئیں یا وہ لوگ جانتے ہونگے جنہوں نے علیاحضرت ملکہ ثریا کو پیرس میں بلباس مکشوف دیکھا ہوگا۔ رہی سخاوت اور رحمدلی تو سخاوت کا حال حاجی شوکت علی صاحب کے دل سے پوچھیے اور رحمدلی کا حال اُن پچاس ملا کیش ورز ملاؤں سے جو بغاوت خوست کے الزام میں توپ کے مُنھ پر باندھ کے اُڑا دیے گئے۔ (دیگر سخاوت کے باقی جملہ اوصاف خود مولانا حامد انصاری کے مضمون سے ماخوذ ہیں)۔

اندریں صورت ہم تو حضرت شاہ کو مستحق سمجھتے ہیں دانشمند۔

شاہ کے خوشامدیوں نے اکھ بٹی گمرول سے چھار وکچھ سقا کے دشمنوں نے اسکی برائیوں کے اظہار میں ہزار ہزار مبالغہ کیا لیکن آخر ماننا پڑا کہ افغانستان کی نبض کچھ وہی خوب پہچانتا ہے۔

امان اللہ خاں کی شکست کو مقدرات سے تعلق نہیں بلکہ سبب شکست ہے۔ ورنہ اگر فرزند ارجمند حضرت ضیاء الملۃ والدین سرکار امیر حبیب اللہ خاں کو نہ بیٹ کا منھ دیکھنا پڑا تو یہ تقدیر کے مقابلہ میں تدبیر کی شکست ہوئی۔ پس معلوم ہوا کہ منطق دیوبندی چیز ہے لیکن عجیب۔

فاطمہ "تاج" خانم

شہریار غازی کے برادر محترم سردار عنایت اللہ خاں جنھوں نے دو مرتبہ تاج پہنا اور اتارا شہریار کے ہمرکاب ہیں۔ اللہ کی دین بڑے بھائی کے یہاں بھی لڑکی ہوئی چھوٹے کے یہاں بھی۔ سردار عنایت اللہ خاں صاحب نے انہیں صاحبزادی کا اسم گرامی فاطمہ تاج خانم رکھا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ تاج کا اضافہ تاج محل ہوٹل (صاحبزادی کا مولد) کی یادگار ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ نہیں صاحب یہ گم گشتہ تاج کی یادگار ہے۔

السلطنۃ والخسر ائیل

بھئی اگر خدا کسی کو سلطنت دے تو واللہ سسروں سالوں کو ملکی معاملات میں مداخلت کا موقع نہ دے ورنہ پچھتائیگا۔

اودھ کے واجد علی شاہ نے اپنے سسر ائیل علیہ الرحمہ نواب علی نقی خاں کو وزیر اعظم بنا کے ٹمیا برج کا نظارہ دیکھا اور شہریار غازی نے سردار محمود طرزی کو سسرا بنا کے گدی سے ہاتھ دھویا یورپ کی ہوا کھائی پڑی ہوا اعادہ اظہار ہی۔ دیوبندی منطقی کلوگیری فرماتے ہیں کہ طرزی پارٹی نہ ہوتی تو بھی ان کا مغربی طرز کی اصلاحات کا رواج زبردستی بے ڈھنگے پن سے کرنا شروع کیا۔ یہی وجہ انتزاع سلطنت کی ہوئی۔

قابل توجہ مس میو

آج کل ایک گیلی مس صاحبہ کی شہرت بہت بڑھی ہوئی ہے آپ کا اسم مبارک "ایڈ ریشی" ہے۔ پدر بزرگوار فرانسیسی تھے اماں جان انگریزن تھیں۔ (خدا معلوم اور پدر زندہ ہیں یا مر گئے) حسن کی خیرات دینے اور زکوٰۃ حسن لینے میں جھک اور مہارت آپ کو ہے وہ شاید ہی کسی عورت کو دنیا میں میسر آئے۔ اخلاق تو کتا ہے کہ یہ کمال دوست کیسا دشمن کو بھی خداوند دے گو اجنبی بیرست اور حریص نشاط نوجوان دل ہی دل میں دعائیں مانگتے ہیں کہ نہیں جو ریکارڈ مس ایڈریشی صاحبہ نے فراہم کیا ہے کوئی بلند ہمت خاتون اس کو ماند کر دے تو اچھا ہے۔

مس ایڈریشی کے مختصر سوانح یہ ہیں کہ آپ نے اپنی ستی سالہ عمر میں صرف ۲ ۵ ۲ بے ضابطہ شوہر کیے اور پچاس متمول شوہروں سے باضابطہ گرجے میں بیاہ رچایا سب شوہر زندہ صحیح سالم موجود ہیں ان میں سے کوئی عاق میانہ طلاق کی مصیبت میں پھنسا۔ (جیسیں پر ماں چڑھیں)

آپ ایک ابھی فوجی افسر کے ساتھ پادری سے نکاح پڑھوا رہی تھیں۔ یہ پچاسویں شوہر برخوردار تھے اتنے میں دوسرا شوہر جو چار سال سے محروم الوصال تھا گرجے میں وارد ہو گیا۔ بی بی شادی کر کے بھول جانے کی عادی تھیں مگر نو وارد کا حافظہ قوی تھا اسنے مدرسہ تاہل میں بھول جانے کا سبق نہیں پڑھا تھا مدت کی مسروقہ کتاب آج سامنے آئی تو وہ پہچان گیا۔ ابھی پچاسویں شادی کی انگوٹھی انگلی سے وصل نہیں ہونے پائی تھی کہ اسنے پادری صاحب کو یہ موخنہ یاد دلایا "حضرت آپ بھی پرلے سرے کے غبی اور بھلکڑ ہیں فلاں تاریخ فلاں وقت اسی گرجے میں آپنے اس احقر کو اسی خاتون کے ساتھ یہی درس دیا تھا۔ ذری حاضری کا رجسٹر دیکھیے" میم صاحب بولیں "مارے جھوٹ۔ مجھ نگوڑی کی آج ہی تو بسم اللہ ہوئی ہے" مگر پادری صاحب نے ایک نہ سنی اور میم صاحب کا خطبہ پولیس کے ساتھ پڑھ دیا یعنی وصل کی تختی دھو ڈالی۔

اور فیصل کے کبھی [illegible] معلوم ہوا کہ ہم نکاح بازی میں اپنی [illegible] جھکا چکی ہیں۔ آپ نے دساس کے بہت سبب ہی برابر یہ عمل فرما کے وحشی جانیوں کو بھی سنگ تو صحیح میں اصلاح فرما دیا کہ بجائی کی خبر بھائی کو نہ ہونی۔ جمع ہیں آکر تھیں بلکہ تہو تہ دستی جمع ہیں اور لوگ ہیں کہ تمہی سے آلہ تھا۔ ان پچاس میں سے کئی لکھ پتی کروڑ پتی ہیں جنھوں نے بڑی بڑی رقمیں نخرے کی قیمت کے طور پر آپ نے وصول کیں۔ افریقہ آسٹریلیا اور ہندوستان بھی ہوں کہ مس میو کے نزدیک دار الزنا ہے آپ کے ورود کے شرف سے مشرف ہو چکا ہے۔ جہاں گئیں وہاں ایک شوہر چھوڑتی گئیں۔ کیا ہوا نو آبادیوں کی ترقی یونہی ہوتی ہے۔ لطف یہ کہ تمام شوہر آپ کے مداح ہیں: "نہایت مہربان زوجہ ہے"

صرف ۲ ۵ ۶ بے ضابطہ شوہروں کی فہرست اور پتا آپ کے دفتر بغلی (ڈائری۔ روزنامچہ) سے معلوم ہو سکا۔ بھولے بسرے آدمیوں سے سروکار نہیں۔ جس وقت آپ نے فرمایا کہ اس نبدی کے پچاس خاوندان مندرج مختلف شہروں میں ہیں نہیں رہ بندی پیدا کر کے چھوڑ آئی ہے تو بد اعتقادوں نے باور نہیں کیا اور کہا "بس؟" اجی کیوں جھوٹ بولتی ہو۔ تم بھولتی ہو۔ پچاس سے بہت زیادہ ہوں۔ آپ زوجہ ہونے کی حیثیت سے بعض شوہروں کے مخفی رازوں پر اطلاع رکھتی تھیں بخوف افشائے راز ان میں سے دو نے خودکشی کر لی کہ بھری کچہری میں کہیں ذلت کا نہ سامنا ہو۔

فرانس میں "روسن" کوئی گاؤں ہے وہی آپکا مولد ہے۔ اور اسی نسبت سے آپ کا لقب "فرشتہ روسن" مشہور ہوا۔ صورت کے اعتبار سے اگر آپ سیٹی ہوتیں تو یہ تسخیر کی قدرت نہ ہوتی۔ چھاتی سرا ہیے روسن کی جس نے اپنے "فرشتے" پیدا کیے۔

غریب قصہ نویس رینالڈ کا نام سنتے ہی صاحب لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ اسنے "روزا الیمبرٹ" کی سی کتاب لکھی۔ میڈم ریڈشی یا مس ریڈشی کی بغل میں "روزا الیمبرٹ" کی سی دس درجن آپ بیتی کہانیاں ہیں

جلد ۱۴ نمبر ۲۳

مضامین

(بابتہ ۲۴، جون ۱۹۲۹ء)

خمریات جگر

"پی گیا"

اخاہ! شعر اور شاعری نے کیا ترقی کی ہے کہ باید و شاید نئے نئے اصناف سخن اور اُن کے نام سُن سُن کے ہمیں اپنی کم لیاقتی اور کند ذہنی پر اتنا افسوس ہوتا ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی سامنے آئے تو منھ نوچ لیں۔

اصناف سخن کے اصطلاحی نام وضع کرنے کی جو تدبیر جدید شعرائے اب اختیار فرمائی ہے وہ بہت آسان ہے یعنی کسی شعر کا مفہوم یا موضوع لے لیجیے اور اس کے آخر میں "یات" کا الحاق فرما دیجیے بس اصطلاح قائم اور نئی صنف برقرار۔ مثلاً کوئی صاحب ہمارے محترم ڈاکٹر سر اقبال کا یہ مشہور مطلع پڑھیں ؎

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

تو صنف سخن ظاہر کرنے کے لیے فوراً "نظریات حضرت اقبال" کہہ سکتے ہیں یا حضرت ... کا یہ شعر لکھیں ؎

کبھی اے حسین کشادہ رو نظر آ سپہری نماز میں
کہ ہزاروں بوسے پھڑک رہے ہیں مرے لب گلو ساز میں

تو عنوان میں "بوسکیات حضرت ..." لکھ دیں۔ یا ایک دوست کی یہ مشہور غزل کہیں درج کریں جس کا مطلع ہے ؎

ٹیپ جو اُس نے جھاڑ دی کس کے و فور ناز میں
برق سی اک چمک گئی آج سر نیاز میں

تو "ٹیپیات" سے نامزد فرمائیں۔ از قبیل ۲۲ جون کے "محب" فرخ آباد میں "خمریات جگر" کے زیر عنوان ایک نظم نظر فروز ہوئی جسب قاعدہ ہم نے سمجھ لیا کہ "خمریات" سے مراد وہ صنف ہے جس میں شراب کا ذکر ہو۔ "خمریات جگر" کے نیچے دوسرا عنوان یا عنونیا ہے "پی گیا"۔ اگر لکھنے والا "خمریات" نہ لکھتا تو "پی گیا" کا ابہام اکثر اشعار میں ذہن سامع کو بہکا دیتا۔ کیا پی گیا؟ اس نظم کے نصف درجن مطلع ہیں۔ شاعر صاحب سے نہ ہم واقف ہیں نہ آپ کو واقف ہونے کی ضرورت ہے۔ کلام دیکھیے اور اس سے جو مطلب سمجھ میں آئے کر لیجیے شاعر کی ذات سے کوئی علاقہ نہیں۔ مطلع ہے ؎

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا
لہروں سے کھیلتا ہوا لہرا کے پی گیا

ساقی کی نگاہ بل کھائی ہوئی صدقہ چشم سے نکلی۔ ساقی تھا ایک پٹنا ازار کا مریض جس کی پتلیاں ایک جگہ ٹھہرتی نہ تھیں بھنگی کی طرح گھومتی یا سانپ کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ شعرا آنکھوں کو کنایۃً میخانہ اور پیمانہ اور ساغر کہتے ہیں اس اعتبار سے بل کھانے والی نگاہ سے جو چکر کھنی کھائی ہوئی دھار نکلی وہ ضرور شراب ہوگی۔ پینے والا اسی رسی میں بندھا ہوا تھا اسلیے وہ بھی بل کھا کے پی گیا۔ دھار ناچتی ہوئی حلق میں پہنچ گئی۔ قصہ ختم ہوا۔ اب یہ لہریں کس بانبی سے نکلیں جنھوں نے بل کھا کے پی جانے کے بعد لہرا کے پینے پر مجبور کیا؟ بہم ہے چونکہ شعرا لم یسم ذالملہ ہے اور دوسرے مصرعے میں لہرا گئے ان مل بے جوڑ ہے لہذا مصرعہ ثانی یوں ہوتا تو اچھا تھا ؎

بھنگی نچائی اُس نے میں بھنا کے پی گیا

پھر فرماتے ہیں ؎

بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کو توڑ تاڑ کے تھرا کے پی گیا

شاید "کیف" کاتب کی غلطی ہے اصل مصرعہ یوں تھا ؎

بے کیفیوں کی تیغ سے گھبرا کے پی گیا

کیف آلہ ایست کہ از و روغن سیاہ در لیمپ می ریزند تا کہ نہ شیکد یعنی از زمین نہ ریزد۔ بے کیفی میں کیف کہاں یہ یعنی رانشبات کا اجتماع کیسا؟ دوسرے مصرعے میں تھرانا فضول ہے توبہ کوئی برقی بیٹری نہیں جو توڑنے والے کے جسم میں تھرتھری پیدا کر دے۔ ہاں توبہ توڑنے والا کسی قدر ڈرتا ضرور ہوتا ہے لہذا دوسرا مصرعہ یوں پڑھیں تو اچھا ہے ؎

توبہ کو توڑ تاڑ کے ڈرا کے پی گیا

یہ اصلاح ناپسند ہو تو پھر پورا مطلع یوں پڑھیے ؎

بے کیفیوں کے خوف سے تھرا کے پی گیا
توبہ کو توڑ تاڑ کے گھبرا کے پی گیا

یا یعنی کہ خوف سے انسان تھراتا ہے اور توڑ تاڑ سے گھبراتا ہے۔ تیسرا مطلع ہے ؎

اُن مست انکھڑیوں کی قسم کھا کے پی گیا
جب لہر آ گئی کوئی لہرا کے پی گیا

قسم کھائی اور پھر پی گئے تو خیر کھانے کے بعد پینے کا دستور ہی ہے مگر یہ حرامزادی لہر عجب چڑیل ہے ہر جگہ موجود رہتی ہے یعنی جہاں شاعر بے بس ہوتا ہے وہیں اپنا پاؤں اڑا دیتی ہے چنانچہ اس خمریات کی بے بسی میں آئندہ بلا وجہ لہرانے کا ذکر کئی مصرعوں میں ہوگا۔

چوتھا مطلع ہے ؎

اک شاہ خیال کو لپٹا کے پی گیا
باہوں میں باہیں ڈال کے اٹھلا کے پی گیا

ہاں اٹھلانے کا لاڈ تو کچھ اور ہی ظاہر کرتا ہے۔ ہو نہ ہو لپٹانے میں شاہ خیال کے سینے پر نگاہ پڑی اور شیرخوارگی یاد آ گئی۔ اس مطلع کو پڑھ کے ہرگز "پی جانے" کے کنایے کوئی شراب پینا مراد نہیں لے سکتا۔ قرینہ جو غارہ کہے اسی پر چلنا چاہیے۔ گلے میں باہیں ڈالنے تک تو مضائقہ نہ تھا مگر باہوں میں باہیں ڈال کے اٹھلانا یہ نیا پیچ ہے لہذا دوسرا مصرعہ یوں ہوتا تو اچھا تھا مطلب صاف ہو جاتا ؎

اور دُو دُو غوں دھو کہہ کے وہ اٹھلا کے پی گیا

پانچواں مطلع ملاحظہ ہو ؎

میں مست توبہ کرتے ہی پچھتا کے پی گیا
ساغر اچھال اچھال کے لہرا کے پی گیا

مست کو ساغر عزیز ہوتا ہے لہذا ساغر اچھالنے سے توہی تر دلیل مستی جو ترڑا اچھالنا اور مٹکانا ہے اگرچہ لہرانے کا جوڑ یہاں بھی الگ رہتا ہے۔ چھٹا مطلع ہے فرماتے ہیں ؎

وحشت بقدر جوش طلب پا کے پی گیا
ساقی کی لہر دیکھ کے لہرا کے پی گیا

اچھا کیا وحشت ہی کو پی گئے یا نیم بحر پی گیا کے اور کچھ مطلب شعر سے نہیں نکلتا۔ نہیں ایک لفظ اور ہے یعنی "لہرانا"۔ مطلعہائے نامربوط سے جان چھٹی اب اشعار کی طرف توجہ کا منھ پھیریے۔ ؎

دانشا یہ بیری شوخی رندانہ دیکھنا
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا

یہاں بھی مفعول ظاہر ہو گیا کیا پی گیا؟ اجی رحمت یا آب رحمت۔ پھر فرماتے ہیں ؎

جب جب جہاں ہوش سے فرصت ملی
نئی حقیقتوں کی طرف آ کے بل گیا

ا|ا جب جب کی لپ جھپ کس قدر صحیح ہے جتیجیں کئی ہیں مگر کوئی سامنے نہیں آتی جو پی گیا کی وجہ معلوم ہو۔ چوتھا شعر ہے ؎

میں اور ترک شاہد و ساغر خدا گواہ
جب آ گیا خیال بھی جھلا کے پی گیا

جھلانے کا سبب ظاہر نہیں۔ شاعر مالک سخن ہے قوافی کی ریل پیل ہے ایک جھلا۔ کیا ہے اگر سبب کے اظہار کی ضرورت نہیں تو جو چاہے کہہ دیجیے۔ غرا کے پی گیا۔ بڑا کے پی گیا۔ گڑ گڑا کے پی گیا جھنجھلا کے پی گیا۔ بولا کے پی گیا۔ یا وہی لہرا کے پی گیا کیا بُرا ہے سب ہی ٹکڑے برمحل ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

اے ساقیٔ ازل تری غربت کے میں نثار
توبہ کے ہر خیال کو ٹھکرا کے پی گیا

یہ دوسری مرتبہ رحمت سامنے آئی اور حلق کے نیچے اتری ہے۔ پیٹ کا ہے کو رحمت کی شکی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

؎ پیتا بغیر اذن یہ کب تھی مری مجال
در پردہ چشم یار کی شہ پا کے پی گیا

واہ "پا" اور "پی" تو جھا "پ" ہو گیا۔ حاصل طرح کچھ ہے نہیں بس گئے ہاتھوں یوں کیوں نہ پڑھیں ؎

در پردہ بغیر اذن یہ کب تھی مری مجال

گھر یہ بڑی ملاحظہ ہو ؎

بیری نگاہ و فکر پہ جب چھا گئی بہار
رنگینیوں سمیر آؤ سب لہرا کے پی گیا

صنعت "پینڈ پی" ہیں اس سے بہتر شعر نکلنا مشکل ہے نگاہ و فکر کے تالاب پر بہار چھائی وہ تو نہیں کائی پڑ سکتی

پھر غوطہ مارا اور لہرا کے پی گیا۔
حضوری کا نمونہ دیکھیے ؎

میں اور شکست توبہ سب سے کیا کہوں
کیا جانے کس خیال میں گھبرا کے پی گیا

گھبراہٹ میں کبھی بال کو نہ دیکھتا ہے۔ وہ خیال تو گھبرانے والی چیز تھی ورنہ گویا نہیں گویا دوستی کی مانگی یہ ہے۔ ؎

سرمستیٔ ازل مجھے جب یاد آ گئی
دنیائے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گیا

جگ۔ دت۔ تجربہ کی غلطی۔ گنہگار کا دور۔ یعنی مقدمہ بیبازی کا حشر

پہلے ٹھکرانا پھر پینا۔ شاید بادہ کشی کا یہ کوئی نیا ٹونکا یا شگون یا دستور ہے پھر ساری دنیائے اعتبار کو بیک جرعہ نگل لینا بھی معجزہ ہے۔
اختصار کی خوبی قابل غور ہے ؎

افسانہ مختصر یہ مری میکشی کا ہے
تو نے پلا دی جب مجھے لہرا کے پی گیا

یہ آخری لہرا ہے پینے میں لہرائے بغیر کام نہیں چلتا۔ حضرت شاعر نے واقعی لہرانے کی حد کر دی لہرانے سے جی نہیں بھرتا تو یوں کیوں نہ پڑھیں ؎

لہرانا مختصر یہ مری بے کلی کا ہے
لہرا دی تو نے جب مجھے لہرا کے پی گیا

حیوانہ شاعری کا ڈھیر لانا دیکھیے ؎

جس جس مقام پر مجھے مشکل پڑی کڑی
افسانۂ حیات کو دوہرا کے پی گیا

لفظ افسانہ بیکار ہے یہ شعر بھی حیات کو دوہرا کے پی گیا کہتے یعنی بستر لپیٹ کے پی گیا اور مشکل سے جان چھوڑ کے دولت سنبھال لیتا تیرا نام "یہ چل وہ چل" بیٹ کی نعری کوٹھری کے اندر حیات کمبخت تو ہر دم تہ دم میں پھنس کے راجہ والی چڑیا کی طرح بولنے لگی میں تو اندھیری کوٹھری میں آ گئی تھی اندھیری کوٹھری میں آئی۔
عذر خواہی کے جلوے پر غش عش کیجیے ؎

اے رحمت تمام مری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

پہلے یہ طبیعت رحمت کا تیسرا دور ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی مرتبہ میں نقص و کمال کی قینچ تھی اب تمام رحمت انتہائے شوق کے حلیتوں گلوے سخن سے پیچ و تاب کھاتی معدے میں متواری ہو گئی۔ اللہ ری گھبراہٹ خوش نصیبی پہ مبارکباد کہیے ؎

ملتی ہے کس کو خاص تری عادت ناز ہے
میرے نصیب تھے کہ تجھے پا کے پی گیا

اب کی جیسے پایا تھا اسی کو پی گئے چلو فرصت ہوئی نہ ہو گا بانس نہ بجے گی بانسلی۔
شرم آلودگی دادطلب ہے ؎

آزردگیٔ خاطر ساقی کو دیکھ کر
مجھکو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

نئی دولھنوں کا قاعدہ ہے کھانے پینے میں شرماتی ہیں کہ سسرال والے ندیدہ نہ کہیں چنانچہ یہ مشہور بزرگ ڈومنیوں کی زبان پر ہے: "کھانا نہ جانے بنیڈی سی رہے تو پینا نہ جانے دودھ۔ نہ تو شرماتی ہے" مگر یہاں الٹی رسم ہوئی کہ مارے شرم کے گھٹ گھٹ پی گئے۔

مقطع نذر ہے

اس جانِ میکدہ کی قسم بارہا جگرؔ
کل عالمِ بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

خوب شد۔ قسم کھانے کی چیز دھتی مگر ملا ودے والے کھایا کرتے تھے۔ کل عالم بسیط پر چھا کے پی لی گئی۔ اب نہ کھانے کے لیے باقی رہی نہ پینے کے قابل۔ اتنی بھی نہ بچی کہ کوئی چاٹے۔

معلوم ہوا کہ شاعری کا گھونٹ تھا ودے کا گھونٹ ہے جس کا جی چاہے جھٹ سے پی جائے۔ مذاق سلیم گیا اپنی ایسی تیسی میں اور زبان کی خوبی یا اردو کی ترقی گئی چولھے میں۔ اگر یہی شاعری ہے تو اہلِ علم کو اس سے پناہ مانگنی لازم ہے۔ میدان اُودبے لفنگے کے لیے خالی چھوڑیں اور گھر کے کیواڑے بند کرکے بیٹھ رہیں فقط۔

راقم—

ادبار الشعرا

الروضۃ البہیہ فی تاریخ سلاطین فاطمیہ

ہندوستانی مسلمانوں میں بوہروں کی جماعت ایک نامور تجارت پیشہ جماعت ہے۔ اسلامی مورخ اس جماعت کو ملاحدہ اسماعیلیہ باطنیہ قرامطہ اور اسی طرح کے دوسرے توہین آمیز ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ مگر ایک زمانہ تھا کہ بڑی بڑی سلطنتوں کے اندام ان کے نام سے لرزہ پڑ جاتا تھا۔ مصر و سواحل افریقہ و شام انکے زیر نگیں تھا اپنے عروج کے زمانہ میں یہ فاطمیہ کے نام سے ملقب تھے تقریباً تین سو برس تک داد حکومت دیتے رہے۔ ان میں بڑے بڑے نامور شعرا علما و حکما گذرے ہیں مثلاً مصلح الدین سعدی شیرازی و احمد بن عبداللہ مستورد ابوعلی بن سینا۔ سلاطین ایوبیہ نے انکا قلع قمع کیا اور اسی زمانے سے یہ منتشر ہوے۔ حکومت ہاتھ سے جاتی رہی تجارت رہ گئی۔ اس گروہ نے تقیہ میں اتنا مبالغہ کیا کہ کوئی مدون اور مستقل تاریخ جو ان کے مفصل حالات کی حامل ہو موجود نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ از راہ تقیہ عوام کی نگاہوں سے ایسی کتابیں مخفی رکھی گئی ہوں۔ بااینہمہ چشم انصاف کے نزدیک عام اسلام کی کتب سیر و تاریخ سے بھی اس مختصر گروہ کے عمدہ کارناموں کا انتخاب آسان ہے۔ چند کتابیں اس موضوع پر غیروں نے لکھیں مثلاً عمدۃ الجواہر فی احوال البواہر۔ مگر وہ خلط مبحث اور التباس کے عیب سے خالی نہیں ہیں۔ اور ساتھ ہی مجمل ہیں کہ بس نام گن لیجیے کام ندارد۔ یہ گروہ بھی اختلاف و افتراق کے عیب سے حسب معمول زمانہ پاک نہ رہ سکا۔ کئی فرقے ہیں اور جداگانہ عقائد رکھتے ہیں۔ منجملہ انکے ایک فرقہ داؤدیہ کے نام سے موسوم ہے اسکے رأس الرئیس حضرت مولانا السید طاہر سیف الدین ایک جوان ہمت عالم ہونے کے علاوہ صاحب تدبیر بھی ہیں۔ یہ اپنے گروہ میں کالمعصوم مانے جاتے ہیں یعنی معصوم تو نہیں ہیں لیکن خطا سے بری سمجھے جاتے ہیں جسے کلامی اصطلاح میں "محفوظ" کہتے ہیں۔ نائب امام ہونے کی حیثیت سے انکی اطاعت فرض ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سیدنا الطاہر سیف الدین قلمی دفاع کی طرف سے بے پروا نہیں ہیں۔ بات معقول ہے۔ آج کوئی شخص جو آنکھیں نکالنے اور آستین چڑھانے کے فن سے واقف نہیں زندوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اسلامی جرائد کے قلم میں جب کھجلی ہوتی ہے تو تیلی گردن کے بوہروں کی بینڈیا سے شالیا کرتے ہیں اور انکی طرف سے عام تاریخ اسلام جن الزامات اور تہمتوں کی تغلیط و ابطال کرتی ہے وہ بھی پیش نہیں کیے جاتے۔ پڑی ہی اور کھا بدے۔ منڈیا سہلائی اور چپ ہو رہے دشمن کھولا نہ زبان قلم کو تکلیف دی۔ الروضۃ البہیہ فی تاریخ الفاطمیہ کو دیکھ کے ہم متعجب ہوے کیا معنی کہ دستور کے خلاف ہے

ہمارے پیر مغاں سے الجھ پڑے آکر
یہ آج حضرت واعظ نے کیا قیامت کی!

"البیان المغرب فی اخبار المغرب" عربی زبان میں ابن العذاری مراکشی کی ایک تصنیف ہے۔ کتاب کہیں کونے کھترے میں پڑی ہوئی تھی محمد جمیل الرحمن صاحب ایم اے پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے لگے ہاتھوں اسکا ترجمہ کر ڈالا۔ ترجمہ کی اشاعت کو پانچ برس گزر گئے بقول نصیبن کئے پروئی سا سو آتی آئے آنسو پانچ برس کے بعد ... رہا۔ وہ تمام بال شائع کیا گیا ہے مبصر الیس ذاکر حسین جعفر صاحب ہیں مگر خدا جانے کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ خیر وہ لوئی مولا آدمی صاحب فکر اور قابل آ علوم ہوتے ہیں مذہبی جھگڑوں میں پڑنا ہمارا دستور نہیں اسلیے نفس مضمون کتاب کے صحت و سقم کا اظہار ہمارے عہدے سے خارج ہے ناظرین کتاب اپنے اپنے مذاق اور ذہن کے مطابق خود ہی فیصلہ فرمائیں ہاں طبع ثانی کی نوبت آئے تو مبصر صاحب سے درخواست ہے کہ فاطمیین کی سلطنت کا نقشہ اور انکے مقبوضات کے تفصیلی حدود بھی کتاب میں بڑھا ئیں۔ الیس ذاکر حسین جعفر صاحب کو مترجم پروفیسر سے شکایت ہے کہ اگر معزز فاطمیین کے نام کے ساتھ "لعنۃ اللہ علیہ" اصل مصنف نے زیادہ کر دیا تھا تو کم از کم جناب مترجم کو مصنف کی روش اختیار نہ کرنی چاہیے تھی۔ مگر شکایت بیجا ہے۔ کیوں؟ اے حضرت اگر زبان اتنی شیریں رکھی جاتی تو روضۃ البہیہ کی پیدائش ہرگز نہ ہوتی نہ آپ کی غیرت کی ہانڈی کھولتی۔

اس کتاب کی تدوین متداول تاریخی کتب سے ہوئی ہے۔ اسوجہ سے سلاطین فاطمیہ کے سیاسی طرز عمل کا ذکر خال خال ہے۔ سیاسی فوائد ناظر پر آشکار نہیں مجھے فرقہ اسمٰعیلیہ اگر اپنے عقائد تقیہ کے حزدان میں رکھنا چاہتا ہے تو اسے اختیار ہے کم از کم اہم تاریخی واقعات

اجلاس صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر بریلی

دفعہ ۴۴ ایکٹ ۵ سنہ ۱۹۲۰ء

درخواست دیوالیہ نمبر ۳۹ بابتہ سنہ ۱۹۲۶ء

متعلقہ دیوالیہ عبدالرحمن خاں ولد ... خاں ساکن ... ضلع بریلی

بر تعلق درخواست عبدالرحمن خاں دیوالیہ جو بتاریخ ۱۹ اپریل سنہ ۲۶ء کو دیوالیہ قرار دیا گیا تھا بعد ملاحظہ رپورٹ رسیور نسبت حالات دیوالیہ و سماعت مدائنان و دیوالیہ عبدالرحمن خاں تمام ذمہ داریوں سے نسبت ادائے قرضہ بلا کسی شرط کے بری کیا جاتا ہے۔

المرقوم ۲۹ جون سنہ ۱۹۲۶ء

مہر عدالت

دستخط حاکم ضبط انگریزی

(جو آجتک علم سینہ ہیں) اور دیگر اسلامی سلطنتوں سے فارس کے تعلقات ضرور شائع ہوجانے چاہئیں آجکل ہندوستان کی چھوٹی جماعتیں اپنے مستقبل کے بارے میں مضطرب ہیں۔ جماعت لبرابھی چھوٹی جماعت ہے اسکے بھی کچھ حقوق ہندوستان کی گردن پر ہیں تاجرانہ عقل و کفایت سے کام لیا گیا تو شاید تیجہ خوب ہو یا گتھیاں سلجھانے میں وقت کی ڈور الجھ جاے۔ بھائیو سر اجی سے نکال رکھو ورنہ دربار سے اسی طرح نکال باہر کیے جاؤ گے جس طرح حسن بن صباح دربار ملک شاہ سے۔ یہ حکایت بھی لطیف اور سننے کے قابل ہے۔ ایک مکتب کے تین شاگرد تھے نظام الملک طوسی عمر خیام اور حسن بن صباح۔ آپس میں عہد ہوا کہ تینوں میں سے جس کسی کی قسمت کا ستارہ چمکے اور طالع یاور ہو وہ دوسرے دوستوں کا لحاظ رکھے۔ بادشاہ رسی کا فخر پہلے حضرت خواجہ نظام الملک کو حاصل ہوا۔ خبر پا کے عمر خیام نے وفاے عہد کا تقاضا کیا۔ بارہ سو تومان سالانہ پر انھوں نے قناعت کی۔ یہ تو لگے ستاروں کی چال دیکھنے اور اختر شماری کرنے پھر حسن بن صباح پہونچے انھوں نے حسن کلام اور خوش تدبیری کے حیلوں شاہ کے مزاج میں پورا دخل حاصل کرلیا۔ اب مولانا نظام الملک بھنائے اور یاروں میں چوٹیں چلنے لگیں۔ ایک روز بادشاہ نے پوچھا کہ ممالک مقبوضہ کا تمام جمع خرچ کتنے دنوں میں مرتب ہوسکتا ہے خواجہ نے جواب دیا دو سال میں۔ اور حسن بن صباح نے کہا چالیس دن میں حسن بن صباح کو چالیس دن کی مہلت دی گئی۔ آدمی محاسب اور محنتی تھے مدت کے اندر دفتر مرتب کرلیا مگر شومی تدبیر کہ صفحات پر ہندسے لگائے "پا ورق" پر اکتفا کی۔ یاروں کے دل سے لگی ہوئی تھی چالیسویں دن دربار میں پہلے حسن بن صباح حاضر ہوے دفتر اپنے غلام کی بغل میں سپرد کردیا کہ جب طلب کریں فوراً پیش کرنا۔ پھر حضرت خواجہ تشریف لائے جلوخانے میں حسن بن صباح کا غلام دفتر لیے کھڑا تھا اس سے کاغذ مانگ لیے اور حسن ترتیب دیکھتے ہی خیال ہوا کہ حسن بالا مارلے گیا۔ تمام دفتر الٹ پلٹ ابتر غیر مرتب کرکے غلام کے حوالہ کیا ہزار اشرفیاں غلام کی ناک پر بہادیں کہ منھ بند رکھنا۔ اور خود شاہی دربار میں اپنی جگہ پر جا بیٹھے اتنے میں بادشاہ نے دفتر طلب کیا ظاہر ہے کہ ابتر دفتر سے بادشاہی پیچیدہ سوالا کا جواب کیونکر دیا جاتا حسن کو ندامت ہوئی اور اس ندامت کے مارے روپوشی پر مجبور ہوے یعنی دوسرے روز بھاگ کھڑے ہوے حالانکہ ابتر دفتر کا مرتب ہونا دو ایک روز میں دشوار نہ تھا۔

روضۃ البہیہ ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب ہے لکھائی چھپائی اچھی ہے کاغذ چکنا سفید ہے مطبع نادری جبلپور سے ۱۲؍ قیمت پر مل سکتی ہے۔

راقم

خاکسار اوبار التاریخ

قول مرداں جاں دارد

وضعداری

بانکے مرزا نوکری کی تلاش میں نکلے جنگل میں انھیں ایک دوسرا خوبصورت جوان ملا دونوں میں صاحب سلامت ہوئی دونوں ایک دوسرے کے گرویدہ ہوے آپس میں معاہدہ ہوا کہ ہر کام میں ایک دوسرے کا دل وجان سے شریک رہے گا۔ نوجوان سے بانکے مرزا نے کہا آؤ بھائی شکار کھیلیں بھوک بہت لگی ہے جوان خود شکار کی تلاش میں گیا ان سے کہتا گیا تم جنگل کی سوکھی لکڑیاں چن لاؤ۔ بانکے نے لکڑیاں چنیں۔ جوان ہرن مار لایا خود نمک کی تلاش میں گیا انھیں گوشت صاف کرنے کی خدمت پر معین کیا الاؤ میں بھی آگ روشن تھی اور معدے میں بھی بانکے نے نمک مرچ کا انتظار نہ کیا ہرن کا دل نکال کے آگ پر تلے سینکے اور کھا گئے۔ جوان نمک مرچ لے کے پلٹا کباب تیار ہوے کلیجی بھنی جوان نے پوچھا دل کہاں ہے بانکے مرزا کے منھ سے نکل گیا اس ہرن کے دل نہ تھا۔ بات اچنبھے کی تھی جوان ذری متحیر ہوا کہنے لگا "کا بھلا بے دل کا ہرن بھی ہوتا ہے؟" بانکے سخن پرور تھے انکار کے بعد اقرار کیا کرتے وضعداری کے شیشے میں بال نہ پڑ جاتا۔ تکرار انکار و اصرار بڑھتے بڑھتے جنگ و پیکار کی حد تک پہونچ گیا۔ بانکے مرزا سپہ گری کے فنون میں کچے ہی رہ گئے جوان سینہ پر چڑھا گردن پہ خنجر رکھ کے پوچھا بتاؤ ہرن کے دل تھا یا نہیں اب بھی سچ کہدو ورنہ جان مفت جائے گی۔ مرزا لکھا جو کچھ ہو۔ ہرن کے دل تو نہ تھا۔ پہلا امتحان سخن پروری ختم ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد جوان نے کہا چلو مرزا چوری کریں۔ چوری کے واسطے شاہی محل تاکا گیا کمند پھینک کے دونوں چھت پر اور چھت سے انگنائی میں اترے جوان نے جواہر کا صندوقچہ بغل میں دبایا مرزا سے کہا تم کھمبے کی آڑ میں کھڑے رہو بھلے بچے جانے دو بیوقوف مرزا فقرے میں آگئے جوان اپنی کمند تک پہونچا ادھر چور کا غل مچادیا مرزا ادھر سے گئے اور دھر میں دیا۔ شاہی محل پر چوری کا ارتکاب آج حکم مرزا دار (سولی) کے نیچے بٹھا دیے گئے تیسرا حکم ہونے ہی سولی پہ لٹکائے گئے اتنے میں جوان صبا رفتار گھوڑے پر آندھی کی طرح آیا جلاد کا سر قلم کیا اور مرزا سے یہی سوال کیا کہ اب بھی خبر ہے اگر جان عزیز ہے تو بتادو کہ "دل تھا"۔ مرزا نے گردن ہلا کے جواب دیا "دل تو نہ تھا"۔ یہ دوسرا امتحان تھا رسیاں یک ضرب شمشیر کٹ گئیں مرزا کو اچک کے جوان اپنے گھوڑے پر بٹھا کے غائب ہوگیا۔ لینا پکڑنا جانے نہ دینا۔ مگر کوئی گرد بھی پا نہ سکا۔ مرزا اپنے رفیق کے ساتھ ایک عالیشان محل میں آئے رفیق نے مردانہ لباس اتارا زنانی پوشاک پہنی اف! مرزا دیکھتے ہی غش کھا کے گرے۔ خوبصورت رفیق نے مرزا کا سر زانو پر رکھا کنیزوں نے مروحہ جنبانی کی پرستاروں نے گلاب کیوڑا چھڑکا۔ مرزا نے آنکھ کھولی رفیق نے منھ سے منھ ملا کے سوال کیا۔ ظالم اب بھی کہدے کہ ہرن کا دل تھا۔ مرزا بولے اول ہوں۔ یہ تیسرا امتحان ہوا۔ رفیق نے کہا سنو مرزا بندی اس شہر کی شاہزادی ہے باپ نے میری شادی کا مجھی کو مختار بنایا ہے۔ اور میں تمھیں اپنا ہم پہلو بنانا چاہتی ہوں اٹھو حواس درست کرو تھوڑی دیر میں مانجھے کا جوڑا آتا ہوگا۔ جوڑا آیا رسم ہوئی قاضی آیا اور نکاح ہوگیا۔ حجلۂ عروسی میں ہاتھ اور منھ کی گستاخانہ تمہید ختم ہوئی اور بے صبری کی کتاب کھلی۔ بیتابی حد سے

قلم معدوم رقم سے یاں لب پہ لاکھ سخن اضطراب میں ۔ ہے عیش خواب میں"
دفتر انقلاب پیکر سے واں ایک خامشی مری سب کے جواب میں ۔ لطف انقلاب میں ۔"

گل صبحدمے بجود برآشفت و بریخت
با باد صبا حکایتے گفت و بریخت
بدعہدی دہر بیں کہ در چندیں روز
سر بر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت
اگر موسم خزاں میں بھی تازہ پھولوں کی نکہت سے لطف اٹھانا چاہو تو اصغر علی محمد علی عطر سازان چوک لکھنؤ
سے عطر کی ایک شیشی طلب کیجیے۔ بہار باغ ناپائدار ہے۔ اور اسکی خوشبو پائدار ہے

مستجاوز ہو چکی تھی کہ دلھن نے جان کی قسم دے کے پوچھا "یہ سچ کہو پیارے ہرن کے دل تھا یا نہیں" گر وارے مرزا یا منتی ٹھسک کے بولا "شہزادی مرد بھی کہیں زبان پلٹتے ہیں۔ دل نہیں تھا۔ نہیں تھا۔ نہیں تھا" یعنی طبع بھی سخن پروری پر غالب نہ آئی۔ یہ کہانی بوا نصیبن کہا کرتی ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ مرزا کے سے بات کے دھنی اب غیر مروج سکے ہیں۔ مگر نہیں غلط ہے ہندوستان کے اخبار نویس اپنی پالیسی میں تو لاکھوں پلٹے کھا گئے ہیں یعنی ایک اخباری کاغذ کو اپنی پالیسی بعد غور و فکر ایسی معین کرنی چاہیے کہ پھر شب بدلتے پاسے یہ نہیں ہوتا ہر شے نیا تاؤ بھاؤ آج کورٹ کی تجے کل فوج کی جے جس غرض سے آج یہ چہ خلا ملا کل اُسی کی مخالفت اپنے منہ سے کرتے ہیں لیکن اگر شخصیت کا معاملہ آن پڑا اور ضعداری پر تل گئے تو ہو گئے آنکا بانکے مرزا۔ "ہرن کے دل نہ تھا"

امان اللہ خاں نے پچاس ذی اقتدار مرد بیلا کو توپ کا گولہ بنایا رنجک پر اُڑا یا تب بھی غازی رہے۔ ہرن کے دل نہیں۔ خواتین کے چہرے عرض پانہ کیے اُسیر بھی آزادی کے حامی تھے ہرن کے دل نہیں۔ ذی اثر عمائد کے سر پر ہیٹ اوندھائی اور زبردستی اوندھائی اُنیر چڑھانے کیے یا نیمہ عادل کے عادل۔ ہرن کے دل نہیں۔ یورپ کے قوانین وضع کرنے وقت شریعت کے اہم اصول پامال فرمائے تو دینداری میں فرق نہ آیا۔ ہرن کے دل نہیں۔ قدم قدم پر جاتیں کہیں دانشمندی کے پیچھے لاٹھی لے کے گھومے تو روشن خیال مدبر ٹھہرے۔ ہرن کے دل نہیں۔ فوج کی تنخواہ تین تین مہینے تقسیم نہ کی۔ پیروں اور مذہبی پیشواؤں کے مخالف ہرپ کیے تو سنی باذل کا لقب اخباری کاغذوں کی طرف سے عنایت کیا گیا۔ ہرن کے دل نہیں۔ دشمنوں کے ہاتھوں ہر مہم میں ناکامی کا منہ دیکھا تو "مظفر و منصور فاتح اعظم" کا خطاب ملا۔ ہرن کے دل نہیں۔ جوتا ٹوپی چھوڑ کے میدان سے بھاگے تو بہادری اور شجاعت میں رشک خالد بن ولید فخر عبداللہ ابن زبیر ٹھہرے۔ ہرن کے دل نہیں۔ نہ تھا اخبار نویسوں کی جان پر بنی تھی۔ حضرت کے تخیل طبعی سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے اہل قلم زریں جال میں پھانسے گئے ہوں اور غلط قصیدہ خوانی کی اُجرت بانٹی گئی ہو گی پس بعد فرار و گریز ہو "ہرن کے دل نہیں" تو اسکے معنی ہی کیا ہیں۔ بقول جرائد پنجاب ان کے نکلنے باندھنے کا اتنا اثر ہوا ان کی گفتار عشق آفریں نے یہ رنگ دکھایا کہ ہندوستان کے بعض اہل دل بقول جرائد پنجاب غازی فاتح مجاہد منصور کے خلع سلطنت پر درد گردہ میں مبتلا ہوئے۔ جب تک قندھار میں "غالی بھیڑیوں" کا دوڑا جا کا عمل ہوتا رہا اُسوقت تک اُمید فتح درد گردہ پر غالب رہی مگر غازی کے ترک وطن اور مذہب ظفریابی کی خبر سنتے ہی "انا للہ وانا الیہ راجعون" مرض بالکل نیا ہے کسی طب کی کتاب میں مذکور نہیں یعنی درد گردہ باستماع خبر موسش ہے۔ واہ خوردہ نہ بردہ مفت میں درد گردہ۔

اب اس وضعداری کے تیوروں کا تودہ جنرل نادر خاں بن رہے ہیں۔ انکے بارے میں بھی "ہرن کے دل نہیں" کا عمل شروع ہوا ہے۔ خدا خیر کرے۔ جنرل صاحب ہمیں ملتے تو ہم کہتے کہ میدان جنگ چھوڑ کے ہندوستان تشریف لائیں اور محلۂ عروسی میں بانکے مرزاؤں کا امتحان فرمائیں روپیہ پیسہ تو آپ کے پاس نہیں مگر ممکن ہے کہ نرالی وکیل التجارت مقیم ہند کا گم شدہ دل مل جائے۔

راقم
وضعدار سخن پرور

مولانا پنچ کی نوٹ بک

چڑے کا رجز ہوا بی سنٹ کی زبانی

ایک میاں چڑے بی بی چڑیا کے ساتھ اٹکھیلیاں خوش فعلیاں کرنا چاہتے تھے بی چڑیا کچھ اُسوقت بد مزاج ہو رہی تھیں۔ چڑے کو غصہ آیا اور وُہ سنے پر پھلا کے پہلے تو دو تین لاتیں ایک آدھ چونچ سے خبر لی پھر لگا رجز خوانی کرنے۔ سنتی ہے اینجانب سے ڈر خدا نے اینجانب کے بازوؤں میں وہ قدرت وہ طاقت وہ توانائی بخشی ہے کہ بیک اشارۂ بازو حضرت سلیمان کا قبہ سمندر میں پھینک سکتے ہیں:

ہوا نے میاں چڑے کے الفاظ اپنے دامن میں لپیٹ کے حضرت سلیمانؑ کے سمع اقدس تک پہونچا دیے حضرت نے میاں چڑے کو طلب فرمایا پوچھا کیوں بے تم کیا جھک مارتے تھے۔ اچھا یہ قبہ موجود ہے ذری اپنی طاقت کا کھیل ہمیں بھی دکھاؤ۔ چڑے صاحب نے کہا حضرت آپ بھی ہوا کی لگائی بجھائی پر اعتنا فرماتے ہیں۔ خداوند وہ مرد ہی کیا جو اپنی جورو پر دھونس نہ ڈالے بغیر دھونس ڈالے کام نہیں بنتا کیا معنی کہ گھر کے لوگ کچھ بیرے دانے پانی کے محتاج تو ہیں نہیں روٹی کپڑے کا جھنجھٹ انسانوں ہی میں ہے یہاں صرف حق شوہری ہے اکثر اسکی ادائی بزور پنجہ و نوک ہوا کرتی ہے۔ بارہا دھونس ڈالنے کی نوبت آتی ہے۔ ہوا کی چغلخوری پر کان نہ دھریے یہ ایسی ہی دھرینگے اُڑایا کرتی ہے"

اسی منطق پر عمل فرما کے اگر مسز اینی بسنٹ نے ہوا کی طرح کو کسٹن ہال میں ہندوستانی چڑوں کی نثر مرجز اور قبہ درہم خکن الفاظ پہونچائے تو مضائقہ ندارد۔ باعتبار منطق العصفور دھونس بھی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے مگر حکومت ہند وہ چڑیا نہیں جو دھونس میں آ گئے۔ اول تو ہندوستان میں بغاوت کا نام نشان نہیں یہ تو سخت گیری اور چھیڑ خانی کا ایک بہانہ ہے جو مسلسل تیس برس سے عاجز خراشی کا فرض ادا کر رہا ہے۔ دوسرے اگر مان بھی لیں کہ بغاوت خارج میں موجود اور محسوس ہے تو "وہ جو خفتہ و چہ بیدار" بھوک ہڑتال کیجیے اور جیل خانے جائیے۔ اور اسکے اللہ رکھے وفاداروں کو "دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست" دو حرفی سہ حرفی خطاب نامعقول بغاوت کا قلع و قمع کر سکتے ہیں خدا نے چاہا تو بندوق اور توپ کی ضرورت بھی نہو گی۔ پس ہمارے نزدیک تو بوا بیسنٹ کی یہ رجز خوانی کہ "اگر ہندوستان کے مطالبات جلدی پورے نہ کیے گئے تو بغاوت ہو جائے گی" چڑے کی دھونس سے زیادہ کم زور اور غیر مفید ہے۔ بوا بیسنٹ کے کلمات سخت گیر قوانین کی حمایت کرتے ہیں اور اُس حکومت کے حق میں جواز روئے قانون ہندوستان پر مسلط ہے آسائش رُبا قوانین ایجاد کرنے کی حجت قطعی بن سکتے ہیں۔ بوا بس کرو! اب تو رو رو کر یہاں پر گیہوں بنہ کا بیر بیٹھ چکا۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ یہاں کوئی

سلیمان منش نہیں ہے جو دھمکی اور دعا بعیت پر اتیا ذکر سکے حکومت ذکی الحس ہے تم دھونس دلاؤگی وہ فریاد کرے گی کہ دیکھو صاحبو ہم اپنی حفاظت کریں یا نہ کریں۔ نے بھرے مجمع میں لوئیجیانے بغاوت کا اقرار کیا ہے اب بھی نبھو سکیو وہ میں شک ہے۔ پیشگاہ حکومت سے ایک نیا گورنمنٹ سیفٹی بل پیش ہو کے پاس کر دیا جائے گا۔ تم تو خیر جہاں جتا کے سرخ رو بن جاؤ گی یہاں ہم لوگوں کی جان پہ بنے گی دیا سلائی کی ڈبیا بھی تھانے پہ جا کے مول لینی پڑے گی اور اسکا بھی ایک رجسٹر تیار کرنا پڑیگا۔ سگریٹ جلانے میں ایک دیا سلائی صرف ہوئی چراغ میں ایک چولھا روشن کرنے میں ایک۔ خدانخواستہ خلاف معمول اگر چار دیا سلائیاں صرف ہوگئیں تو اپنے گھر گھیرے کی تفتیش آغاز ہو جائے گی تباؤ جی یہ چوتھی دیا سلائی کیونکر خرچ ہوئی کون گواہ ہے۔ اچھا تلاشی دو ہم تو شبہ کرتے ہیں کہ تم نے کسی خلاف قانون مقصد کے لیے اسکا مسالا چھوڑا کے رکھ لیا ہے یا تو چار دن جلی ہوئی دیا سلائیاں حاضر کرو ورنہ چلو مجسٹریٹ کے یہاں۔ ابھی ہم خوب تمھاری حرکتیں جانتے ہیں تم عادی مجرم ہو تمھارے خلاف بہت سی شکایتیں ہم تک پہونچی ہیں تم ضرور مسالا جمع کر کے بم تیار کرنا چاہتے ہو۔ خالہ یہ زرد زرد کیا چیز ہے؟ ارے گندھک! کیوں جی یہ گندھک تمھارے پاس کہاں سے آئی۔ ہاں جی تو دل میں داد ہے اچھا دکھاؤ جم ترث۔ اس دھونس کی بدولت کہاں کچہری میں جم تڑ دکھانے پڑینگے۔ دھمکی کی ایسی تیسی ہے۔ کام اچھا ہے وہی جس کا کل اچھا ہے۔ مزدوروں کی حکومت ہو جانے پر اتنا غرور فضول ہے۔ میاں انصاری بداسی سے ڈرانے ہیں مسٹر چنتامنی فرماتے ہیں اب تحمل کی قوت جواب دے چکی مسٹر چیٹی فرماتے ہیں کہ دیکھیے جو ہندوستانی محروم رہے تو بائیکاٹ ہے بڑھ جائینگے۔ ابی ان باتوں سے کیا ہوتا ہے جعفر زٹلی فرمایا کرتے تھے

من آن رستم وقت روئیں تنم
کہ یک پا بپا دشت دہ شکنم

ماہ جون ۱۹۲۹ء کے دو نمبر حاضر خدمت ہیں انکی اشاعت اتوار کے پہلے ہفتے میں ہوئی صبر کیجیے غالباً دو ہفتے اور یہ بے ترتیبی رہیگی پھر انشاءاللہ تاریخ اشاعت درست ہو جائیگی۔ — منیجر اودھ پنچ

چور کی ماں کوٹھیا میں منھ ڈال کے روئے

یہ ایک مثل ہے اور ایسے محل پر استعمال کی جاتی ہے جہاں افشائے راز بدنامی کا سبب ہو مثلاً کوئی شریف عورت اپنی بیٹی کی حرکتوں سے نالاں ہو مگر اس وجہ سے کہ بدکاری طشت از بام ہوئی تو پھر اسے کون پوچھے گا۔ دل ہی دل میں کڑھے۔

کلکتہ کے اخباری کاغذوں میں دریائی قزاقوں کے مقدمے کا حال چھپا ہے کہ تین سال سے یہ چور جہازوں کا مال اڑا لیجاتے تھے۔ خیر ہوگا ہمیں اس سے کیا چوروں کا یہی کام ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ عایا کی حفاظت جان و مال کے لیے مقرر کیے گئے ہیں انھوں نے اپنے فرائض ایمانداری کے ساتھ ادا کیے یا حرام کی تنخواہ لیتے رہے۔ ابھی ایمان کس کھیت کی مولی ہے۔ کوئی ایماندار کرے تو کہاں سے کیا؟ مجبوری کا سودا۔

قاچاری عہد میں ایرانی پولیس کی تنخواہ سالہا سال ملتی ہی نہ تھی پولیس کے سپاہی بلی جوتوں جھری پوستینیں اور بوسیدہ چمڑی پر تلے کی تلوار پہنے ہوئے بوٹ سے آراستہ سڑک پر کھڑی اکے ڈکے کی خیر منایا کرتی تھی۔ آپ نکلے اور پولسین صاحب آگے بڑھے اب اگر آپ کمزور ہیں تو بے تکلف جیب میں ہاتھ ڈال دیا جو کچھ آپ کے پاس ہوا وہ ان کے باپ کا مال ہے۔ اور اگر زبردست ہاتھ پاؤں والے ہیں تو آغا ہاتھ پھیلا کے بول اٹھا - "آقا جان! سلامتی" زور سے ملا تو زاری سے ملا۔ بہرحال کچھ نہ کچھ لے مرے۔ آخر جس خادم کو تنخواہ نہ ملے وہ کیا کرے۔ ہندوستان کی پولیس وقت پہ تنخواہ پاتی ہے عمدہ وردی سے آراستہ ہے نہتے اور بے ضرر مجمعوں پر (یاد کرو کانپور اور بمبئی وغیرہ کے بلوے) بار ہا مار کے بہادری کے انعام حاصل کر لی ہے "سلامتی" کہہ کے بھیک نہیں مانگتی۔ اکثر "مرت" کا پیام زندگی اچھا رہو سمجھ لینگے) دے کے رشوت میں بڑی بڑی رقمیں اڑاتی ہے۔ اسپر بھی نیت کا یہ حال ہے کہ بحری قزاقوں سے مل بیٹھی اور چوری کے مال سے تنخواہ مقرر کروائی۔ جج صاحب کی رائے ہے کہ اس کاروائی میں ہندوستانی

کے ساتھ چند یوروپین پولیس آفیسر بھی شریک تھے جو اب معطل اور برخاست کیے گئے ہیں۔ تعطل اور برخاستگی کوئی سزا نہیں ہے جب تک ان پر مقدمہ چلا کے جو جو سزائیں ان کو نہ دی جائیں اور چوروں کی فہرست میں ان کا نام لکھ کے وہی پابندیاں ان پر عائد نہ کی جائیں جو چوروں پر جیل خانہ سے باہر نکلنے کے بعد عائد کیجاتی ہیں ہم تو یہی کہیں گے کہ حکومت بنگال ان چوروں کی ماں ہے اور کوٹھیا میں منھ ڈال کے روتی ہے۔

یا اھل البکاء

جریدہ سرفراز لکھنؤ کا محرم نمبر سامان بکا و گریہ ہے لہذا عنوان انکا ہے اسمیں شہادت امام حسین پر کئی مضمون بہت عمدہ شائع ہوئے ہیں۔ یہ مضامین بکا و گریہ کے ساتھ ہی پولیٹکل اور تاریخی حیثیت سے بھی قابل غور ہیں ان کا انداز روزمرہ تواتی ہے۔ نقل علیحدہ ہے۔ ہر ایک مضمون نگار نے حتی الوسع دوسروں پر چوٹ کرنے اور دل دکھانے سے اجتناب کیا ہے نظم و نثر سب طرح کی دلاویزیاں ہیں۔ اسکی ایک کاپی عین وقت پہ کوئی اور مضمون چرا کے لے گئے۔ خیر یہ بھی ثواب سے خالی نہیں۔ اب دوسری کاپی دفتر سرفراز سے بایں فرمائش موصول ہوئی ہے کہ حفاظت سے رکھیے اور اپنی رائے ظاہر کیجیے۔ ہم گریہ و بکا سے زیادہ کچھ کہنا نہیں۔ پھر بھی اگر ہماری رائے ان عزاداروں کی خوشی کا موجب ہو تو باامید خوشدلی رونے میں نصیب ہی کیا ہے۔ جو کوئی ہماری تحریر دیکھ کے محرم نمبر منگائے وہ روتے وقت ہمارا خیال رکھے ہمیں بھول نہ جائے لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ہے قیمت چار آنہ بھیج کے رو لیجیے۔

رعایت

مجامع الشذرات حصہ دوم جسمیں قدیم و جدید ماہرین علم موسیقی نے کانے اس طرح لکھ دیے ہیں کہ دیباچہ کی ہدایتوں پر عمل کرنے کے بعد ایک مبتدی بھی ان سروں اور دھنوں کے ادا کرنے پر قادر ہو جاتا ہے جس طرح کہ ایک بستار پر راگ کی تصویریں کھینچ دی گئی ہیں ان چیزوں کی بہم رسانی میں عالیجناب آنریبل راجہ نواب علیخاں صاحب تعلقدار اکبرپور نے لاکھوں روپیہ صرف فرمائے ہیں پہلے اسکی قیمت ﷲ علاوہ محصولڈاک تھی اب آخر ستمبر ۱۹۲۹ء تک للعہ قیمت پر مل سکے گی بشرطیکہ روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجا جائے اور کوپن پر خریدار اپنا نام اور مقام صاف و صحیح لکھے۔

المشتہر: منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ طلب ہے

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے نتیجہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر نہ جائیے۔ نہ کمی کی پرچوں پر جائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے رورعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت استہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) طالبان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق۔ یا ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ [illegible] لی جائے گی۔ یہ ضرورۃ [illegible]

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اسوجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو بھیجا جائے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپ کے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اسکے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو ایک ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما خیر ثما بہ سلامت۔ بنابریں ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان منفعت اگر اپنی [illegible] پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ پانچ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال [illegible] اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف [illegible] ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے [illegible] ڈاکخانے یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ خورد ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ مینجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دلتخانے پر نیازمند مینجر خود نہیں پہنچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی خط کا جواب ملنا چاہیے بلکہ روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں مینجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے [illegible]

(۹) جو مضامین اودھ پنچ کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہونا چاہیے۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۲۴

مضامین

بابتہ یکم جولائی ۱۹۲۹ء

بی امامن بھری کے فلسفیانہ خیالات

(۵)

خیر خیرات

اے جو کوئی صدقہ خیرات بشرفی اللہ کرتا ہے تو اپنے بھلے کے واسطے کرتا ہے۔ کہو اس سے کیا مطلب کہ کون کیسا ہے۔ کس کے کرتوت بھلے ہیں کس کے بُرے ہیں۔ تم کو اس قصے سے کیا۔ اے ہاں چار پیسے اپنی آقبت (عاقبت) سنوارنے کے لیے دیتے ہو تو وہ میرا صاحب بے پوچھے کیسی۔ اچھا یوں ہی سہی تم نے روپیے دیے اس نے پاس سیدھا چلا گیا پھر پیر۔ برا ہوا داؤں پہ لگا دیے تو پھر دینے والے کا کیا بگڑا۔ وہ جانے اور اسکا اللہ۔ تو کوئی کسی کے دل میں بیٹھے ہو؟ اس نے آپ اپنی گور انگاروں سے بھری۔ دوسرے اللہ میاں جواری کو بھی نوازتے ہیں ؎

اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار

تمھیں کیا ام (معلوم) کہ اللہ میاں اُسے بخشیں گے یا کہیں گے چل مرے یہاں سے (یہاں سے) دور دفان۔ جا جہندم (جہنم) میں۔ کوئی کریل کریل کہتا ہے کوئی کریم کریم کہتا ہے اللہ میاں سنتے ہیں سب کی۔ امیر امرا کو دیکھو آپ جا کے ہوٹل میں تھو تھو گھوڑا ڈھیروں کالا پانی ڈھکوس جاتے ہیں تو کچھ نہیں مرے بدمُہری (سور) کے نیچے ٹھونستے ہیں تو کچھ نہیں۔ ہزاروں روپیہ گھوڑ دوڑ میں تاش میں ہارتے ہیں تو کچھ نہیں۔ پل ادھر کسی نے ہاتھ پھیلا کے کہا: اللہ بھلا کرے" بس لگے وکیل کی طرح جراں (جرح) کرنے اور سات پشتوں کا حال پوچھنے۔ تمہارے میاں کہاں ہیں یہ لڑکا کتنے دنوں کا ہے۔ تم کب رانڈ ہوئیں۔ کام کاج کیوں نہیں کرتیں نوکری کرو گی۔ یہ ناک میں کیل کیسی ہے۔ چپل چکنیاں بنی پھرتی ہو بھیک کیوں مانگتی ہو۔ کسی بھلے مانس کا ہاتھ پکڑ کے بیٹھ کیوں نہیں جاتیں ابھی تو اچھی طرح بڑھاپے کی دال نہیں گلی جوانی کی کتنی باقی ہے۔ لیجیے صاحب باتوں کا تانتا لگا۔ منہ میں بو اسیر ہو گئی بُری بُری آوازوں کا مارا ہی نہیں لوٹتا۔ اے چودہ صدی۔ دینا دلانا کچھ نہیں۔ بڑی بڑائی ملکا ہاتھ دھر نگیلے پل جھگڑے بکھیڑے اتنے۔ جو دیکھیے تو یہ تھوڑی کہے اللہ کے نام پہ دے رہے ہیں۔ یہی سمجھ کر لڑکے لڑکی کی نسبت ٹھہرا رہے ہیں۔ اور بعضے بعضے لوگ تو دینے کے نام گالی بھی نہیں دیتے اسیر وہ قضیا و چھانٹتے ہیں کہ بھیجا ٹپکنے لگتا ہے۔ اور اب تو زمانے کی سنیا ہی پلٹ گئی نگوڑی خیر خیرات میں بھی قاعدہ قانون گھس گیا ہے۔ ناقمین (یقین) ہو جا کے اتیم خانہ (یتیم خانہ) دیکھ آؤ۔ اللہ دفتر لگا ہے۔ منیریں پچھی ہیں یہی کھاتے اُٹھ جا رہے ہیں۔ اتیم خانہ کا ہے کو ساہو جی کی کوٹھی ہے۔ یہ لڑکا یہاں سے آیا ہے وہ یہاں سے آیا ہے۔ اسکو یہ ملا اسکو وہ دیا گیا۔ بڑے بڑے اشتہاروں میں نام چھپتے ہیں۔ ایکے نواب نے چالیس روپیہ بھیجے کہ اتیم بچے مقدمہ جیتنے کی دعا مانگیں۔ ڈھیکے راجہ نے سو روپیہ بھیجے ہیں کہ رانی کے کھاں بچہ نہیں ہوتا۔ پیٹ نہیں رہتا۔ یہ بھی چودھویں صدی کا لیکھا ہے ہم تو اپنے زمانے میں دیکھتے تھے کہ خیر خیرات میں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی تھی۔ نواب ٹلّن صاحب جب مرے ہیں تو بیس پچیس رانڈوں کی ڈولیاں ساتھ تھیں ایک کہرام تھا کہ آج رانڈوں کا وارث چل بسا۔ جیتے جی اشور (مشہور) تھا کہ بڑے کنجوس ہیں۔ تو وہ کیا کوئی آجکل کے لوگوں کی تنور (طرح) دے کے ڈھنڈھورا تھوڑا پیٹتے تھے۔ اے نوج۔ وہی مثل ہے نکٹے کا کھائے اُکلے کا نہ کھلائے۔ نگوڑا جو کوئی دکھیا غیرت دار ہو تو ارے شرم کے کٹ جائے آنکھیں چار نہ کر سکے۔ تو دجاں (وجہ) کیا کہ اپنے نام پہ یہ لوگ دیتے ہیں کوئی خدا کی راہ کا سودا تھوڑی ہے۔ اسی سے تو برکت اُڑ گئی لاکھوں دیتے ہیں پھر بھی ثواب نہیں ہوتا۔ کسی کے دل سے دعا نہیں نکلتی۔ برسوں کا ذکر ہے راجہ کنجوس نگر کی ڈیوڑھی پر کیا دیکھتی ہوں کہ آٹھ دس موٹریں کھڑی ہیں ابھی ابھی پوشاکیں پہنے رئیس لوگ آئے ہیں میں نے پوچھا آج کیا ہے۔ مہرا بولا کچھ نہیں یہ رئیس لوگ رانڈ خانے کے لیے بھیک مانگنے آئے ہیں۔ ڈیپوٹیشن آیا ہے۔ ڈی پوٹیشن کیا چیز ہے؟ اسنے کہا یہ نہیں جانتا۔ میں نے کہا اور بھی ہو نگوڑے "ڈیپوٹیشن" تو مجھے کیا بتائے گا میں سمجھ گئی وہی کوئی بڑا اثر کرنے والی بات ہوگی۔ اے غضب یہ ریاست دیکھو اور یہ بھیک مانگنا دیکھو۔ رئیسوں نے بھی غیرت بھون کھائی۔ وہی مثل ہے بھیک مانگنے چلے اور مشتی دین ساتھ۔ بھلا جو اس شان شوکت سے امیر امرا بھیک مانگیں گے تو پھر غریبوں کو کون دے گا۔ کمبختی پورے تا لقدار (تعلقدار) ہو کے تیرے میرے آگے ہاتھ پھیلانے آئے ہیں۔ آخ تھو۔ کیا باپ دادا کا نام روشن کیا ہے۔ واہ۔ رانڈوں کی پرورش کرنی ہے تو انکی تنخواہیں مقرر کر دو بیچاریاں کونے میں بیٹھ کے رنڈاپے کے دن کاٹ دیں۔ اُنکے لیے رنڈاپا بنانے کی ضرورت کیا ہے۔ آخر حسین آباد بنا تو ہے۔ بیسیوں بیواؤں کی طلب مقرر ہے گھر بیٹھے پہنچ جاتی ہے۔ ہاں یہ پوچھ لیتے ہیں کہ رانڈ بیوا رنی غریب محتاج ہے یا نہیں۔ شریف منزل رئیس منزل میں بیچاری بیویاں نہیں جب رہتی ہیں جب کہیں بیٹھنے کا ٹھکانا نہیں رہتا۔ جو سب رئیس مل کے حسین آباد کو روپیہ دے دیں تو رانڈوں کی پرورش اچھی تو ہو سکتی ہے مثل اپنی ڈھائی اینٹ کی مسجد (مسجد) الگ نہ بنائیں تو اپنا نام کا ہے کو ہو۔ میرے جی میں آئی کہ لاؤ دیکھوں تو رانڈ خانہ کیسا ہوتا ہے۔ قضاں اتفاق (قضا را اتفاق) میں اُن ڈپٹی صاحب کے یہاں نوکر نہیں تھی؟ تو انکی بیگم گئیں بنارس اپنے میکے وہ دیکھنے گئیں عورتوں کا اتیم خانہ۔ وئی میری بیوی۔ وہ وہ سنڈیاں بھری تھیں۔ اللہ جانے کیا کیا نام تھے۔ کہنے کو تو رانڈیں ہیں مل ایسی آرام سے رہتی ہیں کہ بیوی اپنے دل کی بات کہہ دوں میرا تو جی چاہا کہ ناک کی کیل ہاتھوں کی چوڑیاں ٹھنڈی کر دوں اے ہاں جو رانڈ ہونے میں یہ عیش ہے تو کا نسق (کاش) تیس برس اُدھر رنڈاپا ہو گئی ہوتی۔ نصیبوں کی خوبی کہ رانڈ بھی ہوئے تو کب جب سر تک سفید ہو گیا۔ کہو اب جو ہم ان لوگوں سے کہیں کہ ہم بھی رانڈ ....

.... رانڈ بیوہ ہیں

لاؤ کھڑے کھڑے ادھر بھی ہولاں گھر میں جا جا کے دیکھنی نزنہ نالم معلوم کب سے باسی پڑا تھا۔ کوڑے کے الم گھے تھے۔ جی میں آگئی کہ لاؤ ذری ستھرائی دے ڈالوں صبح کو تو کھڑے بہ رہے تھے میں نے کہا گھر میں اٹھا لیگئے میلے کپڑے بہن کے جھاڑو دینے لگی اتنے میں دروازے پہ دو تین آدمی کھڑے ہو گئے۔ بھئی میں دل میں ذری کہ اب نکیگی پنیدہ جا جاؤ ہاتھ میں لیے کنواڑے پر آن کھڑی ہو لی دیکھتی کیا ہوں ایک انگریز گورا چٹا کھڑا ہوا ہے ساتھ میں دو چپڑاسی۔ اس نے پوچھا دلہن تم کون ہو میں نے کہا حضور میں کون آپ کی مہری ہوں۔ غریب آدمی ہوں۔ وہ بولا اچھا اسکا نام لکھو میں نے ہاتھ جوڑے کہ حضور میری کوئی اوقات نہیں ٹکس وکس نہ یاند چھیگا وہ مسکرا کے چلا گیا اسکے تیسرے دن ایک منشی آن موجود ہوا۔ اماں کون ہے گواہی لی گئی کہ اماں کے کوئی نہیں بہو کیا مرتی ہے بڑی نیک ہے پیلو تیرہ روپیہ مہینہ ملنے لگا۔ پانچ چھ مہینے ملا پھر توڑنے موقوف ہو گیا۔ تو میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی چال چلن نیک رکھے تو خیرات بھی ملتی ہے۔ ٹل خیر خیرات میں پوچھو کچھ کیسی اور جو چال چلن ہی پوچھنے ہو تو جہاں برائی لکھتے ہو۔ وہاں بھلائی بھی لکھو۔ یہ کیا کہ یہ تو لکھ لوگے فلانی عورت نے یہ کیا ڈھکی عورت نے یہ کیا۔ اگر کسی مردوے کے جیل سے تیوں نیسا آ گئی۔ دائی جنائی کے بوتے عیب چھپایا۔ پکڑی گئی جیل خانہ ہوا۔ یہ کوئی نہیں لکھتا کہ فلانی عورت ایسی نیک پاک ہے پھر عزت آبرو لیے بیٹھی رہی۔ نہیں بس جیل خانہ یاد رہتا ہے نیکیاں سب بھول جاتے ہیں۔ پھر اب تو جیل خانے کی ہوا کھانا بھی برائی نہیں۔ وہی جو کہتے ہیں بھلا نام ہے مہاتما گاندھی کی بدولت سیکڑوں اچھے اچھے بھلے آدمی جیل خانے گئے۔ جیل خانے سے نکلے تو اللہ رے اور پندہ وے جیسے نصیب کھل گئے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے لوگ بیچھے ہوے جلوس نکلا۔ کئی آدمی جنکو زمانے بھر میں کوئی پوچھتا نہ تھا گھر بیٹھے روٹیوں سے لگ گئے کنچن برسنے لگا۔ اتیم اسیر بیوہ رانڈیں سب لوگوں نے بھلا دیں۔ گنہا یا نا انکو بھلی چلا ملک ثواب سمجھ کے انھیں جیل خانے والوں کے حوالے کر دیا۔ ایک وقت خود فاقہ کیا مگر دوسرے وقت کے کھانے کے دام کمیٹی میں دے دیے۔ لو بی بی جیل خانے جانا بھی ثواب کا کام ہے ان کے چال چلن کا کسی نے کھوج نہیں لگایا۔

خیر خدا کے صدقے جائیے جس نے اب تک آبرو رکھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اماں غیبی نے ہمارے سامنے ہاتھ پھیلایا ہے اور ہاتھ پھیلائے میری بلا مجھے تو بن مانگے چیز لینے کے ڈھنگ آتے ہیں۔ یہ کرتا جو تم دیکھتی ہو یہ کیونکر ملا منشی جی نے دیا ہے یہی جو یہاں رہتے ہیں۔ بیچارے بڑے نیک آدمی ہیں۔ گھر والیاں جا ... جیسے دو شمن کبھی آگ لینے کبھی اُن کے باورچی سے باتیں کر لیے چلی جاتی ہوں۔ باورچی بھی ابھی بچہ ہے مجھکو اماں کہتا ہے۔ مجھکو اسکی محبت ہو گئی ہے میں بھی وقت بے وقت مسالا پیس دیتی ہوں برتن مانجھ دیتی ہوں۔ اے ہاں اس نگوڑے کا بیاں نہ گھر نہ بار بیدیسی ہے۔ بچا بچایا کھانا بھی میرے لیے رکھ چھوڑتا ہے۔ منشی جی کے کمرے میں مانگ دار پردے پڑے ہیں ایک پردے میں ذرا ذری سا چھید تھی تو ذری سی پھونک آتے جاتے میرا ہاتھ جو لگا تو بڑا سا پھٹا تا ہو گیا میں نے کہا منشی جی پردہ تو بالکل پرانا ہو گیا۔ کہنے لگے لو اماں اسے پرانا کہتے لگا رہ۔ میں سوئی لائی ایک آدھ ٹانکا دیا۔ منشی جی اپنے کام میں لگے تھے۔ میں نے کہا منشی جی یہ تو سوئی کے ساتھ ہی چلا آتا ہے سیوں کیا خاک۔ کپڑے میں جان ہی نہیں۔ کہنے لگے اونہہ ہوگا تم ہی لے جاؤ۔ میں دعائیں دیتی چلی آئی۔ یہ دوسرا جاڑا ہے۔ دھوس دھوسن کے پہن رہی ہوں۔ ابھی اور چلے گا۔ مردوے

سمن بغرض انفصال مقدمہ

حسب آرڈر ۵ رولز ۔۔ ضابطہ دیوانی

مقدمہ نمبر ۳۱۳ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت میر اقبال حسین صاحب بہادر حاکم [illegible] ضلع بارہ بنکی

خیر اللہ ... قوم کالیستھ ساکن ابراہیم آباد پرگنہ ... مدعی

بنام

درگا ... مدعا علیہ

بنام درگا ... ولد کنور ... قوم کالیستھ ساکن ... ضلع ... [illegible]

ہر گاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ... دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ بتاریخ ... ماہ اگست سنہ ۱۹۲۹ء بوقت ... اصالتاً یا معرفت وکیل ... مقدمہ کے حال سے ... واقف کیا گیا ہو اور ... تمام امور اہم متعلق مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ان سب سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعوی مدعی مذکور کا کرو اور ہر گاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو حاضر کرو جن کی شہادت پر اور ... دستاویزات ... استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔ مطلع رہو کہ اگر بروز مذکورہ تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ... ماہ ... سنہ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

دولت مند ہونے کا سنہری موقعہ

جو لوگ بیکار پھرتے ہیں انکے واسطے یہ سنہری موقعہ ہے کہ ہمارے یہاں سے لیتھو گرافر منگوا کر آج ہی ان مطبع جاری کر دیں جسقدر اخبارات کتابیں اور اشتہار عربی فارسی اردو ہندی آپکی نگاہ سے گزرتے ہیں تمام دنیا میں لیتھو گرافر پر ہی چھپتے ہیں۔ اگر آپ نے ابھی تک نہیں دیکھا تو کسی مطبع میں جا کر دیکھ لیجیے۔ ہمارے مطبع کے ہمراہ چھاپنے کی ترکیب اور کل سامان آپ کو روانہ کر دیا جائیگا۔ جس میں پتھر اور سیاہی کا کاغذ سیاہی لکھنے اور چھاپنے کی ... وغیرہ تمام چیزیں ہم روانہ کر دینگے اور لطف یہ ہے کہ یہ سامان کبھی خراب نہیں ہوتا ہمیشہ کام دیتا ہے روزانہ سنہری روپیل سرخ سیاہ سبز غرضیکہ ہر رنگ کا اسیر چھاپا جا سکتا ہے۔ قیمت فلسکیپ سائز چھبیس روپیہ ڈبل فلسکیپ سائز چھپن روپیہ ڈبل فلسکیپ چھیالیس روپیہ نہایت وزنی چیز ہے اسلیے قریب ریلوے اسٹیشن کا نام لکھوائیے کہ ذریعہ ریل روانہ ہو سکتا۔ نصف قیمت آرڈر کے ہمراہ آنی ضروری ہے۔ اگر آپ یہ پیشہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔ تو چھوٹے چھوٹے اشتہارات لیبل شادی کے خطوط سہرے قصائد وغیرہ چھاپنے کے واسطے اپنے گھر میں ضرور رکھیے بڑے کام کی چیز ہے ... ایجاد ہے۔

منیجر رسالہ دستکاری پوسٹ بکس چاندنی چوک دہلی

بعدالت جناب سب جج صاحب بہادر اول بہرائچ

حکم قرار داد دیے جانے دیوالیہ

نمبر مقدمہ ۲ سنہ ۱۹۲۹ء

سرکیشن و سرجو پسران تیجہ — گوسند اقوام برہمن ساکنان

موضع سنوشہ پرگنہ فخر پور — سائلان

بنام

رام لال وغیرہ — فریق ثانی

برطبق درخواست سائلان مورخہ ۳ مئی سنہ ۱۹۲۹ء بعد سماعت درخواست سائلان و صاحبان سائلان دیوالیہ قرار دیے گئے ہیں و بنا بر ثبوت قرضہ مہاجنان ۲۶ اگست سنہ ۱۹۲۹ء پیشی مقرر ہوئی ہے۔

آج بتاریخ ۲۱ ماہ جون سنہ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

[illegible] نے میں بہت بھوکے ہوتے ہیں عورتیں زندگی
[illegible] کی ہوتی ہیں جو منشی جی کی بی بی تھیں
بھلا وہ مجھے کیا ملتا وہ خود ہی جھولتیں کرنا چاہتے
میں کام آئے گا۔ [illegible] بس چلے بھیک مانگے
[illegible] ہے کیا جائے منو سہ انسان کے
[illegible] کی ہوتی ہے کون جانے کل کیا ہوگا
جہاں میں نے تیسرا نکاح کیا تھا اُسی محلوں ایک رنڈی
[illegible] جوانی [illegible] آکر اندیشہ نہ دیکھا بڑھاپا آیا تو
گلی پانی بیچنے۔ خاموش خام تک پان بیچ [illegible]
کے نکل گئی [illegible] کچھ اللہ نے دیا ہے [illegible] کبھی ہاتھ
نہیں پھیلایا۔ ایک ننھا سا کرتا ٹوپی بچے کا [illegible] کے
بنوا لیا تھا جو پان نہ بکے تو رومال میں کر [illegible] کے
[illegible] نکلے چلی گئیں اور عورتوں کے آگے رکھ کر
کہ بی بی یہ کرتا بکاؤ ہے دو چار آنسو بھی ٹھنڈی سانس
بھر کے ٹپکا دیے کہ ہاں ہے پہننے والا تو قبر کی گود میں ہے
اُس رنڈی کا نواسا تھا دو دن کی بیماری میں چٹ پٹ
ہو گیا۔ رخصت ہوا ہے پیچھے ڈالتی ہوں رکھ کے کیا کرتا ہے
لوگوں کو ترس آجاتا تھا۔ مرے ہوئے بچے کا کرتا بھلا
کون لیتا۔ بدشگونی تھی۔ ہاں ... دو چار آنے اسی
بہانے مل جاتے تھے۔ جب وہ مری تو لاش انجمن نے
اُٹھوائی۔ ہاں وہ [illegible] بچے میں رکھا تھا کسی غریب کے
کام آگیا۔ اسی سے تو میں کہتی ہوں کہ انسان کو مرنے جینے
کا خیال رکھنا چاہیے۔

بقلم

محمد علی ردولوی

مسٹر پنچ کا پوسٹ بیگ

پڑھنے ہوئے لڑ مرے

حضرت۔ ہنگامہ پسند دنیا میں غلغلہ ہے کہ مولانا
پنچ اب بڈھے ہو گئے بیچارے کونے میں بیٹھے اللہ
میاں کی تسبیح پڑھا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے لوگ [illegible] کے
وجود میں شبہ کرنے لگے ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں کسی نہ کسی
چھیڑ ہوتی رہے کہ بازار ظرافت سرد ہونے پائے لہٰذا
اینجانب بعض نام نہاد ظرفا کی زبان کا امتحان لینے میں
[illegible] یہ ہے کہ آپ اس احسان کے شکر کو تحفۂ پیشانی
قبول فرما کر گردن مبارک جھکا دیں گے اور اینجانب کو
دعائے خیریت یاد فرمائیں گے۔ لیجیے بسم اللہ ... اظہار
سے کی جاتی ہے اگر اس پر بھی آپ کے قدردانوں کی
فہرست لنگوٹی ہی رہے تو قسمت۔ وہ بھی کوئی پہلوان
ہے جو [illegible] بغیر اکھاڑے میں نامور ہو گیا ہو۔

راقم ... .

پنچ۔ پہلے ایک واقعہ سن لیجیے پھر جواب عرض کرونگا۔
مولانا ولی اللہ صاحب مرحوم فرنگی محلی اپنے مکان پر بیٹھے
درس دے رہے تھے کہ ایک افغانی جوان آیا اور مولانا سے
کہنے لگا کہ مجھے بھی شاگردوں کی فہرست میں درج کر لیجیے
پہلے تو حضرت نے سر سے پاؤں تک افغانستانی جوان
کو دیکھا۔ پھر فرمایا کہ مجھے فرصت نہیں ہے کسی اور عالم سے
پڑھو۔ پٹھان افسردہ خاطر ہو کے چلا گیا۔ کسی شاگرد
نے استفسار کیا کہ حضور نے کیوں اس پٹھان کی آرزو
پوری نہ کی ....

.... مولانا مسکرا دیئے
اور جواب دیا کہ میں نے کابلی پٹھانوں کو پڑھانے کی قسم
کھائی ہے۔ شاگرد نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ایک پٹھان
مجھ سے درس لینے آیا کرتا تھا جب فارغ التحصیل ہو کے
وطن جانے لگا تو ایک روز تلوار لے کے میرے پاس
آیا اور کہنے لگا کہ مولانا آپ کے احسانات کے عوض زر و
جواہر کی حقیقت ہی کیا ہے جو علم دین کے ہم سنگ و
ہم پلہ ہو سکیں یہ احقر تلامذہ خوب پھر اسی فکر میں رہا
کہ حضور کے ساتھ کیا برتاؤ کروں جو حضور کو دنیا و آخرت
میں نفع پہونچائے بعد غور و فکر میں نے طے کیا کہ شہادت
کے مرتبے سے بہتر کوئی بدلہ ان احسانات کا نہیں ہو سکتا
اسے دیکھیے یہ ہے شمشیر آبدار ابھی ابھی جلا کرا باڑھ
رکھوا کے لایا ہوں حضور گردن جھکائیں انشاء اللہ
ایک ہی وار میں فیصلہ ہو جائیگا حضور شہیدوں میں
داخل اور میں آن کے فیض صحبت سے مستفیض ہونگے۔
اس طالب علم کے تیور کہہ رہے تھے کہ اسی نیت سے
آیا ہے اور جو کچھ کہتا ہے ضرور کر کے چھوڑے گا میں
عجب تذبذب میں تھا۔ اگر شہادت کی نعمت سے انکار
کرتا ہوں تو یقین ہے کہ مظلوم ہونے کا ثواب شاگرد صاحب
کے ہاتھوں چھری تیرا قتل کرنا ہے اور اقرار کرتا ہوں
تو حضرت شمشیر کے گھاٹ اترنا اور زندگی سے ہاتھ دھونا
پڑے گا۔ آخر خدا نے تدبیر دل میں ڈالی اور میں نے کہا
"آفریں۔ خانصاحب۔ آفریں۔ خدا تمہیں جزائے
خیر دے۔ واقعی تم حق شناس ہو۔ تمہارے ہاتھوں
مجھے وہ [illegible] ملتی ہے جو شمر کے ہاتھوں سیدنا حسین
ابن علی رضی اللہ عنہما کو ملی تھی۔ خدایا تیرا شکر ہے
سینکڑوں شاگردوں میں سے آج ایک شاگرد ایسا ملا
جو استاد کی مغفرت کا ذریعہ بننے والا ہے۔ مگر پہلے
میری دو باتیں سن لو۔ ایک تو یہ کہ مجھے شہید کرنے
کے بعد تم فوراً توبہ کر لینا اسلیے کہ مومن مسلم کا خون [illegible]
حرام ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھ پر احسان کرنے کے
بدلے میں [illegible] جاؤ بلکہ میں خود براءت نامہ لکھے
دیتا ہوں کہ میرے اعزا تم سے طالب خون نہ ہوں۔
دوسرے یہ کہ مجھے غسل کرنے اور نماز پڑھ لینے کی مہلت
دو میں گھر میں جاتا ہوں غسل سے فارغ ہو کے یہیں نماز
پڑھوں گا بس تم سمجھو آخری اپنا کام کرنا میں نے
ایسے ثبات قلب کے ساتھ گفتگو کی کہ شاگرد کو میری بات
یقین آگیا اور اس نے کہا تو پھر جلدی غسل سے فراغت
کیجیے۔ میں نے [illegible] زنانے مکان میں داخل
ہوتے ہی دروازہ اندر سے بند کیا اور کوٹھے پر چڑھ کے
شاگرد صاحب کے ارادہ سے محلے والوں کو اطلاع دی۔
محلے والے دوڑے اور شاگرد صاحب کی بلا میرے سر سے
دفع ہوئی۔ وہ دن اور آج کی گھڑی میں نے پھر کسی
کابلی پٹھان کو اپنا شاگرد بنانے کی قسم کھالی۔ یہ حکایت
مولوی سید علی اوسط صاحب مولانا کے شاگرد بیان
کرتے تھے واقعہ صحیح و معتبر ہے۔

شاید ہمارے دوست مضمون نگار صاحب سے اور
اس کابلی پٹھان سے کہیں ملاقات ہو گئی اور دل
مل گیا۔ مضمون نگار صاحب کا دل بھی آئینہ اور
کابلی مولوی کا دل بھی آئینہ۔ آئینہ کا مقابل آئینہ
ہوا اور خیالات ایک دل سے دوسرے دل پر منعکس
ہو گئے۔ بندہ پر بے وجہ چھیڑ چھاڑ دیوانوں کا کام ہے
[illegible] کہا لڑے میری بلا۔ کہا بلا لگے
تیرے ہوتوں سوتوں کو " چلے ہنسنے لگی۔ اگر فرض

لکھنؤ کی نفیس زردوزی و کامدانی کے کام سے مستورات کے کپڑے سجانا ہوں تو حافظ مستیا محمد رفیع صحبتیا باغ لکھنؤ کو آرڈر دیں

اور فروخت اسی قسم کی بے اعتدالی پر منحصر ہے تو معاف کیجیے۔ تیج پی اور ہزار نعمت کھائی۔ پھر آپ پہلے تو مقابل بھی وہ تجویز کیا ہے جسے علم و عقل تہذیب ظرافت شرافت سے لگاؤ نہیں۔ اس طرح کی شہادت کا احسان مرحوم مولانا صاحب نے تسلیم کیا نہ ہم قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ ایسا جام شہادت آپ ہی کو مبارک۔

ایک اصلاح

مکرم و تسلیم - ایک پرچہ میں آپ نے ایک جگہ ٹوڈی کے متعلق یہ لکھا کہ (TORY) ٹوری سے نکلا ہے۔ ڈ سے بدل کر ٹوڈی ہو گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے ٹوڈی (TOADY) انگریزی میں مینڈک کھانے والے کو کہتے ہیں۔ ٹوڈ ایٹر مینڈک کھانے والا - قدیم زمانے میں شعبدہ بازوں بھان متیوں کے ساتھ چھوٹے لڑکے رہتے تھے جو لوگوں کے سامنے مینڈک کھا جاتے تھے اور اسکی صحبت کا اثر اُن پر ظاہر ہونے لگتا تھا اُس پر شعبدہ باز کچھ منتر و نتر پڑھ کے دم کرتا تھا اور وہ بھلے چنگے ہو جاتے تھے۔ چونکہ یہ چھوکرے اپنے مالک کے حکم سے بلا چون و چرا مینڈک کھاتے تھے لہٰذا ٹوڈ ایٹر محض تابع فرمان اور خوشامدی کے معنی میں رہ گئے اور لفظ ٹوڈی اسی ٹوڈی اسی ٹوڈ ایٹر کا مخفف ہے جسکے معنی خوشامدی کے ہیں۔

نیاز مند سید محمد عسکری

(مرزا بی۔ اے سکریٹری انجمن اُردو)

پنچ - اصلاح کا شکریہ۔ لیکن "ٹوڈی لاہور" کے حق میں اچھا یہی تھا کہ آپ ہمارے خیال کی تائید فرماتے یا خاموش رہتے۔ کیا معنی کہ ٹوری پھر بھی ذی عقل گروہ ہے اب تو حضرت ادبار الجرائد کا اعتراض کہ قلمی سب و شتم کا درخت پنجاب میں کڑوے کسیلے پھل پیدا کر رہا ہے اور بھی قوی ہو گیا۔

ایک بدصورت عربی شاعر کی بی بی اپنے میاں کی بدصورتی پر بہت ناراض تھی اس بدصورتی کے قصے نے یہاں تک طول کھینچا کہ میاں بی بی میں ان بن ہو گئی۔ اور شاعر صاحب کو صلح ذات البین کی ضرورت واقعی ہوئی۔ شاعر نے اپنے ایک ظریف دوست کو واسطۂ اصلاح مقرر کیا۔ ظریف نے شاعر کو ساتھ لیا اور اسکی بی بی کے مسکن پر گیا۔ لڑائی کی وجہ دریافت کی۔ بیگم صاحب نے کہا۔ دیکھتے ہو کیسی بد صورت ہے۔ آگ لگے اسکی صورت کو۔ ظریف نے شفو بیگم صاحب یہ میں نے مانا کہ وہ بدصورت ہی نہیں گندہ بغل گندہ دہن گندہ چشم۔ نیلا۔ اکھوتا۔ سست کمر سست دماغ۔ پھوہڑ۔ بے تمیز۔ لنگڑا بدسیری۔ یہی ہے پھر یہ عیب تو خلقی ہیں۔ تم خالق کو الزام دیتی ہو۔ اس غریب پہ رحم کرو۔ عیوب کی فہرست شاعر نے سنی تو کہنے لگا بس میاں بس میں باز آیا تمہاری سفارش سے۔ کمبخت خدا تمھیں غارت کرے بی بی کو تو میری بدصورتی ہی کی شکایت تھی۔ تم نے بیس عیب اپنی طرف سے بڑھا دیے۔

عجب نہیں کہ ٹوڈی صاحب جناب مرزا صاحب کی اصلاح پر اسی طرح پر ایمان جائیں۔

ٹیلیگراف

دہلی سے۔ وہی دہلی جسے اُردو زبان کا مولد و منشا کہنا چاہیے بنام "ٹیلیگراف" ایک اُردو روزنامہ نکلنا شروع ہوا ہے جسکے مؤلف ڈاکٹر شفیع احمد صاحب پی ایچ ڈی ہیں۔ مقصد نہایت مبارک ہے یعنی فرقہ وارانہ سر پھٹول کی روک تھام۔ بھلا ایسے مقاصد کبھی پورے ہوتے ہیں؟ خصوصاً بدنصیبی اور ادبار کے زمانے میں۔ ایسے ہی مقاصد ہیں جنکے بارے میں ایک عربی شاعر کی زبان پہ مرتے دم تک یہ شعر رہا ؎

الی اللہ اشکو ان فی القلب حاجۃ
تمر بھا الایام وھی کما ھیا

ہمارے دل میں ایک آرزو گھسی ہوئی ہے زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے مگر وہ جیوں کی تیوں ہے) اخبار نویسی کا فن باوجودیکہ اخباری کاغذ برساتی تلی گھوڑیوں کی طرح نکل پڑے ہیں نہایت قابل رحم اور انحطاط کی حالت میں ہے۔ کچھ دنوں رینگنے کے بعد اُنکی زندگی کا ضعیف مقصد پورا یا مفقود ہو جاتا ہے ؎

در بہاراں زاد و مرگش در دی است
پیغمبر کے ماند کہ ایں باغ از کی است

چلیے یہ بھی موسمی جراثیم کی طرح غیر مرئی جسم قبول کر کے زمین کے رحم سے بارش آب فتنہ و فساد کا انتظار کرتے ہیں کہ سرخ پانی کا چھینٹا پڑے تو ہاتھ پاؤں نکالیں انھوں نے اپنی موسمی زندگی میں کھٹمل پسو مچھر جوں کی طرح اشتہار دینے والوں اور خریداروں کا خون چوسا اور مستقل کام کرنے والوں کی ساکھ سستے داموں اشتہار چھاپ کے پالیسی بدل کے قزاق نما لیڈروں کی خوشامد کر کے بدچلن رئیسوں پہ دباؤ یا اُنکے عیوب پہ خاک ڈال کے بگاڑ دی تھی اُنکے لیے بھیس اور نام بدل کے دوبارہ تشریف لانا ضروری ہوتا ہے۔ سستے ہیں موٹے تازے ہیں عجائب پرست دُنیا کی مزاج گوئی کا سلیقہ رکھتے ہیں حقیقت شناسی کی طرف دُنیا کو مائل نہیں ہونے دیتے۔ جدھر کی ہوا چلتی ہے اُدھر ہی جھک پڑتے ہیں متحیر کر دینے والے افواہی اخبار و آثار مشتعل کرنیوالے جعلی واقعات ہمارے خاص ہمارے کے عنوان سے گڑھ لیتے ہیں انھیں وہ نہیں خبر کے غلط ہونے پر جھینپتے نہیں دکوئی پوچھتا ہے کہ خبر کہاں سے آئی اور باور کرنے کے قابل بھی ہے یا نہیں لہٰذا انکی دکان بند ہونے کے بعد پھر چلنے لگتی ہے شاعر کہتا ہے ؎

بذا قضت الایام ما بین اھلھا
مصائب قوم عند قوم فوائد

دونوں کی رفتار یہی ہے کہ خانہ ویرانی کسی کی ہو کسی کا گھر آباد ایسی صورت میں ڈاکٹر صاحب کی سعی اتحاد خدا ہی ہے جو ثمر ہو خصوصاً دہلی کے سے مقام میں جو پنجابی ہوا کے نیچے بستا ہے اور دار السلطنت ہونے کی وجہ سے چوبائی کے تھیٹروں میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو یقین رکھنا چاہیے کہ اُن کا یہ مقصد پورا نہ ہوگا۔ ارے صاحب ہم بھی اسی مقصد کو مدت سے دل میں پال رہے ہیں پھر آج تک تو کبھی نہ پنپے گھلتے ہی رہے۔ بقول بوا نصیبن کے بگاڑی پھر ڈیل کھل کے کانٹا ہو گیا ڈیل پر بولی نہ چڑھنا تھی نہ چڑھی ؎

ٹیلیگراف کو اس قسم کی سرخیوں سے پرہیز لازم ہے:-
"اسلامی دُنیا۔ ہندو دُنیا۔ بندا سکھ تھا یا ہندو۔ کیا ہیر بیراگی ہندو نہ تھے؟"
کیا معنی کہ اسلامی دُنیا کیسی اسلامی دنیا ہی زمانہ میں ہے۔ جہاں نفاق و شقاق سے کوئی گھر خالی نہ ہو۔

وہاں خود بن رہ سکتا ہے دُنیا۔

رہی سبز دُنیا تو وہ اگرچہ مسلمانوں کی دُنیا نسبت ہے لیکن ہے اور سری۔ یا۔ رنہ دُنیا مسلمانوں کی ہے نہ ہندوؤں کی۔ سچ پوچھو تو اُنکا بیاہ کاسہ کلاہاں شیخ تراش سے مدت ہوئی ہو چکا۔

ہمارے ڈاکٹر صاحب نے اپنے عام اور کبھی جاری کیا ہے ہر شہر کے آباد گزرگاہ پر چار پرچے ٹیلیگراف کے چسپاں کروا دیتے ہیں تاکہ لوگ مفت دیکھیں انھیں ایسے باریاب اشخاص کی تلاش ہوئی جو ایک پرچا نہ لیے مفت لیں اور چار پرچے دیواروں پر چپکا دیا کریں اقرار ہو کہ یہ حلف کرنا ہوگا۔ پھر خود ہی افسوس کرتے ہیں۔

"افسوس ہے کہ ہمارے بھائیوں کی اعتقادی حالت گر گئی ہے کہ انھوں نے ہمیں حلفیہ تحریر روانہ کرنے کے باوجود اپنے حلف کی پروا نہ کی اور اُن کے یہاں سے ہمیں رپورٹ ملی کہ اس جگہ ایک اخبار بھی چسپاں نہیں ہوا..... ہم ان بے ایمان حلف فروشوں کو مطلع کرتے ہیں کہ اگر آپ چار اخبار روزانہ چسپاں کرنے کا انتظام نہیں کر سکتے تو ہمیں اطلاع دیجیے"

منقول: جناب ڈاکٹر صاحب آپ کو حلفیہ اقرار درکار تھا اور کچھ۔ یہ اقرار کس بیوقوف نے کیا تھا کہ مخالفت حلف کے بعد آپ کو اپنی بے ایمانی کا گواہ بنا بیٹھے ایک پرچہ آپنے اُجرت میں عنایت کیا وہ تو اُنکا مال ہی رہے چار پرچے تو وہ دیواروں پر چپکا دیے گئے اب کوئی اُکھاڑ لے جائے تو چپکانے والا اُسکا ذمہ دار نہیں۔ اخبار تو اخبار ہے اجی کچہری کا سمن مدعا علیہ کے دروازے کے سپرد کر دینے کے بعد کچہری کا نذر کوری ذمہ دار نہیں رہتا۔ اگر آپ کو اپنے چاروں پرچے عزیز ہیں تو چار پرچے بھیجیے اور چار آدمیوں کی تنخواہ فی نفر پندرہ روپیہ ماہوار کے حساب سے عنایت کیجیے جو بہت جُست لونڈوں کی دستبرد سے اس مال مفت کی حفاظت کرتے رہیں اچھا یہ بھی نہ سہی آپ سے یہ کب قرار ہوا تھا کہ چپکانے کے بعد ہمیں اُن پرچوں کے نوچنے اور جدا ہے پر کھڑے ہو کے بیچ لینے کا حق نہ ہوگا۔ اخبار ہے لمبا چوڑا باریک قلم سے لکھا ہوا۔ اونچا رہے تو کوئی پڑھ نہیں سکتا نیچا رہے تو جو راہ گیر کا سپاہی کسی کو وہاں ٹھہرنے نہیں دیتا اور

آنکھ بچوں کے سر گلوگیر پر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے گلیوں میں چپکا رہا گیا۔ ہاں اگر اس انتظام کے ساتھ چار پرچے اور ہر پرچہ کے ساتھ ایک دربین کرسیاں عنایت ہوں تو چار سیر گاہوں میں دارالمطالعہ کا افتتاح کیا جا سکتا ہے۔

بہرحال ڈاکٹر صاحب ابھی خود بھی دُنیا شناس نہیں ہیں۔ اسلیے شمارے کا اندلیفہ ہے فی پرچہ ایک پیسہ قیمت ہے۔ سالانہ ۵ کاغذ لکھائی چھپائی خوب ہے ۲۰ × ۲۶ کے پورے ایک تختہ پر چھپتا ہے منیجر شیلائن مدد اندر دہلی سے طلب کیجیے۔

کامیابی

ہمارے کرم دوست خواجہ حسن نظامی صاحب کام کے آدمی ہیں بیکار رہنے والوں سے اگرانھیں ہرز ہے کہ بیجا نہیں چنانچہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی اور خواجہ صاحب کی نگرانی میں ایک ماہوار رسالہ "کامیابی" حال ہی میں شائع ہوا ہے "کامیابی" ہر ناکام کو محبوب ہے لہٰذا مسلمانوں کی ناکام جماعت کو اس رسالے کی قدر کرنا چاہیے جو انھیں کام کی باتیں بتائے گا۔ ناکامی سے کامیابی تک پہنچنے والوں کے دلچسپ افسانے سنائے گا۔ تجارت زراعت حرفت کے علاوہ اور جو ہتکھنڈے روٹیوں سے لگانے کے سمجھ میں آئینگے وہ بھی سمجھائے گا۔ خواجہ صاحب کوئی گمنام ناکام شخص نہیں جو اُنکی تعریف کی جائے۔ ۴۸ جز ماہوار اور دو روپیہ سالانہ قیمت! اب اور کیا کسی کا گھر لیجیے گا۔ لکھائی چھپائی کسی چیز میں ہٹا نہیں۔ دلچسپ ہے ضرور منگا کے مطالعہ کیجیے مطالعہ بھی ایک قسم کی کامیابی ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کا قول ہے ؎

اے منبعِ بے احساں ہے ترا گوشہ نہیں آرام نہیں
محرومیوں سے محروم نہیں ناکامیوں سے کام نہیں

منیجر کتب خانہ حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ دہلی سے منگائیے۔

روزنامہ ہمدم لکھنؤ کا نقل مکان

روزنامہ ہمدم لکھنؤ کے دفاتر و پریس ۱۰ جولائی ۱۹۲۹ء سے دولت کدہ راجہ محمود آباد کی شاہی عمارت میں منتقل ہو جائینگے اور ۱۶ جولائی کا اخبار وہیں سے شائع ہوگا۔

نیاز مند منیجر ہمدم لکھنؤ

مولانا پنچ کی نوٹ بک

کچھ سنا ؟ خو لیا

نئی قسم خبر ہے جو ہم حیثیت باقی اکثر اخباری کاغذوں کو ہو گئی ہے۔ یہ اطلاع ملی ہے کہ میاں نادر خاں خالی خولی سپاہی آدمی۔ ہاتھ بل ہو تو مولوی بل کہنا ہم سنا ہے۔ اور آغا ارکانی قبائل بغیر جیب تعقل کیے ساتھ نہیں دے سکتا یہ بھی مسلم ہے کہ خان ذی شان اب اسٹرکا دم بھرنے والے اب کابل میں نہیں ہیں۔ ہمتیں تو کسی کو نئے کھتر سے میں پڑے۔ یا انقلاب یا فرنگی آپ یا انقلاب کا وظیفہ پڑھ رہے ہو نگے۔ امیر حبیب اللہ کی زر پاشی بھی مانی ہوئی بات ہے اور یہ خیال بھی غالب ہے کہ ایک پیسہ کو باہر سے او زر ار ہتھیار ابھی آ رہے ہیں۔ ان تمام امور کی خبریں خود ہمارے برادران حو تر لیتی انساروں نے خوش باور شایع مشتہر کر چکے ہیں بااینہمہ یہ سمجھتا ہوں کہ اتنے زوروں پر ہے کہ اللہ تیری شان سو بیگھا میں خطا زادے نہیں کی طرف بھاگ اب بہاں منکہ سے کیا یاری نبھیں گے۔

افواہ

وہ اخبار ہی کا منہ ہی کیا جو سو کام چھوڑ کے افواہ نہ لکھے۔ بات یہ ہے کہ غیر معتبر خبر لے ذیل میں جو جی میں آئے کہدیجیے۔ چنانچہ حال ہی میں ایک عجیب بے پر کی خبر اُڑی ہے یعنی امیر حبیب اللہ کے خاص ایجنٹ امام الدین خاں کی جیب میں دمڑی نہیں پھر بھی وہ کھلوائے اور دیکھ اخباری کاغذ کو اپنی سرکار کا حامی بنا گئے خیر وہ تو رہا نفع میں خالی جیب کی حمایت ہمیشہ پُر نفع ہوتی ہے۔ ستم یہ ہوا کہ دوسرے اخبار نویس کو جو بچہ سقا مشکیزہ زادہ اور خدا جانے کیا کیا فقرے امیر حبیب اللہ کی شان میں کہا کرتا تھا انھوں نے اپنے قیام گاہ پر بلا کے بزبان دغا روڈی ایسی ایسی صلواتیں سنائیں کہ توبہ بھلی۔ اخبار نویس صاحب تمام غلط ہوئے باقاعدہ استغاثہ دائر کرنے کا قصد ہے اُمید ہے کہ شہری جرائد اس افواہی خبر کی تصدیق یا تکذیب بعنوان قائمہ فرمائینگے اور یہ بھی کہ شہید ظلم امام الدین و قتیل خنجر جفا حبیب اللہ کون بزرگ ہیں۔ اور اگر یہ افواہی خبر صحیح

جلد ۱۴ نمبر ۲۵

مضامین

بابتہ ۸ جولائی ۱۹۲۹ء

تعزیرات مہندیا بدایوں کے للا

بدایوں کے ایک رئیس نے اپنے صاحبزادے کو بعونہ میں پالا تھا۔ صاحبزادے کی اللہ رکھے چالیس سال کی عمر۔ ریش کمیشت دو دانگشت مگر انا کی گود میں گھنگرو کرتے ہنسلی ہیکل پہنے دودھ کی فرائش کرتے اور جب کوئی پیار سے شستا بہ طفل سمجھ کے ہونٹوں پر پشت دست رکھتا اور کہتا کیا ہے۔ میاں ہیں۔ غوں کریں غاں کریں بابا ہئیں بات کریں بتا سے پائیں سوئیں تو دو دھو نسے پائیں۔ آپنے کپڑوں گی۔ کھڑے کی بتی لونگی چاندی بتو رونگی۔“ تو صاحبزادے انا کی بغل میں منہ ڈال کے کہتے ”دیکھو انا ہمیں شرم آتی ہے۔ یہ ہمالی دولھن کا نام لیتی ہے (دیکھو) دولھن کا نام (اسکا نام) جھنجھنا حسینی ہر وقت منہ میں۔ ادھر ذرا سی کھانسی آئی انا کا دودھ سینے میں گرم ہوا ”بھر کھانسی دیا کے گلے میں پھانسی“ کا منتر پڑھ کے سنگتا دمنہ جیر کے حلق میں ڈالدیا گیا۔ جب انتالیسواں بھر کے چالیسواں برس لگا تو بیبا اناؤں میں سے پانچ کم کردی گئیں اور خرما (شوربا) چٹائی کی تقریب برپا ہوئی۔ اب ذری ظہور چٹانے کا لگا لگا۔ مگر آپ جانیے اتنی سی عمر میں یک لخت دودھ بڑھا دیا جاتا تو بچہ کو مٹر کا لگ جاتا۔ انائیں اگرچہ ایسے ننھے منے بچہ کو دل سے دودھ پلانے پر رضامند نہ تھیں مگر روپیہ کی چاٹ اور پیٹ کی مار سب کچھ کروا چھوڑتی ہے۔ بچے کے دانت اگر آنچل چبا دیتے یا کبھی ضد میں صاحبزادہ ملبنا قبال چھاتی کا گوشت دانتوں میں دبا کے قلقاری مارتا اور جھنجھوڑ دیتا تو دومیاں میاں۔ چھوڑ دو۔ چھوڑو نہیں تو بلاتی ہوں ہوّا کو۔ آ تو جو جو دیکھ بھیا نہیں مانتا تو کہتیں اور کٹکھی سہ کے چپ ہو رہتیں۔

حکایت مشہور ہے اور شاید کبھی پہلے بھی اودھ پنچ میں بعبارۃ اخریٰ نقل ہو چکی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں

؎ خوش تر ست بعظنکر رزنا مکرر خطم

نصیحت کی بات جتنی کہانی جائے اسیقدر اچھا ہے پھر سن لیجیے۔ کہ صاحبزادے کے والد نابالغ کے ایک دوست اتفاق سے وارد ہوئے یہ انھیں صاحبزادے کی چھٹی میں شریک ہوئے تھے ان کا خیال تھا کہ اب صاحبزادے ماشاء اللہ دو چار بچوں کے باپ ہونگے کھانے پینے سے فراغت پاکے انھوں نے کہا۔ ارے بھئی میاں کو تو بلاؤ وہ کہاں ہیں کیا کسی اعلے عہدے پر ملازم ہو گئے ہیں یا علاقے کا انتظام کرنے گئے ہیں جو دکھائی نہیں دیتے؟“ میزبان صاحب نے جواب دیا ”ارے ابھی اسکا سن ہی کیا ہے جو نوکری چاکری کریگا۔ ارے کوئی ہے؟۔ انا سے کہو میاں کو باہر لے آئے۔“ مہمان سمجھا کہ شاید دوست کی یہ کوئی تازہ بیوی تولی ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے جس بچے کی چھٹی میں ہم شریک ہوئے تھے وہ ضائع ہوگیا اور اب شاخ کہنہ میں نئی کوپل پھوٹی ہے۔ چپ ہو رہے۔

اتنے میں زنانی ڈیوڑھی کا پردہ اٹھا۔ پہلے ایک عورت تین گز کا لمبا نہالچہ لائی اور بچھا گئی کہ بچہ ہے کہیں فرش پر چھچھی نہ کردے۔ آج کچھ پیٹ بھی درست نہیں گھڑی گھڑی چرک رہے ہیں۔

پھر دور سے ایک بوڑھی آواز رونے اور مچلنے کی گوش زد ہوئی۔ ”اے اللہ ہم باہل نہیں جائیں گے۔ (باہر نہیں جائینگے) الے (ارے) ہم باہل نہیں جائیں رے۔ اے نہیں جائیں رے۔ چلو تو میاں تمہارے ابا بلاتے ہیں۔ چیز دینگے۔ کھلونے دینگے۔ چلو تو۔ روؤ نہیں۔ غوں پانی ایک نہ کرو۔ ضد نہیں کرتے۔ میاں۔ اے لوئی لولی ننکلو۔ ارے ہوئے۔ یہ بڑے بڑے آنسو“ رفتہ رفتہ صاحبزادے کی سواری یوں وارد ہوئی جیسے بجز کی لاش چیونٹیاں گھسیٹتی ہیں۔ آٹھ انائیں میاں کو گود میں سنبھالے ہوئے آئیں۔ میاں ضد کے مارے داڑھی کے بال نوچتے جاتے تھے اور بلک بلک کے رو رہے تھے میاں کے سر پر دو عورتیں قرآن شریف کا سایہ کیے تھیں۔ کوئی جھنجھنا بجاتی کوئی غل مچا کے میاں کو بہلاتی ”اے نے لے لے لے۔ جا جو جو۔ میاں نہیں روتا انا کے کان کاٹ لے“ کوئی ڈوپٹے کے آنچل سے ناک پونچھتی۔ کوئی انگلی میں کاجل بھرے آنکھ میں کاجل لگا۔ نمک کا ارادہ کرتی۔ یہ تماشا مہمان نے دیکھا۔ اور دانتوں کے نیچے انگلی دبا کے رہ گئے۔ بہزار دشواری صاحبزادے نہالچے پر بٹھائے گئے بیٹھتے ہی ایک دھار جو مارتے ہیں تو فرش شرابور جس انا کے پاس بے میانی کا دوسرا پاجامہ موجود تھا وہ اکڑ کے کہنے لگی ”دیکھا! جو میں پہلے سے بندوبست نہ کرتی تو خرابی ہوتی۔ لے اٹھاؤ جلدی پہناؤ پاجامہ“

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پاجامہ پہنانے میں کوئی آڑ کی گئی۔ اے حضرت معصوم بچہ کو ننگا دیکھنا عیب نہ دارد۔ گھبا ہلا گیا۔ دوسری عورت نے جھٹ سے منہ کو پانی کا چلو ڈال کے ”چھی چھی لی لی پپی کوا کھائے دودھ بتاسہ بھیا کھائے“ کہا اور آنچل سے منہ پونچھ کے بولی ”دیکھو تو اتنے کے لیے روتے تھے چاند سا منہ ہوگیا چلو بھر پانی کا دریا رخسار کے کوہستان سے کرتا ہوا داڑھی کے گھنے جنگل میں جا کے غائب ہوگیا مگر خیر چہرہ کی نمی آنچل میں جذب ہوگئی۔

مہمان ”میاں تمہارا نام“

للا ”ڈوڈا ڈوبی بتاوے“ (انا تو بتا دے)

مہمان ”کھاتے کیا ہو“

للا ”کیتی (کھچڑی) چیچ (چیز) ہٹا (کھانا)“

مہمان ”پیتے کیا ہو“

للا ”دودھو۔ ما (پانی)“

مہمان ”(میزبان سے) کیوں حضرت ابھی صاحبزادے کی بسم اللہ تو ہوئی نہ ہوگی۔

میزبان ”جی مجھے دیر سے نفرت ہے انکی والدہ بہت جھلائیں مگر میں نامانوں ہوئیں چھینیں چلائیں۔ مگر میں نے ایک نہ سنی۔ مولوی کو بلا کے بسم اللہ کرا ہی دی ایسے کار خیر میں تاخیر کون کرے۔ صاحب وہ ابھی پڑھنے لگے کیا۔ لیکن عادت تو پڑجائے گی۔ وہیں کہا خدا اس سن میں آم (عم) کا سپارہ پڑھتے ہیں۔ ان ننھے ابھی نہیں ہوا۔ دیکھو نہ۔ مجھے تکلیف انکی نہ دیکھی جائیگی۔ اور ابھی جلدی ہی کیا ہے۔ اس سال نہ سہی اس

ہندوستان کے برٹش علاقے میں لاکھوں وکیل موجود ہیں جو جھگڑالوؤں کے تصدق میں پیٹ پالتے ہیں اور اکثر بے ضابطگی یا قانونی کمزوری پر سر کچہری یا بجائے خود پڑھے سیپرے آنسو بھی بہاتے ہیں مگر ان سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ قانونی کتابوں کی ہر ایک دفعہ میں جو خامیاں نظر آتی ہیں یا حکام کو انتظامی آسانی کی غرض سے جو اختیارات کا رہن حمایت نظر آتا ہے اُن کو انصاف کی عینک سے دیکھ کے ان پر گروہ بندی کے ساتھ معترض ہوں ان پر مدلل مضامین لکھیں یہاں تک کہ رئیس بہادر ہز اعلیٰ حکام بھی صاحبزادے کے بلوغ کا یقین کر لیں۔ جو ہمارے استاد کے بڑے ڈھونگ وہ مٹے ڈرھیائے چھیالے فرزند کو پاؤں پہ بٹھا کے "اِسْتِی" کرواتے ہیں۔

قوانین پر اعتراضات کرنا یا قانین کے عمل کو عدل کے دائرے میں لانے کا بہت بڑا ذخیرہ اُن اعلیٰ عدالتوں کے نظائر کی کتابوں میں موجود ہے۔ تعزیرات ہند کے اکثر ضوابط سے محروم العلم غریب غربا کو زیادہ سابقہ رہتا ہے۔ وہ شرارت مجرموں میں ایک شاید متوسط الحال یا امیر پڑھا لکھا مجرم ایسا نکلے جو ہائیکورٹ یا پریوی کونسل تک اپنا مقدمہ پہنچا سکے۔ اسوجہ سے جو خامیاں ضوابط میں ہیں وہ رباح غلیظ کی طرح کچہری کے معدہ گنبد نما میں گھوم پھر کے رہ جاتی ہیں۔ مقدمہ کے دوران میں مجرم کی حمایت کا حق اگر وہ حمایت حکم حاکم یا کسی سرکار کے خلاف ہو تو کسی وکیل کو نہیں جب حکومت یا مدعی یا حکومت کا وکیل کوئی نظیر انصاف کے خلاف مجرم کے وکیل کے سامنے پیش کرتا ہے تو نہ حاکم صاحب چون وچرا کرتے ہیں نہ وکیل صاحب۔ گردنیں جھک جاتی ہیں اور وہ ڈنڈا اُلو ہی بنا ڈرے ہ

ایک تعزیرات ہند ہی نہیں دیوانی اور مال کے ضوابط بھی اکثر گل لے رہے ہیں۔ رسوم عدالت وکیلوں کی فیس دیتے دیتے مقدمہ بازوں کی کمائی نہیں بلکہ پشتینی جمع جتھا برباد ہو جاتی ہے پھر بھی کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے۔ الضاف نہیں جناب اگر کوئی شخص اپنے بچے کی شادی بیاہ ختنے بسم اللہ میں اسراف کرے تو مسلمان قوم زبان کشایاں کرتم جھڑکیاں دیتے دیتے جان کھا جاتے ہیں۔ بھلا پوچھیے کہ حضرت آخر عمدہ کھانا کھلایا تو کیا گناہ کیا لڑکی کو زیادہ دان رہیز جہیز جہاز دیا تو کیا برائی ہوئی۔ لچکے پٹھے گوٹے بانے آرائش زیبائش میں مبالغہ کیا اور اسکے عوض نقد روپیہ نہ دیا تو کیا زہر ملا دیا یہ جہیز آدھی قیمت کبھی نہ کبھی دے ہی جائینگی۔ مگر جو روپیہ وکیلوں کی فیس طولانی مدت اور متعدد پیشیوں کے مصرف میں آیا وہ پھر کبھی شکل بھی واپس آسکتا ہے؟ ابھی تازہ چھپکی کیا لی ہوئی آنکھ بھی کھلنے نہیں پائی کہ کائی جہاز یہ مباحث تفصیل کے ساتھ سو اللہ بیچ کرچکا ہے کوئی سالانہ جلدان سے خالی نہیں جب تک مجھ پڑے صاحب پیو سٹے نہیں اوس وقت تک برابر پبلک کے بھلائے کی تجدید ہوتی رہیگی۔ ایک ہی دروا ہے جو سی پردار اور اگر درد باقی ہے تو پس تکرار دوا ضرور ہو سکتی ہے یہ نہ کہو کہ کھائی ہوئی بات کیوں کہی؟ ایسی حالت میں کسی ذی فہم اخبار نویس کا یہ سوال کہ کیا انقلاب حکومت کی خواہش جرم ہے؟" ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہ چلتی بکتی دوپہر کے وقت پوچھ بیٹھے کہ کیوں بھائی یہ دن ہے یا رات؟

اے جناب قانون اوٹھا کے دیکھیے انقلاب حکومت کی خواہش جرم ہے۔ جرم ہے جرم ہے۔ ہمارے دوست ڈاکٹر ستیاپال بھی اس سے واقف تھے شیطان نے بیر آنکھیں نکالنا بھی جرم ہے اسوجہ سے انھوں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے موجودہ حکومت کے طرزِ عمل کے خلاف بیزاری کا اظہار ضرور کیا۔ اگر یہ جرم ہے تو لاؤ بھائی آہنی زیور۔"

مجسٹریٹ نے اوسی قانون کے بموجب بھاری بھاری ہنسلی کڑے گھنگرو پہنانے میں کوئی غلطی نہیں کی بس یہ تمہاری بیزاری گنوار کے جھالوں کی طرح گھڑی بھر کے لیے برستی اور تھم جاتی ہے۔

کیوں تمام ہندوستانی ممبر کونسل میں یہ مطالبہ پیش نہیں کرتے کہ تمام مکمل اور ادھورے قوانین پر اصلاحی نظر ڈالنی چاہیے۔ جب تک پُرانے دقیانوسی قوانین کا ہر جزو زمانہ حال کے مزاج کے موافق مرتب نہ ہو جائے ڈومینین اسٹیٹس اور مسٹر سائیمن کے الطاف ...

... کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔ اسے نختر سہ

یکدل آزادہ دریں دام کہ فانی نیست
یوسفے نیست دریں مصر کہ زندانی نیست

آپ کی آنکھیں تو ہوگئی ہیں حکام کی پیالہ تمام چھت شپ شپ آنسو گرانے کے سوا کام نہیں رہا۔ محنت کیجیے راتوں کو جاگیے قانون کی ایک ایک دفعہ دشمن کی نگاہ سے دیکھیے اور اسکے انفاذ کے جو قواعد ہیں انھیں امن اور انصاف سے نزدیک کرنے کی جد و جہد فرمائیے۔ یہ کام جیلی کا خمیر نہیں ہے۔ اصول صحیح ہیں جڑیں مضبوط ہیں مگر جڑ تو ہے آم کی پیوند ہے نیم کا شاخیں ناقص ہیں یعنی انتظامی سہولت کے بہانے سے منتظمین نے جو اختیارات حاصل کیے ہیں وہ تانا شاہی ہیں۔

الغرض میاں ہندوستان کا یہ حال ہے کہ

با من آرام دل و دنیا سے جہاں بہ گفتہ ام · یار ما باز مینیا از حسد فیاد بہ

مسلموں اور قومی قائم مقاموں کا یہ عالم اور حکام کا یہ ڈھرا۔ طرز حکومت بدلنے کی خواہش سیاسی و انتظامی تدبیری قوانین کی درستی پر منحصر ہے۔ اتفاق و اتحاد کے بوتے پر حکومت سے مطالبہ کیجیے۔ وہ سنے گی ورنہ اندھیر میں کھڑے ہو کے گھورتے رہیے کچھ نہیں۔ فقط

ر۔ق

ایں کہ داری آرزوئے گشتن بسیار نیک
داں کہ ہر لحظہ پشیماں می شوی بسیار

مولانا پنچ کی لوٹ پٹک

کامریڈ لاہور

یہ ایک نیم ہفتہ وار پرچہ ہے لاہور اسکا مولد ہے۔ تصویری ہے سرے پر ایک کارٹون ہے ہندوستانی مزدور اور مسٹر ریمزے میکڈانلڈ آمنے سامنے کھڑے ہیں۔ دونوں کی استادگی کا طریق واحد ہے۔ ہندوستانی مزدور ایفائے وعدہ کا طالب ہے ریمزے صاحب کہتے ہیں تم بالشویک جھنڈا اٹھاؤ تو سب کام ٹھیک ہو جائیں۔ ہمیں تو اس گفتگو میں خاک لطف نہ آیا کیا معنی کہ وزیر اعظم صاحب نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اور ہندوستانی مزدور ہرگز بالشویک علمبردار نہیں ہیں۔ اگر دونوں صاحب عقل ہیں تو دونوں اپنی جگہ کامریڈ سے روٹھینگے کہ خواہ مخواہ کی تہمت ہے۔ دوسرے صفحہ پر ایک نک چڑھی بیگم مہترانی اور خادمہ پر جھنجھلاتی ہیں وہ ترا کے جواب دیتی ہیں بیگم مہترانی اور خادمہ کا قصاص میاں سے یوں لیتی ہیں کہ تانگے پر بیٹھ کے سدھار جاتی ہیں۔ اس قصہ کا نتیجہ یہ ہے کہ بیگم ہیں بے وقوف تو یہ زمانہ ترقی کر رہا ہے خدمت پیشہ لوگوں کے دماغ آسمان پر چڑھ گئے ہیں مگر قصہ بے لطف ہے۔ نہ بیگم صاحب کی کوتاہ بینی پر طبیعت خوش ہوگی نہ ملازموں کی نمک حرامی اور حاضر جوابی اور کام چوری پر۔

تیسرے صفحہ پر اپیل کے عنوان سے ہندوستانی طالب علموں کو نصیحت کی گئی ہے کہ برائے خدا ..... اقرار کرو کہ تم روس کے موجودہ پروپیگنڈا میں شریک ہونے سے باز رہو گے جو کہ روسی بالشویک مساوات کی منادی کی آڑ میں ایشیا اور خاص کر ہندوستان میں پھیلا رہے ہیں۔" یہ ہے مار کی توبہ اور قفل ابجد کا واویلا ہے۔ بلکہ ان الانسان حریص علی ما منع ؎

آخر اس چھیڑ سے کیا فائدہ اتنا تو سمجھ
اور ضد بڑھتی ہے ناصح ترے سمجھانے سے

ممکن ہے کہ ضد کی طبیعت کے بچے اس روک ٹوک سے ممنوع چیز کے مشتاق ہو جائیں۔ زمانہ آزادی کا ہے انقلاب کی آوازیں ہر گلی کوچے میں آرہی ہیں پکڑ دھکڑ کی پالیسی سے گھروں میں ماتم برپا ہے۔ طالب علموں کے کان ابھی ان ناموں سے واقف نہیں کامریڈ صاحب اس بھونڈے طریقے سے انہیں ڈراتے ہیں کہ خواہ مخواہ آتش اشتیاق بھڑکے۔

اسکے بعد روس کے ایک "خطرناک" لیڈر سٹیلین کا حال اور اسکی تصویر ہے لیکن اسکی عالی ہمتی یوں دکھائی گئی ہے کہ آجکل سٹیلین خود تمام روس کا مالک بنا بیٹھا ہے" جب آپ "جوجو" کے ایسے کارنامے دکھائینگے تو بچے کیا خاک ڈرینگے۔ پھر کہتے ہیں کہ "روسی مذہب کے دشمن ہیں" "دنیا مذہب سے دور بھاگ رہی ہے اور لامذہبی کا استقبال کرنے پر مستعد ہے۔ صفحہ ۴ و ۵ پر بعض مشاہیر کی تصویریں اور انکے بے نتیجہ حالات ہیں۔ باقی مضامین کچھ تو بچوں کا بہلاوا ہیں اور کچھ مفید بھی ہیں۔ اسکے اڈیٹر مسٹر مائیکل ہیں۔ مضامین کی روش سے حکومت وقت کی حمایت مترشح ہے۔ دو روپیہ سالانہ قیمت ہے۔

اشاعت کا مقصد خود مائیکل صاحب نے بیان نہیں فرمایا تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ ان کا فرض ادا کریں منگوا کے دیکھیے پسند آئے تو لیجیے۔ مسٹر کے ایل گابا کی کتاب "انکل شیم" پر مائیکل صاحب معترض ہیں کہ یہ کتاب "مقدار فحش" ہے۔ "فحش" ایک ایسا لفظ ہے جسکی تعریف پوچھی جائے تو کوئی صاحب نہیں بیان فرما سکتے۔ خود قانون کی کتاب سزا دینے پر تو مستعد ہے مگر جرم کی حد بیان کرنے سے قاصر ہے لطف یہ کہ دھڑا دھڑ اسکا وار چل رہا ہے۔ کاش مائیکل صاحب ہی "فحش" کی منطقی تعریف کرکے قانون کو اپنا احسان مند بنائیں۔

ہمارے نزدیک تو فحش وہ ہے جس کی تعریف مجسٹریٹ اور سرکاری وکیل کے دل میں ہوتی ہے وہ زبان پر نہیں آسکتی۔ اور ساری دلی احساس پر ہے خواہ وہ اسے محسوس کریں یا نہ ہو مجسٹریٹ صاحب سزا دے دیتے ہیں۔ "فحش" عربی لفظ ہے حد سے گزری ہوئی بدی کو کہتے ہیں یا وہ گناہ جس کی ممانعت خدا نے کی ہے۔ گالیاں بکنا اسی میں شامل ہے۔

"انکل شیم" میں کوئی گناہ مسٹر گابا سے سرزد نہیں ہوا نہ انھوں نے کسی کو گالی دی۔

ادھوری بات

بعض اخباروں کا خیال ہے کہ سازش والے مقدمہ کی میرٹھ سے منتقل کیے جانے کی جو درخواست پنڈت موتی لال نہرو اور سر تیج بہادر سپرو نے ہائیکورٹ میں دی تھی وہ دعائے گنہگار کی طرح واپس ہوئی یعنی آپ کون ہیں ہمارا جہاں جی چاہتا ہے مقدمہ کرتے ہیں۔ بعض معاصر (ہمدم ۱۰ جولائی) ناقل ہیں کہ اگر یہ مقدمہ سیشن سپرد کیا گیا اسوقت پھر ملزمین کو یہ حق ہے کہ انتقال مقدمہ کی درخواست پھر اس عدالت میں پیش کریں" مگر یہ بات ادھوری ہے پوری یوں ہوتی ہے کہ مقدمہ سیشن سپرد ہو جانے پر انتقال کی درخواست پھر تم دینا ہمیں اختیار ہے کہ ہم پھر مسترد کر دیں یا تمہاری بات مان لیں۔

بدگمانی

مہاشے راجپال قتل ہو گئے ملزم یا مجرم جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں ہلا رہا ہے مسٹر جناح پیروی کے لیے بلائے گئے تھے ہائیکورٹ میں وکالت کا حق ادا کر کے چلے گئے۔ وکیل کا یہی کام ہے۔ مگر بعض جرائد خواہ مخواہ بدگمان ہو گئے۔ یارو تمہیں کیا فائدہ ہوگا اگر علم دین ہی کو پھانسی ہو (بشرطیکہ وہ قاتل نہ ٹھہرے) یا کیا نقصان ہوگا اگر علم دین پھانسی نہ پائے اور کوئی دوسرا شخص اصلی قاتل

پنچ: "مانا کہ آپ کا اُسترا بھی تیز ہے۔ خورد بین کی مدد سے آپ کھونٹی بھی نہ رہنے دیں گے۔ مگر خلیفہ صاحب بال ہوتے ہیں گھر کی کھیتی۔ آج چندیا منڈ گئی کل پھر وہی جھاڑ جھنکاڑ وہی جوؤں بھرا گھونگھر۔ عمر بھر بال اُگنے کا جوہر یہی ہے کہ حکومت کا طرز بدلے۔"

ثابت ہو کر پکڑا جائے۔ واقعات کا ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ۔ صد بار تجربہ ہو چکا ہے ایک شخص کو اصلی مجرم سمجھی اور لعبہ کو تائب ہو چکی ہے۔

مسٹر چنا کچھ تبلیغ کا حق ادا کرنے تو آئے نہ تھے کہ انکے کھرے ہندوستانی ہونے میں اس مقدمہ کی پیروکاری سے بٹا لگے۔ یہ تو پیشے اور پیسے پیٹ کی بات ہے۔ مذہبی تعصب کو یہاں مطلق دخل نہیں۔ اس قسم کی تنگ مزاجی دور دراز بڑھ جائے گی۔ خواہ مسلمانوں کی طرف سے ظاہر ہو یا ہندو قوم کی طرف سے۔ اگر دُنیا میں اس قسم کی بدگمانیاں موجود ہیں اور عام طور سے انکا اظہار بھی ہوتا ہے تو ایک اخبار نویس کو بہرحال اس سے پرہیز کرنا لازم ہے کیا معنی کہ اخبار دُنیا کی دانا اور اتا یعنی بیچاری ہمیشہ بلا ہے کی مصیبت اپنے سر لیتی ہے شاعر کہتا ہے ؎

عقل ناچار کشد زحمت آلائش نفس
دایہ پرہیز کند طفل چو بیمار شود

بُڑھیا کے نکاح میں سو سو خطرے

آنجہانی لارڈ سنہا پہلے ہندوستانی تھے جو لاٹ صاحب بنے۔ اخباری کالموں میں یہ خبر مشتہر ہوئی کہ انھوں نے اپنی نیک پاک طاہر قانونی کمائی کا ایک جزو اس "لقب" کی حفاظت کے لیے بنک میں جمع کیا کہ جو لاٹ زادہ میر قائم مقام ہو اُسے اپنے لقب کا بار جا سنبھالنے میں دشواری نہو۔ اسکا نفع کھائے اور لاٹ بنا رہے۔ لارڈ سنہا تو چل بسے اب قائم مقام صاحب کے لاٹ بننے میں لوہے لاگ گئے یعنی انگلستانی خاندانوں کو ایک کالے آدمی کا دارالامراء انگلستان میں کرسی پر اکڑ کے بیٹھنا کھل گیا اور جھٹ بول اُٹھے کہ جناب اپنی صحت نسب تو پہلے ثابت کریں۔ انگلستانی آدمی رجسٹری شدہ صحیح النسب ہوتے ہیں یہاں نسب نامہ اور نکاح نامہ تو خیر ہوتا ہے مگر ولادت نامہ کا دستور نہیں جو فوراً جیب سے نکال کے کوئی دکھادے اور کہے ؎

گواہ عاشق صادق در آستیں باشد

لہٰذا لاٹ کا لقب پڑ گیا اُلجھاوے میں۔ کہا جاتا ہے کہ امیدوار کو پُرانے لاٹ کا جانشین سمجھ کے نہیں بلکہ نیا اُمیدوار سمجھ کے لاٹ بنانے کی تجویز ہو رہی ہے مگر ممکن ہے کہ یہ تجویز بھی اُلجھن میں پھنسے کیونکہ اسلیے کہ اگر اصلی وارث ہونا مسلّم نہیں تو پھر یہی سوال درپیش ہوگا کہ آپ نے کونسی ملکی خدمت انجام دی ہے جسکے صلے میں آپ کو لاٹ بنائیں؟۔

واللہ ہندوستانی ہو کے لاٹ بننے میں بڑی بکھیڑا لیہ ہوتی ہے۔ یاروا جب کسی کو لاٹ بننے کی ہوس ہو وہ اپنی اولاد کا ولادت نامہ ابھی سے تیار کر رکھے ؎

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

"مَن اشجع النّاس؟"

(سب سے بڑا بہادر کون ہے؟)

یہ سوال کئی بخیلوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ ایک نے جواب دیا: "وہ جو کسی کا جبڑا چلنے کی آواز سُنے پھر بھی اُسکی پسلیاں نہ کڑکیں"۔ دوسرا بولا: "اور وہ بھی جو کسی کی فضول خرچی کا افسانہ سنے اور ڈوب نہ مرے"! تیسرا بیہودہ سرا ہوا۔ "دینے کے نام سے گالیاں دینے والا بھی ضرور بہادر ہے"۔ مگر ہم سے پوچھیے تو زمانۂ حال کا بڑا بہادر لاہور کے اسپیشل مجسٹریٹ کا سررشتہ دار ہے کیا معنی کہ (بحوالۂ حیا اُندلاہور) جب ملزمین جرم سازش کے وکلا نے بغیر اُجرت کارروائی کی نقلیں مہیا کرنے کی مجسٹریٹ سے درخواست کی تو سررشتہ دار صاحب نے صرف اتنا ہی کہا کہ "حضور اسطرح تو گورنمنٹ کا بڑا نقصان ہوگا"! فی الواقع سررشتہ دار کے اشجع الناس ہونے میں کوئی کلام نہیں ابھی اُنکی جگہ دوسرا ہوتا تو مفت نقل مہیا کرنے کی آواز سُنتے ہی عقل اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ اللہ رے تیرے دل کی مضبوطی اتنی بڑی درخواست سُن کے ہچکی بھی نہ لی کلیجا بھی نہ مسوسا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ مجسٹریٹ صاحب نے جان بچالی یعنی ملزم کے وکلا کی درخواست مسترد کر دی مگر یہ کہنے کی باتیں ہیں اگر سررشتہ دار کا دل مضبوط نہ ہوتا تو مفت نقل دینے کا دھچکا کسی طرح نہ سہ سکتا۔ ایک بخیل کے پڑوس میں کوئی مسرف گھر لٹاؤ شاہ خرچ دشمن عقل رئیس رہتا تھا اُسکے باورچی خانے کی مُہری سے پلاؤ کے پیالوں کے ساتھ ایک نہ دو کوئی درجن میں چاول بہ نکلے۔ چاولوں کو یوں ضائع ہوتے دیکھ کے بیچارہ منتظم کفایت شعار فوراً ہی لوراً غش سے گر پڑا اور ہچکی بجاتے روح درگئی پرتن سے بھاپ کی طرح نکل گئی۔ انا للہ۔

شیریں زوجۂ کسریٰ (معروف بخسرو) لب دریا بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک ماہی گیر بہت خوبصورت مچھلی پکڑ کے بادشاہ کو نذر دینے لایا بادشاہ نے مچھلی پسند کی خزانچی کو حکم دیا چار سو درہم ماہی گیر کے حوالے کرو۔ "آہ چار سو درہم اتنی سی مچھلی کی قیمت؟" بی شیریں نے ٹھنڈی سانس بھری اور بادشاہ کے اسراف پر ملامت کی۔ دینے والے کے معاملہ میں خیالات کہنے سُننے سے جلد ہی پلٹ جاتے ہیں محمود غزنوی کے خیالات حسن میمندی نے پلٹ دیے اور میاں فردوسی ہاتھ جھلاتے وطن سدھارے ؎

خجستہ درگہ محمود زاولی دریاست
چگونہ دریا کاں را کنارہ پیدا نیست
ہزار غوطہ زدم واندراں ندیدم دُر
گناہ بخت من است ایں گناہ دریا نیست

خسرو کا دل بھی کچا پڑا۔ کہا اب تو زبان سے بات نکل گئی شیریں نے زہر اُگلا: "اجی یہ کتنی بڑی بات ہے اس موئے سے پوچھو مچھلی مادہ ہے یا نر۔ جو وہ کہے مادہ ہے تو کہو لیجاؤ اپنی مچھلی ہمیں نر درکار ہے اور جو کہے نر ہے تو کہو "نر مچھلی ہم نہیں کھاتا حکیموں نے منع کیا ہے"۔ ماہی گیر انعام لے کے چند قدم چلا تھا کہ بلایا گیا۔ مگر وہ تھا ظریف دست بستہ عرض پیرا ہوا کہ قربانت شوم ماہی خنثیٰ است نر نیست و مادہ ہم نیست۔ خسرو ہنسا اور ہنسی کے انعام میں چار سو اور دیے۔ ماہی گیر آگے بڑھا اتفاقاً ہاتھ سے ایک درہم زمین پر گر پڑا۔ اُسنے فوراً درہم اُٹھا کے ہونٹوں سے لگایا سر پر رکھا۔ بی شیریں نے پھر بادشاہ کو تیہا دلایا: "ہائے کمبخت بھر گٹھری آٹھ سو درہم پائے اسپر بھی نیت کا یہ گھاٹا کہ کوڑی کوڑی تو دانت سے اُٹھائے۔ امیر امرا کانوں کے کچے ہوتے ہیں خسرو کو ماہی گیر کی دنائت پر طیش آ ہی گیا: "ادھر تو آ کمبخت یہ کیا کنجوسی ہے؟" ماہی گیر سر جھکا کے عرض مطلب بلا ہے

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے نتیجہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ بادے کی ہمایت بے روے رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعمہ) سالانہ قیمت لی جاے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بناء بر ایں ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرا لیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا نا داری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزارہا خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے انکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے منیجر پنچ ان کی تحریرات کا ہرگز ذمہ دار نہ ہے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور ان کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۲ نمبر ۲۶

مضامین پنچ

(بابتہ ۱۵ جولائی ۱۹۲۶ء)

الادبیات

حضرت سچ پوچھیے تو واقعی ہماری اردو اب اب یا نسون ترقی کر رہی ہے کوئی دوسری زبان اون جا سے یا ہر نہین ہوئی ایسی کہ ہماری زبان ہمارے صوبہ کا محکمۂ تعلیم خود ہی ایسی سر جو پرچہ کا ہے ہگا مگر اخبار نویسون کے مشہور کیے ہیے بر خود غلط از خود غلط نظام وقشار کی غلط شہرت کا بوجھ کو تن کے ذہن پر آنکھ بند کر کے ڈال دیتا ہے۔ یہ کمبخت بولتے کچھ ہین اور پڑھتے کچھ ہین۔ جو کچھ انھین پڑھایا جاتا ہے وہ انکی بولی سے متغائر ہوتا ہے لہذا اپنے گھر سے سے کو مشق خیال کرتے اور سو بڑے سے بدل لیتے ہین۔ یہ بیہودگی مسلسل جاری ہے۔ حکومت سے کہو تو وہ جواب دے گی کہ بھائی تعلیم کا صیغہ تو ہم تمھارے ہاتھون مین تفویض کر چکے۔ اب بھی اعتراض کے تیرون کا تودہ کیون بناتے ہو۔ ہم تو ہین برنشی اگر انگریزی کے بارے مین تم کچھ اعتراض کرتے تو ہم سمجھنے کی سعی کرتے۔ ہان دور سے بیٹھے یہ دیکھتے ہین کہ ٹیکسٹ بک کمیٹی نے مشہور اہل قلم کے نتائج افکار نصاب مین بھر لیے مین کوئی خلاق معانی ہے کوئی شاہ سخنوری و سخن دانی ہے کوئی نقار فطرت ہے کوئی صناع قدرت ہے۔ تم یہ کہتے ہو کہ فلان شخص اپنے منہ اور اپنے غلط گو مداحون کی زبان سے صورت گر معنی اور نقاش لایعنی ہو تو ہو وہ ہرگز اردو زبان کا ماہر نہین اور بعض برساتی للی گھوڑیون۔ (نام نہاد ادبی رسالے) سے نے کر اکثر منہ اور رتعان کے بڑے سے تھی سفر اخباری کا مذوالون تک انھی کے مداح ہین اچھی انگریزی ہین ان کے آثار قلم کے ترجمے شایع ہوے تو دھوم ہو گئی کہ اللہ اللہ ایسے ایسے نازک خیال ادیب بھی کلمو ہے بے زبان ہندوستان مین پیدا ہوتے ہین۔ اب کہو تمھاری سنین یا اونکی مانین تعجب ہنستے ہین ہو ان پر سو آدمی تعریف کرتے ہین اور تم ہجو کرتے ہو۔ ہمین وقت ہے کثرت رائے پر عمل کرنے کی لہذا تم ہی ناقص ہو جو دوسرون کو نام دھرتے ہو۔ اس کے علاوہ تم ہو دل لگی باز ہمین معلوم کہ دل لگی سے اعتراض کرتے ہو یا در حقیقت ان لوگون کے سحت کلام مین کلام ہے۔ یہ تو ہو نہین سکتا کہ بڑے بڑے ادیب اپنے اردو منظوما کا انگریزی ترجمہ ایسے الفاظ مین کرین کہ اردو سے الفاظ سے وہ مطلب ادا نہ ہوتا ہو۔ اصل پنچ ہو اور ترجمہ آلہیات و اخلاق و فلاسفی کا ایک باب۔

یہ تو ہوا پردیسیون کا جواب۔ اب ظنی و خیالی بلکہ امکانی جواب ان حضرت کا بھی سن لیجیے جنھین ٹکسٹ بک کمیٹی کا ممبر ہونے کے باوجود اردو مین لیاقت واجبی ہی واجبی ہے وہ کہتے ہین جناب ردو ایک مہمل سی زبان ہے نصاب کی مدرس سال بھر کے بعد آخر وہی ضرور ہے آخر کہان سے لائین نئی کتابین جن سے مضامین انتقاد و انتخاب کرین۔ اردو مین ہی کیا۔ پرانے شعرا کے دیوان مین اگیا کرنی وصل ہجر شاعرانہ مبالغہ اور دیگر فواحش بھرے ہوے ہین نثر مین کوئی کتاب ہی موجود نہین ناول ہین اخلاق خراب کرنے والے قصے ہین۔ الله الله خیر صلاح۔ انھین بچون کو پڑھانا مناسب نہین بس پیر پھیر کے یہی مصنف باقی رہ گئے جنکا دنیا مین شہرہ ہے اور دنیا جنھین محسن اردو سمجھتی ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ ایشیاٹک سوسائٹی کے زمانے مین تو اردو کی گود بالکل خالی تھی اوسے نصاب کے لیے کتابین تصنیف کروانی پڑتی تھین کام پردیسیون کے ہاتھ مین تھا اسوقت کیون نہ زبان بگڑی اور نہ محاورے لنگڑے لولے ہوے جو کام ہوا چوکس ہوا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ آپ کو سلیقہ کام کرنے کا نہین آپ کتاب فروشون کے ہاتھین اکثر نصاب کے تعین کا اہم کام سپرد کر دیتے ہین وہ کسی پروفیسر یا مولوی کو گانٹھتے ہین جو تعلیم سے تعلق رکھتا ہو یا محکمہ تعلیم مین ملازم ہو۔ چاہے ملنے لیاقت ہو یا نہو یا جس کی کتابین بازار مین بلا مقبول ہو جاتی ہون۔ ایم اے ہان بی اے ہو جنھیں تو علم نہ اتنے قیمہ کافی ہین اور اگر ٹکسٹ بک کمیٹی مین بااثر بھی ہو تو بجان اللہ سبحان اللہ سب شرطون پر بھاری ہے۔ زبان آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ نہ ہو فیسر ایم اے کی تو دم مین اور اون شرائط کے چوتھین جن کے بے ہنگم ہونے کا ذمہ دار محکمۂ تعلیم ہے مطلب جدت یا ذاتی اغراض یا تعصب یا تغافل اور بیچارگی سے بناء سے ہر لغویت ہو رہا ہے۔ یہ کوئی نئی کہانی تو ہے نہین۔ مولانا اودھ پنچ بارہا کتب نصاب پر نکتہ چینی کر چکے ہین اور خرابی کے اسباب بھی اجمالاً اشارتاً بیان ہو چکے۔ مگر کوئی کیون سنے۔ جلالی کے ایک بد چوب قلم کے سنی قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے اور دوسرا شخص چھوٹی سی حمائل پڑھ رہا تھا۔ اتفاق سے مقام تلاوت ہو گیا مشترک۔ سید صاحب غلط پڑھ گئے دوسرے شخص نے ٹوکا کہ حضرت ذرا دیکھ کے پڑھیے سید نے بچے لگائے تو معلوم ہوا کہ قرآن بخط معنی لینی کاتب صاحب ہین تو خوشنویس مگر پتے سرے کے غلط نویس بھی ہین آیتین کی آیتین کاتب صاحب کی طبع زاد ہین ساقی منے لہالقرآن ہی غلط ہے۔ بھلا سید صاحب اپنے دل کی توہین کب گوارا کر سکتے تھے ”بھلا کے بولے“ درست آپ کی اتنی سی ”قرآنیا“ (معاذ اللہ) تو صحیح ہے اور میرا اتنا بڑا ”قرآنا“ غلط ہو گیا؟ ”مولانا اودھ پنچ کی نکتہ چینی پر بھی بلا تشبیہ سید صاحب کے سے ایراد کیے گئے۔

الغرض کار طفلان از دست کتب نصاب تعلیم خراب و دل اردو کباب۔ بھلا آپ ہی انصاف کیجیے کہ یہ نظم کس حیثیت کی ہے اسمین کیا دل آویزی ہے شاگردان مدارس کیون اسے ذہن مین محفوظ رکھینگے۔ سنیے جناب شاعر نساجی کے کرتب دکھاتا اور عنکبوت قلم سے گوشۂ قرطاس مین یون تار تار بنتا ہے :-

ایک مکڑا اور مکھی

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا

اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمھارا

لیکن مری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت

بھولے سے کبھی تمنے یہان پاؤن نہ رکھا

غیرون سے نہ ملیے تو کوئی بات نہین ہے

دل کا فریضہ بیان کرتا ہے۔ جو جی چاہے نکالے ۔ سہ

فتنہ پرداز یان پوشیدہ ہین گھونگھٹ مین ترے
یہ بہانہ ہے فقط آنکھ ملانے کے لیئے

کیا مطلب خیز کلام ہے۔ مقطع عرض ہے سہ

دام کاکل کو جو پھیلایا ہے صیاد نے قاصر
ترے پھنسنے کے لیئے تیرے پھنسانے کیلیئے

جل جانا دکا کلہ۔ کیا عروضی شاعر ہے۔ انتخاب ہے انتخاب۔ ناسمجھ کی "دم" اور لفظ قاصر کی رے ایک ہی ماں کی بیٹیاں ہین۔ یعنے باعتبار عروض ساقط از وزن و باعتبار لفظ "کو" کی فصاحت سبحان اللہ۔ مستقل غزلین ختم ہوین اب "فرد" کی باری ہے سہ

وعدہ کیا تھا یار نے اوین گے دن ڈھلے
سورج خدا کے واسطے بر جھٹنگلے تلے

ہو جاتے تلے لبے ہو جاتے تھے۔ تل تلی کی صنعت قابل آفرین سہ

اے شیشہ گر تم سے یہ اک عرض ہے میری
دل ٹوٹا بنا دو تو عجب شیشہ گری ہے

ذکر عرض کا عین ٹوٹ گیا شیشہ گری بھٹی مین۔ مگر فرمائش قابل قبول ضرور ہے ان تھوڑی سی اصلاح درکار ہے یعنی کیفیت دل سے بن ڈونٹی کا بڑھنا اسکو بند سے کا جھوٹ لہذا یون کہنا چاہیئے "دل ٹونٹی بنا دو تو عجب شیشہ گری ہے"۔ سہ

پانی نہ لانا قبر پہ لے میرے دوستو
مٹی کے ٹھیکے کو ہم خشک بھرے جاتے ہین

دیکھا آپ نے کیسا موزون طبع معنی آفرین شاعر ہے۔ پس ہمارا یہ دعوے صحیح ہے کہ اللہ رکھے اردو کے بھلے دن آگئے نصاب تعلیم کی خوبیئے ترتیب و انتخاب سے طلبائے مدرسون کی سخن شناسی عنقریب اسے جولا ہے والی معراج پر فائز کر دیگی۔ بی اردو جہان گدھے پر سوار ہونگی کالا منہ ہوگا آنکھوں پر پٹی ہوگی نوری کپڑے زینت جسم ہونگے۔ اخباری اطفال کی فوج پیچھے ہوگی سدھن دھن نن نک چھن چھن من نک کی آواز سے محلے والے محظوظ ہونگے کہ ہمین حضرت کی جھڑیان پر بیٹی لگینگی جو زیر لب و نہ جرٹ لگتی ہے" پھر جب آنکھ کھلیگی تو وہی ناتا چماری پھنے کرنے کا شغل"۔ فقط

راقم - اوبار التعلیم

منطقی انسان اور جالی واقعات

(از نواب منطق آرا بیگم)

ابتک عرف عام مروجہ تو یہ تھا کہ صحیح انسان کو جب تک غذا ملتی رہتی ہے اوسکی طاقت بحال رہتی ہے عرف عام سالبہ یہ ہے کہ ہر صحیح انسان مر جا نہین سکتا اگر اسے غذا نہ ملے۔ لیکن اب منطق بھی کمبخت پرانی باتون کو بھولتی جاتی اور سرکار کی ہان مین ہان ملاتی ہے یعنے کہا جاتا ہے کہ چالیس پچاس فاقے کرنے کے بعد سر دلدر بھگت کا لنگر مدد پر زور بھاری ہو گیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو جیل خانہ کے تمام قیدی ہی نہین بلکہ دق کے تمام مریضین کے بھلے دن آگئے۔ جو کوئی دبلا ہوا سے فاقے پر رکھ لو۔ دے فاقہ دے فاقہ۔ انشاء الجلیر والذاکر و ضرور سرکار کے عشق مین گھل گھل کے آدمی سے ہاتھی ہو جائیگا آہ عشق کا نام آگیا۔ یہ حضرت بھی تو ہزال و لاغری کے پدر مہربان ہین۔ دیکھ لینا اب انکی دال بھی گلیگی۔ اون بدگمانون کا ذکر ہی فضول ہے جو کہتے ہین یا تو میزان در ترازو ہین عیب ہے یا تولنے والے کی آنکھون کی ترازو مین پاسنگ کی ضرورت ہے یا ہزال کے ساتھ ہی قیدی کے اپنی زیور (عطیہ سرکاری) کا وزن بڑھتا رہتا ہے۔ ان بدگمانون کی عقل ہوگئی ہے دبلی اسے دو فاقہ دیو لے ما ماجی آج سے چولھے پر ہانڈی چڑھائی تو تم ہی جانوگی۔ نواب ہوگئے ہین اپنی دوسری چاہتی بیگم کے عشق مین دبلے ہین ہماری اس فکر مین مبتلا ہون کہ دیکھئے یہ عشق دشمنون کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ دیکھو جب کھانا مانگین تو ہنڈیا اوندھا کے پیندا دکھا دینا۔ مجنون عامری یا میان قیس ہونے کی بہ نسبت سر ہار کوٹ ہٹکر ہونا اچھا ہے "۔

بحوالہ بندے ماترم لاہور مورخہ ۲۴ جولائی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور اور مسٹر بلجیت سنگھ وکیل مین دلچسپ بحث ہوئی۔ وکیل صاحب نے کہا کہ ملزم چاہے کسی الزام مین گرفتار ہون اور ہم اون کے طرز عمل سے کتنا ہی اختلاف رکھتے ہون لیکن ہم اونکی فداکاری کی قدر کرتے ہین اس پر مجسٹریٹ صاحب نے فرمایا کہ "آپ یہان باغیانہ تقریر کرنے نہین آئے ہو"!

اگر سلف مین قیاس سادات کوئی وقعت رکھتا ہو (یعنی برابر کا برابر برابر ہوتا ہے) تو یہ نتیجہ کہ باغی کا حمائتی باغی ہے بہت آسانی سے نکل آتا ہے۔ لوگو مین بچارہ تو مدت سے ہر طرح سچا ہی ہون کہ جو وکیل کسی مجرم یا ملزم کی پیروی کرے اسے بھی دھر پکڑ کر کے ہتھکڑیان (بیڑیان) پہناؤ اور جیل بھیجو دیکھا کیجئے گر سرکار ہے بہری سنتی ہی نہین۔ سے ناک ناک بڑتی ہون جس دن سب مجرمون کو ڈھونڈھے وکیل نہ ملے اوسی دن جڑ ہی چھنا لے تون پھر بغاوت فساد کا خاتمہ ہو جائے تب ہی کہنا۔ اسی کے ساتھ علانیہ پولیس کا محکمہ بھی الغت اور خفیہ پولیس کا صیغہ بھی فقرقوا۔ حاکمون کی کرسیان بھی اوندھی سامنے جیل بھیل غائب غلا۔ عاشق پر سردار اور کرجہ بارین سناٹا ہو کا عالم۔ یہ ہے جیل لزوم تو اون کے لیئے دیکھا جائیگا۔ دنیا بغیر انتظام کے تو رہ نہین سکتی۔ ہمارے شہر کے مجسٹریٹ شیخ تمکین الدین بھی ظریف منطقی ہین آپکی رائے ہے کہ حماقت اور رعنا بین عرض لازم پر عرض مفارق نہین مثلاً کوئی چاہے کہ گدھے کو مار مار کے شائستہ گھوڑا یا جونپور کا قاضی بنا دے محال ہے۔ علی ہذا القیاس کوئی بیوقوف انسان اگر بالقوۃ کاتب اور بالفعل ادیب ہو جائے تو اسکے لنگوری چال چلنے والے قلم کی لگام اوسکے مربیون اور معقول دوستون کے سپرد کرنی چاہیئے کلیہ تو صحیح ہے گو ہم اس سے متفق نہین کہ خدا نخواستہ مولوی انفر صاحب مرانی عقل اور علم کی طرف سے "انفر" ہین۔ خیر یہ اپنی اپنی رائے ہے تو گو میرے کہنے سے مجسٹریٹ صاحب کی تجویز کا یہ فقرہ جو حضرت وصل بلگرامی اور نیاز صاحب فتحپوری بنام انفر مرانی کے مقابلے مین انھون نے لکھا ہے حل نہین سکتا جو زبان پیچ کہ انفر کی صورت سے حماقت برستی ہے اور حماقت کا یہی علاج ہے کہ ہر مقدمے کی بابت پانچ سو کی ضمانت دو اور پانچ سو کا مچلکا یعنی "بہی نامہ" لکھو کہ تمہارا احمار قلم دوسرون کی لہلہاتی کھیتون اور غزلون پر جرٹ نہ کریگا۔ امید ہے کہ آئندہ اس انتظام سے حمار قلم دوستون کے کانجی ہوس مین رہ کے احاطہ کی گھانس پر قناعت سیکھ جائیگا اور ادھر ادھر منہ نہ ڈالیگا سہ

دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست

در مضامین لکھے سے فرزانگی

قیاس مع الفارق۔ بجیت خنگو صاحب سے

جو کچھ مجسٹریٹ صاحب نے فرمایا (دیکھو الیسطور بالا) وہ تو آپ کے سنا اب ایک پنشن خوار پولیس افسر کی لسانی سنیئے آپ کا نام مسٹر [illegible] سرورت اور [illegible] کی فاقہ کشی دیکھ کے آپکے منہ سے جزر [illegible] چلے نکل ہی گئے۔ (بزبان [illegible]) آپ فرماتے ہین کہ مجرم و بیگناہ ہونے کا حال تو عدالت کو معلوم ہوگا یا حاکم فیصلہ کریگا مگر ان دونون کا بگڑا اور بہت دیکھ کے بےساختہ "واہ" نکل جاتی ہے۔ ایسے سالکے کے جوان کہین نہ پیدا ہوتے ہین جو کہین یہ لوگ فاقے کرتے کرتے خدانخواستہ مر جائین تو گورنمنٹ کو چاہیے ضرور [illegible] ہو گیا مگر ہندوستان کو بہت نقصان پہونچیگا۔
ظاہر مین بات ایک ہی سی ہے گویا بجیت خنگو کے منہ سے بات چھین لی مگر سچ پوچھیے تو بہت بڑا فرق ہے کہاں کلموہے کی کالی زبان کہاں اور گورے چٹے سرکاری آدمی کی نورانی زبان کہاں گورے کے قیاس کالے پر قیاس مع الفارق ہے کہ نہین؟ بجیت سنگھ پر تو گھر کی پڑی مگر مسٹر [illegible] کی منصف مزاجی کی تو داد واہ ہو گی واہ سے کیسا تام [illegible] کی زبان ہے جو ذرا بہک جائے تو لوگ کہین منطق آرا بیگم پر بڑھاپے مین گالیان بکنے لگین دفعہ ۲۹۲ کا وارنٹ جاری ہونا چاہیے
ایک عربی شاعر کسی امیرزادے کی صحبت مین تھا اتفاق سے چھینک آئی حدیث مین ہے کہ اگر تمہارا کوئی ملاقاتی چھینکے تو کہو "یرحمک اللہ" (خدا تم پر رحم کرے)۔ مگر امیر کے مصاحب [illegible] چپکے "کمبخت کیا بدتمیز ہے نہ ہوا استرا نہین تو ناک اڑا دیتے" اتنے مین امیر صاحب سے وہ خطا ہوئی جس پر لوگ ناک بند کر لیتے ہین اور مصاحبون نے کہنا شروع کیا "یرحمک اللہ یرحمک اللہ"۔ شاعر ان خوشامدیون کی لے دے پر جلا بھنا بیٹھا تھا بول اٹھا سہ

وضرطۃ الموسر فی مجلس
قالوا لہ یرحمک اللہ
وعطسۃ المفلس فی مجلس
سبت وقالوا انہ اساء

ضرطۃ المفلس مزممۃ
وعطسۃ الموسر معافاۃ

ان شعرون کا حاصل یہ ہے کہ بیچارہ مفلس چھینکتا ہے تو لوگ لئے پڑتے ہین بھلا کہتے ہین اور کوئی رئیس آدمی دھڑلے سے [illegible] اڑا دیتا ہے تو لوگ کہتے ہین صحت ہوئی صحت ہوئی خدا رحمت کرے۔
اس الٹو انسی کا مطلب تو یہ ہوا کہ غریب کا پالنا اوسکی گوز گاہ کا قائم مقام ہو گیا اور امیر کی گوزگاہین گوئی یا چھینکی کی نائب۔

خبر گرم ہے کہ روسی چینیون سے لڑنے پر آمادہ نہین ان کا رحم ہی جنبش لیوا ہے تو ستم کرے اون کی بلا۔ دیکھئے دوسری سے بیٹھے بیٹھے ہندوستان مین کیسی چل پہل پیدا کر دی کہ ویران دلون کے تبوبڑون مین [illegible] دکھائی دینے لگی - جو بڑھیا بیوہ موت کے انتظار مین بیٹھی سینہ کی افسردہ انگیٹھی کی راکھ مین جوبن کی چنگاری تلاش کر رہی تھی وہ بھی گرما گئی جوان فرزند جیل کی کوٹھری مین زنجیرون کو ایسا رگڑا کہ شرارے نکلنے لگے۔ اور ماستا کا بھی نس بھڑک اٹھا۔

طائے منطق کی سربازاری - نہ حاکم واقف نہ وکیل۔ وکیل نے کہا کہ ملزم کو حکومت وقت سے محبت نہین تو نفرت ضرور ہے اور حاکم صاحب کی سمجھ مین نہ آیا کہ محبت اور نفرت مین تقابل عدم وملکہ نہین تو درمیانی حالت نکل سکتی ہو۔ ممکن ہے کہ محبت نہ ہو اور نفرت بھی نہ ہو ہان محبت اور نفرت ایک ہی چیز سے ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں معلوم ہوتا ہے کہ حاکم صاحب اور وکیل صاحب دونون لال بجھکڑ کے شاگرد ہین۔ مثل مشہور ہے کہ لال بجھکڑ صاحب نے پہلی مرتبہ امرود دیکھتے بازار مین دیکھے نام پوچھا اور نوٹ بک مین ٹانک لیا آگے بڑھے تو بارہ سنگھا دیکھا یہ بھی نئی شے تھی اس کا نام بھی لکھ لیا۔ اور آگے بڑھے تو ایک کچھوے پر اہل شہر رائے زنی کر رہے تھے کہ یہ کون سا جانور ہے آپ جانئیے لال بجھکڑ سے بڑھ کے اور کون تھا جو اس عظیم الشان مرحلے کو طے کرتا آپ نے فوراً حکم دیا۔ "کاکن ڈالو چیک لے تو امرود نہین تو بارہ سنگھا ہونے مین کوئی شک نہین"۔ کاش وکیل صاحب یا حاکم صاحب کا کن کیال کے محبت کے امرود اور نفرت کے بارہ سنگھے مین امتیاز کر لیتے۔

دیکھینگے تو پتھر مار [illegible] کی فصل اس وقت حکومت اہل کر رہی ہے۔ مار دھاڑ پکڑ دھکڑ کی وجہ سے لوگون مین تو ماتم برپا ہے اور آپ ونفین دلون مین محبت ڈھونڈھتے ہین۔ واللہ ہم حکومت کی خوبصورتی کے اس درجہ قائل نہین ہین کہ ہتکڑیون کو زلف اور پھانسی کو ساعد سیمین سمجھنے لگین۔

جارج لائڈ کو ہندوستان مین تمام اخبار پڑھنے والے جانتے ہین باعتبار خیالات آپ کی عمر طولانی ہے یعنی کہ آپ سولھوین صدی مین اپنے وقت کے وارن ہیسٹنگز ہین قدرت کی غلطی سے اس زمانے مین پیدا ہو گئے۔ ایسی غیر منطقی طبیعت کے آدمیون کی کھپت انگلستان مین تو ہو نہین سکتی لامحالہ ان کے ردی کپڑے خرچ بیچ کا بوجھ ایسے ہی ملکون کی گردن پر لادا جاتا ہے جنھین بخت و اتفاق نے انگلستان کے قابو مین دے دیا ہے مثلاً ہندوستان مصر افریقہ عراق وغیرہ۔ چنانچہ آپ مصر کے ہائی کمشنر مقرر کیے گئے۔ اور آپ نے نہایت قابلیت اور عالی دماغی سے مصر کے تمام عقلا اور اہل منطق کو ناراض کر لیا۔
بڑے آدمیون کے سامنے منطق نہین چلتی۔ شکل اول اپنے تمام شرائط و فروع کے ساتھ انکے مقابلہ مین کان دبا کے خاموش ہو رہتی ہے۔ بھلا آپ ہی بتائیے اگر کوئی بھلا آدمی دن دہاڑے دوپہر کے وقت مئی جون کے مہینے مین کہے کہ آفتاب نہین ہے تو اس کا گلا کون گھونٹے گا۔ اس قسم کے انکار کی جرات صرف اون لوگون کو ہوتی ہے جو پاگل ہون یا غیر معمولی اختیارات نے اونھین اپنی بات بزور منوالینے کی گنجائش دی ہو۔ چنانچہ اہل مصر کے تمام آفتاب نما مدلل اور قوی دعوے موصوف ہائی کمشنر صاحب کے ایک اشارہ برق بے سیم سے یون ڈھل ڈھلے پل پلپلے ہو جاتے تھے کہ مسلح اور مکمل جنگی جہاز ساحل مصر پر "لم اتقی جو منا جبلا کھاتا تمہ کا ڈولا" کرتے ہوئے

بلا سے روشنی طبع

"بچو۔ یارو بچو۔ چکا چوندھ کا معاملہ ہے۔ رات بھی تاریک ہے"

تنزل کر جانے کے آمادہ ہو گئے اور اُس کے بعد بانی گشتر صاحب نے گھونسا تان کے فرمایا "ہاں اب بولو بہت شیخی کرتے تھے - بڑے آئے وہاں سے! دریاے نیل کے پانی پر حق جتانے اور سوڈان کی سیاہی میں حصہ بٹانے - اور ہاں سنو تو یہ پارلیمنٹ کا جھول جھال کیا - کیا تم بھی مہذب ہونے کا دم دارِیہ رکھتے ہو"

مصر تعلیمی حیثیت سے اسوقت یورپ ہو رہا ہے مگر غلامی اس کے بادشاہ کا جوہر ذاتی ہے اسلئے رعایا کبھی چند یا پر دھولیں کھاتی اور سر سہلاکے چپ ہو رہتی تھی - اب جو انگلستان میں سٹریزمین سیکنڈ انلنڈ کی جوڑی ٹنڈی کا دورہ دورہ ہوا تو بے زنخدان (ٹنڈی) کے مصریوں کی باچھیں کھل گئیں - جارج لائڈ صاحب اس مزدور خاہی کی دھونس میں آ گئے اور انھوں نے اپنے عہدے سے استعفا دے دیا "پیچ پی ہزار نعمت کھائی" ۔

کہنے لگے یوں ہنسکر انشا چاہے کچھ کہیں میں میں ہوں امیر اور تو ہی مزدور میرا تیرا میل نہیں جارج لائڈ اور لائڈ جارج میں ہے عکس مستوی۔ لائڈ جارج کی کمان فولادی سے چاؤ بانس کی کہ گئی تو کیوں جارج لائڈ کا تیر ٹیڑھا نہ جائے - جزو اول تو جزو ثانی ہو گیا - لقائے صدق و کذب کا حال معلوم نہیں - "سنگ نشنید بجاے گیا ئی" کا انتظار ہے -

اس منطقی ہوٹل والی کی منطق بھی تعریف کے قابل ہے جس نے مسٹر گک بیچارے کو بھوکا رکھ اور اس الزام پر کھانے کی بو سونگھنے نہ دی کہ وہ خالی قمیص اور پتلون پہنے تھے میاں گک لاکھ غل مچاتے رہے کہ "بھوکا ہوں بھوکا ہوں" مگر وہ یہی کہتی رہی کہ تم "ننگے ہو ننگے ہو" بھوک محسوس ہوتی تھی میاں گک صاحب کو اور عریانی پر میم صاحب کی نظر تھی۔

دوسرے یہ کہ میم صاحب خود بھی فیشن کی عنایت سے خوش غلاف تھیں - مرد انے لباس میں پیر انوں تک قمیص اور گردن تک پتلون تھا اس کے مقابل میم صاحب کے ڈیل میں بالشت بھر چکلی جانگھیا اور سینے سے لے کے رانوں تک چست وارنش وضع کا گھنگریا تا گوشت ننگی گردن - ننگے بازو - ننگی ٹانگیں - سینے پر بانیک جھول دار نان پاؤ کے پیڑوں کی صافی - دو عریانیاں ایک جگہ جمع کیونکر ہوتیں - ہوٹل کا ٹھنڈا ہال کوئی خلوت خانہ تو ہوتا نہیں وہاں صرف بھوکے کی ضرورت ہے ننگے کی نہیں -

مسٹر گک کان کھودنے والے مزدوروں کے لیڈر ہیں "آداب طعام خوردن" سے ناواقف - بہرحال گک ہو کے بھوکا پلٹنا افسوس کے قابل اور ننگی کا ننگے بھوکے مہمان کو سوکھا جواب دینا سخن کی راہ سے بالکل درست ہے -

سنتی ہوں کہ لندن (یورپ) کی ایک ننگی عورت جس نے اپنے ڈیل پر ایک تار نہیں رکھا کسی ہوٹل میں ننگی سینہ تانے چلی گئی اور جاتے ہی جھٹ سے کرسی پر لوٹ گئی - جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے شرما گئے مگر وہ نہ شرمائی آخر پولیس نے ہی لیڈی ننگی کو پکڑا - لیڈی ننگی گئیں ستیا گرہ کرنے - یہ تو معلوم نہیں کہ نتیجہ کیا ہو - مگر مسٹر گک بھی ستیا گرہ کرتے تو فائدے میں رہتے

راقمہ منطق آرا بیگم

مولانا پنچ کی نوک بٹ

معقول دلائل

"کیوں صاحب ملک کس کا ہے؟"

"آپ کا"

"رعایا کس کی؟"

"آپ کی"

"پھر ایک ملزم گنہگار ہوا تو کس کا؟"

"آپ کا"

"گرفتار کرنے اور رشوہ لینے والی پولیس کس کی؟"

"آپ کی"

"حوالات کس کی؟"

"آپ کی"

"ہتھکڑیاں بیڑیاں کس کی؟"

"آپ کی"

"مجسٹریٹ ملازم کس کا؟"

"آپ کا"

"ملزم کے خلاف استغاثہ کون کرتا ہے؟"

"آپ"

"گواہ استغاثہ کس کی رعیت ہیں؟"

"آپ کی"

"قانون کس نے بنایا ہے"

"آپ نے"

"سزا کس نے مقرر کی"

"آپ نے"

"جیل خانہ کس کا ہے؟"

"آپ کا"

"تو ہم سب کچھ ہار اور ہم کچھ ہم کوئی نہیں ہیں غضب خدا کا - اتنی سی بات پر بلڑ مچاتے ہو کہ ہم ازراہ مہربانی اپنی جیب سے زرخرچ کرکے ملزم کے حق میں پیروی کرنے کے لیے وکیل مقرر کرنا چاہتے ہیں - آخر لاٹ صاحب بھی ہمارا غاجس نے بہ لہجہ یقین و اعتماد صاف صاف کہا کہ حکومت کے خلاف قرار واقعی سازش کی گئی - اور جب مقدمہ ایک اجلاس سے دوسرے اجلاس پر منتقل کرنے کی درخواست کی گئی تو ہمارے مجسٹریٹ نے فوراً کہہ دیا کہ حکومت نے اپنے استغاثے کے الفاظ دہرائے ہیں - یہ عدالت کی توہین نہیں - اس پر سب چپ ہو رہے کہ نہیں - پھر وکیل مقرر کرنے کے معاملہ میں کیوں نحو غو پشتو ہے - ابھی ہمیں تو یہاں تک اختیار ہے کہ ملزم کی صفائی کے گواہ تک مقرر کر سکتے ہیں - ۵

خود کوزہ خود کوزہ گر و خود گل کوزہ
...... بشکست خریدار شد

خلیفہ مامون رشید نے جب فضل ابن سہل (اپنے وزیر) کو قتل کیا تو مادر فضل کے آنسو پونچھنے گئے - فرمایا - "اماں تم روتی کیوں ہو فضل نہیں تو اسکی جگہ میں موجود ہوں" اگلے زمانے کی اعلیٰ تربیت یافتہ عورتیں جواب دینا جانتی تھیں - بوڑھیا بولی "حضور بھلا اوس بیٹے پر کیونکر خون کے آنسو نہ بہاؤں جس نے امیر المومنین کا سا شخص یادگار چھوڑا - اب تو اسکی قیمت اور بھی بڑھ گئی" قابل قدر ہیں وہ قیدی جنکی حمایت کے لیے حکومت خود وکیل مقرر کرنا چاہتی ہے اب انکی قدر

منزلت ملک کی نگاہوں میں اور بڑھ جائیگی۔ اور اگر خدانخواستہ (گورنمنٹ نخواستہ) کسی قیدی کی موت بڑتال میں جان نکل گئی تو پھر حکومت سے ہمیں کوئی شکایت نہ ہوگی ہم بھی کہینگے "نعم الخلف انت" (کیا ہی قائمقام ہو تو)

"سب خیریت ہے"

(از حضرت شیخ ہم خیال باروی زاد مجدہ)

"سب خیریت ہے" ایک جملہ ہے جو ہر حال زبان سے نکل جاتا ہے۔ مسلمانوں کو ابتداء سے یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ اپنے خدا کی شکایت نہ کرو ہر حال میں شاکر رہو۔ پس وہ جو کوئی پرسان حال ہوتا ہے فوراً کہہ دیتے ہیں "الحمدللہ خیریت ہے" چاہے گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی ہو۔ زبان ہی نہیں قلم بھی مکتبی تعلیم کی بدولت "سطور میں آداب القاب کے بعد" یہاں سب خیریت ہے" لکھنے کا عادی ہوگیا ہے خواہ وہ تعزیت نامہ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر جہاں تک ہمیں علم ہے لارڈ ارون نے کبھی پرانے عہد کے ہندوستانی مکتب میں تعلیم نہیں پائی نہ کسی خرانٹ جالم ساندے مولوی کے ہاتھ کی قمچیاں کھائیں پھر آخر انہیں کیا ہو گیا تھا جو ولایت پہونچتے ہی پہلے سوال ویرسش پر بول اٹھے "بعد ادائی آداب و تسلیمات عرض نیازمند واضح باد کہ ہندوستان بغاوت پسندیاں بفضل ایزدی و کرم واہمہ سب خیریت ہے اور خیرو عافیت آپ لوگوں کی دن رات خود غرضی سے نیک مطلوب ہے۔"

ایک سفینہ بل زبردستی دھینگا دھینگی سے پاس کروا لیا گیا۔ یہ ہوئی خیریت کی پہلی علامت۔ قریب قریب پاس کروا کے رکھ چھوڑا، اسمبلی میں بم پھینکا: دوسری علامت۔

سانڈرس صاحب مار ڈالے گئے۔ خیریت کی تیسری نشانی۔ پولیس گنہگار اور بے گناہ کسی کو نہیں چھوڑتی۔ جیل بھی بھری ہوئی ہے۔ تلاشیاں لگاتار جاری ہیں" یہ بھی ہمہ وجوہ خیریت کا ضمیمہ۔

"گلی گلی کوچے کوچے "انقلاب پائندہ و طرز شہنشاہی نابود باد" کے نعرے لگائے جاتے ہیں" یہ بھی ہمہ وجوہ خیریت کا تتمہ۔

مسٹر لانگ فورڈ جیمز سرکاری وکیل فرماتے ہیں کہ شہنشاہی کو معدوم کرنے کے لیے کھلم کھلا اور مستقل جنگ شروع کرنے کی سازش ہوئی ہے ...... این ہمہ خیریت۔

"تری ہو ا ہی ہمیشہ کہتی ہیں کہ اگر حکومت نے زمینی سینیٹس کی تجویز مسترد کردی تو ہندوستان میں بغاوت کی آگ مشتعل ہو کر عام ہوجائیگی" ۔۔۔۔ مع ہمہ خیریت۔

"لارڈ ارون صاحب ہند کی سرزمین پر قدم رکھا تھا تو ہندو مسلمان آپس میں گتھے ہوئے تھے۔ لاٹھی چل رہا تھا۔ مارو مارو کشت و خون معمولی بات۔ عام دستور۔ یہ بھی ابتدائی خیریت تھی اب حضور خدا جانے کس گھات سے ولایت سدھارے تو سائمن گو بیک کا تماشا ملاحظہ فرمائے۔ سدھارے اور انتظامی اسٹیج پر انقلابیوں کی صنائعی دیکھ کے سدھارے میں یہ ہوئی انتہائی خیریت۔

مگر واہ رے ہم اللہ رے ہماری ذہانت! آخر پتا لگا ہی لیا کہ اس خیریت نوائی کا معلم اول کون ہے۔ ہو نہ ہو ہمارے لاٹ صاحب بہادر کو یہ بے محل خیریت بازی پولیس نے سکھائی ہے۔ اکثر پولیس افسر جب اپنے حکام اعلیٰ کے سامنے جاتے ہیں تو اپنے ذاتی مصالح مثلاً حسن انتظام ضبط نظام نکتہ رسی تفتیش بالخصوص معاملہ فہمی کا سکہ بٹھانے کے لیے یا اونچی سیڑھی بلند سیڑھی کے حکام کی بازپرس کے خوف سے "سلوٹ" جھاڑ کے نہایت کشادہ دلی کے ساتھ کہہ دیتے ہیں "حضور کے اقبال سے سب خیریت ہے"

حالانکہ اوسی کے حلقے میں عظیم الشان بلوا ہوا۔ مگر خیریت ہے! کیوں کر؟ اے حضرت خیریت کیوں نہ ہو۔ بلوا تو دفعہ ۳۲۳ یا دفعہ ۱۹۰ کے سانچے میں ڈھل کے خیریت کی شکل اختیار ہی کر لیتا ہے۔ قتل ہوا تب بھی خیریت ہے۔ مگر قتل ترک تعلق یا خودکشی ہی میں شمار ہے فلہذا سب خیریت ہے۔ ہر تشی کی جدی "گمشدہ و بازیافت" کی رپورٹ کے تصدق میں خیریت اور ہمہ تن خیریت ہے۔ ڈکیتی اور سرقہ بالجبر کے سے سنگین واقعات دفعہ ۳۲۳ کے دامن میں آتے ہی معدوم ہوگئے تو پھر ہمہ وجوہ خیریت میں کس بیوقوف احمق کو اپنے حسابوں محل کلام ہو سکتا ہے۔

اگر ہمارا خیال صحیح ہے تو واللہ استاد بھی بخیریت۔ شاگرد بھی بخیریت۔ کتاب (قانون) بھی بخیریت۔ اور مدرسہ بھی بخیریت "وماخات فیہ حق التربیۃ" (وہ سرا گورنر جنرل پر پولیس کا حق تربیت وتعلیم ضائع نہیں ہوا)۔ تنخواہ کے دام ام حلال طیب۔ گھوڑی گوڑی سواریت۔ سفر ولایت کی نامدہ مباح۔

حکایت

عبداللہ ابن ابی عمر نے مزید مدنی سے کہا کہ جب کوئی شکاری کتا تم پر جھپٹے یا بھونکے تو فوراً یا معشر الجن والانس کی تلاوت کرنے لگو بس وہ خاموش ہو جائیگا۔ پھر کیا مجال جو تمہیں ضرر پہونچے۔

مزید مدنی آدمی ظریف تھے ہنسے اور کہنے لگے۔

"بھائی آج کل تو انسان بھی قرآن پاک کی آیات یاد نہیں رکھتے چہ جائیکہ سگ و گرگ۔ ہزاروں کتے دنیا میں ہیں جو حافظ قرآن نہیں لہذا سگ گزیدگی کے اس دفعیہ کے ساتھ ایک لاٹھی بھی ہونی لازم ہے۔"

مہاتما گاندھی نے عبداللہ ابن ابی عمر کی طرح قانونی بلڈاگ سے بچاؤ کے لیے سالمانہ عدل کا عمل تجویز کیا تھا جسے اصطلاح عوام میں عدم تشدد یا تعاون منفی یا مقابلہ مجہول کہتے ہیں۔ مگر آجکل کے مزید منش جوان قانون کو حافظ مکارم اخلاق تسلیم نہیں کرتے ان کا خیال ہے کہ بل ڈاگ پھر بل ڈاگ ہے یہ تو ایسا بیمروت ہوتا ہے کہ بسا اوقات پالنے والے پر بھی چوٹ کر بیٹھتا ہے اس سے وفا کی امید فضول ہے۔ لہذا عصائے موسیٰ مثل خود باید داشت۔ اسمبلی کا واقعہ بم زنی و بریم زنی اس خیال کا عملی ثبوت ہے۔

یہ تو زنی رعایتہ عملی ہے اگر ہم کہیں کہ تمام ہند سالمانہ عدل پر وثوق رکھتا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ قانونی بل ڈاگ کا بغیر مصلحتی نیچے سسند گلی کے یوں آمادہ پھرنا اور بارہا بے محل چوٹ کر بیٹھنا پھر مالکان بل ڈاگ یا اوس کی ڈوریوں کی بے پروائی کہ بے گناہ گزند اوٹھانیوالوں کو تسلی دینے کا اہتمام نہ کرنا بہت بددلی اور جوش پھیلا رہا ہے۔ "لینا تو شیر جانے نہ دینا" کی پکار میں منتقی اور محل کالی مزدوری ہے۔

بڑی قدر افزائی یہ ہوگی کہ اودھ پنچ کے خریدار بڑھائیے ورنہ زبانی واہ واہ کچھ مفید نہ ہوگی۔

جلد ۱۴ مضامین نمبر ۲۰

بابت ۲۲ جولائی ۱۹۲۸ء

قوتِ عمل

حضرتِ استاذی مولانا شیخ اللہ آپکو ہمیشہ دنیا تک زندہ وسلامت رکھے اینجانب تو بصدقِ دل یہی دعا مانگا کرتے ہیں ارے ہان صاحب زندگی کا کیا اعتبار آدمی ہے پانی کا بلبلا - "بلبلا فروغ بہار بہار" والا نہین جو کوئی بزرگ بے سمجھے بوجھے اعتراض جڑ دین کہ این چہ کیا بے حرمتی ہے ذات شریف کی کہ آپ زندگی کا اعتبار نہ کیا جا سکے؟ وہ زرا بیان کرنیکے لیے عندلیب کر کیون بلا بیٹھے عقل کے پتلے ہی کو جھولون پر چڑھا ہوتا -

بلکہ وہ بلبلا جو احباب کا سر تن سے جدا کرنیکے بعد پیدا ہوتا ہے یا دستر، بیل "کو جان" نکالنے کے بعد "بیل" پر "بلانا" مصدر کا صیغہ امر واحد حاضر بن جانے سے بن جاتا ہے اب بھی سمجھ مین نہ آسکے تو لیجئے صاف صاف کہدون میں ہی یہ کہون کر رہا تھا کہ تطہیر حرمین کے جمعدار کی بسلی پہیر کنے کا سماں تھا سو لیجئے "ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم" ودیدیم کہ بر سطح آب بسیار حبب آبی پیدا شدند یعنی پانی کا بلبلا ادہر وجود میں آیا ادہر ناپید ہوا مرا اور پیچھے پڑا پھر کون پوچھتا ہے کہ کون تھا کیا تھا قدر مردم بعد مردم والے دن لد گئے مردہ شال کی سند ہیں لوگ عقل گزرے لگا تے ہیں نہ نظیر سامنے رکھو تو آنکھین کھلی ہین بتیا سے تو ہیں بھلا آپ کے جیتے جی یہ تو ہو کہ آپ کی اصابت رائے آپ کے ترجمان ترجیح شعار آپ کے صلح کل مسلک اس پر مستقل استقلال کا طرۂ امتیاز دنیا کے روبرو پیش تو کر سکتے ہین کہ دریا کو لوٹ مین بہیون مد و جزر ہر دیا ہون طوفان بے تمیزی کی بیکران آندھیان چلیں لیکن آپ ہین کہ جادۂ مستقیم سے سرِ مو انحراف کرنا جانتے ہی نہیں ہو اسکے رُخ پر ڈھلکنا سر سے پڑھا ہی نہیں پرسون عالم مجرد طاری تھا کل سمر نوازی تھی آج ہندو گردی ہے بقرداً انشراکیت کا طوفان برپا ہو گا لیکن تر ا جم؟ اسی کا نام "قوت عمل" ہے جسے آپ ہندوستانیوں کی رہنمائی کیلئے کام میں لا رہے ہین اسکے کمال مین ہر کہ شک آرد پنڈت موتی لال نہرو کی ہمدوم خیالی گردد-

یہ کوئی "من ترا حاجی بگویم" والی بات مین نے نہین کہی بلکہ امرِ حق کا اعتراف برحق ہے اس پر سند دیکھی کا اطلاق ناحق اس لیے کہ دنیا کی آنکھون نے دیکھ لیا اینجانب خود ہی قائل ہو گئے کہ ہندوستان کے سیاسی کھلاڑیون نے نت نئے سوانگ کھیلے عجیب و غریب کرتب دکھائے تماشائیون کے گروہ کے گروہ آئے تعریفون کے پل باندھے زرین پھول نچھاور ہوئے میان "اودھ پنچ" نے فرمایا کہ کیون بھائی یہ نیا جنجال کیسا؟ آخر اس بے راہ روی کی ضرورت؟ دیکھو ہوش مین آؤ زیادہ نہ بہکو خلوص و ایثار پیدا کرو پھر قدم بڑھاؤ ذیابطس زور پکڑ جائے گا پردہ نشین گھر نہین ہے طویلہ کا لتیا ؤ آزادی کا موجب نہین بن سکتا مان جاؤ بھائی مان جاؤ دیکھو ان چلترون سے باز آؤ چنانچہ وہی ہوا کھیل تو کہیں تھوڑی دیر کی واہ واہ اور بعد میں تائیں تائیں فش کھلاڑی پشیمان تماشائی حیران جنھون نے پھر کا کھایا مین عرف نیچے کان پکڑے اٹھے بیٹھے قسم کھائی کہ کھائی تو کھائی اب کھائیں تو حرام دہائی کھلاڑی نہ تماشائی گھوم گھوم کے اُسی گھاٹ آن لگے جسے میان "پنچ" کہتے تھے ناک پکڑی لیکن گھوم کے تو یہ سب کیا تھا آپکی اُسی "قوت عمل" کامل کا کرشمہ بس پھر واہ کے اوصاف کا معترف ہونا خوشامد یا چاپلوسی سے کیونکر تعبیر کیا جا سکتا ہے یون جس کا جی چاہے آسمان پر تھو کے اور منہ پر زد سکے-

پھر جیسے آپ سے "تو مرا حاجی بگو" کی بھی توقع نہیں نہ اور کوئی لالچ . . . ہم کہ بھائی دو چار ہ شکر سہائتی مالکہ بھیجو نگا تو کچھ لے رہیگا ہان ایک دور کا واسطہ نامہ نگاری کا ضرور ہے سو بقول شخصے "کو دلی کا جاٹ کن بھاؤن مین میا ساس کن ساسون مین" مین پہنچی کیا ہون مجھسے قابل اقرار دو چار مار کر مضمون تیار کر کے بھیجے ہین ساتھ ہی ساتھ اشاعت مضمون کے لیے دو چار الٹے سیدھی لکھ کر عریضہ ادب ساتھ کرتے ہین کہ:-

"قبلہ اڈیٹر صاحب تسلیم اخاہ! آپ بڑے بے درد اور بے مروت واقع ہوئے ہین بلکہ ظالم واللہ میں تو آپکو بڑا ہمدرد سمجھتا تھا لیکن آپ تو نرے جلاد نکلے پہلا مضمون حیف کیا تھا تو جیسے مین نے یون صبر کیا کہ اسمین شگفتی سوراون کی ظالمانہ قتل کی معروضہ رعی کا ذکر خیر تھا اب آپ نے دوسرا مضمون بھی ہضم کر لیا جسمین خان بہادر بھگوتی چرن خان کی لب کشائی کے جلسے کا ذکر تھا ہائے اسے برلغضب کیا آفت گویا قیامت ڈھا دی اجی آپکو ایسا لازم نہ تھا آپ سمجھتے ہین کہ مین آپکا کر ہی کیا سکتا ہون سو جناب سن لیجیے کہ اگر مین کہین لکھنؤ مین آنریری مجسٹریٹ ہو گیا تو پھر آپ اپنی ہی آنکھون سے دیکھینگے ہان ! اتنا کہدیا ہے پھر دس نیارہ خطوط بھیجے سب کا جواب ندارد لو مین کہتا ہون کہ جب میرے فرستادہ علمی مقالات انسانی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہین تو انکی روشنی مین اینجانب کی علوئی شخصیت کو دیکھکر آپ اشاعت سے کیون اجتناب کرتے ہین لیجیے یہ تیسرا مضمون بھی بعنوان "مسلمان اور کانگریس" ترسیل خدمت ہے میرے اڈیٹر صاحب اسے ضرور شایع کر دیجئے آپ خود ہی سمجھ سکتے ہین کہ اب:-

> "پنڈت موتی لال اور انکے ساتھیون کو اپنی کاروائیون پر افسوس آتا ہو گا کیونکہ انکی مشکلین روز بروز بڑھ رہی ہین سوراج پارٹی کے ٹکڑے ہو گئے کانگریس بھی قریب قریب خرابی اور تباہی کے کنارے آ گئی ہے اور مسلمانون کو تو کانگریس پر ذرا بھی اعتبار نہین رہا . . . ہندوون کے دماغ مین برابری ہے انکا طریق عمل سخت دلخراش ہے اسلیے انکے ساتھ رہکر کوئی کام کرنا آج دشوار ہے . . . غرض کے وقت مسلمانون کو خوشامد کر کے بلاتے ہین اور جب کام نکل جاتا ہے تو طوطے کی طرح آنکھ پھیر لیتے ہین بلکہ ہر طریقے سے اذیت پہونچاتے بدنام کرنیکی کوشش کرتے ہین . . . مسلمان نادان نہین ہین اور اہم امر یہ ہے کو معلوم ہو جاے گا کہ انہیں مسلمانون کی اقلیت کے

بی امامن مہری کے فلسفیانہ خیالات

(نمبر ۶)

شدنی ہونے والی بات

کوئی ہزار سر پٹخے دیکھئے امل شدنی ہونے والی بات رُک نہیں سکتی۔ ہو کے رہے گی۔ چاہے اچھی بات ہو چاہے بری۔ تکی لگائی نسبت پکی پوڑھی ہو کر چکی بیاہتے چھوٹ جاتی ہے جس کے ہونٹوں پر دوم ہے گھنگرو ہلا ہے ان کا ڈھلا ہے۔ گھڑا لگا ہے۔ نیچے کی سانس نیچے اوپر کی اوپر ہے یا لس پھراے تم سگھڑ علی کہ کرن آچکا ہے اب جو دیکھئے ہیں تو الاالاستہ کہہ کر زندہ بیٹھے اور سے کہتے مرنے تا قیے ڈنڈ پیل کسرتی جوان زمین پر لات ماریں تو پانی نکل آئے پانی کے بلبلے کی تموں طرح ، چٹ پٹ ہو کے رہ گئے۔ جیسے زندہ ہی نہ تھے۔ سر سے پہاڑ کھودا اور خاک پتھر بھی نہ ملا۔ اور بنا بنایا گمان چھپر پھاڑ کے دولت مل گئی۔ تو بی بی دن ہو گئے ہاتھی دروازے پہ جھومنے لگا۔ اے مالک تیری شان کے قربان۔ اسی کو اتفاق کی بات اور شدنی کہتے ہیں۔ مل اسی بھی یہ جان لو کہ جیسا آدمی ہوتا ہے ویسی بات کہی جاتی ہے۔ اگر جو بیگم صاحب کے نقصان (نقصان) ہو جائے تو وہ اتفاق ہے۔ اِں صاحب بندی کا جو نقصان ہو گیا۔ شدنی تھی ہو گئی۔ بدے کی بات ہے

حکومت سے فتنہ زائی منت شناختہ ام کہ بدبلائی منت شناختہ ام

اور جو خدا نہ کرے شیطان کے کان بہرے مجھ نگوڑی سے کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا تو لے بیرے اشرف چھچھوندیا کہ توبہ آدمی ہے اُدا تی ہے۔ دیدوں میں چربی چھائی ہے۔ اپنے حواسوں میں نہیں۔ تنخواہ کاٹ لو۔ یہ کردہ کردہ بے خدا اگتی کہنا اُن سے بھی نقصان ہوا مجھ سے بھی نقصان ہوا آدمی آدمی سب برابر برابر برابر ہوا پہاڑ پیٹ پگھلا دوسرے کا ڈھنگ کیسا۔ اپنی غلطی (غلطاں) تو دوا رے ''کہہ کے اور دوسرا کا جانے بھی دو سر صدقہ گیا کہہ کے ٹال دی۔ اور دوسرے کے سر ہو رہے۔ مگر اس سے ہوتا کیا ہے جو چیز ٹوٹنے پھوٹنے والی ہے ٹوٹے گی ضرور۔ بھلا کہیں رُک سکتی ہے۔

بیگم بولیں یہ دیکھو ری اماں یہ چائے کی پیالیاں ستھی چینی کی ہیں میاں نے ڈھیروں روپے صرف کرکے منگوائی ہیں۔ نازک چیز ہے۔ بہت سنبھال کے ہوشیاری سے دھونا۔ یہ روڈ کے برتن باتن نہوں کہ تپلر تپلر کھنگالا اور جہاں کی تہاں ڈال دیئے'' تم جانو میں ایک حقاقہ دقاقہ بھلا آئی یہ کب چوکنے والی ہوں۔ جھٹ ہاتھ باندھ کے بول اٹھی یہ حضور ایسی نازک چیزیں میں نے کبھی دھوئی نہیں ہیں

ایک دفعہ آپ کے سامنے دھوتی ہوں جو چوکوں تو ٹوک دیجیے۔ بس پھر اسی تموں دھویا کرونگی۔ لوٹا اور تسلا لائی۔ بیسن لائی۔ جان بوجھ کے ذری جھپا کے سے پیالی اٹھائی۔ بیگم نے ماتھا کوٹا کہنے لگیں بس تم اسی طرح دھوؤ گی تو رہی بات۔ لاؤ زیر انداز بچھاؤ میں اپنے ہاتھ سے دھوؤں گی۔ میں خدا سے یہی چاہتی تھی۔ زیر انداز بچھا کے تسلی رکھ دی یہ لیجیے حضور حضور دھوتے جلیے میں پانی ڈال رہی ہوں حضور بیسن پیالی پہ مل رہی ہیں اتنے میں نہ جانے کیا ہوا نگوڑی کھل گئی بیگم کی نگاہ جو بہکی تو چکنی چپڑی کا ڑھیلی پیالی ہاتھ سے پھسل کے جو گرتی ہے تو چھن چھن چھن چھن نا۔ نیند یا کے ڈر سے اٹھ کے بھاگنے لگیں تو پائچوں میں دوسری پیالی الجھ کے تخت کے نیچے (نیچے) جا پڑی لے وہ بھی دو ٹکڑے۔

مجھے جو دل لگی سوجھی تو میں نے کہا بیگم اللہ مبارک کرے شیشے اور چینی کا ٹوٹنا بہت بھاگوان ہوتا ہے۔ عمر بڑھتی ہے۔ مگر حضور میں اس تموں دھو نہیں سکتی۔ اے ہاں کرن ناک چوٹی کٹوائے بیگم گھور کے چپ ہو رہیں۔ بیوقوفہ تمیزدار بنتی تھیں خوب دھوئیں پیالیاں۔ بھلا کہیں تیلی کا کام تمبولی سے سدھتا ہے جس کا کام اسی کو ساجے۔ گدھوں سے ہل چلے تو بیل کوئی کاہے کو لے شیشے چینی کی چیزیں اٹھالو تو کچھ نہیں مل جو بھیگی ہوئی ہو تو مٹھ سے نکل جاتی ہے۔ ہم آدمی جنوں کو عادت

"وہ پھینکیں گے تو پتھر ماریں گے"

کسی نے دل جو لیے تو لبھا لبھا کے لیے
گر پولیس نے گولے اٹھا اٹھا کے لیے

ہندوستانی پولیس (صاحب سے) حضور ہم نے جمع کر دئے ہیں نشانے بازی آپ شروع کیجئے۔ چھین چھین چھپنا نانا "

لندنی تماشائی (دریچے سے بیک ڈاٹ) بالکل ٹھیک۔ پتھر کا قصور نہیں۔ شیشے کی نازکی ذمہ دار ہے "

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے نتیجہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روے و رعایت لکھنہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد وضوابط

(۱) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طلبات کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو کچھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ انجمن شما بسلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرا لیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار شتاب نامہ مینیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند مینیجر خود نہیں ہو پہنچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں نمبر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے نہ پنچ دا نمبر تحریرینگے بہر جو نہ ملا ہو

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹی پر لکھا ہوتا ہے۔

مینیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۵۴ نمبر ۲۸

مضامین

بابتہ ۲۹ جولائی ۱۹۲۹ء

منطق آسا ۔ ٹیلیگرام بنام خواجہ حسن نظامی

خواجہ صاحب ۔ السلام علیکم ۔ "رہبر دکن" میں تمہاری دو تحریریں دیکھیں ایک میں تو نری رجز خوانی ہے "میں ایسا میں ویسا میں یوں میں دوں" بالکل پیروں کی سی گفتگو ہے ۔ خاک چاٹ کے کہتی ہوں غرور سا شان کو دیا نہیں ۔ پیری کی مسند پر پہونچ کے تمہیں اور دیا دہ جھکنا چاہیے ۔ جب تم پیر ہوکے ایسے بڑھ بڑھ کے بولو تو مریدوں کو انکسار کی تعلیم کیا خاک دوگے مریدوں کے سامنے ایسی باتیں کرنے میں شاید کوئی مصلحت ہو اس لیے سمجھے کیا؟ جو جی میں آئے کہو مگر دوسری تحریر "حیدر آباد کے فوکا دن" دیکھتے ہی میں دنگ ہو گئی ۔ اور اب سمجھی کہ تمہارے حیدر آباد جانے کا مقصد بہت اونچا تھا ۔ وہ کیا؟ "مزاج گوئی" یعنی وہ چیز جسے پڑھے لکھے مردود "تملق" اور علما "چاپلوسی" کہتے ہیں ۔ تمہاری دوسری تحریر نے پہلی تحریر کا بھرم اچھی طرح کھول دیا ۔ پہلے مضمون میں تمہارے دعوے کا مفہوم یہ ہے کہ نوکری انسان کو محدود خیال میں مقید کر دیتی ہے مگر نواب صدر یار جنگ صدر الصدور امور مذہبی امور کے ناظر نوکر ہونے کے سبب تنگ خیال یا محدود خیال کے آدمی ہیں میں تمہارا بہادر نواب صدر یار جنگ کی نیابت کیا کروں گا؟ ۔

ابھی خواجہ صاحب ، مذہب (خواہ کوئی سا ہو) ایک قید یا ایک حد کا نام ہے جو خیال کو اپنی بساط سے آگے بڑھنے نہیں دیتا ۔ مذہب کی پابندی خود ہی نوکری ہے ۔ مبارک ہے وہ نوکری جو مذہبی نگرانی سے متعلق ہو ۔ اس سے بھاگنا یا بے پروائی جتانا کوئی فخر کی بات نہیں ۔ تمہارے لیے ہرگز یہ زیبا نہ تھا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر پر ایسی منطقی چوٹ کرتے انھیں مذہب کا غلام سمجھتے اور خود ہر قید سے آزاد بنتے ۔ دوسرے دعوے کا یہ مطلب ہے کہ تم مریدوں کی نئی پود بڑھانا پسند نہیں کرتے بلکہ پرانے مریدوں کی انسانی تکمیل ہی کا بڑا کام میرے سامنے باقی ہے "یہ بھی چھوٹا منہ بڑی بات ہے خدا نے ہر فرد کو خلقت کے اعتبار سے مکمل بنایا ہے تم خدا کے دوسرے نہیں ہو ۔ کہ جو نقصان قدرتی ہو اسے پورا کر سکو ۔ تمہارے مرید ہر سال بڑھتے رہتے ہیں اب قسم کھا کے بیان کرو کہ پہلے سال جو لوگ مرید ہوئے تھے کیا تم نے انھیں جب تک پورا انسان نہیں بنا لیا اسوقت تک دوسرے مرید نہیں بنائے؟ "ہاں" کہو گے تب بھی منطقی شکنجے میں پھنسو گے اور "نہیں" کہو گے تو بھی ۔ تیسرا دعوے یہ ہے کہ "سیاسیات ہر صبح ہر شام بدلتے رہتے ہیں میں انسان کو غیر متغیر قوت سے وابستہ کرنے کے لیے دنیا میں آیا ہوں" یہ بھی بڑا بول ہے کیا معنی کہ تم خود متغیر ہو اگر تمہارا تغیر نہیں غیر متغیر قوت سے وابستہ کیسے ہوئے ہو تو سیاسیات کا تغیر بھی اس وابستگی کو ضرر نہیں پہونچاتا ۔ چوتھا دعویٰ یہ ہے کہ "میں دعوتیں کھانے قوالیاں سننے اور نذرانے لینے بھی نہیں آیا" مگر جہاں جاتے ہو یہی ہوتا ہے "من چاہے منڈیا ہلائے" کی مثل اصل ہوتی ہے ۱۰-۷ بجے روزنامچے پر زری پھر سے نظر ڈالو تو دل بول اٹھے گا ۔

دعوتیں ایسی اڑائیں مزا ہی جاتا ہے

اب کام چل نکلا ہے تو چبا چبا کے باتیں کرتے ہو خدا کے سیکڑوں نیک بندے اسوقت سجادہ نشیں ہیں انکی آمدنی کی صورت یہی ہے ۔ وہ مانگتے نہیں مگر ملتا ہے تو لے لیتے ہیں یہ کھلم کھلا اُن پہ آوازے کسنا اور اسے نہیں چھپانا کیسا؟ پانچواں دعویٰ یہ ہے کہ "میں یہاں سفارش کرنے نہیں آیا کیونکہ سفارش کی علت انسان کی ذاتی قوت عمل کو ملیا میٹ کر دیتی ہے میرے پاس سفارش کرانے نہ آؤ" یہ دعویٰ بھی نیک آدمی نہیں کر سکتے "خیر الناس من ینفع الناس" رسول اللہ نے سیکڑوں محتاجوں کی سفارش امیروں سے کی تو گویا انھوں نے قوت عمل کو ملیا میٹ کر دیا" توبہ کرو ۔ سفارش جائز بھی

کارروائی حسب آرڈر ۵ قاعدہ ۲۰ ضابطہ دیوانی ۔

سمن لغرض قرار دار امور تنقیح طلب

مقدمہ نمبر ۱۴۱ ۱۹۲۹ء

عدالت جناب منصف صاحب بہادر راشیمی مقام سلطانپور

جنگ بہادر سنگھ وغیرہ ساکنان محمد پور پرگنہ اتھیٹی ..... مدعی

بنام

رتی پال سنگھ وغیرہ .... مدعا علیہ

بنام مسماۃ دولت کنور بیوہ گلفش بخش سنگھ ساکن محمد پور پرگنہ اتھیٹی مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت دخل زرہیہ فک رہن کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۵ ماہ اگست ۱۹۲۹ء وقت ۱۰ بجے بذات خاص یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو ۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہوگا ۔

آج بتاریخ ۳ ماہ اگست ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا ۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری دفتر ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

سمن لغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۲۶۴ ۱۹۲۹ء

بعدالت جناب شیخ شوکت حسین صاحب بہادر جج خفیف اناؤ ۔

گیا تجمل سنگھ ولد ...... پال سنگھ قوم ٹھاکر ساکن موضع جگاؤں پرگنہ ہڑہا تحصیل و ضلع اناؤ .... مدعی

بنام

لالو .... مدعا علیہ

لالو ولد بہادر قوم برہمن ساکن موضع جگاؤں پرگنہ ہڑہا تحصیل بنام و ضلع اناؤ .... مدعا علیہ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت مبلغ [illegible] کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۴ ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء بوقت ۱۰ بجے دن بذات خاص یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو کہ جملہ امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعویٰ کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو ۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہوگا ۔

آج بتاریخ ۹ ماہ جولائی ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا ۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری [illegible] ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

بچوں کی نگہداشت اچھی ہے اور انھوں نے کبھی ولایت کا خواب بھی نہیں دیکھا۔ عورتوں کا آخری کام ہی بچے پالنا ہے۔ مگر تمھاری یہ دو خاتونیں جو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کے ولایت جا رہی ہیں ان میں سے بقول تمھارے ایک اپنا ڈھائی سال کا بچہ بچے کے باپ کے سپرد کر کے جا رہی ہے تو کس بھروسے پر؟ معلوم ہوتا ہے کہ خاوند صاحب بچہ پالنے کے فن میں اپنی بی بی سے زیادہ سلیقہ رکھتے ہیں اور بی بی صاحب نے یہ سلیقہ حاصل کیے بغیر ہی خواہ مخواہ اولاد پیدا کرنے کا فرض اپنے ذمہ لیا۔

خواجہ صاحب! کسی بات کو دیکھتے ہی بغیر سوچے سمجھے تعریفوں کے پل باندھنا تمھارے لیے مناسب نہیں۔ آج یہ عورتیں پردے کی اسلامی اور معتدل قید سے آزاد ہو کے دنیا بھر میں "بن ٹھن" کر کل مسلمان عورتوں کا ایک جتھا ولایت سے میاں کے سر پہ شیخ سدو کھیلنا اور شراب پی کے بازاروں میں آوارہ پھرنا سیکھ کے آئیگا اور تمھاری خوشامدی زبان سے "مبارکباد" سُنے گا۔ تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ حیدرآباد کی گورنمنٹ اور مسلمان رعایا کو مبارکباد اگر ولایت جانے پر جہل کا کفر ٹوٹتا اور اسلام کامل ہوتا ہے تو خواجہ صاحب خدا کے لیے زلفیں چکنانے کا کنگھا اور زرد تہمد سنبھال کے جلدی سے ٹکٹ لو اور اسلام کو ناقص نہ چھوڑو۔ ابھی تمھاری عمر تعلیم کے قابل ہے ولایتی اسلامی اصول و فروع ضرور عربی اسلامی اصول و فروع سے بہتر ہونگے اے اہل عرب کے بدو جنگل کے رہنے والوں کا پھیلایا ہوا اسلام بھی کوئی اسلام ہے؟ اگر دُنیا اسی اسلام کو لیے بیٹھی رہے جس کی ہر ایک رسم آج بدلنے کے قابل نظر آتی ہے تو وہ مسلمان ہی نہیں۔ ایک اٹھا اور کہنے لگا روزہ ہرگز واجب نہیں خصوصاً ہندوستان کے سے گرم ملک میں۔ دوسرے نے پردے کی معتدل قیدوں کی رسی ادھر اُدھر کی حکایتوں اور اسلامی شہزادیوں کی دینداری کی قینچی سے کاٹی۔ تیسرے نے اسلام میں تناسخ کا عقیدہ گڑھا۔ چوتھے نے ختم رسالت کی نیو کھود دی اور خود رسول بن بیٹھنے کی ٹھہرائی۔ پانچویں نے طہارت اور نجاست کو ایک ہی لکڑی ہانکا۔ چھٹے نے سود حلال کیا۔ ساتواں اس کوشش میں ہے کہ شراب خواری جائز ہو جائے۔ چند روز میں رسالہ نکلنے والا ہے کہ خمر دوسری چیز ہے اور وہسکی شئے دیگر ہے۔ خمر بیشک ناجائز ہے جو رسول اللہ کے وقت میں بے احتیاطی کے ساتھ بنائی جاتی تھی۔ وہسکی ایک مقوی دوا ہے اور دماغی کاموں سے تھکنے کے بعد اتنا اعتدال ملحوظ رکھ کے... اس کا استعمال کیا جائے جو نشہ اور بیہوشی نہ پیدا کرے۔ دیکھو لاٹ صاحب تک پیتے ہیں علیٰ ہذا القیاس اگلے زمانے کے سور غلیظ کہا تے تھے اسلیے حرام تھے اگر وہ کھلا کے پالے جائیں تو وہ بھی چر جائیں۔ ترقی یافتہ یورپ آج بدنی طاقت کے اعتبار سے جو دنیا پر فاتح ہے تو اسی پاک گوشت کے صدقے میں۔ بھائیو خدا بچائے مولویوں سے انھیں قرآن سمجھنے کا سلیقہ نہیں حدیث پر عبور نہیں۔

اے ہے میں اپنے جوش میں ساری دُنیا کا حال کہنے بیٹھ گئی۔ حالانکہ گفتگو صرف تم سے ہو رہی تھی۔ مجھے تم سے خاص اعتقاد تھا۔ تمھاری کتابیں شوق سے پڑھتی تھی مگر لبرٹی کی راہ میں تمھاری یہ ریزڈنگ دیکھ کے دل پھیکا پڑ گیا۔ اے ہوش کی دوا کرو۔ بچوں کی تعلیم و تربیت بھی کوئی چیز ہے جو بغیر پڑھے شہر جاے آدمی کو نہ آئے اور جو کوئی پردیس جا کے اُسے سیکھے اور مجاہد و دولھن کا خطاب پائے۔ تم وکالت داری کرتے ہو یا مہاست؟

داقعہ

سلطان آرا بیگم

نعتیں ہونے لگیں تقسیم جب روزِ ازل
دردِ دل "پورا کا پورا" رکھ دیا میرے لیے

مولانا پنچ کی عادت ہے کہ جہاں کچھ شعر و شاعری کا جھگڑا اُٹھا بس غریب اودھ پنچ کے سر منڈھ دیا۔ کوئی حقیقت شناس صاحب ہیں انھوں نے کسی اُستاد شاعر سے ملاقات کی۔ متذکرہ عنوان شعر اسی اُستاد کی طبع جدت نواز کا نتیجۂ نصرت ہے۔ مضمون طویل الذیل ہے اور حقیقت شناس صاحب نوشق انشاپردازی ہیں جس طرح مالی کاواک شاخیں کاٹ چھانٹ کے خوبصورت

دست عوام فروخت کے لیے

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قاعدہ ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ $\frac{۱۸}{۲۹}$

بعدالت عالی اجلاس جناب شیخ محمد ظہور حسن صاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول بہادر مقام ایٹہ ضلع ایٹہ۔

بنام (ضیاء الدین ولد فخر الدین قوم مسلم ساکن قصبہ بلرام وکاشتکار ساقط الملکیت موضع جہانگیر پور پرگنہ بلرام ..... مدعاعلیہ

مسمی الدین خاں ولد فخر الدین خاں بنام جمال الدین خاں فرید الدین خاں تا بالغان بولایت مسماۃ نیاز بیگم قوم مسلم ساکن قصبہ بلرام وکاشتکار ساقط الملکیت موضع جہانگیر پور پرگنہ بلرام کلاں ۱۸ السبوہ ہنگاموں ...

واضح ہو کہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش بابت تجابا لگان کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۳۰ ماہ اگست ۱۹۲۹ء وقت ۱۰ بجے دن کے مقام ایٹہ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمھاری حاضری کیلئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اُسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات پر جن پر تم جوابدہی اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمھارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۳ ماہ اگست ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت

دستخط حاکم بحروف انگریزی

بعدالت ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر گونڈا

درخواست دیوالیہ نمبر ۱۲ بابت ۱۹۲۹ء

مسماۃ پاربتی دیوالیہ

بنام

لالہ سکھ رام داس قرضخواہان وغیرہ

بنام

لالہ سکھ رام داس۔ رام دیو۔ ٹھاکر لال ملک رام بھوانی پرشاد۔ لچھمن۔ بدری داس۔ رام سروپ۔ درگا پرشاد۔ دسوندی لال۔ نراین چند کشن لال ہری رام۔ نند کشور۔ رام چند سورج لال۔ جگن۔ ساہوری لال۔ ورگھو رام۔ رام سروپ سنگھ دیو داس۔

ہرگاہ کہ مساۃ مذکورہ سائلہ نے عدالت ہذا میں ایک درخواست بتاریخ ۲۲ جون ۱۹۲۹ء بابت قرار دیے جانے دیوالیہ کے گذرانی ہے۔ اور ہرگاہ عدالت نے ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء واسطے سماعت درخواست مذکور کے اور واسطے ثبوت قرضخواہاں کے مقرر کی ہے لہذا اگر تم کو نسبت درخواست مذکور کے عذر ہو تو اصالتاً یا معرفت کسی وکیل مجاز کے حاضر عدالت ہذا ہو کر عذر کرو۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲۲ جولائی ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت

دستخط حاکم مجاز

"انعام بالاستحقاق"

"۔ نوازش! کرم!! عنایت!!! اپنے گزشتہ چند روزہ عہد میں ہندوستان کی چند خدمتیں اس عاجز نے کی تھیں۔ شکر ہے کہ جناب انہیں بھولے نہیں۔ میاں جی میں یہ کس قابل ہوں۔ یہ آپ کی عنایت ہے کہ گالی کے عوض سلام کرتے ہیں۔ گردن میں تمغا لٹکانے کا فرض جس طرح مناسب سمجھیے ادا کیجیے۔ چہ احمق در جہاں..........."

نہیں ہو گئے مگر افسوس یہ کتابیں لاہور کے وطن کی طرف چلے اور راستہ میں انھیں ٹھگوں نے گھیر لیا۔ گدھے اپنے قبضہ میں کیے اور ان سے کہا چلتا دھندا کیجیے۔ مولوی صاحب کا دل کتابوں کے لیے بے چین تھا بیچارے تھوڑی دور آگے بڑھے تھے کہ ایک تیر ستم ظلم خیز میں ترازو ہوا۔ مولوی صاحب نے تیر کو ہاتھ سے جدا کیا اور بآواز بلند اپنے دل کو یوں تشفی دی:-

"یہ ملا جنۂ ملا صدہ کفرۂ فجرہ اگر قلم و قرطاس کا بوجھا لوٹ لے گئے تو کیا ہوا؟ حاصل علم یعنی الماس جو ہر بہا علم تو میرے صندوق سینہ ہی میں محفوظ ہے وہ تو دستیاب نہیں ہو سکتا وقوع آہن کو ساتھ چوب کے ضم کر کے از راہ صنیعۂ تعدی کوئی قبضہ کرے۔" بے شک سمجھے کہ غالباً یہ الماس کا نگینہ مولوی کہا گیا ہے کہ غالب ہوا اور بیک اشارۂ خنجر سینہ کے خزانے کے در کھول دیے گئے۔

حقیقت شناس صاحب کو شکر فرمانا چاہیے کہ ان کے صندوق سینہ سے لولوئے آبدار شعر اس طرح برآمد نہیں کیا گیا۔ انھوں نے سخت جرم کیا تھا جو کچھ نہ ہو جاتا تھوڑا تھا۔ ہائے ہائے جو کہیں یہ مضمون در پیش آ جاتا تو رکھا رکھایا دردِ پرسے کا پورا چور پوٹ لے جاتے۔

حقیقت شناس نے خلاف عہد کیا جو ہماری طرف رجوع فرمائی "پورا کا پورا" درست ہے ہم بھی داد دیتے ہیں۔

راقم

خاکسار ادیب الشعرا

استقلال

جو چھپا نہ، سے واقف ہے وہ حضرت ساغر کو بھی اچھی طرح جانتا ہوگا۔ آپ نے چند ماہ ادھر ایک ظریف ہفتہ وار پرچہ نکالا تھا اب "استقلال" کے نام سے ایک جریدہ شائع کیا ہے جس کا تیسرا نمبر اسوقت پیش نگاہ ہے نام بہت اچھا ہے اگر اس نام کی لاج بھی رکھی جائے تو سبحان اللہ مدینۃ العلم پیغمبر آخر الزماں کا لقب ہے مگر اب یہ لقب علیگڑھ کو کسقدر مبالغہ کے ساتھ عنایت ہو گیا یعنی پیمبر تھے مدینۃ العلم اور علیگڑھ ہو گیا مدینۃ العلوم۔ پیمبر کا "نام" جب لوگوں نے چھوڑا نہیں تو لقب کیا ہے گو ادب شناس حضرات کا خیال ہے کہ نام مشترک ہو تو ہوں خاص القاب کا غصب جائز نہیں خصوصاً وہ القاب جو کسی حقیقت کی توضیح کرتے ہوں یا کسی ذات کے خصوصیات سے تعلق رکھتے ہوں۔ خیر ہو گا اس بحث کو ملاؤں کے حوالے کیجیے کہ آیا یہ جائز بھی ہے یا نہیں۔ کوئی اپنے گھر کا نام یا اپنا لقب فخر المتاخرین شفیع المذنبین مالک تسنیم و کوثر رسول اللہ بھی رکھ لے تو ہمیں کیا غرض تو اس سے ہے کہ علیگڑھ سے استقلال نکلا ہے۔ اور مدینۃ العلوم علیگڑھ کا واحد پیغامبر ہے۔ ادبی بھی ہے سیاسی بھی ہے اتحادی بھی ہے۔ یہ اوصاف واقعی قابل مدح و ثنا ہیں۔

ساغر صاحب دنیا میں کافی گردش فرما چکے ہیں اور یقیناً اب تجربہ ترقی کر گیا ہوگا لہٰذا امید ہے کہ پرچہ مقبول ہوگا۔ لکھائی چھپائی اچھی ہے کاغذ صاف اور سفید ہے پیمانہ خوبصورت ہے حجم معتدل ہے قیمت عہ/ سالانہ ہے با ایں ہمہ اوصاف ہمیں سر سید احمد خاں بہادر مرحوم کی دانشمندی سے تعجب ہے کہ وہ یوں بے حرکت نوجوانوں کے خواب میں آتے اور "استقلال استقلال استقلال" چلاتے ہیں۔ یہ روش اچھی نہیں۔ کہنے کو تو علیگڑھ مدینۃ العلوم ہے مگر آج تک وہاں سے کوئی اردو اخباری کاغذ ہفتہ وار یا روزانہ نکل کے پنپا نہیں۔ یہ کمی حضرت ساغر نے پوری کر دی۔

استقلال کے لغوی معنی جہاں بلند کردن برداشتن و بلند برآمدن کے ہیں وہاں رفتن و کوچ کردن قوم و کم کردن واندک شمردن و خشم و لرزہ گرفتن کے بھی ہیں خدا کرے کہ جناب ساغر کے نام کے ساتھ "استقلال" بلند ہو اور دوسرے معانی سے سابقہ نہ پڑے۔

سیوان کے الحق اور جھانسی کے عزیز ہند نے بقول "استقلال" استقلال سے مضمون حوالہ دیے بغیر نقل کر لیے۔ جناب ساغر کو ان سے شکایت ہے اور بجا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض معاصرین سے گلہ ہے کہ انھوں نے تبصرہ سے بھی چشم پوشی فرمائی اور مبادلت بھی منظور نہ کی۔

ہم شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتے لہٰذا با بانگ قلم اعلان کرتے ہیں کہ ہم کبھی مضمون نہ چرائیں گے۔ تبصرے کا فرض ادا کر دیا (ابھی ہمیں آتا ہی کیا ہے وہی بوڑھے غمزے) رہا مبادلت کا معاملہ تو سن لیجیے کہ سو کا پچوں سے زیادہ صیغۂ مبادلت میں گنجائش نہیں یہ تعداد بفضلہ کامل ہے اور جب تک ان میں سے ایک آدھ خود ہی مفقود نہ ہو جائے جگہ خالی ہونے کی امید نہیں۔ اگر کسی نے پنشن لی تو ضرور جناب ساغر کی فرمائش پوری کی جائے گی۔ اسمیں نہ تمرد ہے نہ تکبر ہے۔ یہ معاملے کی بات ہے خفا نہ ہو جیے بندہ نواز۔

والسلام۔

مولانا پنچ کی لوٹ پٹک

"عطر کبریت احمر"

ہمارے ایک دوست کی اصطلاح میں "درگزری مجرم" وہ مجرم ہے جسکو حکومت وقت تفتیش جرم میں مدد دینے کے عوض سزا سے معاف رکھتی ہے۔ بنارسی لال کاکوری والے معاملے میں "درگزری مجرم" تھے سنا گیا ہے کہ انھیں کسی نے ایک پارسل بھیجا۔ شاید پارسل کے لیبل پر لکھا ہوا تھا "اسمیں عطر ہے"۔ ملتی چیز کیسے بری معلوم ہوتی ہے پارسل کا گھر میں آنا تھا کہ اس مال مفت کے گرد سب عزیز و اقربا جمع ہو گئے تختہ کھلتے ہی معلوم ہوا کہ عطر کا کنستر نہیں بم کا گولا ہے۔ اب تو مشتاقین کھسکے جو کہیں تختہ پر ہتھوڑی زور سے پڑ جاتی تو جھکے ہوئے مشتاقوں کے چہرے کم از کم آلات خشم سے ابداً محروم ہو جاتے۔ وہ تو کہیے خدا نے خیر کی اور معلوم ہو گیا کہ خوشبودار عطر نہیں بلکہ بارود گندھک ہے۔ اور کچھ گندھک نے بھی تدبر سے کام لیا ورنہ وہی حال ہوتا جو عضد الدولہ کے عہد میں قزاقوں کا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ رہزنوں کا ایک گروہ قافلوں پر چھاپے مارا کرتا تھا عضد الدولہ کو خبر ہوئی اس نے حلوے میں سنکھیا ملا کے صندوق بھرے اور گدھوں پر لاد کے ایک تاجر کے ساتھ کر دیے۔

نواب کہانیں اور جانوروں کو مطلب سمجھا دیں تو زیادہ پُراحسان ہوگا۔ والسلام -- "الہیٹر"

جناب ایڈیٹر صاحب

اداب عرض۔ اخبار جو د پنچ بمقام عادل آباد ایک سپرنٹنڈاری بابو راؤ رام راؤ صاحبان کے ہاں وصول ہو کر اپنی ظرافت لطافت سے باعث دلچسپی ہوتا ہے صاحبان موصوف کو مسدس رتبہ عالم ظریف ہونے کی وجہ سے جناب کے اخبار میں شائع کرنے کی خواہش ہے جو حسب ذیل ہے چار آنہیں کچھ فائدہ نہیں الا دل بہلائیے اگر آپ کے اخبار کے مزاج طبیعت کے لحاظ سے موزوں ہے تو شائع فرما دیجیے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ بشرط اطاعت مُسدّس ایک پرچہ اخبار میرے نام بھی روانہ فرما دیجیے بعد وصول قیمت ٹکٹ نمبر روانہ کر دیے جائینگے۔

نظارہ حسینہ

ہر طرح گیا تھا میں کسی منظر پر — سیر میں مول لیا میں نے یہ سودا جا کر
کسی حسین کو دیکھا تو رنگیا نشہ — وہ رعب حسن تھا دل پہ چھا گیا کیسر
رہا نہ ضبط اٹھا تھا پکار (آ گئے)

غضب کا حسن تھا کیا شعلہ بار آ گئے

وہ اپنے حسن میں مشغول تھی بیر یکدم — وہ اس کا حسن تھا جلوہ اٹھایا کوئی سنز
جھک گئیں میری آنکھیں دیکھا یک نظر — شکیب صبر قرار چلے یہ بیچار کر
کہا کروں میں اب صبح شام آ گئے

رہے تمہارا یہ تکیہ کلام آ گئے

کہوں کیا ناز و ادا اور وہ انداز نظر — جو برق چلتے گرے یک بیک مجر دلبر
نگاہ و تیر اس ظالم کا جو لگا دل پر — تو کہا اُٹھا دہیں بیساختہ میں چلا کر
دل و جگر ہوئے غربال پار آ گئے

ہوا ہے تیر نظر آر پار آ گئے

ان جناب ہم نے بھی کیا ہے کلام اکثر — امیر دل بھی کہتے تھے خوب تڑپ ہو کر
اسی تلاش میں اسوسیج میں ہیں اکثر — تہ چلا نہ ملا ہے کسی کو اپنا سنر
بجز بہرام کے کہا کوئی اشعار آ گئے

کہا بھی ہے کسی نے بھول کر کیا بار آ گئے

محمد بہرام خاں اہلکار
تحصیل راجورہ انک گڑھ عادل آباد

عــ۵ سعر ب ۱۲ پنج

قوت عمل

نمبر ۲

(ختمہ ۲۲ جولائی ۱۹۲۹ء)

ہاں جناب تو سُنیئے اگر قوت عمل مسلمانوں میں باقی ہوتی تو دُنیا میں آگ لگا دینے سے پیشتر اپنے گھر میں جو خود آگ لگائی ہے اُسے بجھاتے معلوم ہوا کہ دُنیا سے مراد خود حضور ہی کا آشیانہ ہے یعنی دُنیا میں آگ یوں لگا دینگے کہ اپنے گھر کو مٹا دینگے۔ مثلاً ایک "دوازدہوی" رئیس ہیں۔ اگلے زمانے کے رئیس بھولے ہوتے تھے آپ بھولے بالے نہیں ہیں۔ دور دور تک آپ کے قوت عمل کی دھاک ہے۔ اتنی عقل خدا نے دی ہے کہ کسی انجمن انتظامی کے ممبر ہو جائیں تو وزارت کا بار سنبھال لیں اور حکومت وقت سے شاباشی کی سند مل جائے مگر واہ ری قوت عمل۔ آپ کی قوت عمل نے گھر میں آگ لگا دی بقول بو نصیبن کے دام ٹھاؤ بی بی مونڈھا۔ کنبے کا کنبہ بھونڈا ہ کئی لفنگوں کی گھر جن والد ماجد کے مرحوم ہوتے ہی باورچیوں کے نذر کر دی۔ رئیس ہونے کے باوجود حضور کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارے گاؤں ہیں کدھر۔ انکی مالگزاری کیا ہے انکی آمدنی کیا ہے۔ کارندوں کی قوت عمل کا یہ حال ہے کہ نقش بٹھا دی ہے۔ آج یہ بیچی قوت عمل پر نثار۔ کل وہ گاؤں رہن قوت عمل۔ پرسوں یہ حال نیلام نزول وہ پڑوا بدست قوت عمل فروخت۔ قوت عمل نے کارندے بھی ایسے ایسے جمع کر دیے ہیں کہ سبحان اللہ! آپ کون ہیں؟ جی منشی مجھر خاں ہیں بانسری بجا کے خون چوستے ہیں۔ رجز پڑھ کے حملہ کرتے ہیں۔ اچھا یہ دوسرے صاحب؟ ہائیں انھیں آپ نہیں جانتے اے حضرت یہ شیخ خبو پسر میاں جھاؤ قوم قرم ساق ساکن کٹی نگر ڈاکخانہ پلاؤ مار پور تحصیل قزاق آباد تھانہ پیر شکار پور ضلع حسن فروش گنج ہیں۔ خوب آپ کا نشان نزول؟ جی کچھ نہ پوچھیے جناب ریاست ناب نواب فوری العمل صاحب کے بچھولے بدلواتے ہیں۔ ہر شب بستر تو۔ آپ ہی تو ہیں جن کی بدولت نواب صاحب کا بچھو کبھی اُجڑتا نہیں۔ بچھانی ہیری میں نئے نازک بدن کا پیوند ہمیشہ لگتا رہتا ہے۔ کمزوری کے ساتھی ہیں۔ اسی وجہ سے چڑھی بارگاہ ہے۔ آپ کی قوت عمل کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی ٹوٹا مارا سائل ڈیوڑھی پر آ جاتا ہے تو خزانہ خالی کا موہ زبان سے نکلا فقد کالیوں کے زر کامل العیار بٹنے لگتے ہیں دامن آرزو بھر کے لیجاتا ہے یا کوئی بھلا انس! یہ خیال کہ اللہ نے انھیں رئیس کیا ہے۔ سلام کر لو دربار میں وارد ہو گیا تو کمبخت کی شامت آ گئی۔

بغرض عوام فروخت کے لیے

سمن لغرض قرارداد امور تنقیح طلب

(آرڈر ۵ قاعدہ ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی)

نمبر مقدمہ ——— بعدالت چودھری محمد علی صاحب بہادر اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول پرگنہ ردولی مقام ردولی ضلع بارہ بنکی

لال سرجو پرشاد ساکن ردولی — مدعی

بنام محمد احمد وغیرہ — مدعا علیہم

بنام سید محمد نعیم ولد سید محمد علی ۲ مساۃ حمید النساء زوجہ محمد نعیم ساکنان موضع تیر پرگنہ موہی پھولا دہ ۳ باسدیو سنگھ ولد چھتر پال سنگھ ۴ چاند کا بخش سنگھ ولد مہاویر ساکنان موضع امرائی گاؤں پرگنہ ردولی ۵ عبد الحفیظ ولد عبد الوحید ساکن موضع کشتی حال وارد ضلع بہرائچ مقام بہرائچ ملازم کوآپریٹیو بنک بہرائچ ۶ عبد العلیم ولد عبد الواحد ساکن موضع کشتی پرگنہ جگدیش پور ضلع سلطان پور ۷ مساۃ ہرنا تھ کنور زوجہ مرتبی بخش سنگھ ساکن موضع سرنگ پور پرگنہ و تحصیل حیدر گڑھ ضلع بارہ بنکی

واضح ہو کہ مدعی نے تمھارے نام ایک نالش بابت تقایا حساب فہمی مبلغ ۵ لعہ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۳ ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء وقت ۱۰ بجے بمقام قصبۂ ردولی اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کی حالت سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے کی کرو۔ اور چونکہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اُسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر تم بنا بنانی جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔ اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بہ ثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۱ ماہ اگست ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

کیجیے جناب کہاں زحمت فرمائی۔ شاید آپ کو چائے پینے کی ضرورت ہے بہتر ہے تشریف رکھیے حضور کی ملاقات کا تو یہ وقت نہیں ارے بھئی شبو آپ کے لیے چائے لاؤ۔ واللہ لوگوں کے مارے ناک میں دم ہے کوئی صاحب چائے پینے آتے ہیں۔ گویا رئیس کا گھر نہیں ہوٹل ہے۔ کوئی صاحب نقد کے طالب ہیں۔ آپ تو بادہ ہے آپ کی طرف یہ اشارہ نہیں کوئی صاحب دسترخوان کی مکھی ہیں کھانے کی بو پائی اور چلے۔ اب دیکھیے اسے طعن و تشنیع کی موزری سے "مشن ہنس" کہیے بھلا وہ کس کی تنخواہ کیا عیش تنخ۔ آرام حرام ہے۔ اس قوت عمل نے شرفا کو صحبت سے دور کر دیا اور سارے خلقت کے انھوں نے آنا جانا چھوڑ دیا۔ مرد کون گئے؟ وہی پیر کلو لغاتی عبدل گھسیٹے خیراتی جمراتی بدھو بھلو جیسا مکلو غبن آپ جانیے قوت عمل جب اسطرح کے احباب کی بزم آراستہ کرے تو بھلا تہذیب غریب وہاں کیونکر بار پا سکتی ہے اور حیا کا گزر کہاں ہوسکتا ہے۔ واللہ وہ لچھے دار گالیاں تصنیف ہوتی ہیں جو کبھی کسی پاجی نے بھی سنی نہ ہونگی۔ غرض قوت عمل نے عجب میل و نہار سے دوچار کیا ہے۔ رئیس صاحب کو "زندہ عمل" سے کسی وقت مہلت ہی نہیں ملتی۔ جو کسی دوست خیر خواہ نے کوئی نصیحت آمیز فقرہ کہہ دیا تو لے میرا بھائی شامت آئی گالوں پر ورم آگیا آنکھیں طاق جنت کھیلنے لگیں منہ تاڑی کے گھڑے کا منھ بن گیا جھاگ کے لوندے ٹپکنے لگے۔

"جی ہاں رئیس نہیں تو کیا شیس (سائیس) ہیں چلے وہاں سے ناصح مشفق بن کے۔ بھلا آپ بیچارے ہیں کس کھیت کی مولی جو نصیحت کریگے۔ بڑے تیر انداز ہیں کمان میں شستیر چھوڑتے ہیں۔ عقل کی حجامت بنوائیے ہوش کے ناخن لیجیے۔ وہی مثل ہے تیلی کا تیل جلے مشعلچی کی .... چلے۔ اجی تم لوگ ہو حاسد۔ دوسرے کا عیش آنکھ میں کا شہتیر بن کے کھٹکتا ہے۔ جل جل کے کباب ہوتے ہو۔ ہی (؟) اپنے تہہ میں آپ کھو لیں؟ پھر چلو ہمارے حضور تو اسی طرح عیش کرینگے دشمن جلینگے مرینگے۔ یہ تو خیال کرو کس کے لیے دولت چھوڑ جائیں؟ اتنوں کے لیے! کوئی آل اولاد بیٹھی ہے ایک اکیلا اپنا دم ہے۔ دولت اسی لیے ہوتی ہے۔ کھاؤ پیو اڑاؤ عیش کرو۔ بوڑھا ہوا ہے جو کھا لینگے پی لینگے وہی انگ لگے گا۔ اس بڑھاپے میں بھی ہمارے حضور کی قوت عمل تم جوانوں سے اچھی ہے۔ شب کو تین مرتبہ نہاتے ہیں۔ وہ رئیس ہی کیا جو دولت سے نہ کھیلے۔ کوئی تیا مہاجن نعمت ہے؟"

کر کے دی گرمی گرسے تو دماغت سے اٹھائے تمام تر خداری کو پیٹ رہے ہو۔ ابھی وہ حال ہی نہیں جس میں وہ گلگشت ہی نہیں جیسیں ڈنڈی ہو۔ وہ امیری نہیں جسکے دربار میں مہاجن نہ آتے ہوں۔ ریاست کی یہی ہے۔ آخر کیوں ترس ترس کے جان دیں خدا نے قوت عمل دی ہے اسمیں کسی کے باپ کا اجارہ نہیں دل کھول کر کھیلیں اور کے پیٹ میں سانپ رینگا کرے ہماری کیا ٹکنا بگڑا۔ تو میاں سے ناکردہ گناہ رحمان کیست؟ بگو آنکس کہ گنہ نکرد چھل زیست بگو۔ سوائے کسمر و تو بد مکافات وہی ہیں فرق میان من و تو چیست؟ بگو۔ اسکے علاوہ خدا غفور و رحیم ہے۔ جو گنہگار دنیا میں ہوتے تو رحمت کی قوت عمل ہی معطل رہتی۔ ماسوا اسکے ریاست بڑی دھوم سے گیارھویں شریف کرتے ہیں۔ ہزاروں محرم میں صرف کرتے ہیں۔ جیسی مجلسیں میلاد شریف کی انکے یہاں ہوتی ہیں ویسی میں تو کہتا ہوں لکھنؤ میں بھی نہ ہوتی ہونگی۔ پھر کیا اسکا ثواب کچھ بھی نہ ملے گا؟ گناہ کی گرمی اور ثواب کی سردی مل کے سمو جائینگی۔

خدارا انصاف کیجیے ان مسلمان رئیس نامدار کی قوت عمل کا تو یہ کرشمہ ہے اور ایک متہدر تہی مہاجن کا یہ طرز عمل ہے کہ صبح تڑکے بیدار ہوا کلا دتون نہاتے دھوتے سے منھ اندھیرے فراغت حاصل کی پوجا پاٹ کیا اور بہی کھاتا کھول کے بیٹھ گیا۔ آج فلاں اسامی کا وعدہ ہے۔ یہ روپیہ جو آئے گا کس کام میں

"ارے موئے ننگے پہلے کپڑے پہن پھر کھانا ملے گا"

تلسی باتن کی ریس ہاں رہ گیو سب کھیس ترسٹھ تینتیس کہ ہوا ترنیس سے چھتیس

گفتگو: تم کیا اتراتے ہو — تم کیا بڑاتے ہو — دور — دفان — اچھا اب دُم ہی سے باتیں ہونگی مُنہ سے ہو چکیں — چلو — جاتے ہیں — (جھگڑا ختم)

زخارت تہنیت بر بہار منت ہاست   کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
"دیکھیے پھولوں کی لاج رکھیے گلِ عارض کے رنگ سے اس کا رنگ پھیکا پڑا جاتا ہے۔ خوشبو درکار ہے
تو یہ عطر حاضر ہے"
کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

کالا جائیگا۔ لیسپ ابھی سے حساب مرتب کیجئے یا نہیں۔ کس مقدمہ کی آنچ پہنچی ہے۔ اسی دُھن میں بادہ پیچ گھٹنے عمدولا کے منہ پر اور کے کھیل تک نہیں گئی۔ اب دونوں کا مقابلہ کیجئے کیا یہ طرز عمل اس قوت عمل سے کوئی مناسبت رکھتا ہے؟۔ اُسپر یہ شکایت کہ فلاں گروہ ہم سے آگے بڑھا جاتا ہے اور سے کوئی اس کی ٹانگ پکڑ و۔

یہ ایک مسلمان رئیس کا حال نہیں ہے سو میں پچانوے ایسی ہی گھر بیٹھے قوت عمل کے مالک حقیقی ہیں۔ اس رمز کے معنی "اک آگ لگا دیجئے دُنیا کو جلا دیجئے" ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ اجی کس برتے پر آگ لگانے کا ارادہ ہے آگ لگی تو ہوگا کیا؟۔

یہ کوئی چھپی چھپائی بات نہیں ہے کہ جب سے ہندوستان میں انقلاب سلطنت ہوا اسیوقت سے علما ربانی یعنی خدا کی خدائی اہل دُنیا کے دلوں سے اُٹھ گئی اور زر علیہ السلام کا سکہ چل گیا۔ مسلمانوں کو روپیہ کی قدر ہے نہ روپیہ کا مصرف جانتے ہیں۔ آگ لگا دینگے تو منھ کی کھائینگے اس سے تو یہی بہتر ہے کہ جو گروہ قوت عمل کی مضبوطی کے بھروسے پر کڑی منزلیں طے کرنا چاہتا ہے اسکی راہ میں کنوئیں نہ کھودیں اور شعار برادر رستم نہ بنیں۔ مریض کے حب عمل کی ڈنگ زدہ مشین میں توت و استحکام کا تیل پڑجائیگا تو صحت آپ سے آپ مل رہے گا۔

بس ملا نا پنچ آگئے کچھ کہوں گا تو یار لوگ بُرا نہ مانیں گے۔ اور ممکن ہے کہ آپ بھی خشک مغز مُلّا کا لقب عنایت فرمائیں۔ دل آزاری اپنا شیوہ نہیں۔ مُلّا ہونے پر دل رضا مند نہیں ہوتا جنوب و شمال کی طرف گردن ہلاتا ہے۔ سو راج کی استعداد اور قابلیت بھیک کی طرح غیروں سے مانگنے والے بے وقوف ہیں ان سے کہیے کہ جب ایارج کا مسہل نوش فرمائیں تو تنقیہ دماغ ہو۔ یا مغز فلوس خیار شنبر کا عمل لیں کہ معدہ صاف ہو۔ پیدائشی بھاپ اور تن پروری کا مادہ نکلے اور قوت عمل میں جان پڑے۔

والسلام

الراقم

کچھ مچ خیال بارودی

سمن لغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۸۶۳ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت جناب شیخ شوکت حسین صاحب دیوانی جج ماعت مقام اناؤ

شیو رتن پرشاد ولد شنکر پرشاد قوم برہمن ساکن کوراری کلاں پرگنہ مذکور ضلع اناؤ . . . . . مدعی

بنام

بنام جھورنا وغیرہ . . . . . مدعا علیہ

سودھا ولد ٹھکن قوم پاسی ساکن موضع کھیڑہ مزرعہ جمبکا پرگنہ مذکور ضلع اناؤ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ۵ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۲ ماہ اگست ۱۹۲۹ء بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے کما حقہ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور ہر گاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعویٰ کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۷ ماہ اگست ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

(مہر عدالت)

دستخط حاکم بخط انگریزی

وقت . . . دفتر سب جج اناؤ ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک۔

ترک مسکرات کی کارگر تدبیر

حارثی کا بیان ہے کہ عہد سلطنت خلیفہ معتمد رباللہ میں ایک مرتبہ بغداد کی سیر کر رہا تھا کہ ایک اونچی دُکان چبوترے کی طرف سے گزرا۔ میں کم سن تھا۔ گال اور سر میدان کی طرح داڑھی مونچھوں کے گھانس پھونس جھاڑ جھنکاڑ سے خالی تھے۔ چبوترے پر ایک ہیجڑے کو بیٹھے دیکھا جسکے سر پر چھتری سایہ کئے تھی سامنے سرمہ دانی سلائی نشتر دواؤں کی پُڑیاں ڈبے کلھیاں رکھی تھیں۔ میں نے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون شخص ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ بھی بغداد کے عجائب میں سے ایک اعجوبہ ہے۔ طبیب ہے دوائیں بیچتا اور دام ڈب میں رکھتا ہے۔ آپ جانئے بھپن اور شوخی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ جی میں آئی کہ چل کے حکیم جی کی لیاقت آزمائے۔ ایک ساتھی کہنے لگا کہ اُسکے مبلغ علم کی تو اطلاع نہیں مگر اُسکے ساتھ چہل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ چلو ذری تھوڑی دیر دل لگی کریں یہ کہا اور لاٹھی ہاتھ میں لی کمر جھکائی کولے پر ہاتھ رکھا آہ آہ کرتا ہوا طبیب کے قریب پہونچ کے اُستاد اُستاد پکارنے لگا۔ اسقدر بھیں ہو کے آوازیں دیں کہ اُستاد جھلا کے بولا۔

"اری کہہ کیا کہتی ہے خدا تجھے بیار ڈالے۔ کچھ کہتی بھی ہے تجھے کیا ہوا۔ طاعون نے پکڑ لیا یا مہیضہ نے پیٹ دبایا"

(عرب کے ہیجڑے اکثر مردوں سے عورتوں کی طرح مخاطب ہوتے تھے)

دوست "ہائے اُستاد کیا کہوں۔ آنتوں میں اندھیرا ہے۔ پاؤں میں مروڑ ہے جو کچھ کھاتا ہوں دوسرے دن بدبودار ہو کے نکل جاتا ہے۔ اس بیماری کی دوا بتاؤ"

اُستاد "اری تو ایک کام کر۔ کوئی قندیل گھر میں ہے؟"

دوست "ہاں ہے تو سہی"

اُستاد۔ بس چوتڑوں میں لٹکا لے آنتیں روشن ہو جائینگی۔ رہا پاؤں کا مروڑ تو اُسترا لے کے صفایا بول دے۔ ادھر جنید یا صاف ہوئی اور بقول کبھی مہنتوں کے "جیا لال ہیرا دن کھو بیٹھی" پر لونڈے ٹھٹے کی مشق کرنے لگے ادھر بال تکلے کی طرح سیدھے ہوئے۔ اور آخری بیماری کا علاج اس سے بھی آسان ہے جو بلا پیٹ سے خارج ہو اُسے پھر نگل جا۔

لارڈ اردن بہادر

نے باین ہمہ فخر و فساد لندن میں ہندوستان کی خیریت کہہ سنائی تھی۔ بڑے آدمیوں کی بات جھوٹی نہیں ہوتی ہم ہیں چھوٹے آدمی۔ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ ہرگز خیریت نہیں ہے اب کی بیماری کی وبا چار مہینے سے اسی شہر میں ہے۔ پیر درد اور درد کا ملیریا کھا رہی ہے سات سات جیلے ایک ایک متنفس پر ہوتے ہیں ایک مصور کیوں کاتب کہیں . . . . کی ذمہ دار ہے

یہ بی اماں صبح شام نکیا سینکتے تھکی جاتی ہے وہ بھی چین کرے تو بھی بھوک میں کھانے کی تلاش سے بچے۔"

جواب ایسا معقول تھا کہ ہم لوگ سن کے دنگ ہو گئے۔ راہگیروں اور تماشائیوں نے ٹھٹھے مارے۔ تیرے تھے مسخرا بن کرنے خود ہی جھینپ اور سر پر پاؤں رکھ کے بھاگنا پڑا۔

رعایا نے حکومت سے دل لگی دل لگی میں شکایت کی:۔ "یہ دیکھیے۔ شراب کا شغل بڑھتا جاتا ہے ہر محلہ میں شراب خانے کھلے ہوئے ہیں۔ آنتوں کی ظلمت روز بروز ترقی ہے"

جواب ملا "اری گھبراتی کیوں ہے۔ ہم لیسنس کی قندیل جلائے دیتے ہیں۔ اب تاریکی نہ رہیگی جسکے معین کردینگے جیسے غرض ہو گی بوتل ہاتھ میں لے کے دوکوس جائیگا اور اپنی عقل پر آفت لائے گا۔"

زحمت بڑھی رعایا کی۔ آمدنی بڑھی حکومت کی۔ پھر غلغلہ بلند ہوا کہ بال بچے پیش کے مرض میں مبتلا ہوئے جاتے ہیں یعنی رواج میخواری خوب پھیل رہا ہے۔ الجھن کی تدبیر بتائیے۔

حکومت نے نسخہ تجویز کردیا "نرخ بڑھا کے پینے والوں کے دیدے صاف کیے دیتے ہیں۔ بس یا اورکچھ؟ کمبخت فاقہ مست اب اسکے قریب نہ جائینگے"

پینے والے بھلا کب مانتے ہیں۔ پہلے ٹکے کے گھڑے میں اڑ جاتے تھے اب سوا روپیہ کی تاک ہوئی پیجیے جا اندن میں دیوالہ نکلتا وہ گھڑی میں نکل گیا۔

شراب کی درآمد ویسی ہی رہی کتنی چاق چوبند بوڑھی موجود ہاں رعایا کو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ خارج شدہ عفونت بلائے افلاس کے حلیتوں صبح شام طلسم کے ایرے پھیرے کرتی رہتی ہے۔ اماں حکومت انگیا سینکنے کی خدمت سے سبکدوش اور ابا رنگیلے فکر روزی سے غافل۔ بارہا وعدہ کیا کہ حکومت سد باب میخواری و مسکرات میں حتی الامکان مدد دے گی مگر وعدے کا اثر قندیل کی مساعدت سے بھی غیر محسوس اور غائب نظر آتا ہے۔

اسی ضمن میں رسالہ "پروہیبیشن" نے بعض جرائد

جو واقعہ نقل کیا ہے وہ قابل غور ہے "یہ پروہیبیشن لیگ آف انڈیا" نے یہ رسالہ نکالا ہے وہ ناقل ہے کہ کرسنگارپٹ کے ایک دشمن اخلاق ملک نے قصبہ پرتھی کی چوٹ مقدس تاڑی سے اجتناب کرنے کی طرف قوم کو رغبت دلائی۔ لوگوں سے حلف لیا کہ اس مقدس قصبہ کو آیندہ منھ نہ لگائینگے۔ اور جو پیئیگا اسے جرمانہ دینا پڑیگا۔ منصف صاحب پر اس جرم میں مقدمہ چل کھڑا ہوا مجسٹریٹ صاحب نے منصف ظالم کو ایک سال کے لیے ملازمت سے معطل کردیا اور تجویز میں تحریر فرمایا کہ از روے شہادت قصبے میں شراب خواری کے خلاف تحریک ہوئی منصف چپکا دیکھتا رہا اور افسروں کو اطلاع نہ دی۔ کمبخت ۲۵ برس سے حکومت کا خادم ہے اس وجہ سے تعطل کی سزا دیگئی ہے اب کی اگر ایسی بیجا حرکت سرزد ہوئی تو نوکری سے ہاتھ اٹھانا پڑے گا۔

جیو مجسٹریٹ صاحب واللہ تم تدبیر علاج میں بغدادی طبیب کے بھی استاد ہو۔ کیا برجستہ جواب دیا ہے۔ یارو حکومت کے ساتھ دل لگی کرنے کا نتیجہ دیکھا! کیا اب مسکرات کے سدباب میں کچھ کلام ہے؟

ساقی

ناقل تائب

مولانا پنچ کی نوٹ بک

المختصرات

حکایت۔ عضدالدولہ نے قاضی ابوبکر باقلانی کو سفیر بنا کے شاہ روم کی خدمت میں بھیجا شاہ روم قاضی صاحب کے عالمانہ فاضلانہ بانکپن سے واقف تھا کہ ایک غیر مسلم کو بحسب رواج ہرگز سجدہ نہ کرینگے اسنے بارگاہ میں ایک چوبی دیوار نئی تیار کروائی اور دیوار میں اتنی چھوٹی کھڑکی لگائی کہ آدمی سے دوزانو بغیر کوئی شخص عبور نہ کرسکے اور یوں جبری یا اتفاقی سجدہ سے شگون پورا ہو جائے۔ قاضی صاحب نے دربار میں یہ کھڑکی دیکھی۔ آدمی صاحب فہم تھے مطلب سمجھ گئے بجائے منہ کے کھڑکی کی جانب پشت کی اور صدر دروازہ کیطرف منہ پھیرا دوزانو الٹے پیروں کھڑکی میں داخل ہوے۔ اسطرح کھڑکی سے داخلے کے وقت بادشاہ کی طرف قاضی صاحب کی پیٹھ تھی جیب

طرف دوسرے قدم پر شاہی کی رسم ادا کر چکے یعنی دونو سجدہ ممکن ختم ہو گیا تو شاہ کی طرف منھ کرکے فرمایا:

السلام علی من اتبع الھدیٰ

ابھی راجہ زوال بادشاہ اپنا سا منھ لیکے رہ گیا۔

قاضی پٹیل ممبر اسمبلی بھی اپنے وقت کے ابوبکر باقلانی ان سے اور لارڈ ارون سے جو اصولی جھڑپ ہو گئی آداب کی بے روی و جو لاٹ صاحب نے اختیار فرمائی تھی باقی نہیں رہی۔ سنتے ہیں کہ قاضی پٹیل کے استقبال کا جواب ایک قانون خاص کی صورت میں زیر تجویز ہے تاکہ آئندہ کوئی صدر یوں بے ادبی نہ کر سکے۔ قانون وضع کرنا آسان ہے اور ہندوستان میں ہر طرح کا قانون نافذ ہو سکتا ہے مگر مشکل ہے کہ آزاد قومیں اسطرح کے قوانین کو آزادی کے علامات میں شمار کریں۔

اخبار خیریت آثار

(۱) کلکتہ میں خانہ تلاشی اور گرفتاری کا ڈنکا بج رہا ہے کوئی ہفتہ نئی شنائی سے خالی نہیں گزرتا۔ لہذا خیریت ہے۔

(۲) بھوکے تیموری کھانا کھانے پر رضامند نہیں ہوتے پنجاب کے گورنر صاحب بھی ہونٹوں کے منانے پر قادر ہوتے ہونٹوں پر جان ہے۔ لہذا خیریت ہے۔

(۳) ہیضہ چیچک طاعون۔ ٹائیفائڈ۔ ملیریا اکثر جگہ عام ہے۔ سیلاب بھی اپنی روانی دکھا رہا ہے۔ ہزاروں بے مرے۔ لہذا خیریت ہے۔

(۴) اکثر معزز اخباری کاغذ کے ایڈیٹروں پر بغاوت کے الزام میں مقدمے چلے کچھ سزا پاگئے کچھ پاداش کے منتظر ہیں۔ لہذا خیریت ہے۔

(۵) لارڈ ریڈنگ صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستانی آدمی ہر افسر کو "مائی باپ" کہتے ہیں۔ ہاں سچ ہے یہ تو افسر ہیں ہندوستانیوں کی زبان پر تو یہ کہاوت چلی ہے کہ وقت پر انسان گدھے کو بھی باپ بنا لیتا ہے۔ برا نہ مانیے تو آپ کے عہد خیریت مہد کا کچھ حوالہ دوں۔ باقی خیریت ہے۔

(۶) ایک ڈاکٹر صاحب نشتر زبان سے پشاور میں مانی الشفا کی شان کا اپریشن کر بیٹھے یعنی منھ سے نکل گیا کہ وہ تو کافر ہے

جسٹر نمبرات ۲۸۳

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرطیہ

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گرتے ہیں۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جہت ۔ رائے کی صحابت بے روے ورعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بنا بر ایں ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ کچھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرا لیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزارہا خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے تب اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے منیجر اپنی تحریر کے بغیر جوابدہ نہ ہوگا۔

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہوں انھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ادھکا لگا دیا بس پھر پانی بھی نہیں مانگتا زمیندار کی سب میں .... چلے جاتے ہیں۔ چل کے اس سے زمینداری پیچ سیکھنا چاہیے۔ جو اس نے شاگرد کیا لنگر گے اور تانے بانے کی ایسی تیسی۔ پہونچے زمیندار کے پاس ہاتھ جوڑے اور بڑھ بڑھ کے پاؤں پر گر پڑے۔

"داتا تمھارے رعیت ہیں تم مائی باپ ہو ہم ہوں کا دکھو بھی زمینداری پیچ بتائے دیو"

زمیندار نے کان کھڑے کیے۔ پہلے تو سمجھایا کہ تم زمیندار نہیں ہو اس پھیر میں نہ پڑو۔ مگر علم قریب کا شوقین طالب اپنے ارادے پر قائم رہا۔ تو زمیندار صاحب نے سوا روپیہ بسم اللہ نہیں بسم الشیطان پڑھوائی کے طلب کیے۔ شاگرد بھکا سوا ئی تھا نذرانہ لے آیا۔

اُستاد "کہو بسم الشیطان الرجیم"

شاگرد "لے بے دھرم نہ کرو۔ ہم کلمہ نہ پڑھبا ....

استاد "کچھ احمق ہوا ہے۔ ابے یہ کلمہ ہے کہ منتر بے اسکے پڑھے کہیں زمینداری پیچ آتا ہے"

شاگرد نے دھرم ورم تو خیر لیکن سوا روپیہ نذرانے کی خاطر سے بسم الشیطان کا ورد کیا۔ بعد ازاں اُستاد نے کہا سنو بھائی گھسیٹے "ایک بات یاد رکھو اگر کوئی مقدمہ معاملہ ہو اور حاکم تم سے کچھ پوچھے تو کہو "سڑی گدھیا نو من سوت" بس پھر تم سے کوئی نہ جیت سکے گا۔

گھسیٹے بھائی بغلیں بجاتے موچھوں پر تاؤ دیتے گھر آئے اور آتے ہی دونوں بھائیوں پر دھونس ڈالنے لگے "لے ہم سے گرا ہی نہ کیجیو ہم جمینداری پیچ سیکھ آئے ہیں" ایک ہی افسوں بار بار سن کے دونوں بھائیوں کو لو ہوئی کہ گھسیٹے بھائی نے یہ پیچ کس اکھاڑے میں سیکھا۔ آپ جانیے جو ڈھونڈھ و پائے و۔ آخر پتہ لگا کہ زمیندار نے مہربانی فرمائی۔ زمیندار کو تینوں بھائیوں سے ایک سی نسبت تھی۔ بھکا اور لکھو بھی پہونچے اور سوا سوا روپیہ دے بسم الشیطان و بسم الابلیس کے ادا کر دیے بھکا نے "جانت ہیں پر کہبے نا ہیں" اور لکھو نے "اونچ نیچ نزوار کیجیے" کا پیچ یاد کیا اب تینوں بھائی کنبی لکڑی کی طرح لمبے ہو گئے۔ اپنے اپنے پیچ پر ہر ایک کو ناز تھا۔ چند روز کے بعد زمیندار نے ایک گھوڑی اور نو من سوت کی قیمت کی نالش تینوں بھائیوں پر داغ دی سمن آیا۔ بیچارے دعا علیہم پریشان ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ زمیندار سے پوچھا "مالک یہ نالش کیسی" بس تمسخر "ہم اپنے تیرا آس نہ پاس"

زمیندار صاحب نے فرمایا "بس لونڈے ہی رہے نا۔ ابھی ہم نے تم سے تین سوا روپے لیے تھے۔ اپنے دل میں تم کہتے ہو گے کہ زمیندار نے ٹھگ لیا۔ اسلیے نالش کر دی اب تم ہمارے بتائے ہوئے پیچ آزما لینا"

بات معقول تھی گھسیٹے بھکا لکھو لا جواب ہوئے۔ پیشی کا دن آیا۔ پکار ہوئی۔

حاکم "کیوں جی ہزار روپیہ کا جو دعویٰ تم پر کیا گیا ہے تم اسے تسلیم کرتے ہو؟"

گھسیٹے "حجور۔ سڑی گدھیا نو من سوت"

وکیل مدعی "جناب تو گھوڑی گدھیا ہو ہی گئی۔ لیتے وقت گھوڑی تھی۔ حضور دیکھتے ہیں چالاکی؟"

گھسیٹے "یو چالاکی نا آئے۔ جمینداری پیچ آئے"

حاکم "تم بتاؤ بھکا"

بھکا "سرکار۔ جانت ہیں پر کہبے نا ہیں دیتا ہیں گھر بتائیں گے"

وکیل مدعی "دیکھا حضور نے۔ لکھ لیجیے اقبال کرتا ہے"

حاکم "اچھا تم بھی کہہ چلو لکھو"

لکھو "اونچ نیچ نزوار دیکھیے"

وکیل مدعی "لکھ لیجیے حضور۔ یہ گنوار کہتا ہے کہ نشیب و فراز کو حضور ہی طے کر دیں یعنی اقبال کرتا ہے"

چلیے ڈگری ہو گئی۔ ایک ہی پیچ میں خاندان کا خاندان ختم۔

ہندوستان کے تین مؤقر زرہ ہیں۔ یہ بھی زمینداری پیچ میں کسی کے شاگرد ہوئے ہیں اور ایک ایک نے تینوں نے اُستاد سے سیکھا ہے۔ اُسی کس بل پر اکڑ رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے "سڑی گدھیا نو من سوت" دوسرا کہتا ہے "جانت ہیں پر کہبے نا ہیں" تیسرا کہتا ہے "اونچ نیچ نزوار کیجیے" بندہ اُستاد کا نام لیتا ہے نہ شاگردوں کا پڑھنے والے خود ہی ہوشیار اور سمجھدار ہیں۔ داؤ پیچ سمجھیں اور سنبھلیں۔

راقم کج خیال باروی

اطلاع نامہ بنام رسپانڈنٹ متعلق اطلاع تاریخ مقررہ سماعت اپیل

بعدالت جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر گونڈہ مقام گونڈہ

مقدمہ اپیل نمبر ۲۳ سنہ ۱۹۲۹ء

بیجناتھ واجودھیا پسران شیوٹہل قوم برہمن سوکل ساکن موضع کیلیا سعالی پرگنہ و ضلع گونڈہ — اپیلانٹ

بنام

مہاراج بہادر وغیرہ — رسپانڈنٹ

اپیل بنارا ضی فیصلہ اجلاس جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر گونڈہ مورخہ ۳۰ ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۹ء

بنام مہاراج بہادر و لالہ منشی لال بہاری لال و کرشن بہاری لال ولد بیجناتھ پرشاد اقوام کائستھ ملازم کورٹ آف وارڈس ... مطلع رہو کہ اپیل بنارا ضی ڈگری و تجویز اس مقدمہ میں مسمی بیجناتھ وغیرہ نے پیش کیا اور وہ اس عدالت میں درج رجسٹر ہوا اور اس عدالت نے تاریخ ۳۰ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء واسطے سماعت اس اپیل کے مقرر کی ہو اور اگر خود تم یا تمھارا وکیل یا کوئی اور شخص جو قانوناً تمھاری طرف سے اپیل مذا میں جواب و سوال کرنے کا مجاز ہو حاضر نہ آئیگا تو اپیل کی سماعت اور تجویز تمھاری غیر حاضری میں یکطرفہ کی جائے گی۔

آج بتاریخ ۳ ماہ اگست سنہ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط انگریزی بشیشر پرشاد

منصرم عدالت ڈسٹرکٹ ججی گونڈا

مہر عدالت

وقت حاضری بدفتر ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر گونڈا ...

چمنستان

بقول ابوالنعیمین کے "اپنی گڑیا سنوار لے" کا رواج اب زوروں پر ہے لہذا کسی رسالے کی چھپائی کی تعریف بیکار ہے۔ عموماً ٹائیٹل پیج شاندار ہوتا ہے

حکم تجویز دیوالیہ

بمقدمہ نمبر ۱۲ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت جناب ڈسٹرکٹ بہادر گونڈا

در بارۂ انسالونسی مسمی جگت رام ولد شنکر ساکن ... پرگنہ تلسی پور ضلع گونڈا۔

درخواست مورخہ ۱۳ مئی سنہ ۱۹۲۹ء سائل جگت رام مذکور مسموع ہو کر اور بعد سماعت عذرات قرضخواہان حکم دیا جاتا ہے کہ سائل مذکور تاریخ مذکور سے دیوالیہ تصور کیا جاوے۔

مورخہ ۵ اگست سنہ ۱۹۲۹ء

دستخط انگریزی

بشیشر پرشاد منصرم عدالت ججی گونڈا

مہر عدالت

— دیکھو جی! بہت مشکل کام تمہارے سپرد کیا ہے۔ ہوشیاری ہوشیاری بس ہماری طرف دیکھتے رہو۔ یہی آزادی ہے

گل صبحدمے بجو بر آشفت و بریخت
با باد صبا حکایتے گفت و بریخت
بد عہدی دہر بیں کہ در چندیں روز
سر بر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت
اگر موسم خزاں میں بھی تازہ پھولوں کی نکہت سے لطف اٹھانا ہو تو اصغر علی محمد علی عطر سازان لکھنؤ
سے عطر کی ایک شیشی طلب کیجئے۔ بہار باغ ناپائدار ہے۔ اور اسکی خوشبو

در عروض .... انشاء اللہ" کا کیا ہوا افسانہ جسمیں ایک بد روحی ہوا اور ایک بدکار عورت کی گوشمالی اُسکے خاوند نے کی مختلف جرائد میں قبل ازیں نکل چکا ہے۔ چمنستان میں بھی اپنی ادبی بے عنوانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ "پاؤ پگلی" کو افسانہ جسمیں کوئی دلچسپی نہیں۔ "جوانی میری" کا عنوان جسکے تحت میں عجیب و غریب رباعیاں دیتے ہیں اور .... کی طرف منسوب ہیں چنانچہ شاعر فرماتا ہے کہ

پھولوں کا اُٹھان ہے جوانی میری
لبریز منو ہے زندگانی میری
طالب ہیں شگفتگی نگاہوں سے عیاں
کلیوں کا شباب ہے جوانی میری

رباعی کے چاروں مصرعوں میں کیا لگاؤ ہے۔ پھولوں کا اُٹھان کیا چیز ہے۔ "لب ریز منو" کے معنی کیا ہیں بخلاف دستور شعرا پہلے اور چوتھے مصرعے کا قافیہ ایک ہی ہے۔ اگر اس رباعی کے معنی ٹھیک ہیں تو پھر جو شاعر لیں کہے اُسپر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

انگلی کا کان ہے جوالی میری
پایاب رفو ہے اینچا مالی میری
ہر لحظہ ہے ایسی قطربیت کا وفور
جگنو کی دُم ہے نغمہ خوانی میری

چار رباعیاں ہیں اور چاروں جناب اڈیٹر صاحب کی توجہ سے خالی از لطف معنوی و لفظی۔ ایک جگہ "لبریز الم" ایک جگہ "بادل کا ترنم" غرض عجیب و غریب ترکیبیں ہیں۔

کاتب سر پر موجود ہے کہ لائیے مضمون مگر خالی ہاتھ بیٹھا ہوں اسلیے مختصر یہ کہ اڈیٹر ذی فہم و ذی استعداد ہو تو اُنکے رسالے کے مضمون نگار بھی کھرا دیر چڑھ کے سڈول ہو سکتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو مضمون نگاروں کی غلطیوں کی ذمہ داری بہت کچھ اڈیٹروں پر عائد ہونے کا استحقاق رکھتی ہے۔ جو اڈیٹر اپنے مضمون نگاروں کو ملامت سے بچانا چاہتے ہیں وہ یا تو غلط مضمون چھاپتے ہی نہیں یا خود اُتنی ہی محنت اصلاح میں کرتے ہیں جتنی کہ نگارندہ نے تصنیف ترجمے یا تالیف میں اُٹھائی ہے۔

دوسروں پر نکتہ چینی کرتے وقت کم سے کم اتنا خیال کر لینا چاہیے کہ ہمارا ہاتھ بٹانے والے کو اس عیب سے ملوث نہیں ہیں۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ "چمنستان" آغوش بہار میں سدا آباد و سرسبز رہے۔ عیوب کی اصلاح زیادہ دشوار نہیں۔ ہم تصویروں کے متعلق بھی کچھ لکھنے والے تھے مگر وقت ختم ہو گیا اور امتحان گاہ کے نگران (کاتب صاحب) کہتے ہیں کہ بس! اچھا بھائی بس۔ بس۔ بس۔ لو لکھو۔ واقـــــم

خاکسار ادیب ارالمجلات الادبیہ

اعلان

ہندوستانی ایکاڈمی (صوبہ متحدہ) کی مجلس منتظمہ نے تجویز کیا ہے کہ اُردو اور ہندی کے اہل قلم کو اس امر کی مشترکہ دعوت دی جائے کہ وہ اُردو اور ہندی زبانوں میں عام مذاق کا لحاظ کر کے مختلف شعبہ ہائے علوم و فنون پر جلد سے جلد کتابیں تیار کریں۔

ایکاڈمی کا مقصد ہے کہ وہ تین قسم کی کتابوں کی اشاعت کا انتظام کرے۔

(۱) اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے مغربی طریقہ پر تعلیم پائی ہو اور وہ اپنی ملکی زبان میں ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں وہ طلبا بھی شامل ہیں جو ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں اُردو اور ہندی کے اعلیٰ معیار کی کتابوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

(۲) اُن کے لیے جنھوں نے مکاتب اور مدارس میں ملکی زبان حاصل کی ہو اور مختلف شعبہ ہائے علوم و فنون (ادب و تاریخ (وغیرہ) کی کتابوں سے اپنی معلومات میں فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

(۳) اس قسم میں وہ کتابیں ہونگی جو عام طور پر عام ذاتی کے اعتبار سے پڑھی جا سکیں۔ اس قسم کی تحت میں جو کتابیں تیار کی جائیں گی ان میں ان لوگوں کے مذاق اور پسندیدگی کا خاص لحاظ رکھا جائیگا جو قصبات اور دیہات میں رہتے ہیں۔ ایکاڈمی ان کے سامنے سلیس اور سادہ زبان میں کتابیں پیش کریگی۔

مذکورۂ بالا شعبوں اور کتابوں کے متعلق فہرست معلومات دفتر ہندوستانی ایکاڈمی سے ملے گی۔

جو لوگ کسی کتاب کی تیاری یا کسی فن کے سلسلہ میں ایکاڈمی کے ساتھ اشتراک عمل کرنا چاہتے ہیں وہ جنرل سکریٹری سے امور متعلقہ اور معاوضہ کی بابت خط و کتابت کر کے دریافت کر سکتے ہیں۔ سکریٹری نہایت خوشی سے ان کو مستفسر کے جواب سے مطلع کریگا۔

الٰہ آباد — سکریٹری ہندوستانی ایکاڈمی

دین و دُنیا

دہلی کا یہ رسالہ بھی ریویو کے لیے آیا ہے۔ پہلے بھی آتا تھا۔ مگر اب ٹائٹل فرنگی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ پوشش کے اعتبار سے جتنی کیجیے تعریف و توصیف و تحسین کر دیجیے۔ حضرت واہ واہ سبحان اللہ۔ کیا خوب یہ ہلکا گلابی رنگ۔ وہ کالی اور سفید قوس نما دھاریاں یہ گلنار چوڑا فیتا۔ وہ فیلی رنگ کا لاکٹ اور نیفوری رنگ کی پتیاں پھر اس لاکٹ میں کتیلی آنکھ کی تصویر اور ابرو کی جگہ سرخ بھبو کا تیغے دار تلوار۔ آنکھ کے نیچے کھلی ہوئی کتاب اور لاکٹ کے گرد نیلا حصار۔ بس ایسی نرالی وضع ہے کہ دل عش عش کرتا ہے کہیں طرے لٹک رہے ہیں کہیں چمپا کلی اپنی بہار دکھا رہی ہے۔ غرض دکان خوب آراستہ ہے اب ملاحظہ فرمایئے کہ اس دکان میں ہے کیا؟ مصور فطرت حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی مدظلہ کا مبارک مرقع ہے دوست کی تصویر ہے ہمیں مرغوب کیوں نہو۔ دوسری جانب بعض اولیا کے روضوں کا نقشہ ہے یہ بھی برکت سے خالی نہیں۔ اسکے بعد کیف بیخودی قدرت سے التجا ہے۔ التجا میں "تو کون" "میں کون" کی تکرار کے ساتھ خالق اور مخلوق کا مقابلہ ہے۔ خالق سے فرمائش کی جاتی ہے کہ تیرہ سو برس اُس طرف تو لے ایک شخص کو عرب میں پیدا کیا تھا ویسا ہی ایک شخص ہندوستان میں پیدا کر اور اپنی تمام خوبیاں اُسے دے ڈال۔ یہ دعا یا التجا تو ہے نہیں کسی پیمبر یا ولی نے کبھی ایسی دعا نہیں مانگی۔ ہاں گستاخانہ حکم ہے۔ اللہ ری بیخودی اور کیف متجی صاحب بیخودی میں اللہ میاں کو اپنا کوڑیا غلام سمجھنے لگے۔ ادب قاعدہ تعظیم و توقیر سے تعلق رکھے اُنکی بلا۔ پھر اسی بے تکلفی اور بے ادبی کا طومار "علم و عمل" کے عنوان سے جو مضمون ہے اُسمیں بھی موجود ہے۔ بے حاصل ان دونوں مضمونوں کا حاصل ہے لفظی و معنوی خوبیوں سے دونوں مضمون معرا ہیں یعنی دین سے کوئی لگاؤ نہ دنیا سے کوئی سروکار۔

دُنیا ہے مقلدین کا مجموعہ اگر یہی روش دوسروں نے اختیار کر لی تو عظمت خداوندی کا لحاظ لوگوں کی بھول جائے

جلد نمبر ۳۱

مضامین

بابت ۱۹ اگست ۱۹۲۹ء

نقاش الظرفا

ملک اطالیہ کا منہ رجو ذیل نقشہ مسٹر کوبٹ نے پیش کیا :۔

اب کہ سسلی "جیسا کہ میں نے کہا بحر قلزم کا ایک جزیرہ ہے اور دولت نیپلس کا ایک حصہ قرار پاتا ہے"۔ اطالیہ ایک بوٹ سے مشابہ بتایا گیا ہے۔ اور سسلی کے اس حصہ میں پنجہ کی نوک کی ٹھوکر لگتی ہے جس کا نام لینا منافی تہذیب ہے۔

اپنے داہنے پاؤں کو بائیں گھٹنے پر رکھو اسکے بعد دیکھو کہ بوٹ کی پنڈلی بحر قلزم کی حد بندی کرتی ہے ٹلی اور ایڑی (ایڑی کے اوپر کا حصہ۔ پچھاڑا) خلیج ٹرنیس

۲......تمام حصہ پنجوں سے لے کے پنڈلی تک نیپل کے تصرف میں ہے اور شہر نیپل دریا کی سمت ہے یعنی پاؤں کے درمیانی نچلے حصہ میں۔ بعد ازاں پاپائے روم پنڈلی کے حصے سے ایک ٹکڑا پاتا ہے جو گھٹنے کے اوپر تک پہونچتا ہے اور جو ایک پگڈنڈی بناتا ہوا جانگھ (ران) کے قریب کے حصہ تک پہونچتا ہے۔ دوستو روما کا شہر اسی پاپائی ٹکڑے میں آباد ہے۔

پیڈمانٹ جو بادشاہ سردانیا کے قبضۂ اقتدار میں ہے پاپائی حصہ کے شمالی سرحد سے شروع ہوتا ہے اور بحر قلزم کے شمالی سمت لنگڑاتا چلا جاتا ہے۔ اسکے ایک پہلو میں فرانس اور سوئٹزرلینڈ کا تھوڑا سا کونا ہے۔ اور دوسرے کنارے میں ملک کا وہ حصہ ہے جو آسٹریا کی عملداری میں ہے یہ قطعۂ زمین ران کے نیچے سے گزرتا ہوا لنگ کے پیچھے جاتا اور پاپائی ٹکڑے کی حد بندی اس مقام پر کرتا ہے جہاں پر نیپل کی سلطنت ختم ہو جاتی ہے۔ جب بوٹ مسطح رکھا ہو کہ اسکا سرا شمال بمغرب کی سمت اشارہ کرتا ہو تو وہ تمام حصہ جو پاپا کی عملداری سے بالا ہے شمالی اٹلی کہلاتا ہے اور جیسا کہ بخوبی معلوم ہے تمام یہ قطعہ پاپا کی عملداری کے پاشنہ کوب ہوتا تھا اسی زمانہ میں نپولین اعظم کی عظیم الشان سلطنت کا ایک چھوٹا سا جزو تھا اور شاید کہ یہ سلطنت اب تک اسکے خاندان کے زیر اقتدار رہتی اگر اسکے وارث دیہان شہنشاہ آسٹریا کی ناکندہ کا بھیری کو نہ لیتا۔ جسکے لیے وہ نہ صرف اپنے زوال اور بربادی و تباہی کا سزاوار ہی تھا بلکہ اپنی تمام ذلتوں اور فضیحتوں کا بھی۔

ناظرین باخرد! جب آپ نپولین کے شکست خوردہ حامیوں کی قسمت ہی کوشش کا اندازہ کرنا چاہیں تو آپ اپنا داہنا پاؤں بائیں گھٹنے سے وصل کرکے قینچی نما بنالیں۔ اگر جناب کی رانیں کوہ البرز کی سگی بہنیں نہ ہوئیں تو پھر کسی نقشے کی انشاء اللہ ضرورت نہو گی بلکہ سرزمین جنگ کا ایک کمل نقشہ دونوں ٹانگوں کے درمیان آجائیگا اور آپ جغرافیہ کی منزلیں بآسانی طے کر لینگے چنانکہ گفتہ اند سے

اطلاع نامہ بنام دائنان نسبت تعین تاریخ سماعت درخواست دیوالیہ

(دفعہ ۹ ایکٹ نمبرہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر مقام ہردوئی۔

درخواست دیوالہ نمبر ۹۷ ۱۹۲۹ء

مقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی ڈھر ولد خوشحال قوم کاچھی ساکن ہردوئی پرگنہ بنگر۔

بنام مہاجناں

ہرگاہ مسمی ڈھر مذکور نے عدالت ہذا میں بذریعہ عرضی مورخہ ۷ ماہ اگست ۱۹۲۹ء درخواست کی ہے کہ وہ حسب منشاء ایکٹ دیوالیہ نمبرہ ۱۹۲۰ء دیوالیہ قرار دیا جاوے اور تمہارا نام فہرست دائناں میں جو مدیون مذکور نے داخل کی ہے پایا جاتا ہے لہذا تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ ۲ ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء واسطے سماعت درخواست مذکور الصدر اور لینے بیان مدیون کے مقرر کی ہے۔ اگر تم کو اس معاملہ میں پیروی کرنا چاہتے ہو تو اصالتاً یا بذریعہ وکیل جو حال مقدمہ سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو مع ثبوت حاضر ہو۔

آج بتاریخ ۷ ماہ اگست ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

خط اسرارما زل - ما زاد خانہ صاف

ہر کہ عینک نہد از آئینہ ز انو ہا

(ترجمہ) معمورۂ جغرافیہ
"شمس الہدیٰ"

بالے پن کا بیاہ اور منطق آرا بیگم

شنو صاحبہ جن کے پاس خدا کا دیا ہوا کوئی ٹانکا ٹوٹ ڈنڈی کا نکلا ہوا قانون تھا۔ نہیں انھیں بے شک اپنی ضرورت کے اعتبار سے قانون بنا لینا چاہیے کہ کبھی پوری ہو جائے ضرورت اڑی نہ رہے۔ مگر مسلمانوں کے پاس ایک کمل قانون موجود ہے اور اسمیں منطقی خدا اسلے کورٹ کورٹ کے منطق بھری ہے تو اب کسی نئے قانون قاعدے کی ضرورت نہیں۔ آجکل [illegible] ہوا ہے اور سلامتی ہے

(چسپت عوام فروخت کے لیے)

سمن لغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد اور مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۳۱

بعدالت جناب چودھری محمد علی صاحب آنریری اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول ردولی مقام ردولی

لالہ پرشوتم داس ولد رام داس قوم اگروال ساکن ردولی تحصیل رام سنیہی گھاٹ ضلع بارہ بنکی .... مدعی

بنام شمس الدین .... مدعا علیہ

بنام شمس الدین ولد حافظ عبدالغنی ساکن قصبہ ردولی محلہ پورہ ملک قصبہ ردولی پرگنہ ردولی ضلع بارہ بنکی۔

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت دفعہ ۱۷ ایکٹ لگان کے دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ستائیس ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء وقت ۱۰ بجے بمقام قصبہ ردولی اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دیسکے حاضر ہو اور جواب دہی دعوے کی کرو۔ اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر تیز جملہ دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بلغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲ ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

نرغہ کیا کہ ولیمہ ہونا چاہیے۔ یہاں مہر کی رقم کے سوا تھا ہی کیا ایکسو روہ ہم شاگردوں نے اپنے قبضے میں کیے۔ دُنبہ اسے خود ہی ذبح کیا خود ہی پکایا خود ہی سب نے بیٹھ کے نوش جاں کیا۔ شام ہوئی مولوی صاحب نے اپنا خاص حجرہ دولہا دولھن کے حوالے کیا خود مسجد میں جا کے سو رہے اور تڑکے وہ گھر سے پانی کے حجرہ حجرہ کے دروازے پہ آواز دی۔ کہو بھائی ہو گیا اولاد کی جاہ وقت الصلوۃ (نماز تیار ہے)۔ نماز کا وقت ہے دولھن دولھا نے غسل کیا۔ نماز پڑھی۔ گویا کوئی نئی بات ہی نہیں ہوئی۔

ہندوستان میں نکاح بیاہ ایک عظیم مرحلہ سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے دقتیں بڑھ گئی ہیں۔ اس قصے کو غور سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان امور میں قدرت نے جو سہولتیں رکھی ہیں اسلامی قانون میں ان سہولتوں کی رعایت موجود ہے۔ اور ایسی حد بندی کر دی ہے کہ مرد ہو یا عورت جو کوئی اسکے خلاف جانے کا ارادہ کریگا وہی بھٹکتا پھرے گا۔ سب سے بڑی رسوائی تو یہ ہوگی کہ دین کا افلاس ظاہر ہوگا لوگ کہیں گے واہ اونچی دوکان پھیکا پکوان۔ بڑے دعوے کرتے تھے ہمارا دین ایسا کامل ایسا اکمل مگر جس چیز پر آج دنیا کی آبادی کا دارومدار ہے یعنی شادی بیاہ وہی ادھورا ہے۔ دوسروں سے عقل اور قانون کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔

(باقی آیندہ)

اتحاد

کیا تھا کہ جبل اس دلِ سوزاں کی خبر آج

دار جنگ میں ایک مشاعرہ ہوا بڑے بڑے نامی و گرامی سخنوروں نے طبع آزمائی کا ارادہ کیا چنانچہ حقیر نے بھی چند شعر طبع شریف کے سانچے میں ڈھال لیے اور حسب معمول اُستاد صاحب کی خدمت میں برائے اصلاح ارسال کیے۔ خوبیٔ قسمت سے غزل جب دستیاب ہوئی جبکہ مشاعرہ کا چالیسواں تک ہو چکا تھا چنانچہ اس غزل کو فاتحہ کا توشہ سمجھ کر ولاتا پنچ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کیونکہ نومبر سنہ گزشتہ سے جو غائب ہوئے تھے تو آج تشریف لائے ہیں اور لطف یہ ہے کہ عذر غیر حاضری ندارد مجبوراً مجھکو تو کچھ نہ کچھ خاطر کرنا ضروری ہے اور غزل ارسال خدمت کرتا ہوں اب آپ اسکو اپنے جمال جہاں آرا کا نذرانہ تصور فرمادیں یا فاتحہ کا کھانا۔

منہ مڑ گیا جو آپ کے خنجر کی دھار کا
ہے جان من قصور سراسر لوہار کا
آیا دہانہ سنگترے کی بہار کا
دل میں خیال آگیا رخسار یار کا
جب میں پکارتا ہوں تو کہتا ہے یار کا
کمبخت ساتھ ہو گیا کیسے گنوار کا
المختصر یہ زلف صنم کی مثل ہے فنکل
عشاق اُسکو کہتے ہیں بچہ ہے مار کا
کیسیں نکالیں بوسۂ رخ کے سوال پر
انکا تھا سیب دیدیا دانہ انار کا
نُمدِل رقیب کا نہ ہو پیغام کیوں خطا
آئے خیال تیغ نظر کی جو دھار کا
پالے میاں کی شکل سے آئے وہ بام پر
غل ہر طرف سے ہونے لگا دھم دھار کا

اُلفت کے انڈے دیتا ہے مرغ سحر جو روز
ہوتا نہیں گرہ کہ وہ ہے شاید منار کا
اک مجھونی نے آکے یہ کل شام کو کہا
مضمون رام روتسا سنادے پیار کا
پھولوں کا ہار ڈال کے نکلے گلی میں وہ
لونڈے پکارے اُٹھے اُبٹے فصل بہار کا
جو جاشنی وصل سے واقف ہوا کبھی
بھولا وہ سارا ذائقہ میٹھی اچار کا
اُجرت یہ واد واہ کی مضمون نہ گا نکلیے
سیکھا طریقہ آپ نے شاید چمار کا
دریا میں آگیا مجھے زلف صنم کا دھیان
ٹھورا لپٹ گیا جو کمر سے سیوار کا
دیوانہ پن سے رویا جو میں کرشیا تک میں
بس چلا جھورا نام ہوا آبشار کا
ہم گھوم کے پلٹ بھی گئے گھوم گھام کے
لیکن پتہ ملا نہ کہیں کوسے یار کا
اب ہم نے اک صنم سے لگایا ہے اپنا دل
قصہ کہاں کا ہم تو چلے اب بہار کا
ہے شرط انکی چپل میں دیدیجیے نقد دل
کیونکر نباہ ہو متبسم ادھار کا

مرزا عالیقدر متبسم تلمیذ حضرت ظریف لکھنوی
از کوہ دار جلنگ

لہ برائے لوٹ کسی مرشی والے سے درخواست کرو۔
ٹہ بھوٹان کی باشندی
ٹہ ریپ رنٹ یا زبان)
ٹہ پیار مرکب سولی ادیار کا لینی العنت دھوٹیا زبان)
ٹہ نقل کفر کفر نباشد
ٹہ پشمینۂ آبی۔
ٹہ ایک پہاڑ کا نام ہے اُسی کے متصل ایک نہایت دلفریب آبشار ہے جسکا نام Panlajhara water fall ہے۔
ٹہ ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا آٹھ ہزار فٹ اپلی ٹیشن Elevation ہے اسپر ایک ریلوے اسٹیشن ہے D.H.R جو کہ دنیا کے اسٹیشنوں سے بلند تر ہے۔

متبسم

سوانح امیر مینائی

جامع کمالات حضرت امیر مینائی رحمہ کی سوانحعمری اور ان کے جانشین حضرت جلیل کے قلم سے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب کس مرتبے کی ہوگی۔

انتخاب میں ایسا زبردست کلام پیش کیا گیا ہے جس کی نظیر دنیا ہے اُردو میں نہیں مل سکتی۔ اور رہبر تصنیف پر مولف نے جو محققانہ ریویو لکھا ہے وہ نور علے نور کا حکم رکھتا ہے۔

لکھنؤ کی شاعری کی بلند پائگی و منزلت کا ثبوت نمایاں طور سے جس نے دیا ہے وہ یہی کتاب ہے قیمت دو روپیہ

المشتہر

سید انورالدین عتیق بیگان نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل محلہ سلطان پورہ حیدرآباد دکن

لارڈ ارون۔ اپنا دل دکھانے آیا ہوں۔ کمبخت ہندوستانیوں کی بغاوت گھسی ہوئی ہے"

مسٹر ریمزے میکڈانلڈ "ہاں جناب آپ کا دل صاف ہے۔ نئے نئے قانون کی رگڑ سے یہ تصویر مٹ جائے گی"

دہلی زبان کا لکھنؤ والوں کے سامنے
انداز بیان مضحک لکھنے والوں کے سامنے

یہی مشکل سے سمجھ میں آنے والی بات گویا کہ ... دراصل عجیب تماشا ہو رہا ہے کہ اہل علم کیونکر بسر کرتے ہیں جہاں کسبیوں اور بھڑووں کی چڑھی بارگاہ ہے۔ ایسے ایسے مولوی موجود ہیں جو نکاح میں مہر کو غیر مشروط قرار دیتے تھے ایسے نالائق جو نکاح کیطرح طلاق میں ایجاب و قبول کرتے ہیں۔ ایک کہتا ہے وہ دوجہ موکل طالق ہے اور جناب آغا مولانا ... فرماتے ہیں مختلعہ طلاق لے سکتی ہے حالانکہ طلاق میں یہ کلمہ عربی کو دخل ہی نہیں ہوتا۔ (نواب صاحب اور اُن کے نامعقول دربار کا ایک عجیب مجموعہ لطائف ہیں ارادہ ہے کہ ہم سلسلہ وار ان کی اشاعت کریں۔)

علی ہذا القیاس جناب خورشید مینائی اور اُن کے دوسرے بھائی بھی اُردو کی اس خدمت کی طرف متوجہ نہیں ہیں حالانکہ یہی غریب اُردو ہے جو ہر فرد خاندان کے بلند نامی کا ذریعہ ہوئی۔ آپ کہیں گے کہ لکھنے بیٹھے کتاب کا ریویو اور شروع کر دیا اولاد پر تبصرہ۔ مگر حضرت زادگان طبع کے ساتھ ہی صاحبی اولاد کا تذکرہ ہمارے نزدیک ضروری تھا۔ خوشامد ہمیں نہیں آتی صاف صاف کہتے ہیں چاہے کوئی خوش ہو یا نہ ہو۔

اتا گے

"جناب خفاش کرانی (کیمل دکن) تحریر فرماتے ہیں:-
آپ کے جہل کو علم سے بدلنے کے لیے لکھنی ہے کہ "اتا گے" ایک کلمہ ہے جو مدراس پریسیڈنسی اور ممالک محروسہ سرکار نظام میں عام طور پر مروج ہے۔ اسکی اصلیت اور وطن کا حال معلوم نہیں۔ مگر کیا مجہول النسب دُنیا میں نہیں ہیں؟ جہاں سیکڑوں ہیں وہاں ایک یہ بھی سہی۔ اینجانب نے خبرے کی تحقیق و تفتیش و تصدیق میں اتنی ہی خاک بیزی کی جتنی کہ حضرت ڈارون نے انسان اور بندر کے درمیانی سلسلے کی۔ اب جس روز تصدیق متعین زمانہ انسانی و حیوانی سلسلے کی کڑی ملجائیگی اُسی روز "اتا گے" کا علم بھی درست ہو جائے گا۔

تگے استعمال کی تفصیل سُن لیجیے۔ لفظ ہے زنانے محاورے کا۔ گھروں والے بچے اور مستورات ... میاں بھی کبھی کبھی کہہ بیٹھتے ہیں۔ یعنی جب فرط بیخودی سے آغوش مادر یا پہلوئے زوجہ عنبر کا فرق یاد نہ رہے۔

کسی بچے کو بخار گا تعویذ دیجیے تو ضرب اول کا جواب ہوگا "اتا گے" یعنی فریاد۔ الغیاث۔ اور کبھی العفو۔ آہ۔ کہیں اچانک سانپ نکل آئے یا بندر گود پھرے یا کوئی غیر متوقع سانحہ رونما ہو تو اُسکا اظہار "اتا گے" سے کیا جائیگا۔ حجام فصد کھولے یا زخم سے خون زیادہ نکل جائے تو مرہم جراحت "اتا گے" ہوگا۔ کوئی مرجائے تو بین کرنے والیوں کے سارے مرثیے سننے والے کی سمجھ میں صرف یہی لفظ آسکتا ہے "اتا گے"۔

میاں بی بی خلوت میں ہوں تو "اتا گے" کے جواب میں "اتا گے" بتکرار شعا جا سکتا ہے۔ کوئی بلند مینار یا گہرا غار دکھائی دے تو "اتا گے" سے اُسکی پیمائش کی جائے گی۔

الغرض طالب علم کی لنگی اور اتا گے ایک ہی نسل سے ہیں۔ اتفاقاً ایک طالبعلم نے لنگی درخت پر سکھانے کے لیے ڈالدی جھکڑ جو چلا تو لنگی سقف برہنہ کی ستر پوشی کرنے اڑ بھاگی۔ طالب علم نے مولوی صاحب کو عرضی لکھا۔ "خداوند نعمت۔ اس حقیر کے یہاں چوری ہو گئی۔ ایک عدد جزدان۔ ایک راس عمامہ ایک تہ انگرکھا۔ ایک نوالہ دسترخوان۔ ایک جلو دست پاک۔ ایک اوٹ پردہ ایک پوشش چادرہ۔ ایک سایہ خیمہ ایک کروٹ فرش خواب۔ ایک لپیٹ پٹکا۔ ایک پھانسی گلوبند۔ ایک جذب تولیا۔ ایک گردش فلاخن (گوپھن) ایک جنبش پیرہم۔ ایک بالش تکیہ۔ ایک قدم پاانداز ایک پھیر لنگی۔ مع آرب اُخروی کوئی دشمن آبرو اُڑا لے گیا۔ تدارک معقول عمل میں لایا جائے"

مولوی صاحب بیچارے اپنی غفلت انتظامی پر گھبرائے کہ دارالاقامہ میں آجتک ایک تنکا بھی ادھر سے اُدھر نہیں ہوا تھا مگر یہ کون بادی چور رہے جسنے لوٹ غریب شاگرد کے مال پر دست بردی کی۔ طالب علم سے کہا میاں صبر کرو میں فکر میں ہوں۔ سر دست یہ لو ایک دری ہے بچھاؤ۔ ایک چادر ہے اوڑھو۔ ایک دسترخوان ہے روٹیاں باندھو۔ ایک چھتری ہے دھوپ بچو۔ ایک لنگی ہے نہاؤ اور باندھو۔ ابھی تقابض البدلین کا مرحلہ طے نہوا تھا کہ ہوا نے اپنی چوری آپ ہی کھول لی۔ لنگی کروٹیں بدلتی چھت سے نیچے آرہی اور شاگرد صاحب نے چھوٹتے ہی نعرہ مارا "مل گیا سب مال مل گیا"

مولانا پنچ کیفیات وجدانیہ یا انبساط و انقباض طبیعت کے اظہار کے جتنے کلمات کسی زبان اور لغت میں ہیں وہ سبکے سب ہمارے دکھنی بھائیوں کے "اتا گے" میں مستتر ہیں۔ تعجب ہے کہ خاقانی الوقت ہونے پر بھی آپ کو "بوسانی" کی حقیقت بادنجان کی شکل میں نظر آئی۔ "اتا گے"

"خفاش کرانی"

مولانا پنچ کی نوٹ بک
نرم دلی کا عظیم الشان رسہ

اب تو جو کوئی کابل پر حکومت کرنے جاتا ہے وہ مقیم ہو جاتا ہے۔ یہ نیا اسکول کھلا۔ پہلے امان اللہ خاں صاحب بادل ناخواستہ اپنے خیر خواہوں کو باقتضائے نرم دلی نرغۂ اعدا میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ خونریزی کا تماشا مینو، دیکھا دل خون ہو گیا پھر بھی آنکھوں میں خون نہ اُترا آخر تابکے کُشتۂ زخم خوردگان محبت کو یہ کہتا چھوڑ کے جائے ؎

نہ کیا ذبح گیا چھوڑ کے بسمل قاتل
دہن زخم پکارا کیا قاتل قاتل

اب سردار عمر خاں صاحب بھی راگ گاتے ڈھول بجاتے کوروں بھاگتے "ہندوستان واپس آئے ہیں کہ یہ ایسے ہے کن آنکھوں سے خون کی دھار دیکھوں" عمر خاں کا ہے کو اپنے وقت کے کدر پیا ہیں ؎

میں تو نئی بر تیا کیسی رے۔ میں تو نئی بر تیا
میں کیا جانوں گتیاں کا یہی مہوت

کدر پیا اب صنعت نہیں۔ پہلے تو موری گت پٹ لینی رے۔
راویان بذلہ سنج ناقل ہیں کہ سردار عمر خاں صاحب کو لڑنے بھڑنے کی توفیق اسوجہ سے نہ ہوئی کہ ایک افغانی

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحکہ امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گرہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ وہ کم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلئے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جہت۔ رائے کی اصابت بہ روئے درعایت نکتہ چینی صحیح نطق واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اُس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بناءً بر ایں ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گُھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جو اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے منیجر پنچ وابستی تحریر بہ مجوزہ دیا ہے

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تفضیح اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۳۲

مضامین

بابت ۲۶ اگست ۱۹۲۹ء

الخفاشیات

طرح - مل گیا آخر مری اُمید کا حاصل مجھے

دل سی شے دینے سے اسکو یہ ہوا حاصل مجھے
جک کے بدلے ہیچ داہا نت کا پہونچا بل مجھے
یاد آتا ہے ہُوا سے اڑنا اسکے ساتے کا
جل - نہ دل کر دیر - دکھلا لا جبر منزل مجھے
ڈانس میں جانا ہے بیکو اور کچہ ہال میں
بولی بیٹی باپ سے - دو دیجیے سیکل مجھے
جس گھڑی میں چاہوں مل سکتا ہوں بنکر آرٹسٹ
یہ اشارہ ہے جو بیجا اسنے ڈاکیو ڈل مجھے
کارڈ کے ہمراہ بھیجا - خاص نمبر جیسے ہی
آ پکڑ کر ہاتھ - گھر میں کرلیا داخل مجھے
پیٹ کر سر یہ عدو کہتا ہے اب میں کیا کروں
خفا میں ہے اسنے لکھا الٰی ڈیر انکل مجھے
تیرے قرباں خالق صنعت کہ تو نے ہے دیا
گال پر اک تل اسے اور سینہ میں اک دل مجھے
اس سے پوچھوں گا بچا دام پولس سے کس طرح
حشر میں گر مل گیا نا سود مرا قاتل مجھے
سوز ہجراں کی دعا اس سے جو میں نے کی طلب
کی حوالہ اسنے سینکڑوں کی نور ساتل مجھے
گود میں بچہ کو لے کر اس نے مجھ سے یوں کہا
مل گیا آخر مری اُمید کا حاصل مجھے
جلوہ ریزی کی جگہ جلوہ نمائی کہہ گیا
سنتے ہی اس شیخ نے ہنس کر کہا جاہل مجھے
شیوہ ہائے مختلف کا اسکے منت کش ہوں میں
فارگیو اینڈ فارگٹ پر کردیا عامل مجھے
حرف رکھوں تا نہ میں خفاش انکے نقص پر
جو ہیں خود ناقص بتاتے ہیں وہی کامل مجھے

راقم ——— خفاش کرمانی

گلابی رموز

(تخمیس بر غزل نقیب الشعرا)

ادائیں کیا یہ تر میں کا قلانہ یا ادہم ہو   یہ نظریں ہیں تمہاری کہ ربابا دلربا تم ہو
کہوں کیا کچہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیا تم ہو   ستم پیشہ جفا جو تم مری کیوں کر ہی یا تم ہو
یہ عادت ہے تمہاری جبر کی یا بیوفا تم ہو

ہوا ہے حقہ پانی بند کسکی آنے جانے سے   تمہاری ہی محبت چھوڑا ہے گھر نے
یہ کسکے گھر چلے ہو چھوڑ کر مجکو بہانے سے   کسیکی چال جب بکتی ہے کل منہ چھپانے سے
[illegible]

ذرا ٹھہرو کہاں جاتے ہو پہچانا ہوا تم ہو
سُنائیں ناظرین پنچ تم کو اک نیا قصہ   معما یا شبکو میرے گھر تو بس میر بیٹا کہتا
اٹھائی جب ایک پرش سے میں لیتا   یہی تکرار تھا بیوفا پرات بھر کیا کہا
کبھی اُسنے کہا تو ہے کبھی میں نے کہا تم ہو
میاں پنچ اور اک اچھا سا قصہ ہے سنو   سنو سنکر شیخ شکر [illegible] خیانت بیٹھے
گیا میں گھر مرا اک [illegible]   نظر ملتی ہی [illegible] سنبھلکر پھر [illegible]
ہنسے ہنسکر اٹھے اٹھکر ہے چھپکر کہا تم ہو

راقم ——— الف میم ضمدان فتحپوری

عرضِ حال

چھوڑا ہے پلیر یانے جُرم کر کے
پھر زندہ ہو رہا ہے بندہ مر کے
ہے کچھ دن اور خدمت پنچ بدی
رہتا ہے نام خادموں میں در سکے

سمن لغرض انفصال مقدمہ

(نمونہ قابل فروخت)

جناب [illegible] صاحب آنریری منصف پرگنہ شمس آباد کیمپ ضلع فرخ آباد

سمن بنا بر انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ - قاعدہ ۱ و ۵)

نمبر مقدمہ ۱۰۷ سنہ ۱۹۲۸ء

بعدالت آنریری منصفی پرگنہ شمس آباد کیمپ ضلع فرخ آباد

رام داس و رام پرشاد و لبستہ ولد پاتقان و رام رتن و رام رچھپال نابالغان بولایت رام داس برادر حقیقی خورد پسران [illegible] اقوام رستوگی ساکنان شمس آباد ضلع فرخ آباد مدعی

بنام

بدھی ولد جھیدا قوم اہیر ساکن جھیدا نگلہ منزرعہ موضع ڈھالی و میکا ولد تجا قوم کوریہ ساکن نگلا ورنج منزرعہ موضع ڈھالی پرگنہ و تحصیل جلال آباد منصفی تلہر ضلع شاہجہان پور مدعا علیہ

ہرگاہ مدعیان نے تمہارے نام ایک نالش بابت [illegible] کے دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۵ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء وقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ کی کرو - اور ہر گاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تمکو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز تمام دستاویزات جن پر تم اپنی جوابدہی کی تائید میں استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز پیش کرو - تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا -

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۹ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا -

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سمن لغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۱۱ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت جناب سب جج صاحب بہادر ملیح آباد لکھنؤ

خبر لال عمر تخمیناً ۴۵ سال ولد بھوشاہ قوم بھوجی ساکن موضع چندسا نواں پرگنہ گرسی تحصیل فتحپور ضلع بارہ بنکی مدعی

بنام

مسماۃ شیو راج کنور .... مدعا علیہ

نام مسماۃ شیو راج کنور عمر تخمیناً ۴۵ سال بیوہ لال بہادر سنگھ قوم ٹھاکر ساکن موضع [illegible] پرگنہ موہونہ تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت [illegible] کے دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۷ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوا ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعویٰ کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو -

مطلع رہو کہ اگر روز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا -

آج بتاریخ [illegible] ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا -

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

حکم دیا جاتا ہے کہ بیان تحریری تاریخ [illegible] ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء تک [illegible] وقت کچہری بدفتر جناب سب جج صاحب بہادر ملیح آباد ضلع لکھنؤ ۱۰ بجے سے [illegible] تک -

بقلم جگموہن لال [illegible] منشی [illegible]

حاصل ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ جب وزن کی قید ہم بھی تو آپ نے یہ مصرع اصطلاح تحریر کیوں نہ فرمایا۔ اور زیادہ توضیح ہوجاتی۔

اب اقرأ باسم ربک الذی خلق
خلق الانسان من علق لے کر

دوسرے موقع پہ ارقام فرمایا ہے۔

مجلس کر شیخ ہوجاتی ہے جب چھاتی چٹانوں کی
ہم آغوشی ہوا کرتی تھی ان سے بے زبانوں کی

اس بیت سے واضح ہوگیا کہ آپ کو عام اشیاء کے خواص اثرات سے بھی کیا حقہ آگاہی ہے واقعی مجلس کا شیخ ہوجانا کس قدر کھلی ہوئی بات ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

نہیں تھا دامن کعبہ پہ زمزم اشک جاری تھا
چٹانیں دم بخود تھیں وادیوں پہ ہول طاری تھا

آپ پر معانی و بیان کا بھی خاتمہ ہے۔ سبحان اللہ ایسی تشبیہ دیکھی و سنی۔ چاہ زمزم اشک جاری کی کس قدر صحیح تصویر ہے۔ اور وجہ شبہ تو اظہر من الشمس ہے ایک مقام پہ فرماتے ہیں۔

زمیں انگارے اگلی آگ برسی آسمانوں سے

میرا خیال ہے کہ اگر آسمانوں کا چٹانوں سے جوا گلے مصرع میں ہے تعقیبہ منظور نہ ہوتا تو آپ یہ مصرع یوں نظم فرماتے ؎

زمیں انگارے اگلی آگ برسی آسماں سارے

غرض زبان کا تو کہنا ہی کیا۔ اگر صحیح طور پر تنقید کیجائے تو اللہ ہی اللہ ہے۔

میں نہ مضمون نگار ہوں نہ شاعر نہ لیاقت علمی کا علمبردار۔ پنجاب و دکن کو اُردو کی خدمت کے لحاظ سے ہندوستان کا شاہ و شہنشاہ سمجھتا ہوں۔ ادنی مسلم ہوں اور دردِ قومی سے تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں۔ میری فریاد پہ لبیک کہنا ہر اُس اُردو کے خادموں اور محسنوں ہی کا فرض ہے۔ اگر میری یہ داد و بیداد کیا از روے غبطہ ہی ہو تو مجھ پر لعنت بھیجیے ورنہ خدا کے واسطے خود فرمائیے کیا کوئی تعلیم یافتہ آدمی رہا ہی نہیں۔ سر عبدالقادر۔ سر اقبال آقائے ظفر علیخاں۔ حکیم احمد شجاع۔ مولانا سالک۔ نور الٰہی محمد عمر صاحبان۔ مولانا سہا۔ علامہ تاجور۔

ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ مسلم یونیورسٹی کا ممتحن بنایا جاسکتا۔ حضرت حفیظ کے پرجوش گیتو کا انعام ان کا خطاب "ابوالاثر" کم نہیں۔ اتبک خاص تھا آیندہ سے عام مسلمانوں کی جانب سے سہی۔ انھوں نے شاہنامہ خوب لکھا ہوگا۔ اس کا وہ صلہ بھی جو بدقسمتی سے فردوسی کو نصیب نہوا۔ میں خوش اور واللہ بہت خوش اسلیے کہ قوم کی قدر دانی ہی سے قوم کو عروج میسر ہوتا ہے۔ مگر بیچارہ مسلمانوں کے گلے پر چھری پھیر دیجیے اگر آپ مسلم یونیورسٹی سے بی۔ اے کے طالبعلم ایسے نکالیے گا۔ جن کے ممتحن حضرت حفیظ ہوں گے۔ تو ان کی اُردو دانی معلوم۔

کیا یہ صداے نحیف مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد کے سماعت والا تک پہونچ سکے گی۔

واثق شادانی رام پوری

پنچ۔ اے حضرت یہ موقع بڑھیوں کی طرح افسوس کرنے کا نہیں۔ بلکہ دیوانوں کی طرح قہقہے لگانے کا ہے۔ بایں معنی کہ ہماری یونیورسٹی مستند اور منتخب معدنہ کا سنہ استادوں کی احسان مند نہیں رہی اور اگر یہ قول صحیح ہے کہ حکومت ہند و یونیورسٹی کے "ال ای" کو مسلم یونیورسٹی کے "بی ای" پر ترجیح دیتی ہے تو یہ بھی محل شکر ہے۔ کم از کم یہ تو ہوگا کہ مسلمان نوکری کے طوق غلامی سے آزاد ہوجائینگے۔ ورنہوں پہ تاؤ دے کر کہہ سکینگے۔ "ہمیں ابالی ہی بھاتی ہے۔ ہندو سرکاری غلام ہیں۔ ہم نہیں ہیں۔"

اب رہا زبانِ اُردو اور اسکے ممتحن کا مسئلہ۔ خداوند نعمت! بیرونی حضرات دہلی اور لکھنؤ کی مرکزیت و استناد کی جڑیں اسیوجہ سے روز کھود رہے ہیں کہ ہنرمنداں ببیرند و بے ہنراں جاے ایشاں گیرند۔ اب اُردو کا مستند ماہر وہی شخص ہوسکتا ہے جو چند بھندیت یا بھاٹے جمع کرے اور اپنی شان میں نغز قواعد چھپوا تا رہے۔ محض دعوی استادی کافی ہے۔ محنت کی ضرورت نہیں۔ صاحب محنت کرے تو انکی بلا جب کہ یونہی دنیا انھیں معنی آفرین اور جدید زبان ماننے پر مستعد ہے۔ یہاں تک یونیورسٹی ...

اطلاع نامہ بنام مدعا علیہ نابالغ و ولی

بعدالت دیوانی عالیجناب مولوی خورشید حسن صاحب جج ماتحت بہادر بریلی
مقدمہ نمبر ۹ ۷ سنہ ۱۹۲۹ء

فرم جگناتھ منی لال واقع کانپور بذریعہ منی لال منیجر قوم ویش ساکن محلہ نیا گانوں شہر کانپور ... مدعی

بنام

مساۃ بلاسہ وغیرہ .... مدعا علیہ

بنام مساۃ بلاسہ بیوہ بلورام فاتر العقل قوم ویش ساکن قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی مدعا علیہ نابالغ

ہرگاہ مقدمہ مندرجہ عنوان میں مدعی نے ایک درخواست گزرانی ہے کہ مدعا علیہ نابالغ کا ایک ولی دوران مقدمہ مقرر کیا جائے لہٰذا تم نابالغ کو اور تم مسٹر عبدالمجید صاحب وکیل کو اسکے ذریعہ سے اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر تعمیل اطلاعنامہ ہذا سے تا ۲۰ ستمبر سنہ ۲۹ء لغایت کے اندر ایک درخواست اس بات کی نسبت تمہارے یا تم مسٹر عبدالمجید صاحب وکیل نابالغ کے بحیثیت ولی دوران مقدمہ مقرر کیے جانے کی نہ گزرا تو گئے تو عدالت کسی اور شخص کو نابالغ مذکور کا ولی واسطے اغراض بیقدمہ کے مقرر کرے گی۔

مسٹر عبدالمجید ادھی وکیل ہردوئی تمہارے ولی مقرر کیے گئے ہیں تم کو کیا عذر ہے۔

آج بتاریخ ۱۳ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم سخط انگریزی

وقت حاضری بدفتر صاحب جج صاحب بہادر بریلی ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

... برائے تنقیح غالب قرارداد امور

مقدمہ نمبر ۹ ۷ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت دیوانی عالیجناب مولوی سید خورشید حسن صاحب جج ماتحت بریلی

فرم جگناتھ منی لال واقع کانپور بذریعہ منی لال منیجر قوم ویش ساکن محلہ نیا گانوں شہر کانپور .... مدعی

بنام

مساۃ بلاسہ وغیرہ .... مدعا علیہ

بنام مساۃ بلاسہ بیوہ بلورام فاتر العقل بولایت مسٹر عبدالمجید صاحب وکیل ہردوئی قوم ویش ساکن سندیلہ پرگنہ و تحصیل سندیلہ ضلع ہردوئی ... مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت مبلغ ... بربناے حساب بہی کھاتا دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۵ ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء بوقت ۱۰ بجے دن بر اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو ساتھ لاؤ۔ اطلاع رہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۳ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بدستخط انگریزی

وقت حاضری بدفتر جج صاحب بہادر بریلی ... تک

شاعری کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ شبلی مرحوم نے اُردو شعرا میں سے اگر کسی کا لوہا مانا تو وہ جناب "نقاش سخن علامہ مجدد المعنیٰ اور گرگٹ افسانہ" ہیں۔ تیلی پر جو نظم جناب علامہ نے لکھی تھی وہ برلن یونیورسٹی کے "ال ال ڈی" کے نصاب میں داخل ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ڈارون غلطی پر تھا در حقیقت انسان چیل اور ہنگاوڑ کے نطفے سے مرکب ہو کے پیدا ہوا ہے۔ بڑے بڑے شعرائے یورپ جناب علامہ کے افادات کا ترجمہ سن کے پاگل ہو جاتے ہیں۔ واہ کیا شعریت ہے کیا فلاسفی ہے۔ جس وقت حضرت علامہ نے اپنے سفوات اسے تو بہ افادات کا انگریزی ترجمہ ایت کے شعرا کے پاس بھیجا تو وہ بیہوش ہو گئے آج تک ڈاکٹر انھیں گو بر اور عطر یا لوہش کا نخلہ سنگھاتے ہیں مگر وہ کسی طرح ہوش .... نہیں آتے دانت بھینچے پڑے ہیں کف مُنہ سے جاری ہے۔

آہ وطن کو انکی قدر نہیں خصوصاً خدا غارت کرے لکھنؤ کے زنانے شاعروں کو جو خواہ مخواہ انگیا کرتی کے مضامین پر مغرور ہیں اور جنھیں بجز تنقیص کے اور کچھ نہیں آتا پھر وہ مرشد شہادہ انیس کا یہی علیگڑھ ہے جسکے شاگردوں نے ان اُستادوں کی سپندیتی کا حق ادا کیا اور انکے بگاڑے ہوئے محاورات کو رواج دیا انکے بے معنی اور بیہودہ اختراعات اُردو کے سر منڈھے۔ پس کیا وجہ ہے کہ ہم آج آپ کے مرثیہ پر توجہ کریں علی گڑھ سے لکھنؤ اور دہلی کے اساتذہ فن کے خلاف تو آوازیں بلند ہوتی رہیں اور ہم نے سُنیں۔ براہ نوازش کوئی ایسی مثال بھی پیش کیجیے جہاں مشاہیر کی بے راہ روی اور سرتا سر غلط بول چال یا فاسد تخیلات کے خلاف ہو۔

جنکی تمام زندگی الفاظ کی چھان بین محاورات کی حفاظت اصول کی تلاش اور پابندی میں گزری اُنکی محنت پر پانی پھیر دینا اور دوسروں کو انکی مسند پر بٹھانے کا آپ کو ہرگز حق نہیں کہ اپنے ساتھ ہمیں بھی قسمت سے ہمارے کی دعوت دیجیے؟ معاذ اللہ العلی الحق الا ضلال خداوند کیا شہرت پرست ہے ناجائز شہرت پر نکتہ چینی کرنے والے مفقود اور بے اثر ہیں شہرت کی اصل پر غور و فکر کرنے والے معدوم ہیں اور حاسد کہے جاتے ہیں۔ گندہ بیروزہ یا خشکا پر لوگ جان دیتے ہیں۔ یہ ایک عام وبا ہے اور اُس وبا کے شر میں علیگڈھ کی تعلیم گاہ شریک غالب ہے۔ یہ لوہا "اُردو ادبیات" کا عام حال جو بقول بو تعیبن کے "لبڑ دھوں دھوں" کے ہاتھوں ابتر ہے۔

اب ہم آپ کے نفس مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جسے ہم نے اپنی عادت کے خلاف بغیر کسی لفظ کی تغیر کے شائع کر دیا۔

آپ لکھتے ہیں کہ ابو الاثر حفیظ جالندھری بی اے کے ممتحن اُردو مقرر ہو گئے۔

ایجانب ارشاد فرماتے ہیں تو پھر اس میں حرج ہی کیا ہے؟ ؎ خاک از تودۂ کلاں بردار پر عمل کیا گیا۔ کیا وہ مشہور شاعر نہیں؟ کیا وہ حضرت اقبال سے کم رتبہ ہیں جن کے افادات آج محکمہ تعلیم کی بائبل کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ ایمان کی تو یہ ہے کہ حضرت حفیظ بہ نسبت علامہ اقبال کے زبان میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کو زبان کی مہارت مطلوب ہے یا قصائی کا فن۔ اُنھوں نے کب دعویٰ کیا تھا کہ وہ فن قصابی کے ماہر ہیں۔ اُنھوں نے ذبح کی جتنی تمہیدیں تھیں سب بیان کر دیں۔ ترتیب کا خیال نہیں رکھا تو آپ کی بلا سے۔ باپ نے چھری سنبھالی مگر اسوقت "پتھر پر نہیں رگڑی" جب صاحبزادہ "قدموں پر آ لپٹا تو باپ نے پچھاڑا اور گھٹنا سینۂ معصوم پر رکھ دیا" پھر چھری رگڑنے کی سُنت یاد آئی اور حلقوم پر ہاتھ رکھا۔ آخر اس میں خرابی کیا ہے؟ باپ کے لیے یہ کام نیا تھا شاعر بغرض دلی اضطراب کی محاکات کرتا ہے۔ اضطراب میں بے ترتیبی نہ سرزد ہو تو مقام حیرت ہے۔ پہلے مصرعے کے بعض الفاظ آپ سے لکھتے میں رہ گئے۔ ورنہ ہم غور کر لیے کہ "ہوئے" کے ساتھ "باپ اور بیٹا" کہنے سے کہیں مقدس مذبوح کی بلائیں لے کے "دنبہ" کی جگہ "اُردو" تو نہیں ذبح ہو گئی۔

آپ کا دوسرا اعتراض "مدحیہ" کی تانیث پر ہے حالانکہ خاتون کا دین مؤنث نہیں تو کیا مذکر ہوگا؟ ایک صاحب نمازہ پڑھا رہے تھے میت عورت کی تھی۔ "اللھم ان ھذا امتک وابنۃ عبدک" خدایا یہ تیری کنیز ہے اور تیرے بندے کی دختر ہے) اس جملہ میں خطاب ہے خدا کی طرف کاہے کو مفتوح پڑھنا چاہیے تھا مگر حضرت نے عورت کی میت سمجھ کے کاف کو زیر دیا نماز کے بعد بعض ظریفوں نے مولوی صاحب پر اعتراض کیا تو کہنے لگے "آپ کیا جانیے۔ عورت ہی کا تو خدا ہے"

وہ لالہ ابھی موجود ہیں جو بڑے صاحب کو بڑی "ح" سے لکھتے تھے اور چھوٹے صاحب کو چھوٹی "ہ" سے۔

تیسرا اعتراض فن قافیہ سے متعلق ہے اور غلط ہے کیا معنی کہ عربی میں سائلین اور طالبین کا قافیہ جائز ہے تو اُردو میں کیوں نہ ہو۔

چوتھا اعتراض اس شعر پر ہے ؎

اُٹھا غار حرا سے ابر رحمت شان حق لے کر
لب "اقرأ باسم ربک الذی خلق" لے کر

آپ کہتے ہیں کہ یہ موزوں نہیں۔ کیوں؟ مجال ہے موزوں نہ ہو کیا "لذی" "ولاذی" "یا لذی" نہیں ہو سکتا۔ اے جناب قرآن ہے خدا کا مال اور خدا کے مال پر مخلوق کو تصرف کا حق ہمیشہ سے حاصل ہے۔

تشدید در شعر جائز نباشد

زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہیں گے کہ یہ قرآن جناب اثر کے رشحات اقلام سے ہے خدائی قرآن نہیں۔ بس اتنی سی بات؟ اے خداوند زہے نصیب اُس شاعر کے جو خدا کے کلام پر اصلاح دے کے دکھا دے کہ یوں کہتے ہیں۔ شعرا تلامذۃ الرحمٰن کہلاتے ہیں۔ اب سے "تلمیذ ابی الاثر" کہلائیں گے حیرت ہے کہ ایسے کامل الفن کا ممتحن ہونا آپ گوارا نہیں فرماتے ؎

اُستاد شہ سے آپ کو یہ خاش کا خیال؟

"الامان والحفیظ" شعرا کو نظم کر دینے سے کام ہے اثر میاں ہزار بار فرمائیں "انا لہ لحافظون" تو کیا ہوتا ہے۔ کہیں اُستاد بھی چوکتے ہیں۔ پانچواں اعتراض مجلس کے سُرخ ہو جانے پر ہے۔ شاید آپ

مگر نسیم تنت صبح بر چمن بگذشت
کہ گل ز بوے تو بر تن چو صبح جامہ درید
بیشک ہر محبوب مطلوب اپنے جسم کو ایسا ہی معطر کرسکتا
M.O.K

پوچھتے ہیں کہ تجلیٔ کے بعد پتھر جنہیں سیاہ ہو جاتی ہے تو کیا صحیح نہیں۔ سیاہ ہو جانا آخری درجہ ہے۔ شعر کے ماحصل پر آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تو اچھا کیا۔ پتھر کی چھاتی مجلس کے سرخ ہو گئی پتھر ہیں بے زبان لہذا اس مجلسی ہوئی چھاتی سے کسی کی ہم آغوشی لازم تھی کیونکہ بے زبان بغیر ہم آغوشی کے خاموش نہیں رہتے۔ پس ہوانے یہ فرض ادا کر دیا۔ کتنا پر ماحصل شعر ہے جس پر آپ اعتراض کرتے ہیں۔

چھٹا اعتراض بھی کچھ یونہی سا ہے۔ "دامن" کعبہ کے لیے کوئی ضروری شے نہیں تو نہ سہی کعبہ کے دامن میں زمزم ہے کہ نہیں۔ کہیے ہاں۔ پھر دامن کا اشک نہ ہو تو وہ دامن ہی کب ہے۔ کہیے ہاں۔ ماسوا اسکے اگر کعبہ کو روتا ہوا دکھانا مقصود ہو تو آنکھیں کہاں سے آئیں۔ اسکے ایک ہی آنکھ ہے جسے زمزم کہتے ہیں۔ کہیے ہاں۔ چنانچہ دم مجود تھیں۔ کہیے ہاں۔ وادیوں پر ہول طاری تھا۔ کہیے ہاں اب تشبیہ بھی تام مشبہ اور مشبہ بہ کی چولیں بھی درست ہو گئیں۔ مطلب اُسوقت واضح ہوگا جب خدا آپ کو حاجی بنائے گا۔ دیکھیے حضرت نعمت خان عالی اپنے مضحکات میں لکھتے ہیں کہ ایک تھے میاں عرب اُنہیں قاضی کے روبرو گواہی دینے کا اتفاق ہوا حریف نے اعتراض کیا کہ یہ شخص استطاعت رکھتا ہے اور حج نہیں کرتا شراب پیتا ہے رنڈیوں کے حرم کے طواف سے اسے مہلت نہیں ملتی لہذا اسکی گواہی قابل قبول نہیں۔ عرب نے کہا کہ غلط ہے بیسیوں حج کر چکا ہوں قاضی صاحب نے پوچھا کہ اچھا زمزم اور عرفات کی تعریف تو بیان کرو۔ خان عالی فرماتے ہیں کہ

"اعرابی چوں صید حرم از خود رمیدہ گفت

زمزم پیر مردے است کہ پیوستہ بر در عرفات نشستہ می ماند"

قاضی کے پیٹ میں ہنسی تنزل کرنے لگی کہا کہ بھائی زمزم ایک کنواں ہے اور عرفات ایک میدان کا نام۔ اعرابی جیب ہونے والا نہ تھا بول اُٹھا:-

"آں پیر کبیر زمزم نام بعد طواف وداع من زبس گریستہ آب گشتہ و آں باغ مستی عرفات بادیۂ خراب شدہ"

پس اگر اس اعرابی کی روایت صحیح ہے یعنی زمزم پیر (کنواں) نہیں پیر تھا تو اسکے دو آنکھیں ضرور ہونگی آنکھیں تسلیم کرنے کے بعد یہ کہنا کہ ع

نہیں تھا دامن کعبہ پہ زمزم اشک جاری تھا

عین صحیح ہے یہ تشبیہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اب فرمائیے آپ کا اعتراض کہاں گیا۔ آنکھوں سے اشک جاری ہوئے یا نہیں؟۔

مضمون کا باقی حصہ آپ کی ذاتی رائے سے تعلق رکھتا ہے خدا جانے آپ صحیح فرماتے ہیں یا غلط۔ اس خامہ نامہ کے مطالعہ سے ہر شخص شاعری کا رستم داستاں ہو سکتا ہے۔ یہ ہماری مستند اور مستقل رائے ہے۔ یونیورسٹی نے متن کا انتخاب نہایت احتیاط کے ساتھ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ یونیورسٹی کے خیرخواہ نہیں خدا کرے ہر یونیورسٹی کو ایسے ہی اردو کے متن مل جائیں آمین آمین۔

چین کے چور

پیارے پنچ۔ آپ نے کبھی چین کے چوروں کے بابت بھی کچھ سُنا ہے اگر نہیں تو اس "ندیم ہندی" سے سُنیے۔ بڑی دلچسپ خبر ہے واللہ میں تو پڑھ کر پھڑک اُٹھا کہ اللہ اللہ ایسے مہذب اور تعلیم یافتہ چور کہ جنھوں نے چین کی گورنمنٹ سے بھی اپنی تہذیب منوالی اور قانون اپنے موافق بنوا لیا۔ واقعی چین بھی عجیب خطہ ہے باشندے بھی عجیب مذاق رکھتے ہیں آخر دانایان چین مشہور ہیں کہ نہیں میں تو کہوں گا کہ جسطرح ہمارے نوجوان یورپ کی طرف تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں اور خراب صحبتوں میں پڑکر خدا جانے کیا کیا بن کر آتے ہیں۔ اگر اسی طرح وہ چین جا کر تہذیب سیکھ آئیں تو یہ روز کے موٹری ڈاکے اور ریلوائی خطرے کبھی سُنا ہی نہ دیں۔ اور سرکار کی یہ پریشانی اور عدالتی ہم بیچ بہت کم ہو جائے۔

آمدم بر سر مطلب۔ چین میں یہ بات نہیں کہ جہاں چور کو دیکھا اور لگے چور چور کہہ کر غل غپاڑہ مچانے ارے وہ جاتا ہے۔ لینا لینا۔ خواہ مخواہ محلے بھر کو سر پر اٹھا لینا اور آرام سے سونے والوں کی نیند حرام کرنا کس نے بتلایا ہے۔ یہ بھلا کوئی تہذیب ہے لاحول ولا قوۃ۔ چین میں چوروں کے ساتھ بڑے مہذب طریقہ کا برتاؤ کیا جاتا ہے گھر کا چوکیدار انکی خوب آؤ بھگت کرتا ہے اور مہمان کی طرح انکی خاطرداری ہوتی ہے اصرار کر کے انہیں چاء پلائی جاتی ہے اور اخلاقاً وہ مجبور کیے جاتے ہیں کہ اور گھر کا ملاحظہ اور معائنہ کریں اور غریب چوکیدار کی جان چھوڑ دیں۔

چوری کے متعلق کارروائی اور قانون کوئی نیا نہیں ہے ہزار ہا برس سے چلا آتا ہے ہر ایک دولتمند رات کی حفاظت کے لیے چوکیدار نوکر رکھتا ہے جو کوٹھے پر رات مناتا ہے۔ ہاں یہ بھی سُن لیجیے کہ چین میں دو قسم کے چور ہوتے ہیں۔ ایک ذات شریف یا بالفاظ دیگر مہذب چور دوسرے بدمعاش اور بدکردار۔ جب کوئی نیک معاش چور نصف شب کو چوری چھپے مکان کی دیوار پھاند کے کوٹھے پر تشریف لاتے ہیں کیونکہ چین کے شہروں میں عموماً یک منزلہ مکان پست ہوتے ہیں۔ جہاں کوئی ایک مکان کے کوٹھے پر پہنچ گیا محلہ بھر گھوم سکتا ہے اور ہر ایک گھر کا جائزہ لے سکتا ہے ذرا غور سے ہمہ تن گوش ہو کر سُنیے۔ جب نیک معاش چور صاحب کسی کوٹھے پر پہنچے ضرور ہے کہ چوکیدار کی نظر سے بچ نہیں سکتے وہ استقبال کے لیے آگے بڑھتا ہے یہ گام زنی پھونک پھونک کر قدم رکھنا کہلاتا ہے تاکہ آرام سے سونیوالوں کی نیند میں خلل نہ واقع ہو۔ اور بہت دھیمی آواز سے سنجیدگی اور ریحانیت کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کرتا ہے اور چا ء نوشی کی دعوت دیتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ میری مجبوری اور مصیبت پر غور فرمایئے میں آپ کا ایک نا چیز خادم ہوں۔ کہیے جناب کا مزاج تو اچھا ہے لڑکے بالے

بچے ہیں۔ ناخواندہ مہمان اس خیر مقدم کا شکریہ ادا کرتا ہے جواب میں چوکیدار یوں ہم کلام ہوتا ہے ہم آپ تو سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور سچ پوچھیے تو لنگوٹیے یار ہیں ہم میں آپ میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ بندہ اس گھر کا محافظ ہے اور آپ یہاں کی اشیاء رما رہنے لینے تشریف لائے ہیں اس میں کچھ ہماری آپ کی شرافت میں تھوڑا ہی بٹا لگتا ہے مجھے قوی اُمید ہے کہ آپ وہی شریفانہ برتاؤ اس ناچیز کے ساتھ کرینگے جو آپ کی شرافت کے شایاں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ میں اس گھر کا محافظ ہوں اگر کوئی واقعہ اس گھر میں ہو گیا میرے ننھے ننھے بچے بھوکوں مرجائیں گے میری روزی جس پر میری اور میرے بال بچوں کی زندگی کا دارومدار ہے جاتی رہے گی اور گھر میں جو ہے قلابازیاں کھائینگے سب سے زیادہ خرابی کا باعث یہ ہے کہ مہذب دُنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ مجھ پر دور ہی سے اُنگلیاں اُٹھیں گی سچ تو یہ ہے کہ نہ دین کا رہونگا نہ دنیا کا۔

یہ عاجزانہ عرض معروض سُنکر شریف چور پانی پانی ہو جاتا ہے ۔ اظہار ہمدردی کرنے لگتا ہے۔ اور اسطرح جواب دیتا ہے۔ آپ کا کہنا بجا اور درست ہے میں آپ کی مشکلات کو محسوس کرتا ہوں۔ کچھ مضائقہ نہیں مُلک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست آپ مطمئن رہیں میں اور آگے بڑھ کر اپنی حاجت روائی کروں گا۔ اور آپ ایسے مہربان دوست کو مصیبت میں نہ ڈالونگا۔ اس گفتگو کے بعد ایک زور رحچار کا اور گردش میں آتا ہے خوشی خوشی ہاتھ ملتا ہوا شریف چور چل قدمی کرتا چھتوں ہی چھتوں نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

چوکیدار صاحب کو اطمینان ہوتا ہے۔ یہ سوچ کر کہ آج شب کی بلا ٹل گئی اب پلک بھی جھپکانی چاہیے یہ سوچتے سوچتے الاؤ کے پاس دراز ہوئے اور صبح کی خبر لائے یہ تو شریف چور کی چوری اور اسکی تہذیب ہوئی اب جو قانون پر روشنی ڈالی جاتی ہے وہ بھی ملاحظہ کیجیے۔ ایک یورپین اپنا چشم دید واقعہ اسطرح بیان کرتا ہے۔ ایک شب میں چھت پر پاؤں کی چاپ پا کر جاگ اٹھا

کیونکہ میری خوابگاہ کی چھت ہی پر یہ چاپ معلوم ہوتی تھی اسی عرصہ میں کتے بھی بھونکنے لگے جب میں خوابگاہ سے نکل کر باغ میں پہونچا تو مجھے چھت پر ایک دُھندلی سی شکل انسانی نظر آئی میں جو ر چور کا غل مچانے والا تھا کہ میرے ملازم نے مجھے روکا اور کہا ایسا غضب ہی کہیں کیجیے گا۔ ارے چھت پر چور ہے سب کو آگاہ کیوں نہ کر دیا جائے۔ نہیں حضور یہاں کا یہ اصول نہیں ہے ایسا کرنا قانون کے خلاف ہوگا۔ چور جاتے ہوئے مجھ سے کہہ گیا ہے کہ میں صرف راستہ چاہتا ہوں یہاں چوری نہیں کروں گا۔ جب اسطرح مجھ سے اور خانم سے گفتگو ہو رہی تھی کچھ فاصلہ پر کھانسنے کھنکھارنے کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز سُنکر شریف چور اور آگے بڑھ گیا۔

صبح مجھے معلوم ہوا کہ کھنکھارنے والا پولیسمین تھا جس نے سڑک سے چور کو چوری کرتے دیکھ لیا تھا۔ اور یہ جتلانے کے لیے کھانسا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔ شریف چور فوراً ایک سمور کی کوٹ اور دو پائجامے لے کر قانع ہو گیا اور چلتا ہوا۔

میں نے لوگوں سے پوچھا پولیس مین کے پاس بندوق تھی اس نے اسکا استعمال اس موقع پر کیوں نہیں کیا لوگوں نے جواب دیا کہ بندوق بدمعاشوں کے واسطے ہے شریف چوروں کے لیے نہیں مجھے یقین نہ آیا میں نے خود پولیسمین سے پوچھا اُس نے اس بیان کی تصدیق کی کھانسنے کی وجہ پولیسمین نے یہ بتائی کہ چور کو یہ معلوم ہو جائے کہ قانون کی نگاہ اُسکے فعل پر پڑ گئی۔ اُس نے کہا کہ شریف چور ہمیشہ قانون کی نظر بچا کر کام کرتے ہیں اور اُنسے ویسا ہی مہذب برتاؤ ہوتا ہے۔

چونکہ پولیسمین نے شریف چور کو چوری کرتے دیکھ لیا تھا اس لیے صبح وہ اُسکے مکان سے مال مسروقہ لے آیا اور جس کا تھا اُس کو دیدیا گیا شریف چور صاحب گرفتار نہیں کیے گئے کیونکہ مال مسروقہ انھوں نے خود واپس کر دیا۔ ان کے لیے لفظ چور کا اطلاق بالکل ناجائز ہے یہ تو ساہوکار ہیں۔

"ندیم"

المختصرات

سُنتے ہیں کہ بمقام لاہور گرسینٹ بنک کی اصطلاحی قرض میں ملاوٹ تقسیم ہوے۔ ملاوٹ سے صفر ہوتے ہیں خیالی تریاق بعد از مرگ۔ ڈائریکٹر صحت کیلونٹ نے ستمبر کے موسم میں ملیریا سے بچنے کے متعلق ہدایات شائع ہوئے ہیں۔ ماشاءاللہ سے اب یہی پوچھا تو مرادلی کی جب شہر پھر لوٹ گیا تو محکمہ صاحب جیتے یعنی مریض کے چالیسویں کے بعد ٹھنڈائی کا خیال آیا۔

آخرکار مسٹر جتندر ناتھ داس نے جو کہا تھا وہی کر چھوڑا یعنی آپ چاہتے تھے کہ بدون کسی شرط کے رہا ہو جائیں۔ ۱۳ ستمبر کو آپ رہا ہو گئے۔ اب کوئی دُنیوی حکومت آپ پر دباؤ نہیں ڈال سکتی اس طرح جان دینے پر ایک گورے چمڑے والا کہتا ہے کہ یہ تو زنانہ پن ہے۔ ہاں بھئی ہے تو زنانہ پن مرد وہی ہیں جو لوگوں کو بھوکوں مارنے پر اڑے رہیں۔

خدا جانے لوگوں نے ہند اور اہل ہند کو دولت کا مخزن یا قارونوں کا مسکن سمجھ لیا ہے جو ہر ملنے جیبیں ٹٹولنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان تو نہیں بیچارے مفلس کنگال ہیں وہ بھلا کسی کی مدد کیا کرینگے پھر بھک منگے بھی معمولی آدمی نہیں جنرل نادر خاں کے سے پیٹ بھرے۔ کیسے اگر آپ ایسے ہی نادار و قلاش تھے تو اتنی بڑی سلطنت پر کیوں چڑھ دوڑے۔ جنگ کا مٹھو پالیں آپ اور ٹیکس لیں ہم سے۔ آج آپ کابل سے تشریف لیجائیں تو آج ہی امن ہوئی جاتی ہے۔

ہندوستان پر اکثر قحط کی مصیبت نازل ہوئی کبھی آپ نے یا آپ کے ہم وطن "برادر عزیزم" نے مدد کی تھی؟ یہ عجب دل لگی ہے کہ بیرونی مسلمان ہماری ہمدردی کے ہر وقت مستحق سمجھے جاتے ہیں مگر ہمارے جان و مال پر بنتی ہے تو کوئی جھنکتا بھی نہیں "تیرا سویا پر سوئیاں تیرا" المختصر یہ کہ اتنک خاکسار مائیڈ سٹر اور مرات میں کش مکش کے زور ہوتے رہے۔ آخر تپ جیتی اور بندہ ہارا۔ بستر ہے اور کڑوی کسیلی دوائیں ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر غرہ نہ کرتے تو بخار سر نہ اُبھارتا۔ ہم کہتے ہیں کہ غرہ ہی کام آیا پتلی گردن والوں پر دس دس مرتبہ "دھوبی پاٹ" کے پیچ میاں بخار باندھ چکے۔

جلد ۱۴ نمبر ۳۳

مضامین

بابت ۷ ستمبر ۱۹۲۹ء
اشاعت ۱۶ ستمبر

نوح دل غدار۔ غدار دل نوح

(یوم اشاعت ۱۶ ستمبر ۱۹۲۹ء)

خیر مقدم
(بسلسلہ)
جریدۂ اسبوعیہ "اتفاق دہلی"

اے خوش آمدی برادر!

تو در فارسی حرف می زنی و یاران من فارسی نمی دانند۔ پس خوب است کہ بقول برادران پنجاب دتو اپنی گلاں ہانک میں اپنی گلاں ہانکوں ॥

دوست "اتفاق" تمہارا پدھارنا مبارک ہو۔ کیسے؟ امیر حبیب اللہ کو اسلیے کہ وہ "بچہ سقا" یا "بچۂ سقو" سنتے سنتے کان کے پردے مشک کی طرح پھول گئے۔ اللہ جانتا ہے ایسی ہوا بھر گئی ہے کہ نکالے نہیں نکلتی۔ اتنے میں ایک ترا لیا مہذب پیدا ہوا جو کسی باہمت فرد کا نام ادب قاعدے کے ساتھ لیتا اور خدا کے اس فرمان کی تعمیل کرتا ہے۔

ولا تنابزوا بالالقاب
(کسی کا بُرا نام نہ رکھو)

تمہارا آنا اہل ہند کو بھی مبارک ہو کیوں؟ اسلیے کہ ان کے سیدھے سادے دل کو ہندوستانی لیڈروں کا غذ دوں نے دکا غذ بادہ بنلیا ہے بس جس طرح لونڈے کنکوے کو ٹھکیاں دینے کھیلتے ڈوریلاتے سوٹنے بھو ڈل چڑھاتے۔ آتارتے اور ختم یا لاکے جھلجھل اور گفتن سے محروم کر دیتے ہیں اسی طرح یہ دل کی گت بناتے ہیں۔

تمہارے آنے سے اتنا ضرور ہوگا کہ وہ کا ۱۱ کی نوید بھی کان سن لیں گے سچ پوچھو تو یہ ادا ہم لے تمہارے لیے آسان کر دی ہے۔ لہذا ہم بھی تبریک کے مستحق ہیں۔

تم نے زیر عنوان "اہمیت اعانت مالی نادر خان" یہ بات تو سچی کہی کہ اہل ہند نے خدمت اسلام و اہل اسلام میں کوتاہی نہیں کی لیکن "بند بردبادہ" بھی ہے۔ برادرہ گول خوردن یکے از خصائص اہل اسلام ہند است۔ جنگی می دانند کہ زر رفتہ ہائے سلسل در شکم گدام رفت۔ بازبہ دروغ بافی و یاوہ درائی اہل قلم و زبان تبلا خدہ مال خود با بشکم هفت علماں بعا نہدہ بر باد می دہند۔ البتہ خداوند نیرنگ گفتہ لاقداللشفاء اموالکم ۔ بہ بخیرون ال اغدہاں جیدہ اہا کہ ہیچ تقیند کسے کہ ال ایگر ہی را بہ ہاکہ ستی بُر بایدہ بفرد نبی باشد خود شاں نبی از جاہر لطیف اندیہا بہ خرد مندان دجہ۔ اموال شاں اگر در شکم خردمنداں رفت خوب شد ؎

زخم خونینم اگر بہ نشود بہ باشد
خنک آں زخم کہ ہر لحظہ مرہم از دست

آیا در شکم برخے از عقلائے روزگار کہ ہم کیش و ہم آئین ما نیز می باشند لقمہ ہائے چرب رسانیدن بہ خرد مندے نیست؟ بہ سر مبارک آقائے چندہ راست بگو۔

نادر خاں ہم زیرک ست کہ بر جائے خود تن چپاتہ زدہ نشستہ است و یاد ہم می گو یہ قلعۂ قندھار را دیر وز سر کردم۔ حالا میروم بر سر کابل خون برادراں بر زمیں ریختہ اد خطا منثوبات خواہم کرد حتیٰ اعلی الصلاح ہلمو الی الصراط المستقیم آیا برایں آواز ہا گوش نہ دادن و لبیک نہ گفتن مسلمانی است؟

بعد اسکے تم اعتراض کرتے ہو کہ جب نادر خاں کابل سے با ناز و عشوہ و نازنینی پیرس کی جانب تشریف لیگئے تو بالکل بیکار تھے اسلیے کہ حکومت فرانس آوارہ گرد بے کار بے زر آدمیوں سے بدگمان ہوتی ہے نادر خاں فوجی جنرل سے خاص الخاص بطیارے بن بیٹھے ہوٹل کھول دیا۔ شراب اور سطر گوشت خوک دانہ خوری کی پاک تجارت سے روزی کمانے لگے۔ برادرم یہ کوئی اعتراض نہیں۔ یکے از ... ہندی می گوید ؎

خنزیر کھلانے میں کچھ کیا ہے جلی
روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

قاضی رطل بوق نے جب اندھیر نگری کی مسجد ویران دیکھی تو موذن و فرش و آب و میضاۃ مسجد کی ہم سالی کے لیے ایک حجرے میں قمار خانہ کا افتتاح فرمایا اور دوسرے حجرے میں مے خانے کا ڈھیر پھیلایا ؎

مسجد کے آس پاس خرابات چاہیے
بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے

راوی کہتا ہے کہ پھر مسجد کے مصارف میں کبھی توڑا نہیں پڑا ایسا کام چلا کہ نادر خاں کیا چیز ہیں امان اللہ خاں کے دام بھی ادا ہو سکیں جن کا یہ حال ہے ؎

نہ در مسجد دہندم رہ کہ مستم
نہ در میخانہ کایں خمار خام ست

ساتھ ہی محراب قبلہ میں دو گتے بھی بندھوا دیے اور اور انکی اس دلیل منطقی کے آگے کسی مولوی مفتی کی پیش نہ گئی کہ حدیث لا یتم الصلوٰۃ الا بحضور القلب (نماز بدون حضور قلب پوری نہیں ہوتی) میں قلب سے مراد "کلب" ہے یا نیمعنی کہ قلب کی حضوری بے معنی ہے۔ قلب کو ان سینے سے نکال کے حاضر کرتا ہے۔

برادر غور کرو کہ جب یہ عہد قاضی رطل بوق سگتے ڈنڈ پیلیں تو سگ پرست ہوا اور غریب نادر خاں ہوٹل میں سؤر کا گوشت بیچے تو کیا ہو جائے۔

اس کے علاوہ تہذیب اسلامی کے حدود تصدق مہذبین یورپ دیا نیدہ وسیع ہوتے جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ رہا ہاکہ در عہد قدماے بے خرد وہا مائے بے معنی مبنی بر تہذیب بود شلوار و نیم تنہ عوض کردہ کوٹ پتلون پوشید۔ نقاب از رخ و گیسو از سر دور کرد۔ پس ہر چہ مسلمانان می کنند ہموں است تہذیب اسلامی۔ اسلام قائم است بر کردار مسلمانان نہ بر قرآن و حدیث و فقہ۔ و معنی تفسیری قرآن ہم موقوف است بر اجتہاد مسلمے کہ از زبان عربی جاہل و بر مقالات مکانے و ہکسلی حاوی باشد و جائیکہ قرآن با مقالات امثال حکمائے یورپ ہم زبانی نہ نماید پس پشت انداختہ استہزا و تمسخر بجا آرند۔

جرائد اسلامیہ نہ کار بہ امان اللہ خاں دارند و نہ

خیر مقدم (نمبر ۲)

آفتاب صداقت لاہور، بھارت لاہور

ہمارے پنجاب کا بہت عرصہ سے اردو کا خصوصاً کسی طرح اخباری کا مذاق سے نہیں بھرتا۔ ابھی ابھی تو میں ایک نہیں دو دو روزنامے اردو میں آفتاب صداقت اور بھارت کے نام سے مسلسل ہوئے۔ انکی روش کوئی نئی نہیں نہ انکی اشاعت میں کوئی غیر معمولی قوت ہے۔ اگر ایک ہی پالیسی کے متعدد روزنامے ہیں جو ایک ہی شہر میں پیدا ہوئے ہیں اپنی انفرادی قوت کو اجتماعی قوت سے بدل دیں تو اچھا ہے یعنی جب پالیسی میں اختلاف نہیں تو ایک کمپنی بنا لو تاکہ راس المال الغرض خواہ مخواہ مرد آزمی ہو جائے۔ اور اگر تغیر حلوا یہ اتنا بڑا کام شروع کر دیا ہے تو پھر اللہ ہی ہے جو بیڑا پار ہو۔ رات بھر میں کئی مرتبہ دیا سلائی جلانا پڑے گی اور اخبار بین حضرات چلتے ہوئے کاموں سے بھی بدگمان ہو جائیں گے

بہرحال یہ دونوں مولود صورت و سیرت میں اپنے دیگر معاصرین کے مانند ہیں یعنی موٹی موٹی لمبی چوڑی دو دو سطری سرخیاں لکھتے ہیں۔ ایک مختصر خبر کے ٹکڑے دس بارہ کالموں میں بانس لا لیے تو شاید جمع ہو جائیں۔ کہیں کھڑکیوں کی چلمن سے مضمون جھانکتا ہے کہیں پھاٹک بنے ہوئے ہیں ان پھاٹکوں میں چھوٹے چھوٹے جھروکے ہیں۔ ایک جھروکے میں ناک دوسرے میں رخسار تیسرے میں لب چوتھے میں ابرو پانچویں میں آنکھ ڈھونڈیے پھر ان مقطعات کو جوڑیے تو ایک جملہ بنے اس پر بھی معاملہ ختم نہیں ہوتا "دیکھو کالم نمبر ۳ صفحہ ۲" کا ٹکڑا ابھی لگا ہوا ہے - اور جو کہیں بقیہ مضمون قینچی کی کتر بیونت سے نذر باد ہو گیا تو بادِ ہوائی خبر عمر بھر کے لیے لنڈوری ہو گئی۔ تقلید کا جنون کچھ اس طرح دماغوں میں گھسا ہوا ہے کہ ہر بات قابل تقلید سمجھی جاتی ہے۔ گویا مقلد منہ پھیلائے چشم براہ انتظار بیٹھے رہتے ہیں کہ کوئی بات ہو یا علمی فوراً اختیار کر لیں۔ بعض مضامین کی دھجیاں اڑانے میں گردن کس خوبی سے جملہ بنا کر لپیٹ دی گئی۔ غیر [illegible] جواب تو کاتب کی سہولت سے حل سکتا ہے مگر جس عبارت میں کوئی جملہ معترضہ آ جاتا ہے اب لوگوں نے یہ سیکھا ہے کہ اسے بیچ ہی سے علامت فاعل و علامت مفعول کے قبل ہی شروع کر دو۔ مثلاً:-

"زید جو کہ مشہور ڈاکو تھا جسکی تلاش میں پولیس پھر رہی تھی نے موضع گورگاؤں میں گوجا گوری جو مشہور مہاجن تھا لاکھوں کا بیوپار کرتا تھا کے یہاں ڈاکہ ڈالا ہے"

اس لغویت کی تقلید بہت شدت و انہماک کے ساتھ ہو رہی ہے اگر یہی حال رہا تو پنجاب کا یہ دعوے باطل ٹھیرے گا کہ اردو اسکی سیکھی ہوئی زبان ہے اور یہ دعویٰ صحیح قرار دیا جائے گا کہ اردو پنجاب کی ایجاد کی ہوئی زبان ہے۔

الغرض آفتاب صداقت میں بھی وہی خوبیاں موجود ہیں جو پنجاب کے دوسرے جرائد میں ہیں - پابندی وقت کے ساتھ نکلتا ہے۔ ایک آنہ فی پرچہ قیمت ہے سالانہ قیمت نمبر ۳ و ۶ میں (جو پیش نظر ہیں) نہیں لکھی ہے۔ روزنامہ بھارت کی قیمت سالانہ اٹھارہ روپے اور فی پرچہ ایک آنہ ہے۔

منگا کے دیکھیے۔ تازہ خبروں کا اچھا خاصا ذخیرہ ہوتا ہے ہم ان دونوں کو "اھلاً و سھلاً" کہتے ہیں۔

عرض حال

ہماری یہ عادت نہیں کہ مصیبت آتے ہی لگے چلانے لگیں - داد - بیداد - فریاد - نہ مصیبت کوئی ایسی چیز ہے جسکے ورود و نزول کی خبر سے ہمارے ہمہ رو قدردان خوش ہو جائیں اور انکی خوشدلی میں فرق نہ آئے۔ اس چودہ سال میں بیسیوں مصیبتوں نے ہمارے ساتھ دل لگی بازی کی۔ ضمانتیں مانگی گئیں۔ چشم نمائی ہوئی۔ مقدمے چلے۔ خانہ ویرانی ہوئی۔ بیماریوں نے آنکھ مچولی کھیلی۔ قرض بڑھا اور جو کچھ ہوا اب تو یاد بھی نہیں آتا۔ البتہ مصیبت کے خاتمہ کا اعلان ہم نے اکثر کیا ہے۔ پس مصیبت جگہ جون ۱۹۲۹ء

سے فروغ ہو کے جب ختم ہوئی وہ اپنی نوعیت میں نرالی اور دلچسپ تھی مجھے بالتفصیل سن لیجیے۔

راوی کہتا ہے کہ بارہ بنکی میں ایک حکیم ڈاکٹر احمد حسین صاحب رہتے ہیں انھوں نے اپنی کوک شاستر کا ایک اشتہار ۲۹ اپریل کے اودھ پنچ میں چھپوایا۔ منیجر صاحب نے اپنی رائے سے جن الفاظ پر فحش کا مظنہ ہوا وہ نکال ڈالے اور پھر بلا ترمیم بیمار طریقہ اشتہار چھپ گیا اور چھپ کے الہ آباد کی نگران قلم سی آئی ڈی کی نگاہوں میں پہلوان بھی چڑھ گیا گویا اسکی عبارت اتنی فحش تھی جس سے غیرت گفتار لفظ گو بذلہ سنج مہذب پولیس والوں کو غیر معمولی شرم آ گئی۔ واقعی [illegible] کبھی گالی نہیں بکتا جس کے گوش و زبان گالی سے ناآشنا ہیں بھلا کس دل سے یہ فحش برداشت کرتا۔ بس جناب پبلشر صاحب پر دفعہ ۲۹۲ کا مقدمہ چل کھڑا ہوا۔ مشتہر صاحب نے جو عبارت نقل کرنے کے لیے دی تھی وہ چھپی ہوئی تھی قلمی نہ تھی مگر سلامتی سے ایسی مہمل کہ جس فقرہ پر نہ یا وہ گرست

چست عوام فروخت کے لیے

سمن لغرض انفصال مقدمہ

آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء

نمبر مقدمہ

بعدالت [illegible] سلطان احمد صاحب [illegible] منصف [illegible]

اول [illegible]

راجہ بہادر [illegible] صاحب — مدعی

بنام [illegible] — مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت [illegible] دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ بیس ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء بوقت دس بجے بمقام [illegible] اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ سے بخوبی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دعوے کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لیے مقرر ہوئی واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہان کو پیش کرو [illegible] دستاویزات جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہو گا

بثبت [illegible] اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۲ ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔

دستخط [illegible]

مہر عدالت

تھو ر پلیس سے ڈالے تھے اس کا مطلب آجکل کے
اخبار کی طرح بغیر ذہنی عرق ریزی کے الفاظ پڑھ لینے سے
سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کاتب نے منقول منہ کی پوری
نقل کی اور وہی ہمارے آڑے آئی ورنہ وضاحت
بھر کی بیماری اور ہماری ذاتی مصروفیت کچھ گل کھلائے
بغیر نہ رہتی۔

حضرات! آپ جانتے ہیں تعزیرات ہند کی بیماری
وبائی بیماریوں سے کمی کا پایہ نہیں رکھتی۔ اس
دوڑ دھوپ میں پرچے کو امیدا کہیں پھیرنا۔ پرچہ ماہانہ
ہوتا رہا اور ہم ٹکر ٹکر دیکھتے رہے۔ تین پرچے جو ماہ
ہوئے انتظام کی ٹانگ میں گھاؤ پڑا اب ڈبل اشاعت
کا مرہم بھی ساقط الاعتبار ہے۔ بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ
خریداروں کی خریداری میں تین ہفتے اور مشتہرین
کی مدات اشاعت میں بھی تین ہفتے بڑھا دیے جائیں
اور آئندہ نمبروں میں صحیح تاریخ کر دی جائے۔

ہم اپنے شہر کے روزانہ جرائد کے شکرگزار ہیں کہ
انھوں نے ہماری فرمائش کی پوری تعمیل کی اور اس
مقدمے کو بطور ایک روپیہ کبر نے یا مصیبت عظمیٰ
کے اپنے صفحات میں جگہ نہیں دی۔ اور اسکے ساتھ
اپنے شہر کے قابل سٹی مجسٹریٹ مسٹر سید معین الدین کے
بھی شکرگزار ہیں کہ انکی نکتہ رسی نے انصاف کے
کمزور بازوؤں میں توانائی پیدا کی اور ہمیں عزت کے
ساتھ ملزم کے خانے سے نکال دیا۔

اثنائے مقدمہ میں ایک نہایت دلچسپ کتاب
پیش ہوئی جو مشتہر کے یہاں سے تلاشی میں نکلی۔
اگر ہم یہ کتاب نہ دیکھتے تو ہمیشہ اسی جہل و نادانی
کی ظلمت میں گرفتار رہتے کہ شراب نجس ہے طاہر نہیں
مصنف صاحب نے ایک باب آداب شراب خوردن
میں بھی تحریر فرمایا ہے۔ طویل الذیل عنوان لکھنے کے
بعد ابتداء کلام کلمۂ طیبہ سے فرماتے ہیں بھلا بتائیے
اب اس آب مقدس کے طاہر ہونے میں جس پر کلمۂ طیبہ
دم کیا جائے کسے کلام ہو سکتا ہے۔ غالب مرحوم
فرماتے ہیں ؎

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

اس شعر کے مضمون سے [illegible]
سے گل ہو گئی [illegible]
لیس ہوئے حج کے مستحبات سے ہے [illegible] کو اس
سے علاقہ نہیں۔ ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

بتا ساقی جو کفارہ ہو عہد شکستی میں
قسم پیر مغاں کی کھائی پھیلا ہوں مستی میں

یہ شاعر صرف اپنے فقہی تعلیمات کے رو سے فتوے طلب
کرتا ہے اور ساقی اس کا مجتہد ہے۔

کسی نے باوضو پینے کی ہدایت کی ہے۔ کوئی حرم
میں کاگ اڑاتا ہے مگر جو عنوان مصنف صاحب نے
اختیار کیا ہے۔ واللہ انوکھا ہے۔ اور صرف بوا نصیبن
کی بیان کی ہوئی ایک حکایت اس کا مقابلہ کرتی ہے
بوا لاتی ہیں ایک دن جو میں پاخانے کے پاس سے
ہو کے نکلی تو کلمہ پڑھنے کی آواز سنی خیال ہوا کہ نئی
ماما بیمار تھی کہیں ایسا تو نہیں کہ اسکی روح ریاح کے
ساتھ نکل رہی ہے۔ جھانک کے جو دیکھتی ہوں تو موئی
اچھی خاصی ہے۔ پوچھا یہ کیا؟ بولی کچھ نہیں اے ہے
ایسی تھی۔ اب تک یہ نہیں جانتیں کہ بے کلمہ پڑھے
غوطہ بیکار ہے۔ جسم پاک نہیں ہوتا۔ آخر جانے میں
کلمہ کے لوٹے لیتی ہو کہ نہیں۔؟

بوا نصیبن: خدا غارت کرے موئی کو، کتنی بھلی
پلٹ آئیں اور ہم بھی اس کتاب کا یہ باب پڑھ کے
کچھ ایسی ہی صلواتیں سناتے گھر واپس آئے۔

خاکسار ایڈیٹر

مضامین غیر

ادب لطیف

رسالہ نیرنگ رام پور میں ایک صاحب دل
ایم اے کی "نوائے جمیل" شائع ہوئی ہے فرماتے ہیں ؎

دلربائے نو۔ کمین بوستان دل ہوا
گل بگلشن اختر تو آسمان دل ہوا

اللہ سلامت رکھے اس ادب لطیف کو ماشاء اللہ خاصی
ترقی کر رہی ہے اسی مطلع کو دیکھیے مطلع انوار او بیہ
ہے کہ نہیں؟ رہا معنی و مطلب کا ضبط تو جناب
اس [illegible] ترقی کر گیا [illegible]
[illegible] شعر
کسی [illegible]
چونکہ ہو گئی [illegible] اسکے [illegible]
یعنی دل کے [illegible]
بولنے لگا۔ ادب لطیف کے لطف معنویت کو دوسرے
مصرعے سے لگاؤ ہے۔ ہا ہا کیا کیا گل ہے جو ڈھونڈے ہیں
گل بگلشن۔ اختر تو آسمان دل ہوا۔ ورنہ یہ ڈرتے ہیں
ڈرتے ڈرتے آسمان دل ہوا ہے۔ یہی مطلب اختر کا
ہو سکتا تھا مگر اسمیں فارسیت کی حشمت کہاں۔
فرماتے ہیں ؎

نذر آتش ہو گئے کانٹے جفا کے اور پھول
خاک ہو کر صرف تعمیر جہان دل ہوا

شعر کا ہے کو بھٹکٹیا کے درخت کی روداد ہے جیسے
کسی کیمیاگر سے سابقہ پڑا ہو۔ کیا پیارا حاصل شعر ہے
واہ وفا کے کانٹے جل گئے مگر خاک نہیں ہوئے
ایک پھول جلا اور خاک ہو کر جہان دل کی تعمیر کا گارا
بن گیا۔ غضب کی معنویت ہے دوسرا شعر ہے ؎

عشق۔ سوز شعلۂ یک گل مگر اب حسن خود
صد ہزاران جلوہ چیدہ گلفشان دل ہوا

ردیف تو ایسی چپکتی ہے کہ واہ۔ بالکل وصل ہو گئی
ہے۔ اب ہمارے دوست جناب .... کی مجال نہیں
جو ان اشعار کے مقابلے میں اپنی غزل پڑھیں اور
داد طلب ہوں ؎

ہے سیستان فارسی عہدی لسوتو اسانپ کا
تازیانے کو کہا کرتے ہیں کوڑا سانپ کا

گل کے منھ کو آگ لگانے اور اسکی راکھ سے تعمیر جہان
دل کی خدمت لینے کے بعد شاعر صاحب نے دوبارہ
عشق کی تعریف سوز شعلۂ یک گل سے کی ہے دو گل
تین گل کا جھول نہیں پالتے۔ اسکے ساتھ ہی حسن
کے کرتوت نرالے ہیں جس طرح دیوانہ تنکے چنتا پھرتا
ہے اس نے لاکھوں جلوے چنے اور گلفشان دل
ہو گیا۔ گلفشان دل کی شرح ہمارے امکان سے
باہر ہے اگر کوئی ایم اے مل گیا تو اس سے پوچھینگے
تیسرا شعر ہے ؎

"حضرت اب تک میں نے یہ بلی پالی اسکی ایذا ناگوار ہے اگر آپ نہیں مانتے تو خیر دُم حاضر ہے دوچار بال اُڑا لیجئے"

جو صاحب پنساری عطار یا عطر والوں کے درست صحیح پتے حافظ سید تا محمد رفیع صاحب نیا بازار

عشق [illegible] مضمون [illegible]
[illegible] نہ بن سکا [illegible] دل ہوا

یعنی آنکھیں تھیں جو حسن اور مضمونِ حسن کی
جستجو میں ایک مدت سے تیار ہوئی اس سے آنکھیں
آنکھیں کھلنے کے بعد قطرۂ غم جو تھا دل کے لیے تنہا
حیرت میں محو ہو گیا ۔ سبحان اللہ سبحان اللہ کیا بے مثل
کلام ہے کوئی لفظ بے ربط نہیں ۔ مطلع خود ہے ؎
وہ تسلی لیکن کہیں میں تھی بہت اول کی یاد

آہ نیا بر بادِ گلشن ظلمِ جانِ دل ہوا

دیکھا آپ نے اسے کہتے ہیں معنویت کہتے ہیں بہت اول
کی یاد کسی کو لے کر گئے ہیں تاکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی ۔ اب
خدا جانے کہیں وہ نیا برباد گلشن ظلم جانِ دل ہوا ۔
خدا ان ادبی رسالوں کو بھلا چینا کرے جنکی بدولت
یہ جواہر ہماری نظروں ہی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں
یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ ادبی رسالوں کے اڈیٹر صاحب
ان جواہر کو عرض باز ار ہی کیوں فرماتے ہیں ۔ ہتوا
لگ جانے سے کہیں ماند نہ پڑ جائیں تو اور خرابی ہو ۔
بے وقوف ہے جو کوئی اڈیٹر صاحب کی جوہر شناسی یا
سخن سنجی میں شبہ وارد کرے ۔ اگر آجکل ایسے ہی اشعار
قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں تو وہ لوگ دشمن عقل
ہیں جو با معنی شعر کہتے ہیں ؎

قلم ارتجال کا تقاضا ہے کہ تم بھی کچھ کہہ ڈالو ۔

جو کہ مستی عناں دار پریشانِ دل ہوا
شاخ شاخ عربدہ جوئی فغانِ دل ہوا
اختر نو بختیٔ موسم عنانِ دل ہوا
دلربائے نو کمین بوستانِ دل ہوا
گل نگاہ گلشن اختر فو آسمانِ دل ہوا

بحث تھی مرغ چمن میں او رمانی ہیں فضول
وائے بیدستی کہ کوتاہی ہوئی کس چیز کو دل
بہر تخمیر معانی بھٹکتا اور بہو گل
نذرِ آتش ہو گئے کاغذ جو کچھ اور پھول

خاک ہو کر صرف تعمیرِ جہانِ دل ہوا

نغمۂ خون عنادل ہے نگیسا بار ہے
دامن درد و دوفا میں ہو گئی ہے آج خند
گر گئی وہ جو کہ سر سے اس غزل میں کیا کہ

عشق [illegible] غم [illegible] ہوا بنا گھونٹ کر خود
صد ہزاراں جلوۂ جوہر و گلستانِ دل ہوا

وزن انقلاب حال سے ہزاروں جنگیں
اور میدانِ تفاخر میں ازل سے جنگیں
بوئے عزائم کے صابن سے سہلائی ہیں
حسن اپنے مضمون بلا حسن بنا کہیں تھکیں

قطرۂ غم محو میش بیکرانِ دل ہوا

کیا کرے کوئی کہ معنے پھر بھا تسلیم یاد
پھر بھا شوق تعشق مائل کون و فساد
مجھ کو لینی ہے سخن فہمی سے اس قطعہ کی داد
وہ تسلی لیکن کہیں سے تھی نہ اعلی کی یاد

آہ اینیا بربادِ گلشن ظلم جانِ ملا ہوا

بھائیو کیا یہ ضروری ہے کہ تم ساری دنیا کا کوڑا کرکٹ
سمیٹ کے اپنی دکان میں رکھو ۔ انصاف سے کہو
کہ یہی ادبی خدمت تمہارے رسالے نے اپنے ذمہ لی ہے ؟
مانا کہ جناب شاعر پروفیسر بھی ہیں ایم اے بھی ہیں
تو کیا ہر پروفیسر یا ہر ایک ایم اے اس کا مستحق
رکھتا ہے جو کچھ وہ لکھے تم قبول کر لو ۔ کیا یہ اردو کے ساتھ
دشمنی نہیں ۔ تم اردو کا نام لے کے روپیہ پیدا کر رہے ہو ؟
کیا متذکرہ قطعہ اردو ہے ؟ کیوں اچھا بھلا کاغذ
ستیاناس کرتے ہو ۔ اجی یونہی سادہ بھیج دیا کرو
تو کام آئے ۔ دیکھ لینا حشر کے دن کاغذ کے رم
دامنگیر ہوں گے جہاں صاحب لوگوں کی شکایت
کرینگے کہ ہم سے بیجا کام لیا ۔ وہاں تمہاری بھی
فریاد کرینگے کہ لا یعنی مصرف میں لائے ۔

راقم

خاکسار ادبار

مسٹر پنچ کی نوٹ بک

"ڈانکھیں ڈبڈبائیں"

ایک طولانی مضمون ہمارے کرم فرما ظفر الملک صاحب نے
ہمدم میں تحریر فرمایا ہے ۔ بات یہ ہوئی کہ حکیم مشفق
صاحب نے "مبصر" میں ایک مضمون لکھا تھا جناب مرزا
محمد عسکری صاحب بی اے نے اس مضمون کے متعلق

ایک خواب دیکھا اور خواب ہی میں چند اعتراض
حکیم صاحب کی اردو عبارت پر وارد کر دیے ۔ ہم نے
نہ حکیم صاحب کا مضمون دیکھا تھا نہ مرزا صاحب مرحوم
کا خواب ۔ اعتراضات کے بارے میں ایک صاحب
ایک استفسار لے کے آ گئے اور ہماری سمجھ میں جو کچھ آیا
ہم نے لکھ دیا ۔ اسوقت تک ہمیں معترض صاحب کا
اسم گرامی معلوم تھا نہ معترض علیہ کا حال یعنی نہ ہم
"الناظر" کا مطالعہ کیا تھا نہ "مبصر" کا ۔ اگر دونوں
بزرگواروں کا نام معلوم ہوتا تو شاید اُس نیاز خلوص
کی بنا پر جو ہمیں ان دونوں سے حاصل ہے اس
نفطی بحث کو روک دیتے ۔

....

افسوس ہے کہ مضمون ہمدم کے مطالعے سے ہمارے علم میں
کوئی زیادت نہیں ہوئی ۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے یا خوش قسمتی
کہ جناب ظفر الملک بہادر اگرچہ اہل زبان کے فیض
صحبت سے زیادہ متمتع نہیں ہوئے ۔ تاہم انھوں نے
حال کے انشا پردازوں کے ہزاروں مضمون دیکھ ڈالے
ہیں یہ مطالعہ ہی دلیل کمال ہے) مضمون مذکور میں
صرف چند محاوروں پر لے دے کی گئی ہے ۔ ہمیں طول
سے نفرت ہے لہذا مختصر جواب دیتے ہیں ۔ (اس لیے
کہ جناب ظفر الملک نے ہم کو بھی تخاطب کی عزت
عنایت کی ہے) ۔

(۱) "رنگ کیا" کے متعلق "استفسار" میں ایک نوٹ
لکھا ہوا تھا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے ۔ ممکن ہے کہ نقل کے
وقت یہ عبارت رہ گئی ہو ورنہ ہم الہام کے مدعی نہیں
"رنگ کرنا" شعر کی مد میں تو سنا نہیں گیا ہاں چارہ و
تدبیر کرنے کے معنی میں مرزا غالب فرماتے ہیں (اور یہ
فارسی محاورہ کا ترجمہ ہے) ؎

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

کوئی وجہ نہ تھی کہ جناب کاتب صاحب کی غلطی تسلیم
نہ کی جاتی ہے ۔ اسلیے کہ ایسی غلطی کوئی اہل زبان نہیں کر سکتا ۔
(۲) ہمدم کے بارے میں اب بھی کوئی اعتراض نہیں
بیجا استعمال ہوا ہے ۔
(۳) خورد برفتہ بمعنی "از خود رفتہ" غلط العام ہے

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے نتیجہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روے رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو ہر ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بنا بریں ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ مینجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند مینجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ تو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) یہاں خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل [illegible] اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاع [illegible] حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں مینجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے مشتہرین کی تحریرات کے [illegible]

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے [illegible] رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور قومی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں [illegible] نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۴۴ نمبر ۴۴

مضامین عید

بابت ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء

پُر معنی کلام

مسٹر پنچ۔ ایک شاعر صاحب کی غزل کا مطلب ایک بزرگوار نے ایک جلسہ میں بیان کیا تھا مجھے وہ غزل بھی پسند آئی اور تشریح مطالب بھی لہٰذا پیش کش خدمت ہے:۔

ہم مر رہے ہیں اور وہاں کچھ اثر نہیں
قاتل ہوں میں چھری کو خود اسکی خبر نہیں

مطلب۔ حالتِ جانکنی میں عاشق کہتا ہے کہ ہم تو مر رہے ہیں اور وہاں (یعنی معشوق کو) کچھ اثر ہی نہیں۔ مصرعۂ ثانی تمثیل ہے جس طرح چھری قاتل ہوتی ہے مگر اُسکو خود ادراک نہیں ہوتا کہ میں مذبوح کی قاتل ہوں بعینہ وہی حال معشوق ہے۔

محاسن۔ اس شعر میں ہم سے مراد عاشق ہے جس نے اپنی ذات کو بھیڑ فرض کیا ہے اور چھری سے مراد معشوق ہے۔ یعنی جس طرح بھیڑ کو چھری ذبح کرڈالتی ہے اور اسکو اس ظلم کا ادراک نہیں ہوتا اسی طرح میرے معشوق کو بھی اپنی جفا کا ادراک نہیں۔

جدت۔ چھری کرآلۂ قتل ہم سمجھتے تھے شاعر نے مبالغۃً زید و عمر کی طرح یا شمر قاتل کی طرح قاتل فرمایا ہے۔ اور ابھی.... جدت ہے شعر سب سر باندھتے ہیں۔ تو تو اُسکو تاڑ باندھ بوسے کی گر ہوس ہو تو گردن سکے پاڑ باندھ

لطف یہ پیدا کیا ہے کہ چھری تو ذبیحہ کے گلے سے متصل ہوتی ہے جب ذبح کرتی ہے مگر شاعر ایسی بےخبری ہے کہ اُسکی چھری یعنی معشوق اس سے بہت دور ہے قرینہ دوری محبوب کا لفظ (وہاں) اسی شعر میں ہے۔ اور گلے ہاتھ معشوق کی بےگناہی۔ کم سنی کا بھی ایما ہے۔ قوتِ نظم کی داد دیجیے کہ وہ معشوق جو انسان تھا اور ذوی العقول میں داخل تھا اُسکو جمادات کے سمت میں مندرج کر دیا اور سلب قوت ادراک اُس سے کر دیا۔

افسوس ہے کہ ہم کوئی ہمدردی بھی شاعر سے نہیں کر سکتے اسلیے کہ اُن ہی کے ارشاد کے موافق اُن کا معشوق انسان ہرگز نہیں بلکہ چھری ہے چھری سے دل ہی کیوں لگایا چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر ضرر خربوزہ ہی کا ہے۔

یہ کوئی زندگی ہے کہ مرتے ہوے ہیں
گزرا ہے سب شباب بہر دو پہر نہیں

شاعر اپنی زندگی پر ملامت عالم پیری میں کرتا ہے کہ سارا عہد شباب مرتے ہوئے ختم ہوا بیہودہ بیکار گیا مرتے ہوے زندگی۔ شباب۔ الفاظ میں تناسب تو ہے۔ مگر حاصل شعر تغزل سے عاری ہے۔ اسلیے کہ عشاق مرنا۔ محبت کرنا شرف سمجھتے ہیں اور ترک محبت نہیں کرتے اور اس شعر میں نفرت ظاہر کی جا رہی ہے اور اُس زمانۂ دراز شباب تعشق پر افسوس۔ اصل یہ ہے کہ شاعر جوانی کی غلط کاریوں پر بڑھاپے میں نادم ہے۔ .... یہ ایک اور فطرتی حالت شعر سے ظاہر ہو رہی ہے کہ بعد شباب ضعیفی میں پچتا رہے ہیں۔

اس دل کی وجہ سے ہے تم اپنا چکے جسے
وہ ایک بےبسی جو ادھر ہے اُدھر نہیں

مطلب جو دل تمہارا ہو چکا اور ہمارا اُسپر اب کچھ قابو نہیں ہے اُسی دل کی وجہ سے یہ بےبسی (ہماری) ہے جو ادھر یعنی ہم کو ہے اور اُدھر یعنی تم کو نہیں۔ ظاہر ہے قوت العاشق قلب ہی سے متعلق ہے یہاں قلب غریب شاعر کے پاس نہیں وہ تو دلربا کے قبضہ میں ہے اب ان کو مایوسی ہے اور بےبسی کی حالت میں ہیں اب یہ تو بالکل از کار رفتہ ہوگئے اور بےبس ہیں وصال کی ناقابلیت کا عذر اس سے بہتر ممکن ہی نہیں۔ ہائے کیسی بےبسی ہے۔

جدت شعرا پہلے جدت تخیل میں پیدا کرتے تھے اب زمانہ سہولت پسند ہے مضمون آفرینی میں دماغ سوزی بھی ہے۔ مگر الفاظ گڑھنا خیر اس دشوار نہیں کھوسا فی زمانا عثمانیہ یونیورسٹی کو خدا رکھے اب تو الفاظ گڑھنا بھی نہیں پڑتا گڑھی گڑھائی لفظیں ستیاب ہو جاتی ہیں مثلاً برقانا رشکانا اسی طرح سے اپنا چکنا مصدر مرکب بنا لیا ہے۔ توسیع زبان کا ایسے ہی شعرا کو فخر حاصل ہے۔ مطلب صاف ظاہر ہے معشوق ان کے دل کو اپنا چکا یہ اُسکی محبت میں اپنا دل غیرا چکے البتہ دوسرے مصرعہ میں "ایک" بھرتی کا لفظ ہے بغیر اسکے بھی مطلب صاف تھا۔ غالباً یہ بھی طرز انگریزی کی تقلید ہے۔ مگر افسوس ہے کہ طرز انگریزی کی نقل کرنا اور انگریزی سے نابلد ہونا ایک ایسی حماقت ہے۔ جیسے کوئی انگریزی ناخواندہ ناول یا ڈراما لکھے اور اپنے خامہ فرسائی پر فخر کرے مگر آجکل یہ مرض عام ہوگیا۔

اپنی لپک بڑھا دے اب اے شعلۂ جمال
پروانہ بن گیا ہوں اور اُڑنے کو پر نہیں

مطلب۔ معشوق کو شعلۂ رخ کہتے تھے شاعر نے جمال معشوق کو "شعلہ" خطاب دے کر مخاطب کیا ہے اور درخواست کی ہے کہ تو اپنی لپک اور زیادہ کر دے اس سے ظاہر ہے کہ شعلۂ جمال ابھی ناقص ہے انتہا کی لپک کو ابھی نہیں پہونچا یا یہ کہ شعلۂ جمال کا بھی کوئی ریگولیٹر ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے جب چاہیے شعلہ کو جمال گھٹا دے یا بڑھا دے۔ اور خواہش عاشق شعلۂ جمال بڑھانے کی صرف اس نظر سے ہے کہ عاشق پروانہ بنا ہے (جس طرح بچے کیلے کو بند کر کے تتلی بناتے ہیں) مگر بے پر کا پروانہ بنا ہے۔ یا اس کے پر شعلۂ جمال سے جل گئے لیکن شعر سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ پروانہ بننے کے بعد شعلۂ جمال سے لپک بڑھانے کی خواہش کی گئی ہے۔

اس شعر میں دو لطف لائق داد ہیں۔

(۱) پروانہ کا فلسفہ (۲) بن چکنا۔

۱۔ پروانہ کا فلسفہ عجائب المخلوقات میں جو ایک عربی کتاب ہے یہ لکھا ہے اَلفَرَاشُ دَعْمُوصٌ نَبَتَتْ جَنَاحَیہ پروانہ دیمک ہے جسکے پر نکل آئے ہیں گویا شاعر صاحب بےپر کے پروانے بنے ہیں ابھی گویا بلاتشبیہ دیمک ہیں پر ہوتے تو پرواز کرتے شعلہ کی

چراغ روشن کیے ہے جسکو دیکھنے والے طے کر چکے کہ سحر تک نہیں باقی رہے گا اسی طرح عاشق علی داد کی جوانی کو لوگوں نے دیکھ کر طے کر دیا کہ یہ جوانا مرگ ہوگا بڑھاپا ہونا اسکو نصیب نہ ہوگا مگر خود عاشق صاحب کو اس کا احساس ہی نہیں ہوا۔

میں نے خارج صاحب سے بہت شاعر کا نام اور تخلص پوچھا انھوں نے کہا کہ کسی کا نام لینا غیبت ہے اور غیبت حسیت ہے مگر شکر نام بتایا نہ تخلص۔

سُنیں جو طرح کی اُس مست نگہ کی باتیں
پھر جو دیکھا تو سب ہی نکلیں وہ بہکی باتیں

دجناب ظفر الملک کی گرفتاری پر ایڈیٹر اودھ پنچ کی نگارش)

۷۔ ستمبر سے ایک سخت خاکسار ایڈیٹر پر میعادی تپ کا حملہ ہوا اور اس نے دنیا و مافیہا سے بےخبر کر دیا۔ ۱۲۔ ۱۱ کو تپ سے نجات ملی۔ ہنگر اسٹرائک والے اپنے ارادے سے بےآب و دانہ رہے یہاں ڈاکٹر نے دانہ پانی بند کر دیا۔

جنت سے بڑا حال ہے۔ اتنے زمانے میں صد ہا دفعہ ہوئے اور گزر گئے۔ سار دا بل جو کہ درحقیقت شریعت اسلام کے اندرونی حقوق میں داخلت ہے اور جسے کمال بےحیائی مسلم ارکان کونسل نے پاس ہو جانا منظور ہو گیا۔ مگر جناب اودھ پنچ علیہ الرحمہ کہاں تھے جو ہر ہفتہ ہفتے کا نشتے اور عقلیت دلائل کے ساتھ بل کی تائید کرنے والوں کو خجت کرتے۔

افغانستان کے بارے میں بہ روایت ”از یکے شنیدم۔ راز کسے معلوم شد“ اقتوں جبو کی اطلاعیں تھیں لیکن مولانا اودھ پنچ بیمار نہ تھے جو ان سطالت و نزاکت کی تفصیل پیش کرتے اور حقیقت کھلتی۔

گاندھی جی نے موقع تاز کے دیکھ کے قومی مجلس کی صدارت سے منہ موڑا اور شیدائے آزادی کامل پنڈت جواہر لال نہرو کے گلے میں ”ڈومینین اسٹیٹس“ کا قلادہ ڈال دیا۔ یہ جبری توفیق ہنسنے ہنسانے کے قابل تھی لیکن ہنستا کون مسٹر پنچ صاحب تو ہوئے بخار کا چرخا کاتتے اور پنبہ زار خیال دماغ میں پونیاں بنا رہے تھے۔

سنا گیا کہ حضرت اردوین ہندوستان کا جی بہلانے کو پسنی جھنجھنے لئے کے ولایت سے چل کھڑے ہوئے اور اُن کا گودی کے قاضی کی طرح جو میلا دیکھنے گئے سوغات کمر بند میں باندھی راہ میں ندی پڑتی تھی پاجامہ اُتار کے کندھے پر ڈالا پہننا بھول گئے خالی کرتا پہنے گھر آئے۔ بچے بالے دوڑے کسی نے کہا ہماری انگوٹھی لاؤ کسی نے کہا آرسی دکھاؤ قاضی نے کرتا اٹھا دیا۔ بھائی اپنی اپنی سوغات کھول لینے سمندر پار سے عنقریب وارد ہند ہونگے اور سوغاتیں تقسیم فرمائینگے۔ مگر افسوس لارڈ پنچ کی طبیعت کہاں درست ہے جو سوغات کی تفصیل سنا کے مشتاقوں کا دل بہلائیں۔ علی ھذ القیاس ایک اہم واقعہ خود حضرت پنچ پر گزر گیا یعنی جناب ظفر الملک بہادر نے ایک نہ دو چند خوبصورت دلفریب دل آویز دلچسپ معروضات علی رؤس الاشہاد بذریعہ تحریر پیش فرمائے۔ ہائے کمزوری بیماری اور بڑھاپا تو بہ ابھی ہیں اور اتنے معروضات یہاں توجہ کی مہلت ہی نہ تھی انگریزی دواؤں کے کڑوے کسیلے گھونٹ پینے اور مُنڈ یا مزور کے شوربہ پینے کے سوا لکھنے پڑھنے کی طاقت کسے ہے۔ بایں ہمہ کسانت قلم

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۳۲۶ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت جناب سید شوکت حسین صاحب جج ماتحت بہادر بمقام اناؤ

پھمی پرشاد ولد رام بخش قوم برہمن ساکن سروانی گڑھ پرگنہ و تحصیل و ضلع اناؤ .... مدعی

بنام

روشن ولد ڈلو قوم ملاح ساکن موضع بھی کھیڑہ گنگا پار مزرعہ سلیم پور پرگنہ حاجی پور ضلع کانپور .... مدعا علیہ

بنام روشن ولد ڈلو قوم ملاح ساکن موضع کھیڑہ گنگا پار مزرعہ سلیم پور پرگنہ حاجی پور ضلع کانپور .... مدعا علیہ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ..... کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ اکیس ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء بوقت دس بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے کما حقہ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوی کی تائید میں تمام گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز حاضر کرو۔ مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بلا حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۲۴ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی — مہر عدالت

وقت حاضری دفتر ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

اطلاعنامہ بنام دائناں نسبت تعین تاریخ سماعت درخواست دیوالیہ

(دفعہ ۹ ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر بمقام ہردوئی

درخواست دیوالیہ نمبر ۱۰ سنہ ۱۹۲۹ء

بمقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی تیج سنگھ ولد جیت سنگھ قوم ٹھاکر وارد حال پڑواہ کمگیشر مزرعہ ہردوئی۔

بنام مہاجنان

ہرگاہ مسمی تیج سنگھ نے عدالت ہذا میں بذریعہ عرضی مورخہ ۲۰ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء درخواست کی ہے کہ حسب منشاء ایکٹ دیوالیہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء دیوالیہ قرار دیا جاوے اور تمہارا نام فہرست دائناں میں جو مدیون مذکور نے داخل کی ہے پایا جاتا ہے لہذا تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ ۱۱ ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۹ء واسطے سماعت درخواست مذکور بمقصد صادر لینے بیان مدیون کے مقرر کی ہے۔ اگر تم کو اس معاملہ میں پیروی کرنا ہو تو اصالتاً یا بذریعہ وکیل جو حال مقدمہ سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو حاضر ہو۔

آج بتاریخ ۴ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی — مہر عدالت

وقت حاضری دفتر دس بجے سے ۴ بجے شام تک

بعدالت جناب ڈسٹرکٹ جج بہادر گونڈا

درخواست دیوالیہ نمبر ۲۲ سنہ ۱۹۲۹ء

چودھری رفیع وغیرہ۔

بنام مہاجنان۔

معاملہ چودھری رحیم پسران گرلی قوم جلد ساکنان گرشا مرلا پرگنہ گونڈا سائلان دیوالا۔

بنام

شیونندن۔ سندر سنگھ۔ رام سیوک۔ گیا پرشاد۔ رام آسرے۔ بالک رام ترجھون اجودھیا سنگھ نرائن سنگھ بہادر دیو وسرداد سنگھ۔ قرضخواہان۔

ہرگاہ کہ سائلان مذکور نے ایک درخواست عدالت ہذا میں بنابر قرار دئے جانے دیوالیہ کے بتاریخ ۷ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء کو گزرانی ہے اور ہرگاہ کہ عدالت ہذا نے تاریخ چھبیس اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء واسطے سماعت مقدمہ و ثبوت و اظہار قرضخواہان کے مقرر کی ہے۔ لہذا اگر تمکو نسبت درخواست مذکور کے کوئی عذر ہو تو اصالتاً یا بذریعہ وکیل پیش کرو۔ ..... بثبت میرے دستخط اور مہر ..... آج بتاریخ ۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا

دستخط انگریزی جھینگر پرشاد منصرم ۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء — مہر عدالت

اٹھاتے ہیں

مدیر لسان الملک صاحب کا پیش کردہ معروضۂ اول

یہ ہے کہ ؎

ڈبڈبائیں آنکھیں آنسو تھم رہے
کاسۂ نرگس میں جیوں شبنم رہے

میر کے چھپے ہوئے دیوان میں موجود نہیں غزل اپنے دیوان سے نقل کر دیجیے کہ دیوان کی تکمیل ہو جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہاں نہ ہوگا۔ یہ ہمارا گمان تھا کہ مطلع مذکورہ ابیات سمیت چھپ گیا ہوگا۔ اُنکے معاصرین مثلاً خواجہ میر درد و میر تقی کی غزلیں اسی زمین میں موجود ہیں۔ میر کا بہت سا کلام ابھی تک نہیں چھپا۔ میرزا ابو طالب خاں لندنی ابن حاجی محمد بیگ خاں عباس آبادی اصفہانی ملازم نواب شجاع الدولہ بہادر نواب وزیر اودھ نے ایک نہایت ضخیم تذکرہ شعرائے اردو مرتب کیا تھا اُس میں بھی جو منتخب کلام میر مرحوم کا موجود ہے مطبوعہ دیوان اُس سے خالی ہے۔ مذکورۃ الصدر مطلع زمینداری میں مندرج کیا لیکن جناب سید ذاکر حسین صاحب اہل لکھنؤ کہتا (جو ایک نوجوان خوش طبع شاعر اور مولانا علی میاں کامل مرحوم کے پوتے ہیں) کہ یہ مطلع سید ضیاء الدین حسین ضیاء دہلوی عامر میر کا بھائی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تپے دارم کہ گردش ز سنبل سائباں دارد
بہار عارضش خطے بخون ارغواں دارد
چہ دشوار است ای رہ کہ ہر سلطان معنی را
درین درگاہ می بینم کہ سر بر آستاں دارد

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ انجمن واسطی کا تیکیسواں آل انڈیا سالانہ وارثی مشاعرہ" امسال بصدارت عالیجناب سراج الشعراء لسان الطریقت حضرت بیدم شاہ وارثی بتاریخ ۲ ماہ نومبر ۱۹۲۱ء بروز شنبہ بوقت ۱۰ بجے شب بمقام کوٹھی عالیجناب سید مقبول حسین صاحب شریف (مروی گنج) لکھنؤ منعقد ہوگا

پہلا دور طرح اردو :-

ہیں جو در نظر آیا تمہارا آستاں سمجھے

(آستاں - داستاں وغیرہ قافیہ سمجھے ردیف)

دوسرا دور طرح فارسی :-

ہر سو جلوہ دوست بینم ہر جا آستاں دانم

(آستاں - داستاں - وغیرہ قافیہ دانم ردیف)

نوٹ :
داخلہ بذریعہ ٹکٹ ہوگا۔

المعـــــلن

فقیر سید اختر حسین الملقب بہ عطا شاہ وارثی بانی انجمن واسطی و ایڈیٹر رسالہ ماہ جہاں نما لکھنؤ

بیاض میں ہے جو اُنھوں نے مرزا شجاعت علی بیگ مرحوم سفیر ایران سے حاصل کی ہے دو شعر اور بھی ہیں ؎

نام میں درد ہے صد کیا ہم نے کم سے
لے کے اس کو کیا کوئی خرم رہے
زندگانی کا مزا ہے یہ خفیا
غم رہے نت نت رہے ہم ہم رہے

لیکن اب اس مطلع یا اس غزل سے آپ کو مطلب ہی کیا رہا آپ تو "آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں" اس پورے جملے کی سند مانگتے ہیں۔

دوسرا معروضہ یہ ہے کہ جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ "آنسوؤں سے" زائد ہے تو کیا اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ جو فقرہ آشفتہ صاحب کے قلم سے نکلا وہ غلط تھا۔ الی آخرہ۔

التماس ہے کہ میں نے "آنسوؤں سے" کو زائد نہیں تسلیم کیا۔ میں نے تو رفع مقدر کی ایک تصریح کی ہے۔ آپ نے میری کس عبارت سے یہ مطلب اخذ کیا۔ جو اصلاح کہ فاضل معترض نے اپنے خواب میں خواجہ میر درد سے آشفتہ صاحب کو دلائی ہے اُسمیں بھی آنسو موجود ہیں یعنی خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ یوں کہو۔ "آنسو آنکھوں میں ڈبڈبا آئے" اگر خواجہ صاحب کا خوابی کلام صحیح ہے تو یقیناً "آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں" بھی صحیح جملہ

ہوا۔ پہلے کہ "آنسو ڈبڈبا آئے" اور "آنکھیں ڈبڈبا آئیں" دونوں اپنے محل پر درست ہیں اور بولے جاتے ہیں۔ ایک جملہ میں "ڈبڈبانا" آنکھ سے اور دوسرے میں آنسو سے ڈبڈبانا دونوں سے متعلق ہے۔ یہ فرمایا کہ "اُن کا اعتراض جملہ کی ہیئت و ترکیب پر تھا" اور جاسے محض ہے جسکا ذکر معترض کے کلام میں نہیں۔ یہ گویا قیاسی و سماعی جواب اور خدا کے فضل سے کسی کا تقاضہ نہیں کہ دلیل معقول اسے رد کر سکے۔ محض میرا یہ کہہ دینا کہ بولا جاتا ہے محلات کی زبان ہے بے عذر و حجت لوگ اسوجہ سے تسلیم کر لیتے ہیں کہ میری عادت جھوٹ بولنے کی نہیں ایک آپ پیدا ہوئے اور بہت مدت بعد پیدا ہوئے جو طرف داری کا الزام عائد فرماتے ہیں۔

میں حوالہ اور سند دینے پر قادر ہوں اور ثابت کر سکتا ہوں کہ ٹھیک یہی محاورہ اسی طرح نظم ہو چکا ہے اور اُسوقت نظم ہو چکا جب میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا شاید آپ نے میر انیس مرحوم کا نام تو سنا ہوگا۔ یہ ایک شاعر تھے مرثیہ کہتے تھے چند لوگوں کا خیال ہے کہ ان سے بہتر شاعر ابھی تک پیدا نہیں ہوا مناظر ارض و سما کی تصویر و واردات قلب کی تمثیل نہایت آسان الفاظ میں کھینچ دینا اور فصاحت کے سحر یا عالم کو گرفتار کر لینا اُن کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ آپ کو انھیں اہل زبان تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں مگر سُن لیجیے وہ کیا کہتے ہیں۔

حضرت علی اکبر جنکی صورت و سیرت آواز چال ڈھال رسول اللہ کی ہوبہو تصویر تھی پدر عالی قدر کے حکم سے اذان دینے لگے اور جاں نثار اصحاب رسول کو رسول اللہ کی آواز یاد آگئی رسول کی یاد نے اُن کے دل گداختہ کر دیے اس محل پر ایک بیت فرماتے ہیں ؎

ہر اک کی آنکھ آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسول کی کانوں میں آگئی

ہم کسی سلاری کمپس مداری یا داشتہ بد ہو لغاتی سجانی سے جو آپ کے نزدیک اہل زبان ہونے کی اہمیت رکھتے ہیں واقف نہیں اور واقف بھی ہوتے تو اپنی زبان کے متعلق مشورہ لینے نہ جاتے۔ آپ

نغمۂ ہیج (حجاز) "پیار موہنیا نباہنا ہوگا .... بھر بھر کے جام شرابِ محبت -

پینا ہوگا پلانا ہوگا .... (ولس مور)"

اپنی جگہ یہی سمجھتے ہیں کہ آشفتہ صاحب نے محاورے میں تصرف کیا ہے بلکہ قول محتتم جو کچھ کہنا تھا استفسار کے جواب میں لکھ چکے۔ اگر آشفتہ صاحب کا قول ذرہ بھی کانوں میں کھٹکتا تو کبھی یہ نہ کہتے کہ یوں بھی کہتے ہیں۔

تیسرا معروضہ کچھ ایسی کتابوں سے متعلق ہے جن میں کئی بالکل اجنبی اور ساقط از اعتبار ہیں مثلاً محل خانہ شاہی یہ کوئی فرضی کتاب ہوگی جس نے محلات کی زبان کے بارے میں جناب ظفر الملک کے جمل مرکب کو فی الجملہ علم سے بدل دیا ہوگا۔ ہم تو ایسی یا درہوا کتابوں کو زبان بگاڑنے والی چیز خیال کرتے ہیں محل خانہ شاہی میں دیپلک پبیا کے مضامین آپ ڈھونڈیے اور جو آنسوؤں سے آنکھیں ڈبڈبا آنے کا محاورہ انہیں نہ ملے تو آنکھیں پھٹ پھٹا کے بیٹھ رہیے یعنی ہذا القیاس لغات النحواتین اور بی لغات النسا ہیں انکی ضرورت نہیں۔ ہمارے گھر کی زبان میں ابھی تک کوئی تغیر نہیں لہذا یہاں یہ کہنا درست نہیں کہ "آپ ایسے زمانہ میں ہیں جبکہ لکھنؤ میں کوئی چیز اپنی اصلی حالت پر نہیں" وہ بازاری عورتوں کی زبان ہے جو بیشک ناہموار و نامنجار ناولوں کے مطالعے اور بیرونی اشخاص کی صحبت سے بدل گئی اور بدلتی رہتی ہے۔ یہ بھی خدا کی ایک عنایت خاص ہے کہ اب لکھنؤ کی خاک سے پیدا شدہ رنڈیوں کی تعداد لکھنؤ میں اقل قلیل ہے چوک میں گزرنے والے راہگیروں کو کمروں سے اکثر اسی زبان کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے جو جناب ظفر الملک کے وطن مقدس میں بولی جاتی ہے۔

(۱) اری او نجیر جاں (نظیر جان) کھمی کی بنگی (کنگھی) کینگھسے (کہاں) رکھی ہے۔ تنی (زری) دے دے۔

(۲) گھبار کے مارے جیو نسا سی ہے نسیا گاؤ۔ پیچھا نا ہیں چھوڑت۔

(۳) نبیار ہے تنی گوڑ ٹار لیو۔ رکھے (رشک) کھبری (کھلی) جات ہے۔ لے ام کھو ادھنی (دھنی) پی لیو ٹھنڈی کھبی جات ہے۔

اسی ضمن میں جناب ظفر الملک بہادر تحریر فرماتے ہیں کہ "لکھنؤ کے مشہور فسانہ نویس مرزا فدا علی صاحب خنجر بھی ہیں اور انھوں نے اس فقرے کو غلط قرار دیا ہے اب فرمائیے کہ محلات کی زبان کے علامہ آپ تسلیم کیے جائیں یا خنجر صاحب جو آپ سے سیتا پوری تعلقات کے لحاظ سے آپ کے مقابلے میں لکھنوی سمجھے جانے کے زیادہ مستحق ہیں"

اس فقرے کے معانی ہماری سمجھ سے باہر ہیں اس استفسار کا جواب ہم کیا دیں۔ جناب مرزا محمد عسکری صاحب نے انھیں استفسار کے قابل سمجھا آپ انھیں لکھنوی سمجھے جانے کا مستحق سمجھتے ہیں ہم موصوف سے واقف نہیں نہ ہم نے ان سے مقابلہ کیا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ انھیں کو علامہ قبلہ استاد سمجھیے اور جو رشتہ جوڑنا چاہتے ہوں انسے جوڑیے اس اضافت و استعارے سے آپ کے شرف ادبیت و دانائی میں مضبوطی پیدا ہو جائے گی۔ رہ گئے سیتا پوری تعلقات تو یہ کوئی چیستاں ہے سیتاپور سے ہمارے تعلقات نہ کبھی تھے نہ آج ہیں معلوم ہوا کہ آپ ہمارے تعلقات سے بہ نسبت ہمارے کچھ زیادہ آگاہ ہیں۔ اگر آپ نے کوئی تعلق اپنے دل میں ٹھہرا لیا ہو تو مطلع فرمائیے۔

معروضۂ چہارم۔ لفظ خود رفتہ کے متعلق ہے فرماتے ہیں کہ "خود رفتہ کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ فرہنگ آصفیہ میں موجود ہے۔ اگر ایسا ہے تو کتاب کا حوالہ دیا جائے"

کتاب کا حوالہ اور کیونکر دیتے ہیں نام لکھ دیا ہے فرہنگ میں ڈھونڈ لیجیے۔ ایک صاحب نظر نے کہا ہم نے بھی لکھ دیا کہ یوں سنا ہے۔ لغات کی ہمیں ضرورت نہیں۔ سند جو یاد تھی لکھ دی۔ ایسے الفاظ میں فارس کے اہل زبان نے اکثر "از" حذف کر دیا ہے مثلاً "از پا فتادگی" کی جگہ "پافتادگی"۔ سعید قریشی ؎

مشکل بود کہ بے تو دگر نشست ما
پیچیدہ است زلف تو بر شکست ما
چوں سبزہ در رہ تو بجز پافتادگی
اے سرو من بگو کہ چہ آید ز دست ما

از خود رفتہ اور از خود رفتگی کا وجود اہل فارس کے کلام میں نادر ہے۔ اہل ہند کے فارسی کلام میں اکثر ہے۔ اور انھوں ہی نے اس میں تصرف کیا ہے۔

کتاب کا نام لکھ دینے کے بعد جب آپ کتاب کا نام پوچھتے ہیں تو آپ کی بے خبری اس افیونی سے بڑھی ہوئی نظر آتی ہے جسکے سر پر کلاہ تان بیٹھی دوسرے افیونی صاحب نے کہا دیکھو بھائی تمہارے سر پر بھڑ ہے بھائی نے اپنی ٹوپی کے عوض دوسرے کی ٹوپی اتار لی اس نے فریاد کی کہ یہ تو میرا سر ہے افیونی صاحب نے فوراً سوال کیا کہ "تو پھر میرا سر کہاں ہے؟" واقعی خود رفتگی کے یہی معنی ہیں۔

معروضۂ پنجم۔ بھرم سے متعلق ہے آپ پوچھتے ہیں کہ اعادہ کی کیا ضرورت تھی اگر آپ کے پاس سند نہیں تو ساکت رہنے میں کیا نقصان تھا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ سند تو استفسار کے جواب میں لکھی جا چکی ہے خدا احباب کی عقل کو روشن کرے۔ اگر یہی حال ہے تو بار بار اعادہ کی ضرورت ہوگی میرا دعویٰ تھا کہ بھرم کے معنی اعتماد و رعب احتشام وغیرہ ہیں میر حسن فرماتے ہیں ؎

چمن میں گل تو بہت پھول پھول بیٹھا ہے
جو یار آوے ابھی تو بھرم نکل جاوے

بھرم نکل جاوے کے معنی یہاں بجز اسکے کیا لیے جا سکتے ہیں کہ تمام رعب و جلال و غرور کا خاتمہ ہو جائے۔ ایسے صدہا شعر ہیں۔

معروضۂ ششم کی حقیقت یہ ہے کہ جناب ظفر الملک نے مجھ پر آشفتہ صاحب کی طرفداری کا الزام لگایا گویا میں نے جناب مرزا محمد عسکری صاحب کے مقابلے میں آشفتہ صاحب کی طرفداری کی یہ دھمکی افساد ہے۔ استفسار کے جواب میں جو بے لوث تحریر سے حاصل کی گئی اسکی اشاعت کا حق ضرور آشفتہ صاحب کو حاصل تھا اسلیے کہ وہ تحریر انکے مفید مطلب تھی ان پر حملہ کیا گیا تھا وہ دفاع کی سعی کر رہے تھے۔ یہ کوئی افساد نہیں طرفداری کا الزام لگانے والا بے شک افساد کے خلاف شرافت جرم کا مرتکب ہے۔ اس نے میری ذات پر بھی بدون استحقاق حملہ کیا اور میرے کردار پر بھی۔ ظفر الملک صاحب اگر اسے نیک خیال

کرتے ہیں تو وہ اصول اخلاق کے مجاز ہیں اور آئندہ اُنکی تحریروں کا جواب وہی لوگ لکھیں گے جو اس قسم کے اخلاق و عادات کو ٹھنڈے کلیجے برداشت کر لیں۔

اسی سلسلے میں معروضۂ ہفتم کا جواب بھی سُن لیجیے کہ ادبا و الشعرا کا قلم کبھی نفس مضمون شعر یا عبارت متنازعہ سے آگے نہیں بڑھا نہ اُنھوں نے کبھی دوسرے پہلوؤں میں لڑ وانے کی فکر کی پس اُنکی تحریرات کو آپ اپنے افادات پر قیاس نہ فرمائیں اسلیے کہ فارق موجود ہے۔ آپ نے بلا وجہ آشفتہ صاحب کی نسبت بھسر لوح ہو یا نت اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ لکھے اُن کی ادب شناسی اور شرافت کا اپنی زبان دانی سے مقابلہ کرکے دیکھیے۔

وھذا امر من الجھل لا یعالج الا بما عالج ابو بکر الخوارزمی رحمہ اللہ فی بعض رسائلہ

میں اس قسم کے الفاظ کی برداشت نہیں رکھتا اور جب تک مجبور نہ کیا جاؤں ہرگز کبھی یہ روِیّہ اختیار نہ کروں گا۔

معروضۂ ہشتم میں آپ اُن تمسکات کی تفصیل پوچھتے ہیں جنھیں میں غیرمستند مانتا ہوں اور بعض بزرگواروں کے نام لیتے ہیں۔ میرا اشارہ ان افراد کی طرف نہیں بلکہ اُن مضامین کی جانب ہے جن کے مطالعہ تالیف یا اشاعت کی بدولت آج آپ اپنے نزدیک اُردو کے محسن بن بیٹھے ہیں اور یہی آپ کے ذہنی تمسکات ہیں۔ چنانچہ معروضات میں آپ کے بعض تمسکات اور بھی معلوم ہوئے کل اکٹھا ہو جائیں تو اعتراض کروں۔ یہ طعن کہ اگلے وقتوں کی ایک یادگار آپ ہی رہ گئے ہیں عجیب و غریب طعن ہے۔ اے حضرت کیا آپ اگلے وقتوں کی یادگار نہیں ہیں؟ واللہ آئینہ سامنے رکھ کے دیکھیے تو شاید تعبیر و تفسیر کی ضرورت نہ ہو تصویر کھنچ جائے۔ آپ کو اپنی قدر نہیں ہے۔

معروضۂ نہم شعر ہے کہ "رنگ کیا" کے سلسلے میں آپ کو اصرار ہے کہ یہ غلطی کاتب ہے اسلیے کہ ایسی غلطی کوئی اہلِ زبان نہیں کر سکتا یہ بھی شست اور گواہ چست مشہور ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ جی ہاں مجھے اصرار ہے۔ خود مستفسر نے استفسار میں حاشیہ پر یہی لکھا تھا کہ غلطی کاتب ہے۔ خواہ وہ مبصر میں اعلان کرے یا نہ کرے۔ یہ اسکی ایمانداری ہے کہ اُس نے نقل کے وقت منقول عنہ کی پوری پیروی کی۔ غلطی کتابت کا جو بہر ہے خصوصاً مبصر کا کاتب جسے میں خود جانتا ہوں کاتب ہی نہیں مصنف بھی ہے اگر مرزا محمد عسکری صاحب اپنے کسی مضمون کے بارے میں ایک یا چند الفاظ کاتب کی غلطی کی طرف منسوب کریں تو میں اُسے بھی بخوشی منظور کروں گا۔ میں جناب کا سا پاک نفس اور خوش ایمان ہرگز نہیں ہوں۔ آپ یہی کہے جائیں کہ طرفداری کرتا ہوں دفع اعتراضات کے بعد یہ طرفداری حق پر محمول ہے۔

آپ نے شاید "مبصر" کی تنقید جو اردو پنچ میں شائع ہو چکی ہے ملاحظہ نہیں کی۔ حالانکہ اردو پنچ برابر حاضر خدمت ہوتا ہے۔ اردو پنچ جلد ۲۴ نمبر ۵ ملاحظہ فرمائیے۔ معلوم ہو جائے گا کہ طرفداری کی ہے یا حق بات کہی ہے۔

"مبصر" ایک نووارد ہے اسکے دونوں اڈیٹروں سے مجھے نیاز حاصل ہے گفتگو اور وقت ملاقات ہوتی رہتی ہے بارہا میں نے بجیال خود مفید مشورے دیے ہیں۔ آپ کو اسکی کیا خبر۔ کوئی کام بیکدم مکمل نہیں ہو جاتا۔ ناطق صاحب آدمی تجربہ کار ہیں وہ تکمیل کے درپے ہیں۔ اسوقت لکھنؤ سے یہی ایک معیاری ادبی پرچہ ایسا نکل رہا ہے جو اہلِ لکھنؤ کے زیر انتظام ہے ضرورت اسکی نہ تھی کہ اسکے ہر نمبر پر اردو پنچ میں تنقید کی جائے خصوصاً جبکہ میرا زبانی مشورہ قبول کرنے میں ناطق صاحب اور آشفتہ صاحب معذور پس و پیش نہیں کرتے ہیں نے جناب مرزا محمد عسکری صاحب کی روش اختیار نہیں کی ورنہ میں بھی یہی کر سکتے تھے جو میں کرتا ہوں کم از کم آشفتہ کی طرف سے میں ذمہ لیتا ہوں جنھوں نے بیرونی تحریب زبان پر جس کا سلسلہ برابر جاری ہے کبھی قلم نہیں اُٹھایا اور اپنے شہر کے ایک چند سہ سہ پر یوں دھوم دھام کے ساتھ جاگتے میں نہیں خواب میں حملہ کر دیا۔ پھر حملہ بھی فرمایا تو ایک بچوں سی کمزور سے۔ پوچھئے بھی کون ہمیشہ رونی۔ معنادہ کے الزام سے بچنے کی صورت یہی تھی کہ پہلا اپنا خواب مبصر میں بھیجتے جب تعبیر ابھی نہ ملتی تو دوسرے رسالے یا کاغذ کا سہارا لیتے۔

مجھے معلوم ہے کہ میرے صاف صاف جملے دلوں کو گراں گزرتے ہیں گر صاف گوئی ایک اچھا شیوہ ہے لوگوں کی خاطر سے یہ شیوہ ترک نہ کروں گا۔

معروضے ختم ہوئے جن جملوں کے جواب مفصل نہیں معلوم ہوتے عبارت سے نکل سکتے ہیں۔ فقط

المختصرات

ابکی پورا پرچہ اصلاح زبان کے نذر ہو گیا۔ یا یوں کہیے کہ جناب نواب ظفر الملک بہادر الناظر یار جنگ خلد اللہ نظارتہ کے جواب میں صرف ہو گیا۔ اصلاح زبان "اردو پنچ" کا اوّلیں فرض ہے۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرض ابھی چند ہفتے اور پورا ہوتا رہے گا۔

اس نمبر کا کارٹون تھپ پہ جا کے بگڑ گیا۔ اب یہ کارٹون نہیں اندھیرا ہی کی تصویر ہے العبرۃ العبرۃ سار دا ایکٹ کی تائید میں (بحوالہ اخبار) مشیر ہوانی صاحب نے فرمایا کہ شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے صدیقی صاحب ہرزہ سرا ہوئے کہ اسے مذہب اسلام سے قطعاً تعلق نہیں اسکا تعلق معاشرتی امور سے ہے۔ یہ ارکان شریعت محمدیہ واقعی بڑے جری ہیں اہلِ اسلام نے انہیں انتخاب کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔

شریعت نابالغوں کا نکاح جائز کرتی ہے اور اسپر سزا دیتے ہیں واقعی اسے شریعت سے کیا تعلق۔ خود رسول اللہ کی شادی ایک نابالغ صاحبزادی سے ہوئی اگر آج وہ موجود ہوتے جو جناب خرمانی اور حضرت علامہ صدیقی صاحب معاشرتی قانون کی بموجب انھیں سزا ملنے پر غالباً تاسف نہ ہوتے۔ رسول اللہ کو عالم بالا میں ان حضرات کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ متمم مکارم اخلاق مصلح معاشرت کے قانون میں جو خامیاں رہ گئی تھیں اب وہ نکلتی جاتی ہیں۔

علاج اب صرف یہی ہے کہ جن ہندوستانیوں کے حق میں یہ قانون مفید ہو انھیں کے لیے چھوڑ دیا جائے مسلمان اسکی پابندی نہ کریں

جلد ۱۴ — نمبر ۳۵

مضامین

بابت ۱۶ ستمبر ۱۹۲۹ء

گراموفون

* بلا ایران کے ہر گھر میں ہے پیسا فضول! ظاہر ا ہے خورشید ایران اس فضول خرچی اور بیسب نفاذی کے خلاف یوں آواز طنبہ کرتا ہے - ایڈیٹر

جیسے گرا فوں! اے بلائے ملک جم — ظاہرت زیبا یہ دل - باطنت افزاید غم
از تو تمت ایران مفلس دگر اگر نہ — ہاں زنا چہ میخواہی؟ اے عدوئے ما محرم
دل مدہ بہ آواز صفحۂ گراما فون — زہر قاتل ست آرے کرد با میانہ او رم
جہل و خود سری تا کے نفس پروری تا چند — ایں چہ بوالعجب عیشے ست کاخر آورد ماتم
از خیال سودائی جان خسرواں فرسود — کو طبیب تا بنہد زخم خویش را مرہم
ہستے وطن خواہاں! انا کہ ایں گراما فون — عاقبت کند ننگیں نام خطۂ اعظم
رائگاں مدہ از کف نام و ثروت خود را — باخرد آئے - ایں ننگ است بر سلالۂ آدم
بیش ازیں مکن غفلت بسکستہ بجو میسند — میتوی سرافگندہ پیش مردم عالم
چند روز و شب نازی از پے ہوائے نفس — ترک خود پرستی گو کے کن سرے دل خرم
اے سرودی ترسم صفحۂ گراما فون — عاقبت کند تیرہ روزگار ملک جم

(سرودہ حسرت زادہ پاذارگادی)

بالے پن کا بیاہ اور منطق آرا بیگم

(نمبر ۲ تتمہ ۱۹ اگست ۱۹۲۹ء)

یہ کہنا صحیح نہیں کہ صاحب کیا کریں بچے بالغ نہیں ہونے پاتے کہ لوگ بیاہ شادی کر دیتے ہیں نسل انکی کمزور پیدا ہوتی ہے۔ جوانی انکی جلدی سے ڈھل جاتی ہے۔ بچے بہت سے نکل پڑتے ہیں ماں باپ کو پالنے کا طریقہ نہیں معلوم - اسکے علاوہ موافقت آپس میں نہیں ہوتی - اسلیے کہ شریعت نے اسکی روک تھام کر دی ہے۔ نکاح بیاہ میں بلوغ کے ساتھ رُشد بھی شرط ہے۔ رُشد نہ ہو تو نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ رُشد سے مطلب یہ ہے کہ اچھے بُرے کی تمیز آجائے بلوغ کے قبل اگر لڑکی سے اُس کا شوہر ولے اور اعضا بے ٹھکانے ہو جائیں تو پھر وہ لڑکی شوہر پر عمر بھر کے لیے حرام ہو جاتی ہے اسے شرعی اصطلاح میں افضاء کہتے ہیں اور عمر بھر کا روٹی کپڑا بھی شوہر کو دینا پڑتا ہے۔ یہ ظلم ہے اور کوئی ظلم ایسا نہیں جس کا قصاص نہ مقرر کیا گیا ہو۔ اس قسم کے ظلم کے لیے یہ ضروری نہیں کہ نکاح بیاہ ہو جائے جب ہی ایسا ہو ایسے نگوڑے ہیں ہزاروں موجود ہیں جو راہ چلتی نابالغ لڑکیوں کو خراب کر ڈالتے ہیں۔ کچہریوں میں ہزاروں مقدمے اس قسم کے ہوتے رہتے ہیں ایسے ظلم کا دروازہ کسی کے بند کیے بند نہیں ہو سکتا - قانون فعل صادر ہو جانے کے بعد صرف سزا دیتا ہے کوئی قانون ایسا نہیں جو برائیوں کو نیست و نابود کر دے - یہ کام پند و وعظ نصیحت تعلیم کا ہے قانون کا نہیں ہے - نکاح ہو جانے کے بعد اگر شوہر کی زبردستی سے کوئی ضرر لڑکی کو پہنچ جائے تو اُسکا قصاص لیا جا سکتا ہے پھر کسی نئے قانون کی ضرورت ہی کیا ہے جو مخواہ مخواہ ماں باپ کے قدرتی حقوق اور اختیارات میں دخل دیتے ہو۔ دوسرے شریعت میں ایک قسم نکاح کی نکاح فضولی ہے جو دولہا دلھن دونوں کے جوان ہونے پر اُسوقت ٹوٹ جاتا جب آپس میں نباہ نہ ہو سکے دلھن اگر چاہے تو نکاح میں یہ شرط کرلے کہ نباہ نہوا تو مجھ کو فسخ نکاح کا اختیار بغیر طلاق کے مجھے حاصل ہوگا - نابالغ لڑکی کی طرف سے ماں باپ بھی ایسی شرط لگا سکتے ہیں - یہ ایک آسان طریقہ ہے نا چاقی کے ضرر سے بچنے کا - جہاں ایسی آسان شریعت موجود ہے وہاں ماں باپ پر خواہ مخواہ کی قید یں لگانے کے کیا معنی ہوتے ہیں - باپ قدرتی ولی ہے فرض کرو کہ وہ مالدار ہے بیماری کی وجہ سے اپنی نابالغ بچی کے بارے میں ہراساں ہے وہ کوئی اچھا لڑکا تجویز کرتا ہے اور لڑکے کے باپ سے کہتا ہے کہ میری زندگی کا بھروسا نہیں معلوم نہیں کب مرجاؤں تم اپنے لڑکے کی شادی اس لڑکی سے کرلو اسکی جائداد کا بندوبست کرنا اور جب یہ بالغ ہو جائے تو اُسکی جائداد اسے حوالے کر دینا - وہ قبول کرتا ہے وہ جائداد کا اچھے سے معقول انتظام کرنے پر مجبور ہے کہ جائداد اُس کے لڑکے کی ہے - بچی کی تعلیم تربیت میں اسوجہ سے زیادہ کوشش کرے گا کہ وہ اس کا بچہ ہے - بہو کی نگرانی اور دیکھ بھال اسوجہ سے کرے گا کہ وہ اسکے لڑکے کی ہم پہلو بننے والی ہے - کیا یہ قانون جو اب پاس کیا گیا اس قسم کے انتظام کو ایک جرم نہیں قرار دیتا؟ کیا بغیر شادی بیاہ کے اسطرح کا اطمینان ممکن ہے؟ کیا شادی نگوڑی ایسا جرم ہو گئی کہ اُسپر شریفوں کی مشکیں کسی جائیں پھر بلا وجہ بے سبب - حکومت کون ہوتی ہے ان اختیارات میں دخل دینے والی جو اُس نے ایسا بے ڈھنگا قانون

نوٹس نسبت دکھانے وجہ کے (نمونہ عام)

بعدالت دیوانی منصفی بلگرام مقام بلگرام ضلع ہردوئی

مقدمہ نمبر ۲۲ سنہ ۱۹۲۸ء

سورج نرائن ولد لالہ کلیان کی قوم کھتری ساکن قصبہ بلگرام .... مدعی

بنام

سید احمد علی و سید مہدی علی پسران سید منظر علی اقوام سید سکنائے قصبۂ بلگرام — مدعا علیہم

بنام - سید مہدی علی ولد سید منظر علی قوم سید ساکن قصبۂ بلگرام محلہ کاسو پیٹ — مدعا علیہ

ہرگاہ مدعی نے درخواست مرتب فرمائے جانے ڈگری قطعی اس عدالت میں گزرانی ہے لہٰذا اطلاع دیجاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بوقت ۱۰ بجے بتاریخ ۱۹ نومبر ۱۹۲۸ء اس عدالت میں حاضر ہو کر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ - اگر ایسا نہ کرو گے تو درخواست مذکور تمہاری غیر حاضری میں سماعت کی جاوے گی۔

تاریخ ۱۵ ماہ اکتوبر ۱۹۲۸ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔ — دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری بدفتر منصفی بلگرام ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک۔

بتا دیا۔

ہندوؤں کے یہاں ضرورت ایسے قانون کی تھی مگر انھوں نے بھی حماقت کی جو اسے تعزیرات ہند کا ایک جزو قرار دیا۔ ہندوؤں میں زنانی تعلیم ترقی پر ہے عورتوں کے اختیارات گھروں میں علاوہ ازیں بڑھ رہے ہیں۔ یہ واقعات تو سُنے جاتے ہیں کہ کم سنی میں شادی ہوئی نفاق ہوا جوتا چلا مگر اس قسم کی اتفاقی باتیں اب سننے میں نہیں آئیں کہ بیس برس کی عورت کی شادی تین برس کے لڑکے سے کر دی گئی۔ اور دولھن کو یہ گیت گانا پڑا کہ

اے چھنا تو را کارے ہم لڑیا
بن سوندہ یہ ملکا ہاتھی
مائی باپ کی لاج رکھوں نہیں
چھوڑ کے آنچل لپوٹیوں چھاتی

یہ خبریں بھی شاذ و نادر سُنی جاتی ہیں کہ تین برس کی دولھن اور ساٹھ سال کا نانا دادا کے برابر دولھا ہو۔ پڑھی لکھی لڑکیاں اپنے بیاہ کے بارے میں دخل بھی دینے لگی ہیں۔ وہ اگلا سا زمانہ اب نہیں کہ لڑکی بولے تو ٹینٹوا دبا دیا جائے۔ اسکولوں میں پڑھنے اور پردے کا رواج اُٹھ جانے سے سو میں پچاس ایسی شادیاں ہوتی ہیں جنمیں دولھا دولھن ایک دوسرے سے بات چیت کر چکے ہوتے ہیں۔ ایسی مصلحتی شادیاں جنکی مثالیں میں اوپر دے چکی ہندوؤں میں بھی ہوتی ہیں۔ قانون کی زنجیر سے ہاتھ جکڑ جانے کے بعد ماں باپ بالکل بے بس ہو گئے۔ اور پولیس کے ہاتھ ایک وصولس ڈالنے کا نیا آلہ آ گیا۔ بھلا ایک ایسی شادی رد کی جا سکتی ہے جو اس قانون کے مطابق نہ ہو۔ شادی ہو جائے وہ قانون کے رو سے ٹھیک بھی ہو تو پھر بھی گھڑ پیچ نکل سکتی ہے اور کوئی اس سے بچنے کا ذریعہ نہیں۔

شہروں میں تو خیر۔ دیہاتوں میں دیکھیے گا شادی بیاہ میں سرکاری خدائی فوجدار کیسی کیسی تحقیقاتیں اور کیسا ناطقہ تنگ کرتے ہیں۔ آج شادی بیاہ وبالِ جان ہے تو کل دیکھیے گا موت بھی دوبھر ہو جائے گی۔

....

آئندہ خط میں ارادہ ہے کہ اس قانون کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ لکھوں۔ مگر کمبخت انجار بے طرح جان کے پیچھے پڑا ہے۔

راقمہ
منطق آرا بیگم

انصاف

مفروض قائم مقام اصل

پاسے جو ہیں سبے تکیں

"یہ تم نہیں ہو تو نہ سہی۔ ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ تم ہو۔"

ادبی خطوط غالب

یہ ایک مجموعہ ہے مرزا اسد اللہ خاں غالب کے اُن اُردو خطوط کا جن میں مرحوم نے ادبی نکات و غوامض حل کیے ہیں۔ غالب مرحوم نے اُردو کی نظم و نثر میں ایک نیا طرز اختراع کیا۔ نظم میں گو انھیں زیادہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی لیکن اُن کی اُردو نثر ایسی دلآویز و دلچسپ ہے کہ خواہ مخواہ ایک عام آدمی کے دل میں بھی اُردو کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مرزا محمد عسکری صاحب بی اے نے اس مجموعہ میں انھیں خطوط کا انتخاب کیا ہے جن میں فارسی یا اُردو کے الفاظ کی تحقیق سے غالب نے اپنے شاگردوں کو مستفید کیا ہے۔ یہ نہایت مفید کام ہے۔ صحیح الفاظ پر اطلاع ہونے کے علاوہ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ آجکل ہر عامی بے محنت کیے محقق ہونے کا مدعی ہے ایسے لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ یوں محنت کرتے ہیں اور ایک ایک لفظ یا محاورہ کی یوں تحقیق کرتے ہیں۔ یہ کتاب ضرور اس قابل ہے کہ اُردو کے نصاب میں داخل کی جائے شاگرد اور اُستاد دونوں کو فائدہ پہنچے گا۔

ابتدائے کتاب میں بطور تمہید چند تحریروں کا اقتباس ایسی خوبی سے کیا ہے کہ مرزا غالب کے نفس عادات اور اخلاق کی تصویر کھینچ دی ہے ان میں بعض تحریریں مقفیٰ اور پُرانے طرز کی بھی ہیں۔

آخر میں مکتوب الیہم یا مکتوب الیہم کے حالات بھی جمع کر دیے ہیں۔ فی الحقیقت سخت محنت کی ہے جو لوگ بزرگوں کا نام زندہ رکھنا چاہتے ہیں انھیں جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے سے سبق لینا چاہیے۔ کتاب خوبصورت تازی ہے لکھائی چھپائی کاغذ کے اعتبار سے بھی ممتاز ہے۔ مجلد ہے۔ قیمت کچھ لکھا نہیں۔ بنام مصنف یا حکیم عبدالعزیز لکھنؤ فرمائش بھیجنے پر دستیاب ہوگی۔

جدید اللغات

ہمارے دوست ع ملوسی صاحب نے ایک لغات کی کتاب تیار کی ہے۔ اودھ پنچ میں بغرض ملاحظہ بھیجا ہے۔ ہمیشہ کا ارادہ ہے۔ خدا راس لائے۔ امید ہے کہ کتاب لغات اغلاط سے خالی ہو گی

فقط خاکسار (ایڈیٹر)

ردیف الف

آ۔ کبوتروں کے لیے کلمہ طلب بلانے کی رسم کا جواب گویوں کی گرہ۔

آب حیات۔ حضرت خضر کی جیسی معشوقوں کا ہونٹ۔ شہد سا کالی موی دھات کا جی۔ سکندر کی چڑھ۔ وہی امرت دھارا۔ دقیانوسی شاعروں کی اصطلاح میں ایک گرانبہا جنس جو اب مغرب کی عام گزرگاہوں اور بازاروں میں کوڑی مول بکتی ہے۔

آبرو۔ نامی کامی رنڈی کی دربارداری۔ حکام کی خدمت میں باریابی۔ صاحب بہادر سے مصافحہ۔ ”دل کھانا حب“ اسکی علامت۔

آزادی۔ معشوق دلہا جنس نایاب۔

حسد تہمت آزادی مردم نگہ خست
کیں مراد ست کہ بر تہمت آں ہم حسد ست

دشمن ہند و اہل ہند جدید احدوث زنانی بیماری۔ آلۂ شوہر کشی۔ ضد اسکی مذہب ہے مسکن اس کا سمندر اس پار ولایت۔ رنگ گورا اور غیر مستقل یعنی گرم ہوا سے فوراً کملا جاتا ہے۔

ابرو۔ آلۂ ذبح آرزوئے عاشق۔ دریائے چشم کا آہنی پل۔

آنکھ۔ وہ نعمت جس سے ہندوستانیوں کی عقل مردم ابن۔ ریش کش پدر۔ زلف ربائے مادر۔ فتنہ۔ نتیجۂ شامت اعمال۔ دشمن آسائش۔ باپ کا رقیب حقیقی۔ دلیل حماقت شیفتۂ والدین۔

ابلیس۔ دنیا کی چہل پہل۔ شرارت کا باوا آدم۔ جلیس بنی آدم۔ فن پالیٹکس کا موجد اعظم۔ یورپ کا استاد مکرم۔ حکومت وقت کا اتالیق۔ سہرا لڈی دنیا کا رفیق شفیق۔ اللہ میاں کا بے تحاشا بیل۔ رنڈیوں اور وکیلوں کا مشیر با تدبیر۔ گمزا الگ جی کا فرزند ارجمند یا شاگرد حقیقی۔

آپا دھاپی۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ۔ محکمہ پولیس کو بھی اصطلاحاً اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔

اپا ہج۔ نوکری خواہ ہندوستانی۔ غیر کے مصنوعات کے قدردان۔ مولے مسٹنڈے بیمار۔

اپ ٹو ڈیٹ۔ انگریزی لفظ ہے اردو میں ایسے خوش وضع شخص کو کہتے ہیں جو اپنی قدیم خوبیوں کا دشمن دوسروں کی برائیوں کا فدائی ہو۔

اتفاق۔ جنس ناکارہ خریدار شیوۂ دشمنان ہند۔ مسلمانوں کے نزدیک قابل نفرت چیز ہے۔

اتمام حجت۔ گیدڑ بھبکی۔

آثار۔ پیٹ بھونا۔ چوری سے یا کھلے خزانے۔

اجابت۔ فعل دوائے مسہل۔

اجل۔ حاکم عادل۔ وحاکم جابر۔ ذوجنبین ہے۔

اجماع۔ طبعی کمزوری کا اظہار۔

احتلام۔ ناداروں کی خوبی قسمت۔

اخلاق حسنہ۔ دام مکاری۔

اخلاص۔ عزینا وجود شے ہے۔ کبھی کبھی میاں بی بی یا دوستوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر یہ قابل ترک ہے۔

اخبار۔ خبر کی جمع ہے اصطلاحاً کاغذ اخبار کو اخبار کہتے ہیں۔ خدائی فوجدار اسکا دوسرا نام ہے۔ دو قوموں کے آپس میں جوتی چلوانا بالفعل اسکا خوشگوار فرض ہے۔ جھوٹ بولنے میں جو زیادہ مشاق ہو وہی اچھا اخبار ہے۔

اختیار۔ زبردستی۔

ادب۔ میٹرک اور بی اے پاس کرنے کے بعد جو چیز جاتی رہتی ہے اس کا نام ادب ہے فیصدی نناوے ماں باپ جنکی اولاد اعلیٰ تعلیم پا چکی ہے اسکے گواہ ہیں۔ ادبار۔ مسلمانوں کا یار غار۔

آدمی۔ بہت ہیں البتہ آدمیت کی کمی ہے۔ دیہات میں معنی شوہر بھی آیا ہے۔ آقا اپنے نوکر کو بھی کہتے ہیں۔ آقا کبھی آدمی نہیں ہوتا۔

اذان۔ مخل آرام عشاق فیشن کے اعتبار سے ایک نامہذب حرکت۔ مایۂ فساد۔ مذہبی نونک کا ڈھنڈورا۔

آرام۔ فیشنیبلوں کا حق۔ بیکاروں کی عادت طبعی۔ ہندوستانیوں کا دوامی محبوب لیکن مہجور۔

اردو۔ لاوارث مردہ۔ کنیز ہر عام و خاص۔ ہندؤں کی مغضوب۔ انگریزی جاننے والے کی متروک مطلوب۔ انگریزی نہ جاننے والوں کا سرمایۂ علم۔ ذریعۂ معصیت سیاہ کاری۔

ارتداد۔ جدید آلۂ زرکشی۔

آرزو۔ وہم بے معنی۔

آزاد۔ آمادہ بہ اسیری۔

ازدواج۔ عمل زیادت مردم شماری۔ آلۂ افزائش افلاس۔ مورث بزدلی۔ مقراض اولوالعزمی۔ ایک مرغوب درد۔ حماقت عامۃ البلوی۔ سفاہت آبائی۔ غیر منقوش خط غلامی۔ قفل جہر۔ کسر ظہر۔ عیش شہر۔ ملال دہر۔ غم زدا۔ غم ربا۔ گڑ بھرا ہنسیا۔ فحش جائز۔

استاد۔ بلغت قدیم پدر معنوی۔ بلغت جدید زریشتی بے تمیزی۔ چالاک۔ کیاد۔ کائیاں۔ اگر سارنگی ہاتھ میں ہو تو بھڑوا۔

آسمان۔ اعتراض کرنا۔

آسانی۔ کاہلی کا حاصل۔

استعفا۔ بیچارگی کی انتہا۔

استغفار۔ ارادۂ توبہ شکنی بہانۂ پشیمانی۔

استنجا۔ سڑک پر کھڑے ہو کے پیجامے میں مٹے کی منیٹ کی پھد کانا۔

اسراف۔ خبرگیری خویشان نادار۔ ایسی خیرات جو شہرت سے خالی ہو۔

اسقاط۔ اکثر حمل کے ساتھ آتا ہے۔ چوری کی مٹھائی کا دہرا ہے۔ اگر چھپ جائے تو گناہ بے پاداش ہے۔ نہ چھپے تو دعوت پولیس کے لیے چچا آش ہے۔

اسلام۔ روزی کا ٹھیکا۔ تختۂ مشق جھلا۔ آلۂ حرب پہلوانان پالیٹکس۔ مال یتیم۔ ایک ناہموار قابل تبدل قانون۔ وہ چیز جسے اگلے نہیں سمجھے اسلیے کہ انگریزی سے ناواقف تھے۔ ڈاکر مونجے کی چڑھ۔

اشتہار۔ مہذب ڈکیتی۔ اخباری کاغذوں کی جان تاجروں کی بنیادی اینٹ۔ اور اب تو میاں جی گری اور بھڑوائی کے مصرف میں بھی آتا ہے۔ اپنے منہ آپ میاں مٹھو بننے کا وسیلہ لطف یہ کہ خود ستائی عیب ہے مگر بہ مشتہر یہ مضائقہ ندارد۔

اشتراکیت ۔ اصطلاح جدید۔ حکومت وقت کے دماغ کو دینے والی چیز۔ سرمایہ داری کی جان کا وبال۔ مبالغہ جلاوگفتہ ور۔ مولداس کا روس ہے۔ سیجہ تلخ اور ہندوستان کے لیے منحوس ہے۔ دیوانے مزدوروں کے واسطے "ہوا" ہے۔ پولیس کے ہاتھ میں دستہ ہے۔ بسونگھ کے پکڑتے ہیں رسیوں میں جکڑتے ہیں۔

اشتباہ ۔ عذر بے پناہ پولیس۔ دام جہاں گیر۔

اشک ۔ ایک کھاری مادۂ سیال دردو رسیدہ دماغ کی قرع انبیق سے خارج ہوتا ہے۔ عشاق کے مطلب رسم کا آلہ ہے رلی رنج کا ازالہ ہے معشوقوں کی دھمکی کا اوزار ہے بچوں کی مطلب براری کا ہتھیار ہے۔ اُردو میں آنسو سے بہا جا سکتے ہیں اس سے وہی واقف ہے جو مجبور رونا چاہے۔

اِش ۔ پیشاب ۔ اِش کرو پیشاب کرو۔ بھولے بالے دودھ پیتے بچوں کے لیے عورتوں کی اصطلاح چلکا سے ماخوذ ہے جو پیشاب کرانے کے وقت بچہ کی طبیعت متوجہ کرنے کے لیے عورتوں کی زبان پر جاری ہوتی ہے۔ اِش ہمخمیں سیٹی کی آواز کی طرح کھنچتا چلا جاتا تا وقتیکہ دھار ختم نہو۔ اکثر گھوڑوں کو پانی پلاتے وقت سائیس بھی سیٹی بجاتے ہیں۔ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے (پہلا مصرعہ یاد نہیں) شراب کے ساتھ غنا بھی ضروری جزو ہے ؎

رأیتُ الخیلَ یشربُ بالصفیر

گھوڑا بھی پانی پیتا ہے تو سیٹی بجائی جاتی ہے"۔ اگر اسے بھی "اِش" کہیں تو عیب نہیں۔

آشوب ۔ ہندوستان کا دوامی و استمراری مرض۔

آشنا ۔ اب دوست کے معنی میں متروک ہے۔ مذکر نہیں مؤنث ہو گیا ہے۔

آشنائی ۔ ایک بُری بات۔ مگر شاعر کہتا ہے ؎

آشنائی کی تھی ہم نے کچھ بُرائی کی نہ تھی

آشیانہ ۔ طائر کے لیے مخصوص نہیں شاعر بھی اپنے حق میں دھجو رنج طعنہ کرتے ہیں۔ اسے طائر و شاعر کا مسکن سمجھو۔ باقی آئندہ

واقف

ع ۔ بلہوری

پنچ مل خدا۔ خدا مل پنچ

حکایت و درایت

ابوالوفا ابن عقیل عرب کے مشہور ہوشیار مندکی افراد میں سے ایک تھے وہ کہتے ہیں کہ بغداد میں ایک شخص السی کا تیل بیچا کرتا تھا مگر تھا عرب ذہن بیاہا بے جورو کا۔ بخیل تیلی اپنی دُکان پر بیٹھا تھا کہ ایک بی صاحب دُکان پر صبح سے حجم ٹھکو ہو کے جو بیٹھیں تو پھر شام تک نہ ہلیں۔ تیلی نے دکان بڑھاتے وقت کہا "بی بی اب تو شام ہوگئی گھر کی راہ لو" بی بی بولیں اے ہے کہاں جاؤں مجھے گھر ہی میسر نہیں" تیلی کو ترس آیا اور اُس نے پوچھا کہ میرے گھر چلو گی۔ جواب دیا "کیا مضائقہ ہے" گھر پہونچ کے بی صاحب نے برقعہ جو اُتارا تو بدلی سے چاند نکل آیا۔ تیلی صاحب اب تو پھسل ہی پڑے بولے کہ نکاح کر لو۔ بی بی جھٹ راضی ہو گئیں۔ جھٹ منگنی پٹ بیاہ۔ چوتھے دن عورتوں مردوں کا ایک دھاڑے کا دھاڑا آیا اور دروازہ گھیر لیا۔ جی آپ کون ہیں؟ "یہ لڑکی کے خالو" اور آپ؟ "ماموں" "اور آپ؟" "چچا" "اور آپ؟" "یہ موانی" "اور آپ؟" "نانی" "آئیے تشریف لائیے" "اہلاً وسہلاً و مرحبا" "ہاں یہ تو فرمائیے کیوں زحمت فرمائی" معلوم ہوا کہ بی صاحب کی بہن کی سسرال میں کہیں شادی ہے۔ شرکت کی اجازت لینے اور دعوت دینے سب آئے ہیں۔ تیلی صاحب بی بی کے پاس گئے بی بی نے کانوں پر ہاتھ رکھا "اے ہے خدا سمجھے اُس مونڈی کاٹے سے جس نے میرے اس گھر میں ہونے کی اطلاع ان سب کو دی۔ سنا! تم ان سب کو یہ کہہ کے ٹال دو کہ میں بیگم کو جانے نہ دونگا میں تو حلف اُٹھا چکا ہوں کہ اگر مہینہ بھر تک انہوں نے گھر سے باہر قدم نکالا تو تین طلاق۔ شادی کی تاریخ گذر جائے گی بس پھر کہاں کا آنا جانا۔

جن موذیوں کے کارن میں نے گھر بار چھوڑا وہ یہاں بھی جان کھانے آ گئے۔ اے دور بھی کرو" تیلی صاحب کا جی بھی جانے دینے پر ٹھانسد نہ تھا۔ دل شاد ہو گیا کہ بی بی کا ہی اور وفادار بی بی ہی باہر چلے نا خواہ سمدھیانوں سے وہی کہا جو بی بی نے سکھایا تھا۔ سب کے سب مُنہ لٹکا کے جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی چلے گئے۔ تیلی صاحب نے دُکان کی راہ لی دن بھر بی بی نا نچے رہے شام کو مکان پلٹے دروازہ پاٹوں پاٹ کھلا پایا۔ سمجھو خالی چوپایا نا مرد۔ سامان دیکھا تو چیزوں کا نشان موجود نہ پایا اللہ یہ کیا ہوا؟ اب سمجھے کہ طلاق عائد ہو گئی گھر سے باہر قدم نکالنے کی شرط مہینہ بھر کیسا آج ہی وفا ہو گئی معلوم ہوتا ہے بی صاحب کے محبوب خاوند نے غصہ میں بی بی کو تین طلاقیں تابڑ توڑ دی تھیں تحلیل در کار تھا تیلی کو تاکا اپنا کام نکالا اور چلتی بنیں "ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا"

لوگوں کا خیال ہے کہ جنرل نادر خاں سابق اور امیر نادر خاں حال کا نکاح بھی سلطنت کابل کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا کہ تیلی کا نکاح ان بی صاحب کے ساتھ ہوا تھا۔ بات یہ ہے کہ سلطنت کابل کو ایک محلل درکار تھا۔ روسی بالشویک یا انکے کابلی ایجنٹ دو چار روز میں گھر گھیر لینگے۔ "آپ کون؟" "یہ جی خالو ہوں" "اور آپ؟" "مجھے ماموں کہتے ہیں" "اور آپ؟" "نانی" "اور آپ؟" "ممانی"۔

یہ خیال ایک معنی اور قوت رکھتا ہے کہ سوویٹ گورنمنٹ ہندوستان کی اس پڑوسی سلطنت کو اپنے رنگ میں رنگے بغیر چھوڑ نہیں سکتی۔

ہندوستان مدتوں سے نگاہ پر چڑھا ہوا ہے اور انگریزوں سے دشمنی بھی پرانی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر نئے نئے فتنوں کے برپا ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔ کابل کی فتح کچھ زیادہ قابل وثوق و اعتماد نہیں۔ حیلہ ساز جورو بخشتی کے تسمے سے کھل کے نادر خاں کے پاس آئی تو ہے مگر لا یا نا حیلہ جو خدا کی عنایت سے جیتے جاگتے موجود ہیں ایسا نہو کہ نادر خاں تیلی کی طرح صرف محلل کی خدمت انجام دیں اور پھر جیسے کے تیسے "اعرب" ہو جائیں۔ امیر حبیب اللہ بھی حی و قائم ہیں۔ اور کچھ عجب نہیں کہ کابل عمداً اس خیال سے

(ایک متوقع رخصتی منظر)

"لو یہ بے ضرر سا نشتر الو اور اگر چہ کا نہ لگے تو اپنی جانب کا شکریہ ادا کرنا مونڈ و اور مونڈ وا دو"

مگر نسیم تفت صبح بر چمن بگذشت
کہ گل ز بوے تو بر تن چو صبح جامہ درید
بیشک ہر محبوب مطلوب اپنے جسم کو ایسا ہی معطر کر سکتا
ہے بشرطیکہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر
چوک لکھنؤ سے عطر طلب کرے

خالی کر دیا گیا ہو کہ یہ مقام مصدر ہو جانے کی صلاحیت بہ نسبت دیگر مقامات کے زیادہ رکھتا ہے یہی وہ مقام ہے جس نے امیر امان اللہ خاں کو بے قابو کر دیا تھا۔ تاریخ کہتی ہے کہ شہر کابل پر ہر ایک حملہ آور فتحیاب ہوا خواہ وہ ایرانی ہو یا ہندی۔ شہر کابل صدر مقام ہونے کے قابل نہیں۔

خیر جنرل نادر خاں محل کی خدمت انجام دیں یا دائمی شوہر کابل بن جائیں لیکن اہل ہند کو ان کی طرف سے "مہر" ادا کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اب تو وہ فاتح کی حیثیت رکھتے ہیں فتح کے بعد کوئی حکومت مفلس نہیں رہتی۔ "نادر خاں ہلال احمر فنڈ" میں اگر دو چار ہزار روپیہ جمع بھی ہو گیا تو کیا۔ بال اکھاڑنے سے کہیں مردہ ہلکا ہوتا ہے۔ سنتے ہیں کہ ابتک آٹھ نو سو روپیہ اس فنڈ میں جمع ہو چکا ہے اس رقم کے جمع کرنے میں بھی کچھ صرف ہوا ہوگا کہیں ایسا نہ ہو کہ لڈوؤں کی سی بات ہو۔ ایک آقا نے غلام کو پیسے دیے کہ لڈو بازار سے لا دو۔ نوکر تھا منطقی اُسنے دو پیسے کے چھ لڈو مول لیے۔ اور دل میں لگا حساب کرنے:۔

"مجھے دستور ہے دو لڈو ملنے چاہئیں آخر میں جو آٹھ آنے مہینے پر اوقات ضائع کرتا ہوں تو مفت؟ یہ تو میرا حق ہے۔ سب ہی سودے سلف میں اپنا حق نکال لیتے ہیں۔ اچھا تو دو لڈو میں کھائے لیتا ہوں۔ اب رہے چار۔ فرض کرو کہ جلدی میں ایک لڈو گر پڑا مٹی میں لتھڑ گیا یہ دسترخوان پر جانے کے قابل نہیں۔ رہ گئے تین۔ میاں جو چیز کھاتے ہیں خدمتگار کا حق چھوڑ دیتے ہیں ان تین لڈوؤں میں سے ایک تو ضرور چھوڑ دینگے بس دو ہی باقی بچے۔ دو لڈو لیجاؤں گا تو میاں خفا ہو کے پھینکدینگے۔ ہا میری محنت اور اُنکی قیمت ضائع ہو گی۔ نمک حلالی سے بعید ہے کہ آقا کا مال یوں تلف ہو۔ پس یہ دونوں بھی میرا حصہ ہیں۔"

لڈو گئے خادم صاحب کے پیٹ میں۔ اب جو ہاتھ جھلاتے آقا کے سامنے پہونچے تو انھوں نے لڈو مانگے انہوں نے حساب دکھایا اور کہنے لگے آپ لڈو کیا مانگتے ہیں حساب سن لیجیے۔ حساب کی بنا منطق پر قائم تھی آقا منہ تکتے رہ گئے کوئی دلیل مسکت موجود نہ تھی۔

حبیب اللہ مفرور کے تسلط کے خلاف کوئی شرعی دلیل موجود ہے نہ جنرل نادر خاں کے استیلا کی مؤید۔ یہ خانہ جنگیاں ہیں۔ یہاں بیٹھ کے ایک کو سائی دوسرے کو بدائی دینے والے فتنہ پروری کا حق ادا کرتے ہیں۔

تصحیح

گزشتہ نمبر میں بجواب مولوی ظفر الملک صاحب جناب میر انیس مرحوم کی ایک بیت لکھی گئی ہے اُسمیں "ہر ایک کی آنکھ" کی جگہ "ہر اک کی چشم" پڑھنا چاہیے۔ پورا بند یہ ہے (جلد چہارم مراثی میر انیس صفحہ ۱۹۳ مطلع "جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے" مطبوعہ نولکشور پریس کانپور)

ناگاہ چرخ پر خط ابیض ہوا عیاں
تشریف جانماز پہ لائے شہ زماں
سجادے بچھ گئے عقب شاہ انس و جاں
صوت حسن سے اکبر مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسول کی کانوں میں آ گئی

پراونشل پوسٹمین اینڈ لوور گریڈ اسٹاف یونین کا پانچواں اجلاس لکھنؤ میں بصدارت مسٹر تصدق احمد خاں شیروانی ایم۔ ایل۔ اے بتاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء بمقام میموریل ہال بابو گنگا پرشاد ورما امین آباد لکھنؤ منعقد ہوگا پروگرام حسب ذیل ہے۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء ۲ بجے دن سے جلوس استقبال جناب صدر
۴ بجے سے کانفرنس کا اجلاس
۲۷ اکتوبر ۱۹۲۹ء ۱۰ بجے تا ۶ بجے شام تک کارروائی جلسہ
۲۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء ۸ بجے صبح سے ۱۱ بجے تک کارروائی جلسہ

محمد معین الدین انصاری بیرسٹر ایٹ لا
نائب صدر یونین و
نائب صدر مجلس استقبالیہ کمیٹی

مر مٹے ہم تو چاہ میں تیری
کچھ نہ ٹھہرے نگاہ میں تیری

سردار عبد الحکیم خاں سابق وکیل التجارۃ افغانستان کے پاس تیس چالیس لاکھ روپیہ سلطنت افغانستان کا امانت کے طور پر ہے آپ جانیے جسکے پاس روپیہ ہوتا ہے اسکی خوشامد سب ہی کرتے ہیں یہ روپیہ امان اللہ خاں معزول نے جب وہ بادشاہ بحر و بر آرائے کابل تھے سردار صاحب کے سپرد کیا تھا۔ امان اللہ خاں نے جب خونریزی کے ڈر سے فرار پر قرار کیا تب بھی سردار صاحب نے انھیں امانت واپس نہیں کی۔ پھر جسوقت امیر حبیب اللہ مفرور نے روپیہ مانگا تو ان کو بھی سردار صاحب نے ٹرخا دیا۔ خدا جانے کیا جادو کیا جادو کی ڈبیا دیکھی جو نادر خاں صاحب کو ایک قلیل مقدار زر بقول جرائد عنایت فرمائی۔ یہ مقدار اتنی قلیل تھی کہ ایک ماہ کے سود کے مساوی بھی نہ تھی مگر اسے نادر خاں صاحب اور انکے ہندوستانی ہواخواہوں نے خزانۂ قارونی کا مرتبہ عنایت کیا اور لگے ڈھول بجانے کہ بس اب نادر خاں کو بے زری اور ناداری سے نجات مل گئی جنرل صاحب گویا مشہور کہانی والی کانی چڑیا ہو گئے جس نے خالی حدقۂ چشم میں ایک موتی رکھ کے اعلان کیا تھا:۔

"جو میرے سو راجہ کے نہیں"

"لا ولاد" کا تقاضا برابر جاری رہا۔ خوشامد ہوتی رہی مگر پھر سردار صاحب کا دل نہ پسیجا اب نادر خاں صاحب بقول خود فاتح کابل بنے ایک جھوٹ موٹ کی کانفرنس نے انھیں مجبور کیا کہ آپ ہی تخت پر بیٹھیے۔ امان اللہ "تاج و تخت کا اہل نہیں" نادر خاں صاحب کرتے ہی کیا "تنگ آمد بجنگ آمد" کڑوی دوا کا گھونٹ پینا پڑا تخت پر بیٹھتے ہی تبی۔ وزارت پہلے ہی سے مرتب تھی با ضابطہ بادشاہ ہونے کے بعد پھر سردار صاحب کی خدمت میں عرضی لکھی "کمترین بطفیل وہم و تخیل فرمانروائے کابل ہو گیا اب تو اس نامراد پر نگاہ لطف و عطا ہوئیے" سردار صاحب نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں انھوں نے عرضی پر دستخط فرما دیے کہ تم ہو نمک حرام تمھاری وزارت ہے جعلی۔ تمہارا قبضہ ہے عارضی آگ لینے گئے اور بن بیٹھے بادشاہ تمھیں

اپنے حلف کی بھی پروا نہیں کرتے تھے سرفرازان سلطانی نادم ہوا۔ اب کہتے ہو لمن الملک الیوم کچھ نہیں! یہ سب روپیہ اینٹھنے کی کمائیں ہیں چلو ہوا کھاؤ۔ جن لوگوں کے بارے میں تم دعوے کرتے ہو کہ یہ میرے حامی ہیں وہی تو ہیں جنھوں نے خادم ملت اسلامیہ کا لقب امیر حبیب اللہ خاں سقائی کو دیا تھا۔

بہر حال ہمارے نادر خاں کسی طرح سردار صاحب کی نگاہ میں نہیں ٹھہرتے مناسب ہوگا کہ مالکان جرائد نادریہ کا ایک وفد سردار صاحب کی خدمت میں جائے انھیں اونچ نیچ سمجھائے روغن قاز مل کے صلح علیہ السلام بھجوانے کی سعی فرمائے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ اس بیچ میں انقلاب تازہ رونما ہو۔ نیا حیلہ سوار صاحب کے ہاتھ آئے۔

ہزاری لیڈر محقق و سپوتنگی بہ پدر نا تحقیق

اب ڈارون صاحب کے اس نظریہ پر اصرار بڑھتا جاتا ہے کہ انسان اول بندر کی مسخ شدہ۔ بیاد زدہ کا نام ہے۔ لاہوری کا غذا اخبار ویر بھارت ناقل ہے کہ امریکہ کی ریاست مسوری میں ایک سرکس والے نے اپنے پدر مکرم حضرت میموں کو کسی ضرورت سے مہاجن کے یہاں رہن کردیا۔ ان کا اسم گرامی "نیولین" ہے۔ یہ خاصے جنٹلمین ہیں عمدہ سگار پیتے ہیں کھانے کی فہرست پڑھ لیتے ہیں اور فہرست میں اپنی پسند کے کھانوں پر نشان لگاتے ہیں چائے نوش فرماتے ہیں۔ میز کرسی استعمال کرتے ہیں۔ کوٹ پہنتے ہیں کھڑے ہو کے چلتے یعنی مستقیم القامت ہیں۔ انکی متانت۔ رزانت پرنس بسمارک سے کسی طرح کم نہیں۔ قرض خواہ کا قرض ادا نہوا اُسنے جناب نپولین پر جو کہ کمنوں تھے ڈگری قرقی جاری کرائی۔ بیلف وارنٹ لیکے پہونچا سرکس نے عذر کیا کہ نپولین حیوان مطلق نہیں حیوان ناطق ہے اسکی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ اسپر جھگڑا بڑھا سیاکہ نے انسانی عادات اور میمونی حرکات کا بین فرق دکھایا مگر سرکاری پیادے کی سمجھ میں نہ آیا قرضخواہ اور کچہری کا پیادہ [illegible] نپولین کی طرف بڑھے اور اُن پر بالجبر قبضہ کرنا چاہا۔ آپ جانیے ایک جنٹلمین اور جنٹلمین بھی کون جو از روے سائنس باپ کا قائم مقام ہو پسران ناخلف کی گستاخی کسطرح گوارا کرتا۔ دفعتہً تنبیہ اور گوشمالی کی غرض سے حضرت نپولین اُٹھے اور دونوں کو نیچا دکھانا چاہا۔ ہائے بھئی سچ ہے باپ پھر باپ ہے۔ اب کچہری میں توہین کا مقدمہ چلا۔ ایک وکیل باپ کی طرف سے پیروکار ہے دوسرا بیٹوں کی طرف دار ہے حاکم صاحب نے قانون کی آڑ لی کہ مدعا علیہ جب ایک مرتبہ بطور ایک حیوان کے نپولین گرو رکھ چکا تو اب اقرار کے بعد انکار کوئی چیز نہیں۔ مگر وکیل صاحب اپیل کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مقدمہ بے دلیل نہیں جسٹس صاحب گھانس کھا گئے ہیں بندہ ثابت کردیگا کہ ڈارون صاحب کا تجویز کیا ہوا باپ ہی اصلی باپ ہے اور نپولین صحیح معانی میں بنی نوع انسان کا جد اعلےٰ ہے حیوانات میں داخل نہیں۔ کوئی شخص اگر ایسی چیز رہن کردے جس کے رہن کا حق اُسے حاصل نہ ہو تو وہ معاملت ناجائز ہوگی جسٹس صاحب کو اپنی انسانیت کا امتحان نپولین کے مقابلے میں دینا ہوگا اگر نپولین اوصاف انسانیت میں اُن سے بہتر ثابت ہو تو ہم سمجھے ورنہ وہ ؎

این چہ شوریست کہ در دور قمری بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شری بینم
دختران را ہمہ جنگ ست و جدل با مادر
پسران را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

تعجب ہے کہ جسٹس موں صاحب جنکا اسم مبارک نصف "میموں" ہے یوں سر کچہری اپنے ناخلف ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ امریکا میں "دے" کی مخالفت نے "دے" کا سقوط اُسی طرح عمل میں آیا ہے جسطرح انسان اول کی دُم کثرت استعمال سے مفقود ہوگئی لہذا "موں" در اصل "میموں" بود = ازروے تحلیل آئینی ساقط شدہ "میموں" نہ گردید۔

ہمیں اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں گلی گلی بندر والے ڈگڈگی ہاتھ میں لیے انیٹھا سنگھ کا ناچ دکھایا کرتے ہیں کبھی کبھی یونانی پیدا [illegible] کے ذریعے سے دوسرے کی طرف منتقل بھی ہوجاتا تھا۔ جو یہاں بھی اترتا کا مسئلہ چھڑ گیا اور انزیجیت نے مہذب ممالک کی تحقیق میں ایسی معاملت پر خط نسخ کھینچا تو مشکل ہوگی۔ قطع نظر از فسخ معاملت قانون میراث کا باپ طبقہ وار کا وارث ہے۔ ورثہ بندروں کے حوالے ہوجائیگا بندروں سے شفقت کی امید نہیں میمونیت ورنہ دیا ہنسیگی کہ ہندوستان سچ مچ میمونستان ہوجائیگا۔ ایک مہذب یوروپین سلطنت نے کچھ عورتیں اور کچھ مرد افریقہ میں بھیجے ہیں کہ اپنے نر و مادہ کا جوڑا "نپولین" کی برادری سے لگا کے نرالا بابا آدم پیدا کریں جو ایک مرتبہ اتفاقاً پیدا ہوا اور اپنی برادری سے پھر شکل انسانی قبول نہ کرنے کا عہد لے گیا۔

الغرض وہ دن دور نہیں جب انسانی متعلقات کا ایک شریک غالب پیدا ہوجائے اور جن یوروپین طاقتوں نے آج حقوق انسانیت کا دوامی پٹا اپنے نام لکھ لیا ہے اُنھیں کم از کم افریقہ سے دست بردار ہونا پڑے جو ان نرالے "آدم" کا اصلی مولد ہے تیر و شیر کی آمیزش ایک نیا رنگ ضرور لائے گی۔ اُمیدوار بودہ باشند۔

الحذر اے بنی آدم الحذر

اطلاع

چونکہ گزشتہ ناغہ شدہ نمبروں کا گھاٹا تبقدیر ابھی کسی طرح مندمل نہوسکا اڈیٹر۔ کاتب مصور۔ مینجر ابھی تک بیاری کی آڑ بھگت میں مبتلا ہیں لہذا آئندہ نمبروں کی تاریخ اشاعت بدل دی جائیگی۔ خریداروں اور اشتہار دینے والوں کی میعاد خریداری و اشتہار آگے بڑھا دینے سے معاملت کی درستی ہوجائیگی۔

خاکسار مینجر اودھ پنچ
۲۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء

خط و کتابت کیوقت نمبر خریداری کا ضرور ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔ مینجر

ضعیفی دُور کرنے کی تدابیر

موت کو تو کوئی نہیں روک سکتا لیکن امریکہ کے سائنسدانوں نے ضعیفی دُور کرنے کی تدابیر نکال ہی ڈالی ہیں صبح چارپائی پر بیٹھے بیٹھے اعضا کو حرکت دیتے رہیئے پھر نہ کبھی قبض کی شکایت اور نہ دیگر بیماریوں کا اندیشہ رہے گا۔ اعضا کو کس طرح حرکت دینی چاہیئے اس کے واسطے کتاب میں ۴۴ تصاویر دی گئی ہیں کسی اُستاد کے سکھلانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب زیادہ تر بیماریوں کے واسطے مفید ہے جو گھومنے پھرنے اور ورزش وغیرہ کرنے کا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے بدہضمی بواسیر اور دیگر امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم خود اس کے مطابق عمل کر کے فائدہ حاصل کر چکے ہیں اس کتاب کی صفات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی ہے تاکہ عام طور پر لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ملنے کا پتہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

جس طرح طلوع آفتاب سے

تاریکی کا دور ہونا قدرتی امر ہے

اسی طرح مقویات سرتاج عالم آتنک نگرہ گولیون کے استعمال سے قبض۔ بدہضمی۔ خون اور مادہ تولیہ کی خرابی۔ جریان بدخوابی اور دیگر امراض مخصوصہ کا دور ہو جانا قدرتی امر ہے ضرور تجربہ کریں۔ قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ۔ پانچ ڈبیاں چار روپیہ

المشتہر۔ ویدشاستری منی شنکر گووندجی جامنگر کاٹھیاواڑ

ایجنٹ اندر چند اینڈ کو چوک لکھنؤ

شرائط ایجنسی

(۱) روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ختم ہوتے ہی پرچہ کی روانگی موقوف کر دیجائیگی۔

(۳) پانچ پرچہ فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کیجائیگی۔

(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔

(۵) علاوہ خاص حالتوں کے پرانے پرچے واپس نہ لئے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟

اگر آپ اشتہاری ادویات و عطائی نسخہ جات و جاہل خود رو طبیبوں کے ہاتھوں اپنی کمائی لٹا کر صحت سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس عالم یاس میں بکفایت صحت حاصل کرنا یا سچا و مخلصانہ مشورہ کے متلاشی ہیں۔ اگر آپ لکھنؤ کے نامور تجربہ کار اور حذاق اطبا کے مشورہ لینے بلا ادائے فیس فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک کارڈ لکھکر دواخانہ معدن الادویہ کی فہرست جدید طلب فرمائیے خود بھی فائدہ اٹھائیے اور دوسرے بھائیوں کو بھی نفع پہنچائیے

تمام خط و کتابت بصیغہ راز رہتی ہے

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ گولہ گنج وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ ۱۹۲۷، ۱۹۲۸ء

(۱) اُردو کو زندہ کرنے والے دل کو تازہ کرنے والے سیاسی ادبی، اخلاقی مضامین اور کارٹون کا مجموعہ خزانہ کتب میں محفوظ رکھنے کے قابل قیمت فی جلد ہے بعد محصولڈاک۔

(۲) سنہ ۱۹۱۹ء کی چند سنہ شاہی جلدیں جولائی سنہ ۲۵ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۲۸ء برائے فروخت، دفتر میں موجود ہیں قیمت مع محصولڈاک ہے

(۳) جلد سنہ ۱۶ء کے (۸ نمبر) ان نمبروں میں الف سرا (؟) کے بہترین نمونہ موجود ہیں ظریفانہ مضامین کے شائقین کو جلد طلب فرمانا چاہیئے۔ قیمت عہ علاوہ محصول۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

سیاحت ظریف

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کا منظوم سفرنامہ عراق عجیب دلچسپ نظم ہے۔ تشبیہ اور شاعری کی شاعرانہ اُستادی سے فائدہ اُٹھایئے قیمت فی جلد ٹکٹ بھیجیئے وی پی اور منی آرڈر جھنجٹ ہے۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

غذائے روحانی

معارف النغمات

یعنے

وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی اور ایک گراموفون کی طرح سُروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے۔

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

اس کے حصۂ اوّل کے تین ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں اور اہل دانش جانتے ہیں کہ تا حال موسیقی کے جزو عملی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اسی طرح حصۂ دوم میں مصنف نے اساتذۂ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنے

تان سین کے عہد سے لے کے زمانۂ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور ان کے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپدوں کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے۔

استاد محمد علی خان

میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دھرپدیں اور ہوریاں اس کتاب میں اُن سے نقل کی گئی ہیں یعنے کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رو سے سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدا میں لکھ دیئے گئے اسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں۔ جسطرح کہ استاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم سارنگی سے نام نکال سکتے ہیں۔ انکے سوا دو دیگر نایاب سرمایہ تاریخ آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقت مصنف نے جو محنت کی وہ حسرت کیا اور ایک عمر کی محنت ہے کتاب لیکن اس کتاب کو دیکھ کے یہ کہنا ہوگا کہ حصۂ دوم نہایت مقبول ہوا اور زمانہ کے استادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔

اصلی قیمت علاوہ محصول ہے لیکن جو صاحب آخر ستمبر سنہ ۲۹ء تک چار روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں وہ اکیلے پیسہ کے فائدہ میں رہیں گے۔ رعایتی قیمت کا زمانہ ختم ہو

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تُکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحکہ امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جہت۔ رائے کی اصابت کے رو سے درحقیقت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اسوجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں مگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے [illegible]

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۳۶

مضامین

مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۹ء

بہ بے قدری از ین بازار سود کے نتوان بردن
گراں چوں سنگ میزاں کمالت نیست ارزاں شو

مولانا پنچ - اڈیٹر صاحب کی بیماری نے آپ کو چند روز کے لیے خانہ نشین کر دیا۔ خدام بارگاہ نے بھی چھٹی پائی - ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھ رہے۔ گرول مفلس کے چراغ کی طرح ٹمٹماتا رہا اگرچہ بجھا نہیں بارے صد شکر کہ خدا نے پھر آپ کی صورت دکھائی سوکھے دھانوں پانی پڑا امید بر آئی۔ روگ دھرت نہ گیا - آپ جانیے تیل ماش اور تصدق کے ٹکے ہم غریبوں کے پاس کہاں جو صدقہ اتاریں - بردے آزاد کرنے کا دستور اب نہیں رہا۔ حکومت نے ایسے قانون معدے کی جڑ سے نکال رہی ہے جو بندوں اور قیدیوں کا شمار بڑھائیں۔ لوگ بغیر کچھ کیے دھرے پکڑے جائیں۔ پھر اس پکڑ دھکڑ میں اس کا بھی خیال نہیں کہ کرسے داڑھی والا پکڑا جاے موچھوں والا۔ قانون بے تمیزی جسے سار دابل کہتے ہیں ایسا کلیہ ہے جس میں استثنا کو دخل نہیں۔ شادی خود ہی بی شادی ہے جو بے وقوف پھنستا ہے اپنی جان کو عمر بھر روتا ہے۔ مگر یہ قانون پھانسنے والوں کو رلائے گا یعنی میعاد کے اندر جو کوئی اپنی اولاد کو عقد کی زنجیر میں کسے گا - پھنسے گا صاحبزادے تالیاں بجائیں گے ابا جان جیل خانے جائیں گے۔ ات تمہارے کی! ہمیں پھانسا تھا؟ اب تم خود بڑے گھر جاؤ کچھ دنوں بیٹھکی میں رہو قید کی مصیبت سہو۔ ہزار روپیہ کی تھیلی جرمانہ بھی دو آخر شادی میں گالیاں دینے والی ڈومنیوں کو انعام دیا تھا یا نہیں؟ گالیاں کھا چکے اب مار کھاؤ اور مار کا بیش قرار خدا نخواستہ سرکاری خزانہ بھرے مجرموں سے جیل خانہ بھرے - شادی رچے اور کہرام مچے دولھن دولھا کے گھر میں کوئی فرق نہ رہے - دونوں کے دیدے سے آنسو بہے - جو کہیں مصلحت کے جلنوں عیب چھپاتے گٹھ بندھن ہو جائے تو چوری اور بیاہ میں امتیاز نہ رہنے پائے۔ قانون اخفائے واردات کے ذیل میں یہ بھی آئے وہ بھی آئے - پولیس رپٹ کرے جناب عالی گزارش یہ ہے کہ اس حلقے میں ایک نہایت سنگین واردات ہو گئی ایک شخص مسمی شامت زدہ نے مرتے وقت اپنی اکلوتی لڑکی مسماۃ نصیبن کی شادی اپنے بھتیجے مسمے مصیبت خاں ولد ہلاکت خاں کے ساتھ کر دی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مسماۃ نصیبن کی عمر ۱۴ سال سے ۲۲ سکنڈ کم تھی اور مسمی مصیبت خاں بھی قانونی عمر سے ۵ منٹ پینتالیس سکنڈ کم کا تھا۔ مسمی مذکور یتیم ہے اور اپنے چچا مسمی شامت زدہ کے پاس رہتا ہے۔ شادی کے دو گھنٹے کے بعد مسمی شامت زدہ ٹیں ہو گیا دوسرا کوئی وارث اس کا نہیں ہے مسمی شامت زدہ متوفی نے ایک ہی ہزار کی مالیت چھوڑی ہے جو صرف تجہیز و تکفین ہوئی جاتی ہے لہذا جلد حکم مناسب صادر فرمائیے۔

عجب نہیں کہ رپٹ پہونچتے ہی لے دے شروع ہو جائے۔ لاش جیل خانہ دیکھے مال کی ضبطی قرقی کی نوبت آئے۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ سنا تھا یہاں نابالغی کا نکاح ناجائز قرار پائے زبردستی چٹ بیاہ پٹ طلاق کا آرڈر جاری ہو مجرم مرحوم کی گرفتاری ہو - ہاں صاحب واقعی یہ موتوصہ (اصطلاح پولیس) قتل سے زیادہ سنگین ہے - بال سے زیادہ نازک اور مہین ہے - مرنے والے سے قصاص کون لے سکتا ہے وہ تو خود ہی ابدی زندان کا عازم ہے - میت بہرحال دفن ہو جائے گی ہاں مال متروک جرمانہ کی مد میں شامل ہو کے ضبط ہوگا اولاد ڈنڈے بجائے گی - حاکم کو رحم کی ضرورت کیا ہے قانون اختیار دیتا ہے کہ ہزار روپیہ تک تاوان عائد کرنے کے مجاز ہو اپنی قوت دکھاؤ رعب قائم کرو۔ الغرض وہ وقت دور نہیں کہ شہر اور دیہات میں شادیوں کے ساتھ ساتھ پھلا پولا بچے۔ کوئی گوشہ ٹھنک واویلا و مصیبتا کی آواز سے نہ بچے۔ فرض کیجیے کہ اپیل کا دروازہ بند نہیں پانوں پاٹ کھلا ہے تو یہ بھی یاد رہے کہ بشرط کہ میاں کی متروکہ پدری سگان کچہری کی رشوت اور وکیل صاحب کی اجرت میں صرف ہوا بلا ہے - اور جو اعلیٰ عدالتوں نے پگڑی پھیری تو پھر

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

جورو کے ہاتھ میں ہاتھ - ہیہات ہیہات - بغل میں کچکول گدائی - واہ میاں کیا خوب شادی رچائی - استغفراللہ لیں جانب اسوقت فسانہ عجائب کی زبان میں گفتگو کرنے لگے حضرات معاف کیجیے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض دل جلوں نے از روے شرع اسلام اس عجیب و غریب قانون کو جوانعام باحت کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی کی ہے ان کی جرأت سے پرانے زمانے کی احتیاط کا مقابلہ جو ہوا تو اگلا طرز تحریر یاد آ گیا رنج کشیدہ دل کو سرور کی ضرورت آن پڑی - سرور و مسرت کے خیال نے حضرت سرور آنجہانی مصنف فسانۂ عجائب کی طرف انتقال کیا - اور لگی قافیہ پیمائی ہونے -

۲۵ اکتوبر کا "مدینہ" بجنور اسوقت پیش نظر ہے کوئی مولانا عارف ہیں تخلص ہی انکے نام کا جزو ہے حضرت نے "مدینہ بجنور" میں ایک مضمون سلسلہ وار لکھنا شروع کیا - پہلا جزو تو دیکھا نہیں مگر جسقدر حصہ اس نمبر میں موجود ہے وہی ہنسنے ہنسانے کے لیے بہت ہے - فرماتے ہیں "حق کا غلط استعمال" اسکے بعد "فرضی اور وہمی" وساوس کو حقیقت "نفس الامریہ" کا خلعت پہنا کے ایک طلسم تیار کرتے اور بھولے بھالے مسلمانوں کا دل خواہ مخواہ دہلاتے رہتے ہیں۔ ہمیں کسی ایسے قانون کی یا شرعی حکم کی اطلاع نہیں جسکی بنیاد "فرضی اور وہمی" شقیں نکال کے قائم کی گئی ہو۔

اچھا سنیئے تو فرماتے کیا ہیں:-

"فرض کیجیے کہ اس حق کا دغا لیا ان احتیاطوں سے مراد ہے جو شرع نے نابالغوں کے ولی کو دیے ہیں) اتفاقیہ غلط استعمال ہونے لگے کہ چند دوں سے زیادہ صغرسنی کی

شادی کا رواج مسلمانوں میں ہو جائے اور لوے فیصدی شادیاں نابالغوں کی ہونے لگیں اسکا نتیجہ کا بھی قبل از وقت رواج ہو جائے ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہایت مہلک نتائج پیدا ہونگے۔

خدا بخشے حضرت آغا دز برانیمی کو سیلاد کھینچے جا رہے تھے رفیق بھی گنا چیلتا ہمراہ رکاب تھا۔ کھیت واپائی دور کرنے کے لیے آغا نے فرمایا آؤ بھائی ہم تم مشترکہ روپیہ ملا کے کھیتی کریں۔

رفیق۔ ترکیب تو واللہ واللہ خوب ہے۔ اچھا روپیہ حاضر ہے لیجیے کھیت۔ مگر ہو تو بتائیے بوئیں کیا؟

آغا: پونڈے۔ پونڈے۔ بھلا اس سے بڑھکے اور کون سی نیامت (نعمت) ہے۔

رفیق: اہا! کیا اچھی تجویز کی ہے۔ بس بس پونڈے ہی بوئیے۔

(فرضی کھیت میں رفیق طریق نے راہ چلتے طبیعت بازی کی اور سڑک پہ جتنے گوے نے سب میں ہوادم گنے کی پوریں بو دیں۔ جھکے پھرتے پھر جھکے پھرتے چلیے کھیت لہلہانے لگا)

آغا: بس بھائی کھیت اب کاٹنے کے قابل ہوگیا مالاں گنڈیریاں ہیں کہ جلیبیاں۔

رفیق: تو کیا آپ نے کھانے کا ٹیکا لگا دیا۔ دیکھیے بھائی صاحب یہ بالکل خلاف ایمان ہے۔ ہائیں ذکہ بھریں بی فاختہ کوے انڈے کھائیں۔ آپ کھاتے ہیں اور صلاح بھی نہیں کرتے۔ بونے جوتنے میں کمر ہماری ٹوٹی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ لے بس! اب جو آپ نے ہاتھ لگایا تو قسم قرآن کی اچھا نہ ہوگا۔ کھیت جب کٹے تو آدھا آدھا بانٹ لیں گے۔"

آغا: یہ کیا کہا۔ ذری پھر تو کہنا۔ ہم نے دو خرچا ہے زرہ ہیں سب طرح کا حق ہے دھمکاتے کیا ہو۔ کوئی تمہارے دبیل ہیں جو دب جائینگے۔ لے دیکھو پھر ہم کھیت میں گھسے اور دیکھو یوں جھٹ سے پونڈا توڑا۔ اے لو یہ چھلکا اُتارا۔ یہ گنڈیریاں بنائیں۔ چقر چقر یہ چوسیں۔ کہو اب کیا کہتے ہو۔"

رفیق: اے تو کیا تو یونہی سارا کھیت اجاڑ دے گا۔ رہ تو جا تیری ایسی تیسی کی دیکھ تو نے دو توڑے ہیں تو میں دس توڑ ڈالتا ہوں۔"

آغا: اسے قدم آگے بڑھایا تو دہ دھوبی پانے کا پیچ باندھوں گا کہ پڑا ہو جاؤ گے پھر نہ کہنا کہ دوستی مروت کا لحاظ نہ کیا۔"

رفیق: ابی کہتے کیا ہو۔ جھٹ ایک جھٹ دو جھٹ تین جھٹ چار۔ جھٹ پانچ۔"

انشاء اللہ خان شاعر کے بوسوں کی گنتی تمام ہو گئی تھی ؎

ایک دو تین چار پانچ چھ سات
آٹھ نو دس ہوئے بس انشا بس

مگر ان کی گنتی تمام نہ ہونے پائی تھی کہ آغا نے

صحیح عُمر جواز رضامندی

وطن لاہور

وطن۔ ملک ملت کا بہترین خادم ہے۔

وطن۔ دلفریب مضامین و بہترین فسانوں کا بے بہا خزانہ ہے۔

وطن میں انگریزی عربی فارسی ترجم کا نہایت منتخب نظام ہے۔ اسکے علاوہ عام حیثیت نہایت اور پرجلال نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب رنگین ٹائٹل، خوشنما چھپائی، قیمت سالانہ بہت کم اور حجم اسقدر زیادہ کہ ہندوستان بھر میں اتنی قیمت کا کوئی اخبار اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آپ آج ہی ایک پوسٹ کارڈ لکھیے۔ آپ یقیناً اسے پسند فرمائیں گے۔ سالانہ قیمت ۳ روپیہ ششماہی ۱۲ؔ

پتہ:۔ مینیجر اخبار وطن لاہور

کولے پہ پھر کے جو پیچ کاٹا تو رفیق گنے کی پھاندی کی طرح کٹکل کے بکھر گئے اور گنے بیچ میں چھوٹ۔ ادھر سے جاتا تھا سرکاری سپاہی دیکھے ہوئے جوان جھاتا ان جنگ آزما کو یوں سڑک پر چیت بیٹھا ہوتے دیکھا تو بیچ بچاؤ کے لیے بڑھا۔ دونوں کو اُٹھا کے سبب جنگ پوچھا حال سُنے اور کہنے لگا۔ سنتے ہو یہ اکیلے اکیلے کھیتی کر لی نہ ہمارا حق دیا نہ سرکاری لگان کا ایک دانہ گزاری ادا کی نہ پٹا لکھا نہ قبولیت ہوئی چلو تو چلے داروغہ کے پاس۔ سپاہی کی روانگی معطل ہوئی جھمیلے میں پھنسے۔ جھگڑا نے بیس روپیہ سرکاری حق میں پانچ روپیہ اپنے نالکاری حق میں لیے بعدہ روپیہ پارے کا حق ہوا وہ علیحدہ پھر سربراہ کار بھی گیا گزرا نہ تھا اس نے بھی تین کی ٹنالی۔ تیس روپیہ اصل دو چار لگا لیا دس پانچ ٹکے دو دو بیہا ملے۔ میلا گیا اپنی ایسی تیسی میں۔ جان بچنے کی خوشی میں نذر نیاز کرنا پڑی کان مروڑے کہ پھر کھیتی کا نام لیجیے۔

علامہ سہوئی بھی یہی چاہتے ہیں کہ ان وہمیات کی بنا پر دو ایک کے بدلے ایک قانون وضع کر دیا جائے تاکہ خواب میں بھی جو شخص اپنی جورو سے زنا کرے (یہ زنا ہی ہوا جیسے کہ تعزیر موجود ہے) تو وہ اور اسکے ساتھ ہی باپ ماں ولی مشاطہ میراثی سب کے سب ایک ماہ قید بھگتیں اور ہزار روپیہ جرمانہ ادا کریں اے جناب فرض کا میدان بہت وسیع ہے آپ فیصدی ایک واقعہ بھی ایسا دکھا دیجیے کہ کسی مسلمان نے آپ کے فرض ووہم کے مطابق وقت سے پیشتر خلوت صحیحہ کی ہو تو میں بھی فوراً تسلیم کروں گا کہ سارہ دا بل ضرور قابل عمل ہے۔ نابالغوں کی شادیوں کا شمار بھی فیصدی ایک نہیں۔ قبل از وقت نزدیکی تو شئے دیگر ہے۔

نکاح کے امر شرعی ہونے میں کسی کو شک نہیں نکاح کی صحت یا غلطی کا فیصلہ شریع کرتی ہے نسب کی صحت بھی شرع کے رو سے تسلیم کی جاتی ہے۔ علاوہ ان رواجی قوانین کے جنھیں اہل اسلام نے وطنی آب و ہوا کے اثر سے بخوشی قبول کیا اور سارا اولاد اکبر کو ساری املاک حوالے کر کے دوسری نر و مادہ اولاد کو محروم

کرنے کی ٹھہرائی یا تعزیرات ہند کے۔ جیسے حکومت وقت نے اپنے حکم سے جاری کیا ہو مگر ایسے معاملات میں آپ طرح کی پابندی کر سکتے ہیں۔ جدید رواجی قوانین بہ لحاظ بہ اقتضائی پر مبنی اور شرع کے خلاف ہیں اگر ہنود بھی اپنی ذات پر مسلمان عائد کرتے تو حکومت کی جانب کو ہرگز کوئی حق عمل نہ تھی کہ خواہ مخواہ دخل دیتی۔ آپ اپنی ذات بابرکات کو عارف کا لقب دیتے ہیں مگر اتنا نہیں جانتے کہ لڑکے اور لڑکی میں استعداد تولید ہوتے ہی اس بات کا تقاضا شروع ہو جاتا ہے۔ اور تکیہ پہلو میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ فعل قدرتی ہے کسی میں جلدی اور کسی میں بتاخیر۔ اسی وجہ سے شریعت نے عمر بلوغ علامات بلوغ کے ظاہر ہونے پر موقوف رکھی ہے خود معین نہیں کی۔ یہ تقاضا بے پردگی کے بعد (جس کا رواج ہوتا جاتا ہے) فوراً پورا ہوا کرے گا اسوقت یہ نونہال سب کے سب اس ناہنجار قانون کی بدولت نہایت خالی (جیل) میں درس بد معاشی و زردی و بد اخلاقی لیں گے (اسلیے کہ نہ تو کوئی اخلاقی مجلس حکومت نے بنایا ہے نہ حکومت کو اسکی پروا ہے نہ قوم قوم نیشن نیشن پکارنے والے سفر ولایت کے مصارف پر اس قسم کے مصارف کو ترجیح دیتے ہیں نہ قانون سارداباں میں ایسے مستثنیات ہیں) داغی ہونے کے بعد نکلیں گے تو نصف ملک بدمعاشوں اور داغیوں سے آباد نظر آئے گا۔ یہ وہمی اور فرضی وسوسہ نہیں ہو تجربے اور مشاہدے پر مبنی ہے۔

اگر یونہیں اوہام پر تعزیری قوانین بنائے جائیں تو پھر دنیا میں رہنا سہنا دو بھر ہو جائے۔ بقول ظریفی کو

؎ جو پلیں ہی مڑ و فلا نٹ وٹی رہے گی
لوکا ہے کو انگیا لنگوٹی رہے گی

ہر پاگل اپنے وساوس کی بنیاد پر ایک قانون وضع کیے جانے کا مطالبہ کرے گا اور دنیا رہنے والوں پر تنگ ہو جائے گی۔ ممبر تمام قیس عامری۔ کونسل نجد۔ اور لیلے کا ادنٹ صدر ہو گا۔

جن عالیشان خلفا کا حضرت عارف نے نام لیا ہے (یعنی حضرت ابوبکر و عمر) انہیں کے زمانے میں کم سنی کی شادی کا رواج عام تھا (دیکھو واقعہ عقد ام کلثوم کتب تواریخ و واقعہ عقد ام المومنین عائشہ کتب حدیث میں)

فقہ کی کتابوں میں زنان قریش کے بلوغ و یاس کا زمانہ بخلاف دیگر قبائل کے بر سبیل استقرار دکھایا گیا ہے۔ کوئی طب اگرچہ نیچرل اصول کے مطابقت کی دعوے دار ہے بعد از بلوغ خلوت کو مضعف قوت نہیں کہتی۔ لہذا جناب عارف ناقص کی یہ مارکی تو بالکل اُس جولاہے کی سی نرپاد ہے جسکی شادی نہیں ہوئی تھی لب بام سو رہا تھا خواب میں دیکھا کہ پہلے شادی کے بعد لڑائی اور لڑائی کے ساتھ مار پیٹ ہوئی بی بی کنویں میں پھاندیں یہ روکنے کو لپکا تو دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ آنکھ کھل گئی اور لگا رونے لوگ سمجھے کہ چوٹ زیادہ لگی ہے پوچھ گچھ شروع ہوئی۔ کیا ہوا۔ کیوں روتے ہو کہاں چوٹ آئی۔ کدھر درد ہے۔ جولاہے صاحب نے جھلا کے جواب دیا "تم کا چوٹ کی پڑی ہے ہمرا گھر ناس ہو گا ہمار دلہن مورو کنواں ماں بوڑ کر ڈوب گئی ہے"

جناب عارف خیال فرماتے ہیں کہ اگر کم سنی میں شادی ہوئی اور قبل از وقت معاملہ یوں سے دوں ہوا تو اولاد کمزور ہو گی امام غزالی و رازی سلطان صلاح الدین اور جنرل طارق کے سے صاحبان عقل و قوت پیدا نہ ہو سکینگے۔ حالانکہ یہ بے غلط مبحث۔ خلوت صحیحہ پر قیود عائد ہو سکتے ہیں اور کم سنی کے عقد میں قیود کا حق کسی کو نہیں۔ اسلام میں باپ ماں کی اطاعت اولاد پر فرض ہے وہ اگر حکم دیں اور کسی وقت معین تک خلوت نہ ہونے دیں تو ممکن ہے بلکہ کیسا عموماً یہی ہوتا ہے۔ بعد بلوغ ٹھیک تاریخ معین ہوتی ہے انجھا ہوتا ہے برات آتی ہے محفل زفاف برپا کی جاتی ہے۔ جبل طارق پر چڑھنے والے میاں طارق اور بیت المقدس کے فاتح صلاح الدین ایوبی احیاء العلوم کے مصنف غزالی اور تفسیر کبیر کے مؤلف رازی سب کے وطنوں میں اس قسم کی شادیاں ہوا کیں تاریخ سے دکھاؤ کہ کب یہ نہیں ہوا؟ یہ ثابت ہے تو پھر اب ہمت و قوت عقل و علم کا آنواں کیوں بگڑنے لگا۔

جناب عارف معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو آپ کو منطق میں دخل ہے نہ فقہ میں نہ تاریخ میں نہ طب میں سطحی معلومات کے زور پر آپ مضمون لکھنے بیٹھ گئے۔ عقد فضولی مضر صحت نہیں۔ قبل از وقت خلوت ناجائز ہے اور اگر نارسیدہ لڑکی یا اُسکے والدین ضرر پہونچنے پر تاوان (دیت ضرر) یا قصاص کے طالب ہوں تو ثبوت کافی ہونے پر قاضی ڈگری دے دیگا شرعی رسیدہ (بالغ) ہونے کے بعد اس قدرتی مطالبہ کو روک نہیں سکتی۔ یہ اعتراض قدرت پر بھی وارد ہوتا ہے کہ عمر بلوغ مقرر کرنے میں اللہ میاں نے عارف مسوی سے مشورہ کیوں نہ کیا۔ (قدرت ناقص العلم ہے اور عارف ہے کامل) جس چیز کی استعداد قدرت پیدا کرتی ہے اُس میں ضرر کیا؟ تاریخ رسول اور خلفا کے عقد کے واقعات سے مملو ہے۔ عقد اور خلوت میں لزوم نہیں یہ دو فعل ہیں دونوں کا اثر جدا گانہ ہے۔ مگر بیاں میاں ساردا نے دونوں باتوں کو ایک ہی میں مخلوط کر دیا ہے۔ وہ کمیٹی بھی کیا

کمیٹی ہوئی جو قانون وضع کرنے بیٹھی مگر اتنی بھی تو کہ امتیاز نہ کر سکی۔

ایک تھے پنڈت جی اُن بیچارے کو پتا (علم) سے لگاؤ نہ تھا نسل کے پنڈت تھے لہذا لوگ تھے (تاریخ، شگن (شگون) ساعت پوچھنے آتے تھے۔ حساب میں دخل نہ تھا شگون ساعت بتانے میں کوئی محنت نہ کرنا تھا جو جی میں آیا کہہ دیا۔ مگر تاریخ کا معاملہ تھا ٹیڑھا اُسکی یہ تدبیر کی کہ کنکریاں گن کے رکھ لیں۔ صبح اُٹھے ایک کنکری ادھر سے اُدھر کر دی۔ اتفاق کی بات پنڈتانی اُسی کوٹھری میں گئیں جس میں کنکریاں ڈھیر تھیں جھاڑو دینے میں سب کنکریاں مل گئیں۔ پنڈت جی کو خبر نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص آیا اور اُس نے تاریخ پوچھی مہاراج نے بحسب عادت سنگریزوں کی طرف رجوع فرمائی اب جو دیکھتے ہیں تو ایک طرف چھوٹے چھوٹے صرف چار سنگریزے رہ گئے انھیں

سمن بغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۱ سنہ ۱۹۲۹ء

عدالت جناب مرزا منعم بہمنت صاحب بہادر سب جج ملیح آباد لکھنؤ

شیو بخش ساہ عمر تخمیناً ۵۰ سال ولد گریھاری ساہ قوم بھوربی ساکن موضع ۲ مدھون تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ — مدعی

بنام

بابو سنگھ وغیرہ — مدعا علیہ

بابو سنگھ عمر تخمیناً ۵۰ سال ولد کھمی سنگھ قوم ٹھاکر ساکن پرتول بنام ، پرگنہ مدھون تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ وا ہدمان ناگپہ جمعدار ریلوے اسٹیشن ناگپہ ممالک متوسط ریلوے لائن - بی این پرگنہ ناگپہ برگاہ شیو بخش ساہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت حیہات سلغ ۸۰/۱۱/۱ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ بیس ماہ نومبر ۱۹۲۹ء بوقت دس بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے کما حقہ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعوئی مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوے کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جس دستاویز پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اُسی روز اُن کو پیش کرو۔ مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ غیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۱ ماہ اکتوبر ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم مجلہ انگریزی — مہر عدالت

وقت حاضری بدفتر سب جج ملیح آباد لکھنؤ ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

یاد تھا کہ کل تک یہ چار سے زیادہ تھے۔ گھبرا کر مہاراجن سے کہنے لگے "ارے تم نے یہ کیا کیا" مہاراجن بولیں "کرتی کیا کچھ ادھر تھیں کچھ اُدھر۔ میں نے دونوں کو گھر کے ملا کے ایک طرف کر دیا" پنڈت جی نے تاریخ کے سائل سے فرمایا کہ بھیا رے آج گیارہ تیرہ ہے۔ یہ تیرہ دھم تھی (تاریخ) کی نئی قسم سائل نے سُنی مگر کیا کرتا رسیلہ علم صرف پنڈت جی تھے "آمنّا و صدّقنا" یہی حال سارداہل اور اسکے مشیران با تدبیر کا ہے۔ اُن کے بل پر عقل کسی طرح سا نہیں سکتی وہ لوگ جو عالم ہونے کا دعویٰ کرتے اور اس قسم کے فیصلے کمیٹی یا اُن ممبروں کی تائید میں پیش کرتے ہیں جنہوں نے آنکھ بند کر لی اور مُنہ کھول دیا وہ خواہ مخواہ دخل دیتے ہیں ایسا معاملہ جس میں صد ہا قابل رعایت شقیں نکلتی ہیں اور شقوق کی جہات بھی مختلف و متضاد ہیں ایک قانون کلی کے تحت میں آ ہی نہیں سکتا جبکہ سیرت نبوی قولاً و فعلاً اسکے مخالف ہے اور مصالح فقہا یہ بھی اسکے متقضی ہیں کہ اجازت باقی رکھی جائے۔

مولوی محمد یعقوب نائب صدر مجلس واضع قوانین کا اختلافی نوٹ مفصل نہیں لیکن قطعی حجت پر مبنی ہے۔ کلمات خداوندی کا بدل دینا شرعی معمولات کو اُلٹ پلٹ کرنا سیرت نبویہ اور اخلاق صحابہ رضوان اللہ علیہم سے غلط معانی اخذ کرنا بڑی جرات کا کام ہے اور جناب عارف ہسوی انھیں جری لوگوں میں ہیں۔ آپ کیا معقول دلیل پیش فرماتے ہیں کہ کتاب تعزیرات ہند نے اکثر مقامات پر "مداخلہ فی الدین" کی ہے۔ تو اس مسئلہ پر کیوں غل مچانے ہو۔ یعنی اگر ایک بار چپت کھائی اور کھوپڑی سہلا کے چپ ہو رہے تو روز کیوں نہ اُس کام کے لیے چندیا پیش نہیں کرتے۔

حکومت خود دیکھتی ہے کہ ہم اعتراضات پر غور کرنے کے لیے مستعد ہیں آپ ہیں کہ خواہ مخواہ ڈراتے ہیں بزرگان دین پر تہمت رکھتے اور یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے شریعت میں برابر دخل دیا۔ خلفاء راشدین ہمیشہ لرزتے رہتے تھے کہ کہیں ایک لفظ بھی حکم میں تغیر نہ ہونے پائے۔ آپ واضعان آمریت کے مخالفین کو اعتراض کرنے کے انداز تعلیم کرتے ہیں کہ احکام شریعت اسلام جن اسلام کے تابع قرآن تھے یہ تو بزرگان دین کی دیانت پر صریح چوٹ ہے۔ شریعت اسلام کی ساکھ اسوجہ سے قائم ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں ہم تک احکام پہونچے وہ قابل اعتماد تھے اگر انھیں کا بھرم آپ کھوئے دیتے ہیں تو پھر نہ حدیث قابل عمل رہتی ہے نہ قرآن۔ نہ اور کسی تصنیف و تالیف۔ غزالی کا اعتبار باقی رہتا ہے نہ رازی کا۔

مولانا پنچ! آپ مذہبی امور سے الگ تھلگ رہتے ہیں اسوجہ سے مجھے زیادہ جرات نہیں ہوتی کہ جناب عارف کی تحریر پر جو کہ درحقیقت عار اسلام (بعد حذف فاء) ہے فقہی دلائل پیش کروں۔ مگر کیا کیجیے معاملہ ایک قانون کا ہے جو عنقریب نافذ ہونے والا ہے قوانین ملکی جب حیثیت کے ہوں (یعنی خالص ملکی ہوں یا انتظامی) اُن کے بارے میں نکتہ چینی کرنا آپ کا فرض ہے۔ اسلیے التماس ہے کہ میرا یہ مضمون پورا چھاپ دیجیے۔ قسطوں پر نہ۔ ایسے منشی سجاد حسین مرحوم نے ایک مرتبہ سارا پرچہ قانون مال اور کاشتکار و زمیندار کے حقوق کی بحث سے بھر دیا تھا۔ باقی آئندہ

راقم

ارباب العرشار

بالے پن کا بیاہ اور منطق آرا بیگم

(نمبر ۳ تتمہ ۱۶ ستمبر ۱۹۲۹ء)

ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی؟ اے وہی بچپنے کی شادی اور اُسکے قانون کی اونگی ازار کا ذکر تھا۔ سُنو مولانا پنچ۔ جتنے قانون اسوقت تک حکومت نے بنائے ہیں اُن میں سیکڑوں جگہ ایک عیب ضرور ہوتا ہے یعنی وہ اپنے بنائے جانے کی صحیح علت کبھی ظاہر نہیں کرتے۔ پہ نہیں کھلتا کہ آخر اسکی ضرورت کیا تھی چوری چکاری۔ دھوکا جعل لوٹ مار۔ خیانت کے روکنے کی وجہ ظاہر ہے۔ مال کا قانون۔۔ علت " نہیں بیان کرتا تو نہ سہی۔ سب کو معلوم ہے کہ سرکار کا

ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
"دیکھیے پھولوں کی لاج رکھیے گلِ عارض کے رنگ سے اسکا رنگ پھیکا ہوا جاتا ہے خوشبو درکار ہے
تو یہ عطر حاضر ہے"
کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

مسٹر پنچ مع اپنے دوسرے ہندی بھائیوں (جرائد) کی ہم زبانی اینجاب بھی کرتے ہیں۔ حمل فتح مبارک! گود کھیلے نند لال!!؟

لکھنؤ کی نفیس زردوزی دکامدانی کے کام سے مستورات کے کپڑے سجانا ہوں تو حافظ سیتا محمد رفیع صاحب تیا باغ لکھنؤ کو آرڈر دیں۔

ایمان ہے روپیہ۔ پھر بھلا ایمان کی طرف سے کوئی مومن غفلت کیوں کرنے لگا تھا۔ وہ اپنا ایمان ہر وقت بڑھاتی رہتی ہے جہاں کہیں ایمان کا معاملہ آن پڑتا ہے پلہ پڑتی ہے اور ترقی کی ترکیب نکال لیتی ہے۔ جس قانون کی علت ظاہر نہیں ہے اس میں انصاف کی گنجائش بہت کم ہے حاکم کی سمجھ پر موقوف ہے جیسا چاہے ویسا فیصلہ لکھ دے بیسیوں جرم ایسے ہیں جو بہ نیت نہیں نیک نیت ہونے پر بھی جرم ہی رہتے ہیں جیسے آبرو ریزی کا قانون کوئی شخص مال مردم خوری کی بدولت امیر ہو جائے اور سیکڑا نہ جائے تو وہ آبرو والا کہلائے گا اور جو کوئی اُسکے نقدے کھولے گا سزا پائے گا حالانکہ وہ سچ کہتا ہے اور دُنیا کو ایسے شخص کے پھندے سے بچانا چاہتا ہے۔ اور ہوں ایک بڑے آدمی کو تم نے لوگوں کے سامنے ذلیل کر دیا وہ ذلیل ہو گیا چلو جیل خانے۔ سرکار اور سرکاری پولیس جس کی ٹوپی چاہے اُتار دے اُسے سب طرح کا اختیار ہے تم اُسپر دعوے نہیں کر سکتے۔ اسی لیے نیت اور علت صاف صاف نہیں ظاہر کی گئی۔ بالے پن کے بیاہ کا قانون بھی علت بیان نہیں کرتا وہ کہتا ہے۔

”چونکہ بچپن کی شادی روکنا ضروری ہے اسلیے مندرجہ قانون نافذ کیا جاتا ہے۔ اس قانون کا نام ۱۹۲۹ء کا شادی بچگان ہو گا۔“

کوئی پوچھے کہ آخر کیوں روکنا مقصود ہے؟ جس وقت کوئی قانون کونسل میں پیش کیا جاتا ہے اُسوقت علت بھی بیان کی جاتی ہے یا پیش کرنے والے صاحب بیان کرتے ہیں اگر اُس کا خلاصہ قانون میں منصف یا مجسٹریٹ کی ہدایت کے لیے لکھ دیا جائے تو وکیلوں کو علت اور معلول پر بحث کرنے کا موقع ملے انصاف کو بھی کمک پہونچے۔ ابھی یہ واقعہ تازہ ہے قانون پیش کرنے والے نے چھوٹی چھوٹی دل سے گڑھی ہوئی علتوں کے ساتھ اولاد کی کمزوری کو قانون بنانے کی اصل علت قرار دیا ہے۔ بھلا کون شخص ہے جو اپنی اولاد کی کمزوری سے نہ ڈرے۔

چند روز کے بعد یہ الفاظ ہوا میں مل کے گزشتہ ہو جائینگے نہ زمین کے نہ آسمان کے۔ کوئی مجسٹریٹ سُنے گا بھی نہیں کہ قانون کی ایجاد کے وقت کسی نے کیا کہا اور اسکا جواب کیا ملا۔ میری رائے ہے کہ اس قانون کا نام ”خفتہ موقت“ رکھا جائے یعنی ”ایک مدت کے لیے عورت مرد کا خفتہ“

جو سبب اس قانون کی ایجاد کے بارے میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ۔ صاحب ۱۴ برس کے سن سے پہلے جو لڑکی مرد سے واقف ہو جاتی ہے اور پیٹ رہ جاتا ہے تو اولاد سینک سلائی روگھیل مرجھلی ناتوان پیدا ہوتی ہے اور اکثر مر جاتی ہے۔ زندہ رہیں تو ہمیشہ بے ستی اور بیمار رہتی ہے بزرگوں نے یہ ”چٹپٹ دل سے باندھنو باندھے ہیں۔ بہا کہتی ہوں کہ اگر چودہ برس کے سن میں لڑکی کسی بیماری میں مبتلا ہو گئی اور بیماری باقی رہی تو عمر بھر روگھیل بچے جنتی ہے کیا اس کے لیے بھی کوئی قانون بنا؟ یا صاحبزادے اکیس برس کے بعد سوزاک آتشک میں بندھ گئے اور اولاد شری اُنسی جنوانے لگے تو کیوں اسکے روکنے کے لیے کوئی قانون بنایا نہیں جاتا؟ قانون لڑکوں کو جائز طور پر شادی کرنے سے روکتا ہے زنا کرنے سے یا بغیر شادی کے گھڑا کھیل کھیلنے سے باز نہیں رکھتا۔ عام طور پر لڑکے ۱۶ سترہ برس کے سن میں بچہ جنوانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ شادی نہ ہوئی تو آخر سی نہ کسی طرح گرم پانی ضرور نکالیں گے۔ جنکو عورت میسر نہ آئے گی وہ یا تو آپس میں بدکاری کرینگے یا وہ کرینگے جس سے عمر بھر عورت کو ترسیں۔ یہ سب ڈالو جو لیے جاتے ہیں اگر اولاد کی کمزوری ہی کا خیال ہے تو ایک قانون ”پیر نابالغ“ یا ”بڈھ بھس“ کے نام سے بھی لگے ہاتھوں بنا؟ او۔ کمزور مردوں کی اولاد ضرور کمزور ہوتی ہے جنھیں خدا نے روپیہ دیا ہے وہ جوان جہان چھوکریوں کو اچھی طرح لالچ کے جال میں پھانس لیتے ہیں فرض کرو بڑے میاں نے ہزار کوششوں سے ایک روگھیل بچہ پیدا کیا تو کیا وہ رستم ہو گا .... ؟ کیا ایسی پیدائش کے لیے کسی قانون قاعدے کی ضرورت نہیں یا ماشاء اللہ کو۔ بڑے آئے وہاں سے کمزوری کے

دشمن بن کے۔ بھلائی پلائی سے انسان اسی برس میں بھی بڈھا نہیں ہوتا۔ اور بھلائی وہ چیز ہے جو چندرہ برس کے لڑکے اور تیرہ برس کی لڑکی کو آپے میں ہنے نہیں دیتی۔ ہندوستانی فاقوں مرتے ہیں اس وجہ سے ہمیشہ کمزور رہینگے ان نگوڑوں کی اولاد بھی گندی بوٹی کا گندہ شوربا ہو گی۔ بات کے معنی تو یہ ہیں کہ ۱۴ برس کے سن میں بھی کوئی لڑکی جوان نہ ہوئی اور ۱۸ برس کے سن تک پہونچ کے کوئی لڑکا طاقتور اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہوا تو وہ دونو شادی کرنے سے روکے جائیں۔ یہ اچھی منطق ہے کہ جوان کمزور اولاد نہ جنوانے پائیں اور بڈھے مرنے جوگے نسل ہمیشہ بڑھاتے رہیں جوانوں سے کمزور اولاد پیدا ہو گی اور گور کنارے بڑھوں سے طاقتور۔ جو ہوس بڈھا چھوکریوں سے دل لگیاں کرکے جی بہلائے اور جو کھیلنے کھانے کے دن ہیں وہ زنا کریں تو خیر شادی کریں تو جیل جائیں زنا جائز شادی ناجائز۔ خدا سمجھے ایسی منطق سے جو بدکاری پر خوش اور نیکی سے ناراض ہے۔ رضامندی سے زنا ہو تو دل شاد۔ رضامندی سے نکاح ہو تو جرمانہ اور قید۔ یہ تو ہوئی ایک بات۔ اب دوسری منطقی غلطی سُنیے کہ قانون میں ۱۴ برس سے کم سن لڑکی ”بچہ“ ہے اور ۱۸ برس سے کم سن والا لڑکا بھی بچہ ہے۔ شادی بچگان سے مراد ایسی شادی ہے جسمیں دولہا دولہن بچہ ہوں۔ ”بچہ“ اور ”نابالغ“ کے معنی ایک ہی ہیں مگر لڑکے کے بارے میں قانون صاحب فرماتے ہیں کہ جو ۱۸ سے ۲۱ سال کی عمر کے درمیان بچپن کی شادی کریگا اُسے سزا دی جائے گی۔ اس عبارت کے یہ معنی ہوئے کہ مرد ۲۱ سال تک بچہ ہے۔ پھر وہ تعریف کدھر گئی جسنے ۱۸ سال کے مرد کو بچوں میں شامل کیا۔ کہنا یہ چاہیے تھا کہ ۲۱ سال کی حد تک مرد کا شمار بچوں میں ہو گا۔ اے خدا کی پھٹکار یہ کوئی منطق ہے؟ ایسے جاہل لوگ قانون بنانے کا کام کر سکتے ہیں؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو مرد ۲۱ سال سے زائد عمر میں بچپن کی شادی کریگا اُسے سزا دی جائے گی۔ اسکے کیا معنی ہوتے ہیں کہ ۲۱ سال کے بعد مرد کے [illegible] ایسی شادی کے [illegible] نہ سمجھے جائینگے [illegible] ... کہ کمسن عورت کے ساتھ

جلد ۱۴ نمبر ۴۲

مضامین

بابت ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء

جدید لغات

(نمبر ۲)

اصلاح - اِفساد کے ہم معنی ہے چاہے اصلاح کہو چاہے افساد - جن دو متضاد چیزوں کا نتیجہ ایک ہو وہ متضاد نہیں رہتیں - یہ نام شئی ہے لیڈروں کے شکار کھیلنے کی اکثر مذہبی لیڈر ہوں یا ملکی مشرقی ہوں یا مغربی مصلح مفسد ہیں - اصلی جنس بازار سے خارج ہو چکی کہیں کہیں مل جاتی ہے تو اپنا نقصان کر دیتی ہے - نقلی ہمارے تعارف کے لیے بڑی ہے مگر بنے ہوئے لیڈروں کے لیے بروقت غذا بہم پہونچاتی ہے - لہذا اکثر لیڈروں کی جیب میں بصورت کاغذ اور زبان پر بشکل تقریر موجود رہتی ہے - جب چاہو آزمالو۔

اضافہ - یہ لفظ ٹیکس اور مالگزاری کے ساتھ ایجاد ہوئی - اب ٹکس کی مرادف ہے۔

اطاعت ؎ آنچہ جو روجی بفرماید درست
حکم جورو جی بہ از حکم خداست

فرماں برداری دنیا سے ناپید نہیں ہوئی - صرف محل استعمال بدل گیا ہے - ماں باپ کی اطاعت ساقط - اور حکومت کی فرض - اگرچہ جورو اور حکومت کی اطاعت میں تصادم ہو تو جورو کی مستحب ہے اور حکومت کی واجب - اگر ماں باپ اور جورو کی اطاعت میں ٹکر ہو تو جورو کی مستحب اور ماں باپ کی مکروہ بلکہ داخل معاصی - جورو کے لیے شوہر اور شوہر پر جورو کی اطاعت حرام ہے -

اطمینان - نادر الوجود شے - دنیا میں جو لوگ صاحب اختیار ہیں وہ اس دولت کو رکھتے ہیں مگر کام ایسے کرتے ہیں جن سے نفرت ظاہر ہوتی ہے - جو لوگ مجبور ہیں انھوں نے اسکی صورت نہیں دیکھی - یہ مقلوبی بیاہ ہے اسکی ضد کا نام ہے - یہ جورو والے مرد اور مکار شہری صوفی (اصلی صوفی جنگل بیابانوں میں رہتے ہیں) جبتک بالغ نہوں اکثر اطمینان سے روشناس ہوتے ہیں - بعد بلوغ ندانند کہ کجائی کہ تم کہاں کے ہم دیوانہ باش و مطمئن شو۔

اظہار - وہی شے جو کچہری اور تھانے میں مل جاتی ہے۔

اعتذار - اکثر نامعقول بہانے کے معنی میں مستعمل ہے۔

اخباری کاغذ والوں کا سودہ ہے - چیز کار آمد ہے خواہ بارہ ہی کیوں نہو - دشمنوں کو دوست بنا لیتی ہے مثلاً دوست کی نانی مرجائے آپ کو اسوقت خبر ہو جب دسترخوان بچھا ہو - کھانا کھائیے - قیلولہ کیجیے طبلے بجا لیجیے ناچیے گائیے - تیجے تک بے خبر رہیے - تیجے کے دن جائیے اور آنسو بہا کے کہہ دیجیے کیا عرض کروں بھائی صاحب کتنا صدمہ ہوا واللہ روتے روتے آنکھیں اندھی ہو گئیں سوجھ آدھی رہ گئی - مرحومہ کو مجھ سے کمال الفت تھی - میں اُسی روز حاضر ہوتا مگر نا جان کے پیٹ میں ایسا درد ہوا کہ میں تو سمجھا کہ اُنھوں نے بھی آپ کی نانی کا ساتھ دیا - مارے رات کو بارہ بجے کچھ سکون ہوا - کل تھا ہفتے کا روز - دل میں وہم اور دستور کا خیال آیا - آج حاضر ہوا ہوں -

اعتدال - عدل حقیقی کا وجود خارج میں نہیں لہذا اعتدال بھی بوجہ اشتقاق ذہنی شے ہے - ہم نے بے اعتدالی کے سوا کبھی اعتدال کی صورت نہیں دیکھی - اسلیے پوری تعریف بیان کرنے سے قاصر ہیں - جنتا منی اور مالوی جی کی جیب میں شاید ملے

اعتراض - آسمان سے آسان چیز جس پر چاہے جڑ دیجیے - وارد ہو یا غیر وارد اسکی قید نہیں ایک بلا ہے جو تمام زمانے میں موجود ہے - صرف موقع شناس اور خوشامد خورے اس سے بچے رہتے ہیں مگر جب تک مخاطب سے آمنا سامنا ہے - ادھر نگاہ اوجھل ہوئی اور اسی بلا میں وہ بھی پھنسے -

اعجاز - آلہ مرید سازی - شعبدہ بازی کا ٹھاٹھ اگلے لوگوں کو جانے دو اب کی کہو - کھانے کمانے کا دھندا - موجود بے اصل -

اَعْراس - عرس کی جمع - عُرس کی جمع - عرس کہتے ہیں اُس بلائے مبرم کو جو گھر میں آتے ہی انقلاب عظیم پیدا کر دیتی ہے - انسان بار غمزہ و عشوہ میں دب کے پس جاتا ہے - آدمی نہیں رہتا (دیکھو لفظ ازدواج) اُردو ترجمہ اس کا "دولھن" ہے جب تک چینگی پوٹے نہوں آرام پہلو ہے - اور اگر دو ایک جھول نکالے تو پھر "داماں" ہو جاتی ہے - اپنی نہ سہی اپنے بچوں کی سہی - وفادار ہوئی تو شوہر کے بڑھاپے میں بزرگانہ الطاف سے پیش آتی ہے سچ مچ "داماں" کا مزا آنے لگتا ہے اسی لیے حیدرآباد میں دولھن کو "دلہن" اور "دولھا کو" باوا کہنے کا رواج ہے یہ باوا کہتے ہیں "ماں" اور "ماں" فرماتی ہیں "آئی باوا" اگر کوئی مزے کی بات ہوئی تو دو تم تم تم تم "ماں" اور دو بٹ بٹ بٹ بٹ باوا کی رٹ لگ جاتی ہے - ہوگا زیادہ کون کہے۔

عرسیں - عروسی میں محفل ہائی کو کہتے ہیں یعنی وہ محفل جو بحالت مفلسی لہو کو آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے وہی مثل ہے بیشادی کا بیجا بجا رہی ہے لوگ کچھ نیاز کرکے اپنی راہ لیتے ہیں - جسکے ماتھے جاتی ہے وہی ہائے آہ کرتا اور بیٹھ رہتا ہے - یہ ہوئے لغوی معنی - اصطلاحاً اُس بزم حال قال کو کہتے ہیں جو کسی بزرگ کے مزار پر ہر سال برپا کی جائے - لونڈ کیلوں تماشبینوں کا مینہ برسائے۔

بلوغ - ناقص لفظ - کامل زبان سے نکالنے کے قابل نہیں - ایک علم ہے جو مکتبوں اور اسکولوں میں خود بخود حاصل ہو جاتا ہے - بعد بلوغ شادی بیاہ پر جو پابندیاں اب عائد کی جا رہی ہیں اس علم کو ترقی دینگی - چونکہ تعلیمی مدارس ہندوستان میں موجود نہیں لہذا اگر قانون رنگ میں بھنگ ہوئی تو دوسرے شعبہ ہائے علم کے دروازے بھی طالب علموں اور شاگردوں پر اپنا دروازہ کھول دینگے - سزا کی میعاد بھگتنے کے بعد جو صاحبزادے نکلینگے ہر فن میں طاق ہونگے جن لڑکوں کی شادی ہو چکی ہے وہ ممنوع التعلیم ہیں لہذا تعلیمی اور قانونی فضول پابندیاں اس مقدس علم کی بانی قرار پانے کی مستحق ہیں -

تین کام - ایسا کمین جسکے لیے گلی گلی گھر بنائے جاتے تھے - پھر بھی رہنے کا ٹھکانا نہیں - گھر کے جاؤ - اکہ پکا سند بنا لیتا نہیں - (باقی آئندہ)

راقم

ع - بلوری

تفصیل اجمال و تشریح مقال

(جناب حمید یار جنگ نظم طباطبائی لکھنؤ من حلب)

اودھ پنچ کے گزشتہ صفحات میں ایڈیٹر صاحب اودھ پنچ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس وقت حکیم آشفتہ صاحب کی جانب سے "استفسار" جواب کی غرض سے پیش کیا گیا اصل واقعہ کی اطلاع انھیں نہ تھی یعنی انھوں نے الناظر اور نبتصر کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اگر اطلاع ہوتی بھی تو کیا کرتے - مقام شہادت میں کتمان بزدلی اور بے ایمانی ہے معاملہ اصلاح زبان کا ہے - باہمی میراث یا اٹھائی کا نہیں جو کسی مفسدے کے خوف سے کوئی بڑبڑا جائے - دبڑبڑانے کی ہمت پر کوئی صاحب سند طلب فرمائیں بڑبڑانا اور سٹ پٹانا درست پا جبہ حیران اور مضطرب ہونے کے معنی میں ہمارا روزمرہ ہے سند پر قدرت رکھنے کے باوجود ہم یہ جھول نہ پا لینگے)

جناب ایڈیٹر صاحب (اودھ پنچ) نے بقدر اپنے علم و نظر کے جواب دیا - اسکے سوا اور کیا کرتے مخالف و موافق سب ہی نے یہی کیا - بلکہ حکیم آشفتہ صاحب کے استفسار کا جواب جن لوگوں نے دیا ہے اُن میں سے بعض نے جا بجا سند بھی دی ہے - برخلاف انکے مرزا محمد عسکری صاحب نے جتنے جواب طلب کرکے شائع کیے ہیں بجز "محض انکار" اور "بیہودہ سرائی" کے وجہ انکار تحریر نہیں کی - یہ صحیح ہے کہ منطق "منکر" سے ثبوت کا مطالبہ لازم نہیں سمجھتی لیکن سبب انکار کا اظہار منکر کے واسطے بھی ضروری ہے اسلیے مطلق انکار کافی نہیں - ایسا منکر جو انکار کے اسباب سے بے خبر ہو خارج از عقل ہے ہرگز خطاب کے قابل نہیں آداب و اصول بحث و مناظرہ میں اسوقت متعدد کتابیں قدیم و جدید کاملین کی موجود ہیں

اُنھوں نے انکار عدم علم لا نسلّم (غیر مسلّم) بطلان اثبات کی قطعیت و عدم قطعیت پر بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں اُن کا نام "الفرق" بتایا ہے - اگر غور سے دیکھیے تو مرزا محمد عسکری صاحب کا کسی محاورے یا لفظ کے بارے میں یہ کہنا کہ "سوقی ہے - پیشہ وروں اور بازاریوں کی بول چال ہے" ایک دعویٰ ہے جسکی دلیل خود اُنھوں نے ارشاد نہیں کی - آشفتہ صاحب کی حیثیت مجیب کی تھی اُنھوں نے بعض اہل زبان کی شہادت بطور ثبوت و جواب پیش کی - شہادتیں بازاریوں اور پیشہ وروں کی نہیں لو سنہ مرزا محمد عسکری صاحب نے "ردّ ابطال" میں جواب دینے والوں کا بازاری ہونا ثابت کیا - تاکہ اُنکے کمزور اور بیمار دعوے کو تھوڑی سی تقویت مل جاتی اور وہ کسیقدر چونچال ہو جاتا - اُنکی جانب سے یہ کہا گیا کہ مجیب طرفداری کرتے ہیں - اچھا طرفداری کرتے ہیں پھر؟ طرفداری کا ثبوت کیا ہے یہ تو ایک علیحدہ دعوے ہوا - بہرحال کچھ لوگ آشفتہ صاحب کے موافق ہیں مگر وہ سب اہل زبان ہیں اور مشہور انشا پرداز بھی کچھ لوگ مرزا صاحب کے طرفدار ہیں اگرچہ اُنکی تعداد زیادہ ہے لیکن انشا پردازی میں اُنھیں کوئی مرتبہ حاصل نہیں تھے بیرونی ہیں - رہا ایک ربع تو وہ لکھنوی ہونے کے باوجود اتنا کوتاہ نظر ہے کہ اساتذہ کے کلام سے (جو سند آشفتہ صاحب کے موئدین نے پیش کیا ہے) بے خبر ہے - ان لوگوں کے جواب ادعائی ہیں اور وجوہ انکار سے معرا - کسی نے بھولے سے بھی الفاظ مبحوث عنہا کی تنقید کی جرأت نہیں کی - اگر کوئی جواب اس اعتراض سے پاک ہو تو اُس کا حوالہ دیجیے - مہاراجہ صاحب محمود آباد کی خوشامد میں کوئی شخص حق پوشی کرے تو ممکن ہے حکیم آشفتہ صاحب کی خوشامد سے کسی کو جھنجھنا ملنے والی نہیں ہے

زر بل ہے یہاں نہ بانہہ بل ہے

اگر لوگ ایسے ادنیٰ معاملے میں طرفداری کرتے اور ایمان چھوڑ دیتے ہیں تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ مرزا صاحب کے حاصل کیے ہوئے جوابات معصوم نفس کے لکھے ہوئے ہیں - خیرآبادی ، ریاض (انھوں نے خود ہی بغیر تعظیم و تکریم نام لینے کا ہم کو سبق دیا ہے - دیکھو الناظر بابت ماہ ستمبر صفحہ ۴۵ کی عبارت) آرزو ، خیر ، رسوا ، احسن ، ممتاز حسین کی تائید پر تعجب ہے) مہاراجہ صاحب کے خوشامدی نمک خوار ہیں عمر بھر شہدوں بھنگڑوں شرابیوں کی زبان میں شعر کہتے رہے ایسے لوگوں سے اپنی زبان کے متعلق استفسار مرزا صاحب ہی کو مرغوب ہونا چاہیے - کوئی بتائے کہ آخر یہ کیوں طرفداری کے الزام سے بری ہیں؟ - جناب محشر - مہاراجہ صاحب کے ملازم ہیں علی نواب جناب ثاقب - ایک داروغہ - دوسرے ہیں صاحبزادے کے اتالیق - "ہاں جی - بجا درست" کے نوکر ہیں - "بیگنوں" کے نہیں - فرمائیے کہ انکی طرف کیوں خوشامد کی نسبت نہ دی جائے؟ جناب فصاحت لکھنوی کی عمر امیروں کی خوشامد میں صرف ہوئی - وہ آجتک اُس شالی رومال کا صبح اُٹھ کے منہ دیکھتے ہیں جو نواب مصطفےٰ علی بہادر نے مرحوم ممتاز الدولہ بہادر کو "سمدھی ملوے" کی تقریب میں دیا تھا اور پھر انھیں مل گیا - اُن سے ممکن نہیں کہ ایسے عالیشان رئیس کا جواب دیکھنے کے بعد سر بسجدہ نہ ہو جائیں بیچارے علوم سے بے بہرہ بھی ہیں - فارسی میں آمدنامہ کے بعد اور کسی کتاب کا درس لینا ان کے سوانح میں کہیں درج نہیں ہے - (دیکھو مجلدات اودھ پنچ ۱۹۱۹ء تنقید کلام بلاغت نظام حضرت فصاحت انضمام خود ستا و کمالات) - گھرانا شاعروں کا پایا مسند پرستی کی عام عادت کی بدولت "استاد زادہ" تو تھے ہی "استاد" بھی ہو گئے - فرمائیے کہ وہ اپنی قدیمی عادت کیونکر چھوڑ دیں؟ اور کیوں خوشامد نہ کریں؟ -

(مرزا صاحب کے بے اصل طرفداروں نے جناب فصاحت اور جناب نظم طباطبائی کے جواب پر بہت تعلیں بجائی ہیں) مشاہیر میں سے ایک جناب نظم طباطبائی کی ذات فیض سمات مجمع علوم و فنون مخزن معارف و شیون رہ گئی - وہ خاکسار اور بار کو خوب پہچانتے ہیں : دور قیام لکھنؤ کے زمانے میں بعض مسائل

علمیہ ادبیہ پر مجروح بھی ہو چکے ہیں ڈاکٹر مرزا محمد ہادی صاحب پی ایچ ڈی فرزانہ کے کمالات مدت سے اُنکے نزدیک قابل ہیچ ہیں (ہم حسد کا الزام نہیں دیتا) جناب موصوف اڈیٹر اودھ پنچ سے بھی خوش نہیں ہیں (بھلا ایسے صاف گو سے کون خوش رہ سکتا ہے۔ کوئی ایسے پاک باطن ہیں جو صاف گوئی کی قدر کرتے ہوں) ان دنوں کی ادبی مخالفت کا جو پہلو انھیں مرزا محمد عسکری صاحب کی عنایت سے مل گیا اس سے بھلا وہ کیوں اعراض فرماتے موصوف کو بڑھاپے میں یہ خیال نہ رہا کہ "سُننے میں نہیں آیا"۔ میں سمجھا نہیں یوں کہنا چاہیے "میں یوں لکھتا ہوں" "لکھنے سے کہیں لوگ ہڑ جانے کانوں" کو تقلیل السامعۃ بجبرکاہ وفہم و کو بطی الاثر" مقامات خاصہ کو یہ معنی ثابت کر دیں۔

خیر اب تو مجبوراً یہی کرنا پڑے گا۔

(۱) آپ فرماتے ہیں کہ "رنگ میں ڈوبا ہوا ہے" اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ "رنگ میں ڈوب دیا" غلط ہے۔ کیا آپ نے حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ کے ندیم جناب یاور لکھنوی شاگرد میر وزیر علی صبا کا یہ شعر بزمان قیام کلکتہ سماعت نہیں فرمایا؎

تمھاری نگلی پوشاک پر دھوکا یہ ہوتا ہے
دیا ہے ڈوب ہلکا سا لباس گل کو منلا میں

کیا آپ نے تذکرہ میرزا ابو طالب خاں لندنی میں میر محمد منعم کی بیگم کا یہ شعر نہیں دیکھا۔ (ان کا ذکر آیندہ کسیقدر تفصیل سے آتا ہے) ؎

کہیں کیا ہم تنک چولی کو اپنی ڈوب دے لیویں
جو مل جاے کہیں عطر کا پسینا میر منعم کا

مشہور شعرا کے نتائج طبع کا ذخیرہ بھی ہمارے پاس نہیں ورنہ حضرت کو معلوم ہو جاتا کہ بہت کم شاعر ایسے ملیں گے جنھوں نے رنگ کے ساتھ "ڈوب" کا استعمال نہ کیا ہو۔ چنانچہ جناب نواب سید مہدی حسین صاحب ماہر کا مصرعہ بروایت جناب شمس العلماء مولانا السید سبط حسن صاحب ہم تک پہونچا ؎

ہوا کو بھی جو دے اک ڈوب شہابی رنگ

لکھنؤ کا ہر ایک گھر "ڈوب" سے واقف ہے (اعلیٰ ہو یا ادنیٰ) دہلی کے اہل زبان میں جناب نواب سائل اور جناب کیفی کو تعجب ہے کہ ایسے عام لفظ کے لیے سند کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

(۲) "زہریلے شعر" کے بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ "آجتک سُننے میں نہیں آیا۔ یہاں آپ کی سماعت مسئول عنہا نہیں۔ آپ کا فرض تھا کہ قانون بلاغت کے رو سے اس لفظ پر اعتراض کرتے۔ آپ کے ثقل سماعت کی ذمہ داری کون اپنے سر لے سکتا ہے۔ یہ مضمون نگار کا اجتہاد ہے جس طرح میر مرحوم نے "چال" کی صفت "زہریلی" قرار دی ہے۔ اور اس اجتہاد میں متفرد ہیں اُسی طرح حدود بلاغت کے اندر رہ کے آشفتہ نے بھی ایک اجتہاد کیا ہے "اجتہاد" سند نہیں چاہتا "دلیل" کا محتاج ہے۔ دیر اودھ پنچ نے اپنے جواب میں دلیل کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہیں گے کہ محل مدح میں اسکا استعمال مناسب نہیں لیکن آشفتہ صاحب یہاں شعر کا اثر بیان کر رہے ہیں۔ معشوق کی عادت قتل و خونریزی کی مدح کون کرتا ہے؟ دوستانہ شکایت البتہ کی جاتی ہے آنکھ کے بارے میں جلانے اور مار ڈالنے کے متضاد اوصاف اس ہندی شاعر نے بیان کیے ہیں ؎

امی ہلاہل مد بھرے سویت سیام رتنار
جیت مرت جھک جھک پرت جہ چتوت اک بار

آنکھ کا بیمار ہونا ممدوح۔ آنکھ کا ستم قاتل ہونا ممدوح ہے تو شعر کے بارے میں "زہریلا" کہنا کیوں مقدوح ہے؟ لغوی قیاسی معنوی لفظی کوئی عیب نکالیے تو کچھ سمجھ میں آئے۔

حضرت! فن بلاغت اور بدیع بہت کچھ ترقی کر گیا ہے۔ واضع "بدیع" عبداللہ بن معتز عباسی کے وقت سے کتنی قسمیں ایجاد ہوئیں۔

۲۷۴ھ میں انھوں نے (۱۷) انواع بدیع بصورت کتاب جمع کیے تھے۔ پھر قدامہ بن جعفر نے (۱۳) اور بڑھائیں اب ان میں تزاید ہونے لگا ابوہلال عسکری نے (۳۷) نئے اقسام اور ابن رشیق قیروانی نے (۳۷) اقسام جداگانہ جمع کیے شرف الدین تیفاشی نے (۷۰) تک گنتی گنائی۔ زکی الدین ابن ابی الاصبع نے (۹۰) تک تعداد بڑھائی۔ اور اس کتاب کا نام "تحریر التحبیر" رکھا۔ شعرا کی طبع ندرت آفرین ایجاد سے غافل نہیں ہو سکتی۔ روز نئی صنعت کا ایک شعر مسموع ہوتا تھا جب اس کی تعریف کتابوں میں ڈھونڈھی جاتی تو نکالا بیٹھاتی۔ شیخ تقی الدین ابی بکر المعروف "ابن حجۃ الحموی" نے اپنی کتاب "خزانۃ الادب و غایۃ الارب" میں (۱۴۲) قسمیں فراہم کیں۔ خود ہی اس کی شرح میں ایک ضخیم کتاب لکھی اور فصاحت و بلاغت و نکات شعر و شاعری پر ایسی معنی فشانی کی کہ صرف (۱) ایک کتاب کا مطالعہ دوسری کتابوں کی ورق گردانی سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بایں ہمہ ہر نوع میں سیکڑوں شاخیں نئی پیدا ہوئیں۔ سخن کا دریا امنڈ رہا تھا بلبلے پیدا ہوے اور ہر ایک بلبلے کی نوعیت اہل نظر کو جدا جدا نظر آئی۔ قبائل عرب دوسرے ممالک میں پھیلنے لگے۔ سخن کا وجود کہاں نہیں۔ یونان بھی شاعری کا مرکز تھا ہند بھی چین بھی یورپ کے دوسرے ممالک بھی۔ بیرونی خیالات کے اختلاط سے صرف بنی ہذیل بنی کنانہ تمیم قیس عیلان اور وسط نجد و حجاز کے رہنے والے تو محفوظ رہے باقی قبائل مثلاً حمیر ہمدان خولان ازد پر حبشیوں کی ہمسائگی نے اثر کیا۔ بنی طی۔ غسان روم و شام کے طرز بیان سے متاثر ہوے بنو عبد القیس پر اہل جزیرہ و فارس کا پرچھاواں پڑا۔ جسقدر نثر و نظم کا دامن وسیع ہوتا گیا اُسیقدر جمع و تالیف و تدوین کی خدمت بھی اپنا دامن پھیلاتی گئی۔ اصول مرتب ہوے۔ فصول مہذب ہوے اور دیکھو کتاب ارشاد القاصد شیخ شمس الدین الکفانی سخاوی) صرف تشبیہ کے اقسام ملاحظہ فرمائیے۔

تشبیہ استخدام۔ تشبیہ استخدام مظہر۔ تشبیہ استخدام مضمر۔ تشبیہ افراد۔ تشبیہ انتقال۔ تشبیہ احترازیہ۔ تشبیہ استعارہ۔ تشبیہ استدلال۔ تشبیہ اجتہاد۔ تشبیہ ترقی۔ ان کے اقسام شمار کیے جائیں اور مثالیں لکھی جائیں تو دفتر ہو جائے۔

نمبر(۱) نغمہ ہندی " پیں پیں پیں - پیں - پیں - پیں - پیں - پیں "
نمبر(۲) سازِ ولایتی " توں توں توں - توں توں توں "
سرگم جدید قسط اصلاحات مبنی بر فقرات بامعنی

مسٹر پنچ " واہ تانت باجی راگ بوجھا - استاد کیا کہنا -

ہندہ ہوور آپ نے یہ کتابیں خواب میں بھی نہ دیکھی ہونگی۔ ہم نے انکے پڑھنے میں آنکھیں پھوڑی ہیں۔ ہمیں "آشفتہ صاحب" کی اس مدح میں بجز لطافت کے کوئی ستم معلوم نہیں ہوتا۔ زبان کے متعلق ہمارا فرض دو جملوں میں گھرا ہوا ہے۔ قدیم محاورات میں نقصان نہو۔ الفاظ تعبیر مطالب کے لیے جو انتخاب ہوں وہ بد صورتی سے اور لطف معنوی سے دھتی نہ ہونے پائیں۔ ان دونوں باتوں کے باقی رکھنے کی کوشش پہاڑ ہے جس کا اٹھانا آسان نہیں۔ قدما کی بول چال پر پوری اطلاع ہنسی ٹھٹھا نہیں زبان کی حفاظت صوری و معنوی استقام سے کھیل نہیں۔ اس گھیرے کے اندر سے کے ترقی کی راہیں نکالنا ان دونوں باتوں سے زیادہ دشوار ہے۔ عربی نے اتنی ترقی کی گرانی کتب لغات بیکار نہیں ہوئیں۔ ہوا تو اتنا کہ مستعربات یعنی نئے الفاظ زیادہ ہوتے رہے۔ پھر جو زبان اجنبی طرز اختیار کرے گی وہ تزاید الفاظ پر مجبور ہے۔ میاں سلیم مرحوم کی طرح الفاظ کی ایجاد کوئی مشکل نہیں "پانی پر فا گیا" "میں آبد ستیاتا ہوں"۔ اس قسم کے خرافات بچے بھی گڑھ سکتے ہیں یہ زبان رواج پا جائے تو پرانے الفاظ تھوڑے ہی دنوں میں غیر مانوس کتب لغات ردی کی نذر۔ قدما کی جگر کاوی رائیگاں اور غیر مفہوم ہو جانے میں کوئی کلام نہیں۔

(۳) "دھوئیں پا کر دیے" پر آپ اصلاح دیتے ہیں "دھوئیں اڑا دیے" کہنا چاہیے۔ کیوں؟ آپ کی خاطر سے؟ گل چلوں اور سپاہیوں کا ایک محاورہ شاعر کے قادر انداز ہونے کے وصف میں استعمال ہوا ہے اسے بگاڑنے کا آشفتہ صاحب کو یا آپ کو حق ہی کیا ہے۔ یہ نشانہ کے کارگر ہونے اور فتح عظیم پالنے سے کنایہ ہے۔ کیا اسمیں کوئی لفظ خلاف تہذیب ہے؟ ذری سچ کہیے۔ یہاں ایک محاورہ یہ بھی مستعمل ہے "فلاں چیز کی بھرمار کر دی" جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں انھیں اطلاع ہے کہ یہاں ایک پلٹن تھی جس کا نام تھا

"بھرمار پلٹن" توڑے دار بندوقوں سے اسوں نے انگریزی رزیڈنٹ کے سامنے انگریزی پلٹن پر سبقت حاصل کی حالانکہ انگریزی پلٹن کے پاس ولایتی کارتوس والی بندوقیں تھیں مگر وقفہ کے اعتبار سے کئی سو فیر بھرمار پلٹن کے گنتی میں زیادہ ہوئے کیا آپ کی خاطر سے یہ محاورہ بھی ترک کر دیا جائے جو عجلت اور بکثرت کسی فعل یا شے کی ظاہر کرتا ہے۔ اور شرفائے اہل زبان برابر بولتے ہیں۔

(۴) "اس مطلع کی منزل اور مطلعوں سے دور تھی" انکے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ "مطلع اور منزل میں ایہام تناسب ہے ضلع بول گئے ہیں" یہ تو کوئی اعتراض نہوا کیا ایہام کی نوع "بدیع" سے خارج ہے؟ اچھے موقع پر یہ بھی لطف دیتی ہے کس کا کلام ایہام کے گناہ سے پاک ہے؟ اس کا نام لیجیے۔

(۵) "آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں" آپ کے نزدیک صحیح نہیں۔ "آنسو آنکھوں میں ڈبڈبا آئے کہنا چاہیے" اس ارشاد کے ساتھ جناب دو ایک خوشامدانہ جملے بھی لکھ دیتے تو اچھا تھا۔ "واللہ تم سلامت رہو ہماری خاطر سے یوں ہی کہو" جس طرح ہم کہتے ہیں "حضرت دوسرے کو جاہل سمجھنے میں اتنے دلیر اور سخی کیوں ہو گئے۔ اس فقرے کے متعلق گزشتہ نمبر میں فارسی اور عربی جملے لکھے جا چکے سندیں میر ضیا۔ میر انیس۔ میر سوز وغیرہم کی پیش ہو چکیں۔ وہ ہرانا بیکار ہے ؎

"اندھے کے آگے روئیے اپنے دیدے کھوئیے"

تازہ ڈھلا ہوا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ میر انیس مرحوم نے اس بیت میں "چشم" اور "آنکھ" کہہ کے اس محاورہ نہونے کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا ہی

حالانکہ قدیم اردو میں "چشم" اور "آنکھ" ایک ہی چیز سمجھی گئی۔ بلکہ جہاں "آنکھ" نظم ہو سکتی تھی وہاں بھی "چشم" موجود ہے۔ یہ استعمال بغیر کسی امتیاز کے عورتوں کی زبان سے بھی مسموع ہوا ہے۔ عورتیں بچوں کو سلانے کے لیے "لوری" دیتی اور کہتی ہیں:-

"چوموں تیری چشمیں" "تیری نوکو دسے کے بال" بنے پھر بھی چوموں گی۔ چوموں تیری پیشانی ہمری دولت کی نشانی بنے پھر بھی چوموں گی۔"

طوطے کے نصاب تعلیم میں ایک شعر عام طور پر درج ہے

چشموں سے چل کے چوم لوں تربت حسین (ع) کی
یارب مجھے نصیب زیارت حسین (ع) کی ؎

ساتھ ہی کہتی جاتی ہیں پڑھو میاں مٹھو۔ نبی جی بھیجو۔ سچ کہیے کیا آپ نے یہ شعر بھی نہیں سنا؟ میر تقی میر فرماتے ہیں ؎

تک چشم میں بھی سرمہ کا دُنبالہ کھینچیے
اس مست کے بھی ہاتھ میں تلوار ایک دو

دوسری غزل میں ارشاد ہوتا ہے ؎

چشم ہو تو آئینہ بھی ہے تو ہی
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ

میر محمد منعم (تخلص منعم جو ۱۲۰۰ھ میں لکھنؤ آئے اور آصف الدولہ کے ملازم ہوئے) کہتے ہیں ؎

مُند گئی چشم تیرے عاشق کی
سوگ میں بیٹھ یا عیادت کر

میر حسن مرحوم ؎

ہے پارۂ عقیق جگر دیکھیو کہیں
اے چشم تیرے ہاتھ سے ایسا نگیں جائے

میر محمد منصور مذکور عالم آدمی تھے ایک تفسیر کے مصنف تھے عربی فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے انکی بیگم کا تخلص گل تھا اپنے شوہر کی شان میں غزل کہا کرتی تھیں اُن کا فارسی کلام بھی کہیں ہمارے ردی خانے میں ہے۔ میرزا ابو طالب خاں اصفہانی مشہور بہ لندنی اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ باعتبار حسن و جمال یہ مخدرہ لاکھوں میں ایک تھی۔ ایک مرتبہ انکے شوہر آصف الدولہ کے دربار میں گئے تو انھوں نے اپنے شوہر سے یوں شکایت کی ؎

منعم کا وصل سلطنت جم سے کم نہیں
گو مال و زر نہووے تو کچھ اسکا غم نہیں
ملنے وزیر کو گئے اے میرے بادشاہ
گھر کا وزیر بھی تو کچھ آصف سے کم نہیں

(اپنی طرف اشارہ ہے)

آنکھ کے عوض "چشم" کہتی ہیں۔ انکی بھدی غزل لکھ دینا چاہیئے پڑی رہے گی ؎

گر خدا ہم کو نہ پیدا کرتا — یہاں صنم کو دشمن کیا کرتا
قد ہمارے کو نہ کرتا جو بلند — اس قیامت کو نہ برپا کرتا
حُسن و خوبی جو نہ دیتا اُسکو — عشق کب انکی بلائیں لیا کرتا
چشم کا تیری نہ گر ہوتا عکس — نشّہ کب ساغرِ صہبا کرتا
گل اگر جام نہ ہو چشم کی شکل
سجدہ جھک جھک کے نہ مینا کرتا

واجد علی شاہ کی غزل کی تخمیس رند نے کی ہے (صفحہ ۲۱۲ دیوان رند مطبوعہ نولکشور پریس کانپور) اسکا ایک شعر ہے ؎ شمع محفل کی طرح چشم دکھاتے ہو ہمیں
ساقی سیمیں ہے نہ پروانہ بنایا صاحب

"چشم دکھانا" نہ سے زیادہ فصیح "آنکھ دکھانا" ہے شاعر کا مطلب یہ ہے کہ کیا ہم صرف گرم نگاہی کے مستحق ہیں جو شمع کی طرح جلانے کی گھات میں ہو۔ شمع کی صورت صرف یہ ہی ہے تو ساقی پیالوں کے دکھاوے ہو جو شمع ہے فرق اتنا ہے کہ گرمی نہیں جو کوئی جل جائے۔ رند خود کہتے ہیں ؎

شرِ نرگسِ چشم کا شہرہ جو رہا یوں چندے
چاہیے سارا جہاں شہر خموشاں ہو جائے

رند تمام شعروں میں "چشم" کی جگہ آنکھ بدل کر بغیر کسی نحوی و معنوی تغیر یا سقم محاورہ و زبان کے لا سکتے ہیں۔ مگر وہاں تو آنکھ اور چشم یکساں حالت میں ہے۔ چشم کہنے سے محاورے میں کوئی قصور یا سقم پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ کیسے کوتاہ نظروں سے سابقہ پڑا ہے جو قلم ہاتھ میں لے لینا جانتے ہیں علم سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے ۔ دعوے اتنے بڑے اور معرفت کا یہ حال؟

باقی آئندہ۔

واقف ـــــــــ

اودھ پنچ دار الادب دار الاشاعت
۲۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء

نوٹ :- بوجہ عدم گنجائش ان جوابوں کی تنقید اس پرچہ میں نہ درج ہو سکی۔ دفتر میں برائے اشاعت آئندہ محفوظ ہے فقط
ایڈیٹر

ملا ناپنچ کی نوٹ بک

"ادب"

تازہ وارد۔ تازہ نیا۔ اچھا مال ہے۔ یہ ایک ماہانہ رسالہ ہے ہوشیار اور تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ لکھنؤ سے نکلا ہے۔ اُردو ادب کی ترویج اور ادبیات کی صحیح لائنوں پر خدمت مقصود ہے۔ اور بنگال کے ادیبوں کے تعصب کا ازالہ اسکی غایت۔ کام نیک ہے۔ واقعی آجکل لکھنے والوں اور مصنفوں کا یہی رنگ ہے کہ حق پوشی و ناحق کوشی پر آستین چڑھائے پائنچے گھرسے لنگوٹی کسے دھوتی کھولے تیلون اتارے ہوئے مستعد ہیں۔ ہندو مصنف کی مدح اگر کسی مسلمان کی زبان سے نکل جائے تو وہ غیر ممنون اشخاص کی فہرست میں داخل کر لیا جاتا ہے اور کسی غیر ممنون کو اگر اُردو ادیبوں کے متعلق کوئی مضمون لکھنے کا اتفاق ہوتا ہے تو مسلمانوں پر نکتہ چینی کے علاوہ میدان نظم و نثر میں اُسے تمام دنیا میں نظر آتے ہیں کوئی مسلمان صاحب سبحان اللہ ٹیگور و الیانی سوجھائی نہیں دیتا۔ دونوں ایسے جادۂ راہ پر قدم زن ہیں جو منزل ترقی سے دور کرتا جاتا ہے محنت کرنے والوں کی محنت اکارت۔ ہندو اور مسلمان ہونے کا سوال تو اسوجہ سے خفیف ہے کہ دشمنانِ ہند کی عنایت سے ہر قسم کی آتش افروزی پولیٹیکل فرقہ وارانہ مفاد کو قوت پہونچا رہی ہے۔ یہاں تو سُنّی تذکرہ نگار شیعہ کے کمال ذاتی پر اسلیئے پردہ ڈالنے کی سعی کرتا ہے کہ وہ شیعیت کے گناہ کا مرتکب ہے اور یہ گناہ قابل عفو نہیں۔ یا اسکے بالعکس شیعہ مصنف ایک چار یاری ماہر فن کی تحسین اسوجہ سے نہیں کرتا کہ وہ سُنّی ہو کے اپنے ذاتی اوصاف ضائع کر چکا۔ لاحول ولا قوۃ خیر ہم خوش ہیں کہ یہ رسالہ جاری ہو گیا اور اپنی وضع کی پابندی اسی نمبر سے اس نے شروع کر دی ہے۔ خدا مبارک کرے۔ ہم استدعا کرتے ہیں کہ پرچہ کے قلمی شہسوار نعل قلم سے اچھی طرح ایسے محسن کشوں کی جبینوں پر نقش و نگار بنائیں۔ مقام اشاعت چوراہا بھیگی گنج لکھنؤ ہے اڈیٹر سید اعظم حسین صاحب ہیں۔ حجم چار جزو اور قیمت چار روپیہ سالانہ ہے۔

پوشمین اینڈ لور گریڈ اسٹاف یونین کی پارشل کانفرنس

"ہائے درد" ۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۹ء

اس کانفرنس کا سالانہ اجلاس خوش اسلوبی سے انجام پایا۔ افسوس ہے کہ ہمارا خاکسار ماڈرن کو افسوس ہے کہ بیماری اور مجبوری نے شرکت سے محروم رکھا اور صنیکہ اس یونین کا مستقل وائس چیرمین یہ عاصی ہے۔ جلسے کا لطف دوسروں نے اٹھایا۔ جناب صدر مسٹر شیروانی کے الفاظ دوسروں نے سنے تو کیا خاکسار ریلنگ پر بیٹھے بیٹھے خالی "واہ واہ" کرکے نائب صدر ہونے کا حق ادا نہ کر سکے درد و دست تھے ایک تھا مالی ایک تھا رنگریز قصہ طویل ہے مگر اسمیں اتنا حصہ قابل تحریر ہے کہ مالی تھا کاہل اور رنگریز مستعد چالاک دونوں ہم سفر تھے سنیام گاہ پر پہونچ کر مالی صاحب نے چادر اوڑھ کے کراہنا شروع کیا "ہائے درد وائے درد" غریب رنگریز گیا بازار سے سامان لایا۔ ساتھی سے کہا تم گوندھو میں آگ روشن کرنے اور نمک لکڑی گوشت لینے جاؤں۔ جواب ملا "ہائے درد" سامان آگیا رنگریز آٹا گوندھنے بیٹھا ساتھی سے کہا چولہا سلگاؤ" جواب ملا "ہائے درد" چولہا روشن ہوا آٹا گوندھ گیا توا چڑھ گیا شوربا کھد بد کہنے لگا۔ رنگریز نے کہا "میاں برتن ہی دھو ڈالو میرا ہاتھ خالی نہیں۔ وہ دیکھو ایک آدمی کنوئیں سے ڈول کھینچ رہا ہے" آواز آئی "اُف اُف۔ اُف" مختصر یہ کہ ہنڈیا پک گئی پانی آگیا دسترخوان بچھ گیا۔ اب رنگریز نے صلاح کی کہ آؤ کھانا کھاؤ۔ مالی صاحب انگڑائی لیکے اٹھے سرجھکا کر فرمایا: "واللہ شرم آتی ہے اتنے کاموں کی تم نے فرمائش کی اور میں نے انکار کیا اب آخری فرمائش کی تو ضرور تعمیل کروں گا چاہے جان ہی پر کیوں نہ بن جائے؟" بالفعل بندہ بھی مالی کی ہم آوازی کرتا ہے یعنی کامیابی مبارک باد کہنے میں بخل نہیں کرتا۔

اصلاح ادب — "اودھ پنچ کے فرائض میں ہے کہ لفظ محاورات کے بارے میں جو غلط آجکل حضرات نے برپا کیا ہے ہر حال بزور قلم زائل کیا جائیگا۔

کارٹون میں تاریخ اشاعت غلط درج ہوئی اسکی تصحیح کر لیجیے یعنی ۹ اکتوبر سمجھیے۔

ضعیفی دور کرنے کی تدابیر

موت کو تو کوئی نہیں روک سکتا لیکن امریکہ کے سائنسدانوں نے ضعیفی دور کرنے کی تدابیر نکال ہی ڈالی ہیں صبح چارپائی پر پڑے پڑے اعضاء کو حرکت دیتے رہئے پھر کبھی قبض کی شکایات اور دیگر بیماریوں کا اندیشہ نہ رہے گا۔ اعضاء کو کس طرح حرکت دینی چاہئے اس کے واسطے کتاب میں تیرہ تصاویر دی گئی ہیں کسی استاد کے سکھانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب زیادہ تر بیوپاریوں کے واسطے مفید ہے جو گھومنے پھرنے اور ورزش وغیرہ کرنے کا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے بدہضمی بواسیر اور دیگر امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم خود اس کے مطابق عمل کر کے فائدہ حاصل کر چکے ہیں تاس کتاب کی صفات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی ہے تاکہ عام طور پر لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ملنے کا پتہ

سکھ سنچار کمپنی متھرا

جس طرح آفتاب سے تاریکی کا دور ہونا قدرتی امر ہے

اسی طرح مقویات سرتاج عالم انگلش نگرو گولیوں کے استعمال سے قبض۔ بدہضمی۔ خون اور مادہ تولید کی خرابی۔ جریان بدخوابی اور دیگر امراض مخصوصہ کا دور ہو جانا قدرتی امر ہے ضرور تجربہ کریں۔ قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ۔ بلاغ ڈبیاں چار روپیہ

المشتہر۔ وید شاستری منی شنکر گووند جی جام نگر کاٹھیاواڑ

ایجنٹ اندر چند امینڈ کو چوک لکھنؤ

شرائط ایجنسی

(۱) روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ختم ہوتے ہی پرچہ کی روانگی موقوف کر دی جائیگی۔

(۳) بلکا پرچہ فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور ربع کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔

(۵) علاوہ خاص حالتوں کے بیرنگ پرچے واپس لئے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟

اگر آپ اشتہاری ادویات وعطائی نسخہ جات وجاہل خود رو طبیبوں کے ہاتھوں اپنی کمائی لٹا کر صحت سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس عالم یاس میں بحفاظت صحت حاصل کرنا یا سچا و مخلصانہ مشورہ کے متلاشی ہیں۔ اگر آپ لکھنؤ کے نامور تجربہ کار اور حاذق اطبا کے مشورہ سے بلا ادائے فیس فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک کارڈ لکھ کر دواخانہ معدن الادویہ کی فہرست جدید طلب فرمائیے خود بھی فائدہ اٹھائیے اور دوسرے بھائیوں کو بھی نفع پہنچائیے۔ خط و کتابت بصیغہ راز رہتی ہے

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ کٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ ۱۹۲۷،۲۸ء

(۱) اردو کو زندہ کہنے والے دل کو تازہ کرنے والے سیاسی ادبی اخلاقی مضامین اور کارٹونوں کا مجموعہ خزانۂ کتب میں محفوظ رکھنے کے قابل قیمت فی جلد للعہ محصولڈاک۔

(۲) ۱۹۲۸ء کی چند ششماہی جلدیں جولائی ۱۹۲۸ء لغایت دسمبر ۱۹۲۸ء برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں قیمت مع محصولڈاک للعہ

(۳) جلد ۱۹۱۶ء کے بارہ نمبر ان نمبروں میں انشا پردازی کے بہترین نمونہ موجود ہیں ظریفانہ مضامین کے مشتاقین کو جلد طلب فرمانا چاہئیے۔ قیمت عہ علاوہ محصول۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

سیاحت ظریف

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کا سفرنامہ عراق عجب دلچسپ نظم ہے۔ تہذیب اور شاعری کی شاعرانہ استادی سے فائدہ اٹھائیے قیمت فی جلد ٹکٹ بھیجئے وی پی اور منی آرڈر سے

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

غذائے روحانی

معدن النغمات

یعنی

وہ بے نظیر کتاب جس نے پچاس برس ہوا میں گرہ لگائی اور ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گانے کی جملہ حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے۔

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

اس کے حصۂ اول کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تاحال موسیقی کے جزو عملی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اس کتاب کے حصۂ دوم میں مصنف نے اساتذۂ فن کے علم سینہ کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

تان سین کے عہد سے لے کے زمانۂ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور ان کے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد وغیرہ کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے۔

استاد محمد علی خان

میاں تانسین کے آخری یادگار سے صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں ان سے نقل کی گئی ہیں لطف یہ کہ اگر آپ سر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدا ہی لکھ دیئے گئے اسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جس طرح کہ استاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ فی الحقیقت مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے حصۂ دوم نہایت مقبول ہے اسی ماہ سے دو سال کے اساتذہ فن کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔

اصلی قیمت علاوہ محصول للعہ ہے لیکن جو صاحب آخر دسمبر ۱۹۲۹ء تک چار روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائینگے وہ بلحاظ قیمت کے فائدہ میں رہیں گے۔ رعایتی قیمت کا دام ابھی ہوگا۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

اردو زبان کی ہر قسم کی کتابیں اس پتہ سے طلب کیجئے۔ منیجر جنرل بکڈپو یاٹالہ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحکہ امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے رورعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ مانجیر شما بہ سلامت۔ بنا برین ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان سنت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیاز مند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کردیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کرلی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے مشتہرین خود اپنی تحریرین کے ذمہ دار ہیں

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۳۸

بابت ۴۔ نومبر ۱۹۲۹ء

مذمتِ عشق

(از افادات جناب ڈاکٹر مرزا محمد ہادی صاحب ایچ ڈی مرزا)

ساقیا دے شرابِ انگوری — دردِ دل کی دوا ہے مخموری
شبِ فرقت نے منہ دکھایا پھر — میرے مرنے کا وقت آیا پھر
آسماں کو عزیز تارے ہیں — مجھ کو سینے کے داغ پیارے ہیں
داغ ان سے بڑھ کے روشن ہیں — ماہ انور سے بڑھ کے روشن ہیں
تارے گن گن کے کل گزاری رات — آج ان کو گنیں گے ساری رات
کیا غرض سوئے آسماں دیکھیں — اپنی آہ و شرر فشاں دیکھیں
داد بیداد کیوں نہ ہو شب بھر — آہ و فریاد کیوں نہ ہو شب بھر
گو کہ فرقت کی رات ہے بھاری — بل گیا دل کو شغلِ بیکاری
اور تو کس سے زور چلتا ہے — انھیں باتوں سے دل بہلتا ہے
عشق کی کیوں مذمتیں نہ کریں — کیوں ہم اس کی شکایتیں نہ کریں
الحذر عشق خانماں برباد — تیرے ہاتھوں سے ہے جہاں برباد
تو نے کٹوائے سر ہزاروں کے — تو نے لٹوائے گھر ہزاروں کے
ہے بشر تجھ سے موردِ آفات — ہے تجھی سے یہ تلخی اوقات
تو نے فرقت کا دل پہ داغ دیا — تو نے ناشاد و نامراد کیا
تیرے کارن ہے جی کی بربادی — تجھ سے ہے زندگی کی بربادی
واقعی مایۂ فساد ہے تو — ستمِ جانِ نامراد ہے تو
ہیں تجھی سے یہ ولولے دل کے — ہیں تجھی سے یہ حوصلے دل کے
تیرے باعث ہے سروں پر خاک — تیرے ہاتھوں سے ہے گریباں چاک
تو نے دی آہ سرد کو لذت — تو نے بخشی ہے درد کو لذت
تیرا انعام گریہ و زاری — تیرا اکرام ذلت و خواری
تیرا احسان حسرتِ جاوید — تیرے امید وار ناامید
چشمِ تر تاکہ تیرے فیض سے ہے — سینہ صد چاک تیرے فیض سے ہے
دہر نوحہ تیرے کرم سے ہے — خودکشی تیرے دم قدم سے ہے
تو ہی آوارگی کا باعث ہے — دل کی بیچارگی کا باعث ہے
تیرا آغاز بے محل مرنا — تیرا انجام بے اجل مرنا
تیری گردن پہ خون ہمارا ہے — تو نے بے موت ہم کو مارا ہے
تو ہی جلادِ جانِ بسمل ہے — بیگناہوں کا تو ہی قاتل ہے
تجھ سے ہے دل پہ حسرتوں کا ہجوم — شور و شیون کی ہے تجھی سے دھوم
تو نے مکلائے سبز باغ ہمیں — تو نے کیا کیا دیے نہ داغ ہمیں
پہلے جس کو امیدوار کرے — پھر پلٹ کر اسی پہ وار کرے
تیرا فقرہ ہے آرزوئے وصال — تیرا دھوکا ہے جستجوئے وصال
تو ہی پہلے تباہ کرتا ہے — قتل پھر بے گناہ کرتا ہے
کیسے وعدے ہزار ہا تو نے — کس سے وعدہ وفا کیا تو نے؟
پھیر لیتا ہے منہ وہ کل دے کے — داغ دیتا ہے تو ہی کل دے کے
کیوں نہ نالاں ہو میرا دل تجھ سے — دل پہ ہیں داغ متصل تجھ سے
تو نے لوٹی بہارِ باغِ مراد — تو نے گل کر دیا چراغِ مراد
تو نے مارا ہے جان سے ہم کو — تو نے کھویا جہان سے ہم کو
دین و ایماں سے ہاتھ دھو بیٹھے — ہم دل و جاں سے ہاتھ دھو بیٹھے
میں نہ بھولوں گا کاوشیں تیری — نقش ہیں دل پہ کاوشیں تیری
وجہ ناسازیٔ مزاج ہے تو — مرضِ صعب لا علاج ہے تو
تیرا اک کھیل ہے ستمگاری — تیرا اک چٹکلا ہے عیاری
تیرا حیلہ ہے خوبیٔ تقدیر — بن پڑے تجھ سے کون سی تدبیر
ہے ترے ساتھ ساتھ بے اثری — تجھ سے ہے دور دور چارہ گری

اک زمانے کو غم دیا تو نے
اک جہاں پر ستم کیا تو نے

عشق کی جب بڑھ گئیں دشواریاں — ہو گئیں بیکار سب ہشیاریاں
لوگ سمجھے ہیں جنھیں بیماریاں — روح و قالب کی ہیں یہ بیزاریاں
آہ بے تاثیر کا آیا خیال — دل سے پھر اٹھنے لگیں چنگاریاں
فکرِ دنیا سے چھڑایا موت نے — ہو گئیں آسان سب دشواریاں
خاک میں سب آرزوئیں مل گئیں — خانۂ دل میں ہیں ماتم داریاں
موت کے پردے میں تھے وہ چارہ ساز — ہو گئیں مایوس سب بیماریاں

(مرزا)

مطلع و دوم اور شعر آخر کی حکیمانہ شاعری داد سے مستغنی ہے۔ جتنا غور کیجیے۔ دل سیر نہیں ہوتا۔ بات میں بات پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ سبحان اللہ — (ایڈیٹر)

اسبابِ ضعفِ عقل مع علاج

(از افادات سرکار مرزا مدظلہ)

بازار اوبار میں یہ مرض کثیر الوجود اور مطلوب ہے اکثر مشہور روزگار اس مرض کے مالک ہیں۔ یہ مضمون مدت سے ہمارے پاس محفوظ تھا۔ جنس بیہودہ سرائی و جہل

کی گرم بازاری دیکھ کے ہمیں قناعت کرنا پڑی۔
خدا کا جواب۔ (ایڈیٹر)

بنی نوع انسان کی عقلوں میں متعدد اختلافات ہے اور انکے جسمی اور طبعی فرق نے بھی ایسا تفاوت کہ تعلیم کا اثر بھی اُن کی ذہنی حالت کو متشابہ کرنے میں عاجز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی فن میں ایک شخص تو نہایت ہی سہولت سے طاق ہوجاتا ہے اور دوسرا سخت دشواری سے بھی اکتساب نہیں کرسکتا۔ جن لوگوں کی تعلیم مساوی ہوئی ہو اُنکی بھی استعداد میں فرق بین نظر آتا ہے۔ تمام انسان بہ لحاظ فطرت کے مساوی استعداد لے کر پیدا ہوئے ہیں لیکن بعض فرقوں خصوصاً قوت عقل کے کم یا بیجا استعمال سے جو انسان کا ایک ارادی فعل ہے ایک انسان دوسرے انسان سے کمتر درجے پر آجاتا ہے غرضکہ اس طرح بھی اکثر انسان ہی کا قصور ہوتا ہے کہ اُسکی عقل بہ نسبت دوسرے بنی نوع کے ضعیف العقل ہوجاتی ہے۔

انسان کی عقل ایک میزان خاص میں بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ جس طرح فوق العادۃ عقل کا ہونا شاذ و نادر ہے اسی نسبت سے پیدائشی مجنون بھی مقابلۃً کمتر پائے جاتے ہیں۔

جسم اور ذہن میں باہمی ارتباط ہے۔ اگر ہم تمثیل دیں کہ جسطرح جسمانی ورزش سے اعضا مضبوط اور سڈول ہوجاتے ہیں اسی طرح ذہنی ورزش سے عقل تیز تر ہوتی ہے تو کچھ دور از قیاس نہیں۔

ابتدائی تعلیم سے جو کوششیں ذہنی ترقی کے لیے کی جاتی ہیں اُنکی کامیابی یا ناکامیابی کے ذمہ دار معلم ہیں لیکن جب انسان بالغ اور عاقل ہوکر اپنی ترقی کی طرف خود ہی متوجہ ہو اُس حالت میں سب سے پہلے اُسے یہ سوچنا چاہیے کہ میری ذہنی حالت کیا ہے (بشرطیکہ جہل نے کامل غلبہ نہ پالیا ہو یا یوں کہیے کہ جن لوگوں کو اپنے قابل ہونے کا وہم ہوجاتا ہے پھر گور کنارے پہونچنے تک اپنی حالت پر غور کرنے کی مہلت انھیں نہیں ملتی (ایڈیٹر) اگر کوئی ضعف پایا جائے تو اُسکے علاج کے درپے ہوکر رفع کرنا چاہیے۔ وہ انسان ہی نہیں جسکی عقل صحیح نہ ہو۔ حکمت کے

مطابق ہو لیکن رواج کے مطابق قوت عقل کے ضعف اور جہل کے [illegible] جان لاک مشہور حکیم انگلستان نے تین سبب ضعف عقل کے بیان کیے ہیں۔ اول وہ لوگ جو عقل سے بہت ہی کم کام لیتے ہیں اُنکی زندگی کا دارومدار محض تقلید پر ہے مثلاً والدین۔ ہمسایہ۔ گرو یا اُستاد یا جس کسی کو اِس مطلب کے لیے وہ پسند کریں اور یہ سمجھ لیں کہ فلاں شخص ہم سے زیادہ صاحب عقل ہے اُسکے قول و فعل پر عمل کرنے لگیں۔ وہ اپنی عقل پر زور نہیں دیتے یہ ایک دماغی کاہلی ہے۔ دوسرے وہ لوگ جن پر ذاتی خواہش کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً بیجا تعصب یا حسد۔ ایسے افراد ہٹ دھرم اور بے ایمان ہوتے ہیں (اور ناشکیب بھی۔ ایڈیٹر) اپنی عقل سے بھی کام نہیں لیتے اور دوسروں کی بھی نہیں سُنتے۔ یہ صرف اپنے ہم خیال اور ہم رائے اشخاص کی سُنتے ہیں۔ ان میں پڑھے لکھے آدمی بھی شامل ہیں۔ (یہی فرقہ آجکل ہند پر مسلط ہے۔ ایڈیٹر) ان کو مطالعہ کا شوق بھی ایسی ہی کتابوں کا ہوتا ہے جن میں انکے موافق کچھ لکھا ہوا ہو۔ یہ اگر کسی کتاب سے اقتباس بھی کرتے ہیں تو صرف ایسے ہی جملے یا فقرے جو ان کے بیجا تعصب کی اندھی حمایت کرتے ہوں۔ تیسرے وہ لوگ جو عقل کے تابع تو ہیں اور چاہتے بھی ہیں کہ اپنی عقل اور عقل کے فیصلوں پر کاربند ہوں لیکن قبل از وقت اس کام کو اپنے ذمہ لے لیتے ہیں جس کی اُنھیں لیاقت نہیں۔ نہ اُن کا احساس درست ہے نہ ادراک صحیح ہے۔ نہ تجربہ کافی ہے نہ محققین کی رائے پر عبور ہے۔ (ما شاء اللہ ہمیں اکثر ایسے ہی شاطر سے تصادم کا اتفاق ہوتا ہے۔ ایڈیٹر) زندگی کی عام باتوں تک اگر یہ جرأت محدود رہتی تو کچھ ایسا مضر نہ تھا۔ لیکن یہ اخلاق۔ تمدن۔ اور الٰہیات کے اہم مسائل میں بھی دخل در معقولات دیتے ہیں اور اپنے ہیچ اور پوچ فیصلوں پر قناعت کرکے مغرور ہوجاتے ہیں۔ حقیقت کے نور کا پرتو پھر ان کے دماغ پر نہیں پڑتا۔ ایسے لوگوں کو پہلے صرف اس امر پر غور کرنا

چاہیے کہ کوئی علم [illegible] جاری بھی بغیر سیکھے ہوئے نہیں ہوسکتی علاوہ اسکے بعض دماغی قوت کی اتنی حاجت نہیں جتنی کہ مشکل فنون کی تحصیل میں ہوتی ہے۔ پھر وہ فن جنمیں دماغی ہی کی قوت کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً فن استدلال (یا فن ادب و انشا۔ ایڈیٹر) تو وہ کسی عمدہ اور اچھے مرکز سے مدد لیے بغیر کیونکر آسکتا ہے۔

(علاج)۔ ایسے لوگوں کے لیے اگر اُنکو فرصت کسی اچھے اُستاد یا مرکز تعلیم تک پہونچنے کی نہو اور باقاعدہ کورس پڑھ کے سند حاصل نہ کرسکیں تو یہ طریقہ زیادہ مفید ہوگا کہ قبل اسکے کہ وہ اخلاق۔ تمدن۔ الٰہیات کے مشکل مسائل پر عقل آرائی کریں اور محاکمہ کریں وہ چند رسالے منطق قیاسی اور استقرائی کے مطالعہ کریں یا کسی اُستاد سے پڑھ لیں طویل منطق کی کتابوں کی ضرورت نہیں۔ صرف عملی منطق سے غرض ہے وہ تھوڑی سی باتیں ہیں بہت جلد یاد ہوسکتی ہیں (بُھلا بھی دیجاتی ہیں خصوصاً بیجا تعصب کے وقت۔ ایڈیٹر) تھوڑے زمانے میں اُنکی مشق بھی ممکن ہے۔ اسکے بعد تحریر اقلیدس کے چند مقالے پڑھ لیں۔ استعداد استدلال پیدا ہوجائیگی۔ اب مواد استدلال کی ضرورت باقی رہی۔ یہ تجربے اور مشاہدے کی وسعت پر موقوف ہے۔ مواد فراہم کرنے کے لیے سلیقۂ خاص درکار ہے۔ اس مطلب کے پورا کرنے کو انھیں بعض طبعی اور تجربی علوم کا مطالعہ ضروری ہے مثلاً طبیعیات، کیمسٹری، فزیالوجی، بوٹنی، اور کچھ تاریخ۔ لغات۔ یا وہ علم جسکو ہکسلی نے فزیالوجی کے نام سے موسوم کیا ہے اس کے بعد تکمیل قوت استدلال کے واسطے (یہ تکملہ نہایت ضروری ہے) سیکالوجی یعنی علم نفس کی ایک یا دو مختصر کتابیں پڑھنی چاہییں۔ اس طرح تکمیل کا ہر یا سیدھی راہ پر چلنے کے قابل ہوسکتا ہے (جی نہیں کتے کی دُم بارہ برس گڑھے کے بعد بھی ٹیڑھی رہتی ہے۔ ایڈیٹر) اگر کوئی کچھ کرا ان جھگڑوں میں مت صرف ہوجائیگی تو اس کا

جواب یہ ہے کہ مدۃ العمر جاہلی اور خام رہنے کی سزا بجز اس کے کچھ ایسی زیادہ نہیں ہے۔ (اے خدا وند غیرت کے عروج ہو جانے اور لوگ مانے لگیں تو مت کا تحمل حماقت ہے۔ بارہا دیگراں بکردند و شدند۔ ۔ ایڈیٹر) یہ سمجھنا چاہیے کہ تمام عمر غلطیوں سے بچنے کا وسیلہ اور وظیفہ ہاتھ آگیا۔ اور دوسری صورت میں سوا جہل مرکب کے اور کچھ نہیں مل سکتا۔ اگر تحقیق کے مدعی ہو تو خود غور کر کے سمجھ لو کہ اس طریقے سے گریز محال ہے۔ ورنہ پھر بدرجۂ مجبوری اہل کمال کی تقلید ہی کرو۔ اور بیہودہ زندگی بسر کرنے سے باز آؤ۔ فقط۔

نوٹ از طرف اڈیٹر۔ ابھی ہم اور لکھنؤ کے جہلا کی تقلید! انھیں آتا ہی کیا ہے؟

تفصیل اجمال و تشریح مقال

(نمبر ۲ بسلسلہ ۲۹ اکتوبر)

(۶) معترض فیہ "واقعی جس زور بل میں آپ نے مطلع کہا ہے" اس فقرے میں بظاہر ایک ہی لفظ و محل لفظ ہے۔ یعنی "زور بل" اعتراض مفصل نہیں کیا سا کہہ سکتے ہیں کہ ایک فارسی دوسرا ہندی لفظ بغیر حرف عطف لکھا گیا ہے دونوں مرادف ہیں اسی پر جناب محقق صاحب ارشاد کرتے ہیں "یہ فقرہ اہل زبان کے تیور نہیں رکھتا" کوئی پوچھے کیوں؟ وجہ؟ سبب؟ علت؟ دلیل؟ ۔ کیا نکاح بیاہ۔ جوڑ بند۔ سنسان ویران۔ سڑی دیوانہ (وغیرہ وغیرہ) روزمرہ میں داخل نہیں؟ جناب کے تیور کیوں بگڑ گئے۔

(۷) "آمد ہے زور ہے کہ توبہ"۔ (۸) "قیامت کا تغزل ہے۔ کیا تیور ہیں" ان دونوں فقروں کے بارے میں وہی ریز کی گئی ہے جو فقرہ نمبر ۶ میں گزری۔ یہ ایک مسخرہ پن ہے جس نے حضرت کے مزاج میں بحالت پیری دخل پیدا کیا ہے۔ یعنی یہ نہ سمجھنا کہ بڈھا ہوں جیسا جوانوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں" ایک طالب نکاح نے بھی یہی فقرہ اپنی مخطوبہ نظر سے کہا تھا مگر اس نے معقول جواب دیا کہ جینے لگی۔

"آپ نے ترک ان تکون عنک لہ حبیبنا مخیلۃ تخیال" دیکھیے جناب اگر کوئی مزے دار ڈھلا وا آپ کے پہلو میں نخرے بگھارے تو آپ پسند کریں گے؟) "بیگم پارٹی" کے نخر کا بھی اس مسخر گی کا معقول جواب دے سکتے ہیں۔

کیا "آہ و آوسو" دو اصطلاحیں اردو شاعروں میں مشہور نہیں؟ کیا "توبہ" محل تعجب پر اظہار نا گواری کے محل پر اُف۔ توبہ۔ پناہ۔ قیامت۔ غضب۔ قہر۔ بلا۔ معاذ اللہ کا استعمال ایسے مقامات پر جہاں اصلی حالت بیان کرنے کے متعلق اپنا قصور و عجز مقصود ہو (خواہ وہ مدوح حالت ہو یا مذموم) ہر خوش گو شاعر یا متکلم کا معمول ہے۔ یہ دونوں جملے بامعنی بمحل اور فصیح ہیں۔ مثلاً

رات کا خواب الٰہی توبہ!
آپ سُنیے گا تو شرمائیے گا

علیٰ ہذا القیاس تغزل یا غزلیت بھی زبان زد اہل فن ہے۔ اسی طرح تیور یعنی انداز (برا ہو یا بھلا) اپنے محل پر برابر مستعمل ہے۔ امید نہیں ہے کہ آپ دیگر جہلا کی طرح اہل زبان سے طالب سند ہوں یا اتنی سی بات پر کہ مجیب سے سہواً کسی مشہور شعر یا سند کے متعلق اصل شاعر یا راوی و قائل کا نام لینے میں تسامح ہو گیا ہمیں بجا نے آئیں۔ لیکن اگر آپ مچل جائیں گے تو ہمارے پاس سندوں کی کمی نہیں۔

واضح رہے کہ مضمون ہذا میں "آپ" سے مراد یا تو ناظرین اودھ پنچ ہیں یا آپ کی ذات خاص۔ جواب مضمون ہذا نہ تو مرزا احمد عسکری صاحب سے مطلوب ہے نہ انکے مؤیدین سے۔ ہاں اگر آپ جواب دیں گے تو اس پر توجہ کی جائیگی۔ سپہ زبوں پر وار کرنا بزدلوں کا کام ہے۔

(۹) "رنگ کیا" کی نسبت آپ فرماتے ہیں "رنگ دیا محاورہ ہے" کمال ہے کمال! آپ کو بھی محاورات پر اطلاع ہے؟ اگر "رنگ" اور "کیا" کے درمیان کوئی اور لفظ مثلاً نمایاں۔ ہویدا۔ ظاہر۔ پیدا۔ لے آئیں یا "دیا" کی جگہ "دکھایا" کہیں تو کیا خارج از محاورہ ہوگا؟ مشہور شعرانے رنگ کے ساتھ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں اور ہر جگہ "رنگ" نے نیا رنگ دکھایا اور اپنے حقیقی معنی سے عدول کیا ہے۔

(۱۰) "بھرم" والے جملے کے بارے میں ارشاد ہے "اسے میں سمجھا ہی نہیں" یہ کوئی خلاف توقع امر نہیں۔ خدا جانے مستفسر صاحب نے یہ فقرہ آپ کے جواب میں کیوں رکھ دیا۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ تمام "استفسار" آپ کی سمجھ سے باہر ہے مثلاً حسین اور مرزا رسوا کی سمجھ میں جو بات آجائے وہ آپ کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی۔

(۱۱) "خود رفتہ کی جگہ" میں "از خود رفتہ" لکھتا ہوں ارشاد ہوا۔ سوال یہ نہ تھا کہ آپ خود کیا لکھتے ہیں۔ جناب کی تحریر آشفتہ کی تحریر نہیں۔ ہر ایک شاعر اپنے واسطے الفاظ انتخاب کرتا اور بعض کو ترک بھی کرتا ہے۔ مگر جو شاعر اپنے معاصر کی تقلید اختیار و ترک میں نہیں کرتا وہ غلط گو نہیں سمجھا جاتا۔ آپ کا جو جی چاہے لکھیے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ یہ احتمال ہے کہ جناب بالقوۃ کاتب ہیں یا بالفعل۔

اڈیٹر صاحب اودھ پنچ کے جواب کی تفصیل ختم ہو گئی اب اینجانب چند دیگر امور کی جانب آپ کو اور دیگر شیدایان زبان اردو کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

عراق میں بھی فارس میں بھی اور جن مقامات کا اوپر ذکر ہوا اُن میں بھی۔ کیا وجہ ہے کہ دخول الفاظ سے علاوہ ہر زمانے میں تمام شعرا کا عربی کلام تمام عرب سمجھ لیتے تھے۔ یہی نہ؟ کہ دنیا بھر کے عربی شاعر وسط نجد و حجاز کے خصوصیات پر عبور حاصل کرتے اور کلام میں اُن کو محفوظ رکھنے کے لیے جو بھی چاہتا تھا تھے وسط نجد و حجاز خیالات کے اعتبار سے مرکز شاعری نہ تھا۔ خیالات ہر شاعر کے جداگانہ ہوتے ہیں متنبی کو دیکھیے عجمی خیالات عربی زبان میں ادا کرتا ہے مگر اُسکی زبان بھی ہر عرب سمجھ سکتا تھا۔ خیالات بڑے بڑے اہل زبان غور و فکر کے بعد سمجھتے تھے اسلیے کہ وہ اُنکے لیے غرابت و اجنبیت سے خالی نہ تھے۔ (شاید شرحیں لکھنے کا اصلی سبب یہی ہو) یورپ تعلیم یافتہ ہے کاروباری مقام ہونے کے باوجود صناع تاجر کاشتکار اُن سوسائیٹوں کی مالی اعانت کرتے ہیں جو ادبی خدمات کرتی اور

(منقولہ کابل (دوہفت))

سمن بنابر انفصال مقدمہ

(ارڈرہ - قاعدہ ۱و۵)

نمبر مقدمہ ۲۱۶۰ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت جناب خانصاحب سید اظہار حسین صاحب ایم اے ایل ایل بی آنریری منصف چک الہ آباد

دونی لال ولد سادھو قوم بقال ساکن محلہ اونچہ منڈوی شہر الہ آباد .... مدعی

بنام

دہرم سنگھ ولد .... پرن ناتھ قوم برہمن کشمیری ساکن محلہ سرائے میرمنار متصل بھارتی بھون شہر الہ آباد ... مدعا علیہ

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت مبلغ ۵ ؍ روپے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ اُنتیس ۲۹ ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۹ء بوقت ۱۱ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے کماحقہ واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ کی کرو۔ اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر دیگر تمام دستاویزات کو جن پر تم اپنی جوابدہی کے تائید میں استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر موجودگی تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج تاریخ یکم ماہ نومبر ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی — مہر عدالت

خصوصیات زبان کو بگڑنے نہیں دیتیں۔ اُردو کا مرکز دہلی تھا۔ اُجڑا پھر آباد ہوا تو وہاں والوں نے زبان کی حفاظت کا فرض فراموش کر دیا۔ لکھنؤ کاروباری شہر ابھی تک نہیں۔ یہاں کے شعرا بیکاری کے باعث اگلوں کی تقلید ابھی تک کرتے ہیں مگر شخصی حیثیت سے۔ یہی سبب ہے کہ خصوصیات پر نیستی کا بس نہیں چلا۔ لکھنؤ والے زبان کے موجد نہیں مقلد ہیں انھوں نے تصرف کیا بھی تو اسقدر کہ اگلے لوگوں کے نظم و نثر کلام میں جو ہم معنی الفاظ تھے اُن پر انتخاب کی نظر ڈالی اگر کوئی لفظ زبان و گوش پر گراں معلوم ہوا تو اُسے ترک کر دیا باقی کو اختیار کر لیا۔ خیالات کا اُستاد کوئی نہیں ہوتا بندش اور عبارت کی صفائی کی دیکھ بھال اُستاد کا فرض ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر شاگرد باعتبار خیالات اُستاد پر فضیلت رکھتے ہیں۔ بہرنہج جب تک ادبی سوسائٹی خصوصیات زبان کی حفاظت کا بار اپنے ذمہ نہیں لیتی وہ مقام جہاں خصوصیات مذکورہ کی حفاظت کرنے والے تعداد میں زیادہ ہوں مرکز مانا جائیگا۔ جو نہیں مانتے اُنھیں لازم ہے کہ درک و معرفت تفحص و تحقیق سے کام لیں۔ ورنہ تنہا ہی کے ذمہ دار وہ ہوں گے۔ ہر جگہ کی اُردو مختلف ہوگی اور دوسرے اُسے سمجھ نہ سکیں گے۔ تعصب سے کام نہیں چل سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ حفاظت زبان کے حق میں لکھنؤ کی بیکاری دبجالت کس مپرسی و عدم انتظام بہت مفید ہوئی۔ چند "ادب ناشناس" آدمیوں کا ایک گروہ لکھنؤ کی گود میں بیٹھ کے اُسکی داڑھی کھسوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ نہایت بیہودگی اور کمینگی کے ساتھ اساتذۂ ماضی و حال پر ناروا اعتراض کرنا اور اُنکی تضحیک اسکا شیوہ ہے۔ سوسائٹی منظم نہیں۔ لکھنؤ والوں کے ہاتھ میں قلم نہیں۔ مال و زر بیکاروں کی جیب میں کہاں۔ یہ تو زبان کھاتے اور زبان اوڑھتے بچھاتے ہیں۔ خود لکھنؤ والے بھی آپس میں اتحاد و اتفاق نہیں رکھتے۔ انجمن معین الادب کچھ کہتی ہے معراج الادب کچھ سناتی ہے۔

اگر ایک سے احاطہ جب عمدہ ہو تو دوسرا جب محسوس کر لینے کے بعد بھی دوسری جماعت لفظیں یا باقی لفظیں جو اُنکی تشنیع کرتی اور تم تو پہلی ہے۔ ہم ان کا خدا بھلا کرے۔ کہیں گاہ میں انتظار شکست کرنیوالے رہتی اس اختلاف سے اپنی ذاتی شہرت کا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور جناب مرزا محمد عسکری صاحب یا جناب نظم طباطبائی صاحب یا جناب فصاحت بیلوفت صاحب یا جناب مخفور و ثاقب وغیرہم انھیں ٹکسال پہونچانے ہیں۔ لکھنؤ میں کوئی رسالہ اہل لکھنؤ کے اہتمام سے جاری ہوتا ہے تو نہ اُسکی مضمون نگاری کرتے ہیں نہ ہاتھ بٹاتے ہیں نہ بہ نیت خالص مشورہ دیتے ہیں نہ مالی مدد کرتے ہیں۔ ایسی حالتوں میں اُردو کا جو حشر ہوگا وہ غالباً جناب طباطبائی کی سمجھ میں سمجھانے سے آجائیگا۔ جناب طباطبائی کی اُفتاد مزاج کا حال "ڈوب" کے بارے میں صحیح جواب نہ دینے اور گول کر جانے سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ لکھنؤ کا کوئی فرد اس لفظ کے معنی سے جاہل نہیں۔ آج کی حالت پر التفات نہ کیجیے اسلیے کہ عناد زوروں پر ہے۔ (میں مثالاً صرف ایک لفظ "ڈوب" کی شرح پر قناعت کرتا ہوں) میرے ایک دوست کہتے ہیں کہ مسٹر گلگرسٹ کی ہندوستانی و انگریزی ڈکشنری میں جسے چھپے ہوئے سوا سو برس سے زیادہ زمانہ گزرا یہ لفظ رنگ میں کسی چیز کو ڈبونے کے ہم معنی ہے میں نے یہ ڈکشنری نہیں دیکھی البتہ ۱۸۷۹ء کی تیار کی ہوئی ڈکشنری جسکے مصنف جان شکسپیر مشہور مستشرق ہیں میرے سامنے ہے وہ "ڈوب" کی شرح ان الفاظ کرتے ہیں To dip in ... or colouring (a ...) (کسی چیز کو رنگ میں غوطہ دینا) تعجب ہے کہ مادہ وارد اجنبی انگریز اس لفظ سے واقف ہوں تمام لکھنؤ اسکے معنی جانتا ہو اور نہ جانیں تو غالب پر اصلاح دینے والے جناب نظم (یہ عناد نہیں تو کیا ہے؟) اصول لغت (...) کے ماہر خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ مبنیٰ اور مشتق منہ تمام الفاظ بامعنی کا اسمار مصرات ہیں۔ غوطے میں جو آواز ہوتی ہے وہی ڈبکی۔

اعلان

ڈھنڈورا-خلق خدا کی-ملک بادشاہ کا-حکم ساری قوم کا دیر ہو یا سویر ہندوستان کو آجادی ملے گی جرور-کردم دھم-کردم دھم-کردم دھم!!!
(آزادی) (ضرور)

توضیح- یہ اجی پوری تو بدلوا ڈالو- رولٹ ایکٹ-ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ- یہ ایکٹ وہ ایکٹ کی دوال چرم لگا کر اور آواز دھم ہے۔

گل صبحدمے بجود برآشفت و بریخت

با باد صبا حکایتے گفت و بریخت

بد عہدی دہر بیں کہ در چندیں روز

سر برزد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

اگر موسم خزاں میں بھی تازہ پھولوں کی نکہت سے لطف اٹھانا ہو تو اصغر علی محمد علی عطر سازان چوک لکھنؤ سے عطر کی ایک شیشی طلب کیجیے۔ بہار باغ ناپائدار ہے - اور اسکی خوشبو پائدار ہے

ڈوپونے ڈوتے۔ یا اسکا نتیجہ ظاہر کرنے والے الفاظ کا ماخذ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ڈپ Dip (انگریزی الفاظ) ڈوبنا۔ غوطہ دینا۔

ڈ ع ٹ ڈو فاؤ (یونانی) ڈوبنا۔ ڈبونا۔

یا ڈ ٹ ڈ ڈ ڈو (یونانی) = ڈوب۔ ڈبونا

ڈوبنا (لغت مطبوعہ مرشد آباد تحقیق اسپید امیش آشفتہ) واو ساکن اصلی جو آخر لفظ میں اپنی آواز پوری ظاہر کرتا ہے ثقیل ہونے کے باعث ب یا ب سے بدل جاتا ہے۔ اسیوجہ سے انگریزی میں ڈیپ" ... اسکا تلفظ ہوا۔ سنسکرت ہندی میں تو خواہ ساکن ہو یا ہو "ڈوبا" اور "ڈوب" کے تلفظ میں کوئی امتیاز نہیں وہی اور وہی ایک ہی شے ہے۔

ד ו ב (دوب عبرانی) افسردہ (رنجیدہ ہوا) اور پژمردہ ہونا۔ گلنے اور سڑنے کے معنی بھی تورات مقدس میں لیے گئے ہیں۔ یہ بھی رنگنے کی کیفیت اور فعل ظاہر کرتا ہے

ذوب (عربی) کسی کام میں رنج اور پژمردگی کا خمیازہ بھگتنا یہ بھی ڈوب دیئے ہوئے اور نچوڑے ہوئے کپڑے کی حالت ہے۔

دودیا (بواو مجہول فارسی) بلوط کے درخت میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے اگلے زمانے میں اُون یا ریشم کو اسی کیڑے کے خون میں ڈوب دیتے اور رنگتے تھے۔ یہ دو یا اُن کا نہیں ہوتا۔ ۳۰۔ ۴۰ برس اُس طرف پیچ کی سڑک میں عطاروں کی دوکان سے دستیاب ہوتا تھا۔ اب رنگ کی پوڑیوں نے محتاجی رفع کردی۔ اسکی شکل دانۂ زرشک سے مشابہ ہوتی ہے۔ اسمیں ڈوب دیے ہوئے کپڑے کا رنگ کبھی بدلتا نہیں بہت چمچماتا اور شوخ ہوتا ہے۔ اسپر سیاہی نہیں دوڑتی۔ یہ نام بھی باعتبار ڈوب دینے کے رکھا گیا۔ اب فارسی سے اصلی الفاظ مفقود ہو چکے اُنکی جگہ عربی الفاظ نے ایرانیوں کی غفلت سے غصب کرلی۔ ورنہ یقیناً "دو

کہ مطابق کوئی مصدر یا اسم فارسی لغت میں موجود ہوتا۔ مگر "دولہت" ایک سُرخ (آماد) ہے یہ بھی اسم صوت ہے۔ "دو" مشتقات میں "ڈوب" سے بدل جاتی ہے۔ جیسے "رفتن" سے "روب"۔

حضرت طباطبائی کا حال اس دیہاتی مثل سے واضح ہوتا ہے :۔

"دیکھا دیکھی کیجیے جوگ۔ چھیجے کایا بڑھے روگ"

(باقی آئندہ)

ادبار الادب والانشا

پنچ۔ جناب ادبار! آپ نے تشبیہ کے نئے اقسام لکھے

نئی روشنی

سفید رواج

ذہنی آزادی

"غضب میں جان ہے اب سر کجا کس پکڑوں" پکڑ کے ہاتھ سرک کہتا ہے کہ جا نیجاست

ہیں۔ جن بیچاروں کی نگاہ صرف مجمع الصنائع تک پہونچ کے رہ گئی ہے وہ حیران ہونگے تشبیہ اور اسکے مقابل "تنزیہ" کے اور بھی اقسام ہیں مثلاً تشبیہ الشئے بنفسہ۔ تشبیہ البرہان۔ انتزاع۔ عکس انتزاع۔ تشبیہ النفی۔ تشبیہ التعویہ۔ تشبیہ السلب۔ تشبیہ استعار۔ تشبیہ التمنی وغیرہ لگے ہاتھوں ان کا بھی نام لے دیا ہوتا۔

(۲) مختلف الفاظ سے ایک ہی مطلب و مقصود واضح کرنا علم بیان کا منشا ہے کہ اس سے افادہ کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اسکے مبادی بعض عقلی ہیں مثلاً دلائل تشبیہات۔ علاقہ و نسبت اور بعض وجدان و ذوق سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ نے آشفتہ صاحب کے بعض

الفاظ پر باعتبار علم معانی و بیان دلائل پیش فرمائیے۔ اور بعض میں اجمال سے کام لیا ہے یا اظہار اصول لغت پر تقریر ختم کردی ہے۔ اگر مناسب ہو تو مزید تفصیل فرمائیے تاکہ جن لوگوں نے طوطے کی طرح صرف یہ رٹ لیا ہے کہ الفاظ "بازاری" بھی ہوتے ہیں اُن کے مرض مزمن کا علاج ہو سکے۔ (ایڈیٹر)

تصحیح مضمون تفصیل اجمال

مورخہ ۲۸ اکتوبر

صفحہ ۵ سطر پنجم مضمون یوں پڑھیے "بغرض جواب پیش کیا گیا۔"

صفحہ ۵ کالم ۳۔ سطر ۱۳ "جی ہاں" صحیح ہے۔

صفحہ ۶ کالم ۱۔ آخری سطر سے پہلے یہ عبارت بڑھا لیجیے "مکرمی جناب نازش بدایونی سے قلق کی مثنوی کا ایک مصرعہ سُنا ؎

ڈوب پر ڈوب تھے پسینے کے۔"

صفحہ ۹۔ کالم ۱۔ سطر ۷ "جو الفاظ انتخاب ہوں" صحیح ہے۔

صفحہ ۹ کالم ۲ سطر ۲۷ یوں چاہیے "چشم" کی جگہ "آنکھ" "اور" غلط ہے۔

صفحہ ۹۔ کالم ۳ گیارھویں سطر کے بعد یہ عبارت چاہیے "چشم کی جگہ میر صاحب آنکھوں میں بھی سرمہ کا دُنبالہ نظم فرماتے ہیں (ردیف را) ؎

کیوں آنکھوں میں تو سرمہ کا دُنبالہ رکھے ہے"

صفحہ ۹ کالم ۱ سطر ۱۳ صحیح مصرعہ یہ ہے ؎

"چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر"

اسم نویسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ وآلہ

واصحابہ المتقین۔

امابعد بعض حضرات کا ذاتی اعتقاد ہے کہ کاتب الحروف گنوار ہے قدیم باشندہ لکھنؤ نہیں اور ان کے پاس کوئی دلیل اس ذاتی اعتقاد کے صحیح ہونے کی نہیں انھوں نے سچ بولنے کی قسم کھائی ہے باعث یہ ہے کہ ایک بہت بڑی دلیل غلط کاری لنگڑی ہوئی جاتی ہے۔ ہر جاکہ خواہند تحقیق نمایند۔

(۱) جدہ امجد ہم تین سو برس سے لکھنؤ میں سکونت پذیر ہیں۔ شیخن دروازہ۔ مچھی بھون۔ مقبرہ نادان محل۔ مفتی گنج اور دیگر آثار مثلاً شاہ پیر محمد صاحب کی مسجد کاتب الحروف کے خاندانی یادگار رہیں۔

جد بزرگوار نائب وزیر اودھ تھے۔ (قیصر التواریخ) جدہ محترمہ مفتی سید غلام حضرت احمد قدس سرہ کی نواسی تھیں۔ مفتی صاحب شیخن دروازے میں رہتے تھے کہ نواب آصف الدولہ لکھنؤ تشریف لائے اور مفتی صاحب کے مہمان ہوئے (بنائے مفتی گنج کا واقعہ ہم اودھ پنچ میں کسی مقام پر لکھ چکے ہیں) ہر جاکہ خواہند تحقیق نمایند۔

(۲) جدۂ محترمہ مفتی گنج میں پیدا ہوئیں انکے والد شیوخ لکھنؤ سے تھے اور مفتی صاحب سے زیادہ متمول تھے۔ لمنبہ باغ کی زمین پر حضرت شاہ محمود قلندر کی قبر تھی جب نواب سعادت علیخاں نے اس مقام پر باغ بنانا چاہا اور سُنا گیا کہ شاہ صاحب کی قبر کھدنے والی ہے تو شیوخ نے صف بندی کی اور آمادۂ جنگ ہو گئے۔ جدہ محترمہ کے والد اس گروہ کے سرغنہ تھے مگر انھوں نے فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام سپاہ کے سر پر چاندنیاں بندھوائیں۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو کہا "یہ سر بچاؤ۔ توپ اور گولی سے مقابلہ نہ ہوگا" یہ شیخ صاحب کی ظرافت تھی۔ آخر لوگ اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے شیخ صاحب نے سب کو روکا اور خود حاضر دربار ہوئے۔ صلح اس قرارداد پر ہوئی کہ جر ثقیل کی مدد سے پوری قبر (چار طرف ایک ایک گز مٹی سمیت) کھاڑی جائے اور بہ سالم حالت میں دوسری جگہ گڑھا کھود کے اتار دیا جائے۔ چنانچہ باحتیاط تمام پیر کی قبر مقبرۂ نادان محل کے سیدان میں پہونچا دی گئی۔ اور مقبرے کی زمین پر لمنبہ باغ کی بنیاد رکھی گئی۔ باغ کی دیواریں ابتک موجود ہیں۔

شیخ صاحب تمام عمر لکھنؤ میں رہے ہر جاکہ خواہند تحقیق نمایند

(۳) ازروئے تعلق ہونے کے بہ لحاظ کے جد مرحوم بھی لینے علاقہ پر نہیں رہے۔ انھوں نے گھسیاری منڈی میں جو کہ نواب امین الدولہ کی ڈیوڑھی اور دولت شاہی کے درمیان واقع ہے مکان بنایا۔ سکونت مفتی گنج ترک فرمائی (یہ مکان غدر میں نزول ہو گیا اس میں جو مسجد تھی آسپر شاہیہ ایک آٹھ فٹ کا کتبہ ہے۔ اسکے صحن میں سنگ خارا کی ایک دکان ہے) تا انقراض سلطنت اودھ وہیں قیام رہا۔ میرے والد مفتی گنج میں پیدا ہوئے اور ہمیشہ لکھنؤ میں رہے (انکا علاقہ لکھنؤ کے اردگرد واقع ہے)۔ میری والدہ کا جدی مکان نمبرے میں تھا وہ بھی خاندان شیوخ لکھنؤ سے تھیں (ان کے نسب پدری کا شجرہ خاندان شجاع الدولہ بہادر سے اور نسب مادری کا شیوخ لکھنؤ سے ملتا ہے) نواب خلیل الرحمن خاں نواب عبدالرحیم خاں نائب بالی نادان محل (نواب ابجد الکارم خاں جو علامہ ابوالفضل فیضی کی یادگار تھے) وہ بھی یہیں رہے ہیں نمبرے میں پیدا ہوئیں مفتی گنج قیصر باغ مکان نمبر ۱۹ ارسولداں کی جانب باگور گنج میں قیام رہا اور یہیں انتقال کیا۔ والد مرحوم فی عمرہ نینیتال گئے نہ وہاں رہے نہ وہاں انکا کوئی عزیز (جہانتک مجھے یاد ہے) رہتا تھا۔ الغرض مجھے فخر ہے کہ جب لکھنؤ آباد نہ تھا اسوقت بھی لکھنؤ اور آج بھی یہی میرا اور میرے آبا و اجداد کا مسکن ہے۔ جو کچھ زبان اُردو معلی میں نیا لہجہ پیدا ہوئے وہ سب مجھے معلوم ہیں نہ کبھی گنوار تھا نہ آج ہوں نہ خدا کرے کہ گنوار پن کی ہوا لگے۔ ہر جاکہ خواہند تحقیق نمایند

(۴) میں جناب منشی سجاد حسین مرحوم کا جانشین نہیں ہوں۔ وہ بیشک لکھنؤ میں رہنے سہنے کی وجہ سے اہل زبان نہ سہی مگر زبان کے ماہر کامل تھے۔ اور دوسروں کی طرح گنوار ہونے پر فخر نہیں کرتے تھے۔ ان سے اور میری والدہ سے دور کی عزیزداری تھی۔ میں نے انکے زمانے میں اکثر مضامین بھی لکھے۔ باایں ہمہ مذاق زمانہ کے متغیر ہو جانے کے باعث مجھے جداگانہ روش اختیار کرنی پڑی۔ ان کے افادات سے مجھے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا تھا لہذا میں نے ابتدا سے انتہا تک اودھ پنچ کی جو فائل جمع کی تھی جناب مستطاب نواب خواجہ محمد عادل صاحب (رئیس ڈھاکا بنگال) کو اسکا خریدار بنا لیا۔ ہر جاکہ خواہند تحقیق نمایند۔ باقی آئندہ۔

دس سال کے بعد مجھے ناظرین سے اپنی ذات کا تعارف کرانا پڑا۔ غیرت بھی لائمے سے خالی نہیں "علم ہے جہل" ہیں کہ ناظرین معاف فرمائیں اور جو کوئی شکر و آہات میری طرف سے کہیں۔ ہر جاکہ خواہند تحقیق نمایند۔

خاکسار (اڈیٹر)

پیچ مل خدا۔ خدا مل پیچ

کس کی مدد میں کھنڈ آپ کو جلائے شیخ
دیکھئے پھر کیسر سلطان بھی گو

ہمارے لارڈ ارون صاحب ایک اٹکل پچو فیصلہ پر گول گول اعلان کرکے آفت میں پھنس گئے اب نواب مقدس تھیں کہ مہینکے منصوبات کی دلدل ہو اور اِلّا ایکس صاحب گنا ڈومینین اسٹیٹس کی تعریف کرتے ہیں تو بھی کمک ڈومینین صاحب آپ پھر کلام اور جو کلام کا سا حاصل ہو وہ یہ ہے کہ ڈومینین اسٹیٹس جو معنی نواب مقدس کے دماغ میں تھے وہ ادا نہ ہوئے کہ اگر ہندوستان کو دیسے اختیارات مل جائیں تو پھر سلطنت کیا کرنا ہو گیا۔ جو معنا شبل میں دبا کے لارڈ کرم سمندر پار چلا گیا ہے اور جو خاندان سطنی لارڈ ارون یا فلڈ یا اس کے بعد آئے کہ اگر ان کا بھانڈا پھوٹ جائے تو ہندوستان میں ابھی جلیاں پور جیسے بیمار کی توبہ۔ قبل از مرگ واویلا۔ رونق برطانیہ ترک تعلقات و موالات کا وہ ہنگامہ برپا ہو کہ تیمور خام ہو جائے۔ جو لوگ آبادی نا اختیارات ہندوستان کے سرشتہ جانے والے ہیں انکے بارے میں بدگمانی پہلے ہی سے پھیلی ہوئی ہے قبل از وقت اظہار حضرت سائمن کمیشن آلہ لوگوں کی نگاہوں سے بھی گر جائیگا جو اب تک پالیسی کے رہبر تھے۔ اگر وہ اشارہ بھی اڑا نشہ انکا ہے کا؟ آل انڈیا نیشنل کو آخر اس ہند جنھوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے خاموش نہیں رہنے دیتے۔ بہرحال یعنی ہمارے لاٹ صاحب نے بھی اُس مشاطہ کی سی کارروائی کی جس نے دولھن والوں سے انعام کمایا تو دولھا والوں کو باغی کر دیا۔

لڑکے والوں کے گھر گئی۔ دولھا کی ماں نے پوچھا "کہو بہو صاحب تو اچھی ہیں" مشاطہ نے منہ سے جواب نہیں دیا۔ دونوں ہاتھ فاصلے سے پھیلا کے دکھائے۔ دولھا کی ماں سُن ہو گئیں "ارے گنواری اور پیٹ؟ اگر یہی بیٹی ہوتی تو جیب سیتیں۔ پرائی عزت آبرو کی حقیقت ہی کیا۔ لگیں تجھ سے بہو سے کانا پھوسی ہو نہ ہو چنی کر لے۔ شدہ شدہ دولھن والوں تک یہ خبر پہونچی وہ سمجھ گئے کہ مشاطہ نے بات بگاڑی ہے۔ مشاطہ کو بلا یا دھمکایا کہ بھلا بُرا کسی کی کنواری بالی پر تہمت رکھتے تمہیں خدا کا خوف نہ آیا۔ مشاطہ نے کیا کہا نری پھر کر کہنا۔ دوسرے پر تہمت لگانے والی کا منہ کالا۔ بھلا کوئی ایسا تیسا ہر صاحب آپ کے میرے منھ پر کہے۔ آپ بڑی دولت کی قسم جو میں نے منہ سے بھاپ بھی نکالی ہو۔ اب ہونے کی سی سہا ر تحقیقات! نوبت بجام رسید۔ مشاطہ دولھا کی والدہ محترمہ گھر کر تی سمعیا نہ سمجھیں اور کہا گئیں یہی چڑیل مشاطہ ہے جس نے کہا لڑکی پیٹ سے ہے!

مشاطہ "میرے منہ میں سانپ کا ٹے جو میں نے کچھ بھی کہا ہو" سمدھن بیادرے ارے۔ موئی جوتیوں سمیت دیدوں میں گھسی جاتی ہو۔ کہا جا قسم کر تو نے ہاتھوں سے اشارہ نہیں کیا؟ پھر اُسدن سے جگتی تو آج تک شکل نہ دکھائی۔

مشاطہ۔ نوج بی بی۔ تمہاری عقل کہاں ہے معلوم ہوتا ہے چونڈا دھوپ میں سفید کیا ہے۔ اے بیگم اللہ جانتا ہے تو نے پوچھا کہ بہو صاحب تو اچھی ہیں؟ میں نے گردن ہلا کے کہا کہ ہاں اور ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ انکا دسترخوان لا دکھائی جہیز میں تو لے کے

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ — شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں، مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تُکے مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل مضحکہ امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس کی تقلید بھی کرتے ہیں اور کرتے بھی، اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلئے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جہت۔ رائے کی اصابت بے لوث رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بنابرین ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرا لیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ مینیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزارہا خریداروں کے دولتخانے پر نیاز مند مینیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو دیا دہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں مینیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے انکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے مشتہر خود اپنی تحریر کے ذمہ دار ہیں

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور ان کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہونا۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۴۶ نمبر ۳۹

مضامین

۱۱ ستمبر ۱۹۲۱ء

جدید القابات

آلو۔ سخت دولت مگر اب غریبوں کے پیٹ کا دھندا۔ بواسیر کو مدد پہنچانے والی چیز صاحب لوگوں کے پتلون کا عنقریب وقت جغرافوں کی زبان سے نرم طبیعت گنوار رنڈی کا گزر معلوم ہوتی ہے۔ مفلس روزہ داروں کا خوان افطاری بھی یہی ہے اور میلے ٹھیلے میں بچوں کا بہلاوا بھی یہی۔ اردی کا شوہر حقیقی کہلاتا ہے مگر ابھی تک لاولد ہے۔

اُلو۔ بے پڑھے مولوی کا مشتق منہ۔ باغ ویران (صحرا) کا بلبل ہزار داستان۔ چاند کا عاشق ہجراں کشیدہ۔ ذکر معشوق میں شب بیداری کا عادی۔ چوہیا اور چھپکلی کا دشمن۔ اکثر ہندوستانی لیڈروں کا عرف کوئی خود بنتا ہے کوئی بناتا ہے بہرحال مطلب نکل جاتا ہے۔ نہایت وسیع المعنی لفظ ہے۔ آجکل دنیا کھلا ہوا ہے۔ ہر گلی کوچے میں مصداق موجود ہے۔ نیستی کا ڈھنڈورا بھی اسے کہتے ہیں ؎

چغد نوبت میزند بر گنبد افراسیاب

القاب۔ برائے حقیقی آداب۔ اگلے زمانے میں اسکا رواج تھا مگر انگریزی تعلیم نے بقول بونصیبی کے اسکی ٹیڑھی اُتار دی۔ مسٹر کی عزت قائم رکھنے کے لیے نام کے سرے پر یا "اسکوائر" کا کھٹکا دُم میں باندھ دیا بس قصہ مختصر۔ بڑی بڑائی یہ کہ چند بے ربط حروف لکھ دیے چلیے القاب کے فرض سے فرصت ہوئی اب دنیا کو اختیار ہے کہ "بی" سے کتا بلی سمجھے "بی اے" کی قسم پر کمتب نول کر "ایچ ایچ" سے ہیز حرص مراد لے "بی اے" کو نیا اکرام خیال کرے "ڈی۔ ڈی" میں ڈیمڈ کے معنی چھپائے یا "ال ال بی" کی تعبیر لسان نوبہان کرے۔

فرمائیے۔ ان حروف کے صحیح تعبیرات بہ ذہن ہو سکتی ہیں۔ شہنشاہ ہند جلال الدین محمد اکبر شکار میں لشکر سے آگے بڑھ گیا ایک دیہاتی سے پانی مانگ کے پیا۔ خوش ہو کر خالی ہاتھ انعام دینے کے لیے دیہاتی کو ساتھ لیا۔ راستہ میں پوچھا کیوں جی تمہارا بادشاہ کون ہے؟۔

دیہاتی۔ اور نے دیکھا ہے اکبر بادشاہ ہے

اکبر۔ کبھی اپنے بادشاہ کو دیکھا بھی ہے؟۔

دیہاتی۔ ہم غریب کا دیہاتی سنتر کہیں جوت ہے دیکھا کیسا ہوتا ہے۔

اکبر۔ تھوڑی دیر میں ایک فوج مل گئی۔ بس جسے فوج سلام کرے وہی ہمارا بادشاہ ہے۔ لشکر قریب ہی تھا میل دو میل راہ طے کرنے کے بعد مل گیا۔ بادشاہ کو دیکھتے ہی سوار گھوڑوں سے اترے۔ سلامی دی۔ شاہ نے دیہاتی دوست سے پوچھا۔ کہو بھئی بادشاہ کو دیکھا؟

دیہاتی۔ ہاں ہوں۔ یہاں ہم اور تم دو ہی جنے ہیں۔ اب کون جانے سرکار ہمکا سلام کہیں کہ تم کا۔

القاب کے حروف ہیں اکبر بادشاہ دُنیا ہے دیہاتی گنوار صاف مشتبہ نہ رہیں تو مقام تعجب ہے۔

اولوالامر۔ فی زمانہ ایک مداری کی ٹوپی ہے جو خوشامدیوں کے ہاتھ لگی۔ ہر ایک سر پر ٹھیک اترتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ زور و زر سے بادہ اور جیب خالی نہو۔

آلۂ کار۔ بے گناہ مجرم۔ شکار کھیلنے کی ٹٹی۔

نیتھا بٹیر۔ بے وقوف انڈلی۔ پرائے شگون اپنی ناک کٹوانے والا۔ زبردست کی مادہ۔ زیردست کا شوہر۔ سگ رفیق۔ لیڈروں کے لیے ایک ضروری چیز بلکہ لازم زندگی۔

الہام۔ شراب کی تعریف میں جو شعر کہے جائیں۔

امام۔ باصطلاح حال حمام کی لنگی جس کا جی چاہے باندھے اور نہائے۔ چلیے دیکھئے کا ایک پورا خاندان قانون وقت کا امام ہے لوگوں کی عنایت خاص بھی اس سے علاقہ رکھتی ہے۔ ریوڑیوں کی تھیلی کا نبدھن جس کا نام لے کے بھیک مانگیں غلام۔

امتحان۔ انسانی زندگی۔ مرگ جس کا نتیجہ ہے۔

امساک۔ حظ نفسانی کا مخل۔ نقصان لذت کا شوق۔ دیر گیری کی طمع۔ سخت گیری کا طاق نسیاں۔ ضعف اور قوت دونوں حالتوں میں یکساں ہوس مومنی۔

اُمیدوار۔ زندہ درگور۔ طامع غلامی۔ ایک بولی تین کام لیجیے۔ پاپڑ بیلوائیے۔ کوڑی پھیرا کروائیے۔ کیا مجال جرأت کرے۔ نوکر بے تنخواہ۔

امیر۔ بے دست و پا۔ مردہ بدست زندہ۔ ہاتھ پاؤں والا اپاہج۔ اندھا گھر کا نتھو کا پورا جنس خوشامد بھرنے کا بورا۔ شعرا کا سخن را چشمۂ شیریں۔ منہ پر باپ۔ پیٹھ پیچھے اُلو کی دُم فاختہ۔ بے پیے مست۔ زبان کا پھوہڑ۔ بیمار بے مرض خرمستی لشین بے فہم۔ عقل معطل۔ معشوق اہل طمع۔ تکیۂ ہیچکاراں۔ عصائے دست مفلوکاں۔ مفلسوں کے خون کا چاشنی خور۔ نوالے حاضر کام چور حقیقی دشمن علم ؎

رضینا قسمۃ الجبار فینا
لنا علم و للجہال مال

قبلۂ ملایان خدا فروش۔ حاسد اقربا۔ قاطع صلۂ رحم۔ دشمن مادر زاد برادران۔ بدخواہ بد بخت بخشو۔ (کہاں تک معنی گنوائیں ؎ دریائے سخن صدا ہے باقی)

املاک۔ عدوئے اطمینان۔ بلائے جان۔ وارثوں کی مخفی عداوت کی وجہ قوی۔

امل۔ اُمید طول لاطائل۔ زیست بے مصرف۔

آن۔ مونچھوں کا تصدق۔ اگلوں کی صریح حماقت۔ رنڈی کے در کش طعنے ٹن کے ٹیم کھانے والوں کا پیدائشی مرض۔ بازار کی مٹھائی! حلوائی کی دکان پر دادا جی کا فاتحہ۔ بازن بازاری طرح آشنائی نیست اند۔ گیرم کہ انداز و نگاہ اش نہ رود۔ جا گرد و در دیگرے طلب ہائے خویش بیند۔ اگر کشد خونی ورد۔ لی

اتالیق۔ "اردو تنخواہ یاب"

آمنت۔ "عطلی تحمل کی ڈوری"

انجام۔ "غفلت کا دوسرا نام"

آدھی۔ "دل عاشق بے خود"

اندھا دھند۔ "انگریزی پالیسی"

اندھے کی لکڑی۔ "اکلوتا فرزند مگر بدمعاش"

اقامت اختیار فرمائیں سر سہلائیں بیجا کھائیں جو خدمت میں کمی ہو تو سسرال والوں پر غرائیں واللہ آج میری بخشی نا نصہ ہو گئی کیا عرض کروں آپ تجربہ کار ہیں جو کوئی اور اس جگہ ہوتا تو واللہ اُس کا مارا الحمد کھینچ کے رکھ دیتا - ہائیں غضب خدا کا - آپ کی صاحبزادی سے کل ہی کہہ دیا تھا کہ آٹھ آدمی آج میرے ساتھ کھانا کھائیں گے اور انھوں نے کچھ خیال نہ کیا - خرچ نہیں تھا تو کوئی زیور رہن رکھوا لیا ہوتا - اپنا زیور نہ تھا تو امی جان کا یا بچا کا رچھلی گرو ہیں کر دیتیں - میں ذلیل تو نہ ہوتا - جہاں تک طرح و در سرخی میں چلی جاتی ہیں - دوسرا ہوتا تو کبھی بیٹھنے کا اڈا اڈا دیتا - اقسام انبار بہت ہیں اور کاغذ میں گنجائش کم - حاکم محکوم - امیر فقیر رئیس رعایا وکیل موکل - پولیس ملزم - بچہ بوڑھا جوان - عورت مرد - ہر ایک کا اپنا رچھا کا دائرہ

ایجاب - کوئی معاہدہ ہو بغیر ایجاب و قبول شرعاً جائز نہیں لیکن حال کی شریعت میں ایجاب ہی کافی ہے "یکطرفہ کارروائی" اسکا ترجمہ ہے قبول کی بحث میں تفصیل کی جائے گی -

ایمان غیر ضروری بارِ گردن - فروخت کے قابل مال - جتنا پرانا ہو اتنے ہی دام زیادہ لگیں جھپٹ کر رکھ چھوڑیں دل میں رکھنے کی ضرورت نہیں کام دے جائیگا -

باب الف ختم شد (باقی آئندہ)

راقم - ع - بلہوری

تفصیل اجمال و تشریح مقال

(نمبر ۳ - سلسلہ ۴ - نومبر ۱۹۲۹ء)

ڈوب ہی نہیں - ایک لفظ "سرڈوب" بھی ہے جناب انیس مرحوم نے مرثیہ میں یہ لفظ نظم کیا ہے - تیر جسکا پیکان یا تلوار جس کا پھل زہر میں غوطہ دے کے بجھایا گیا ہو - وہ زہر میں سرڈوب کہلاتا ہے کنشہ چھوٹا لوکے کے بلغ کی علامت ہے طوطے کی گردن پر سرخ دھاری نمایاں ہو تو اسے کنشہ چھوٹنا کہتے ہیں - اقتباس کی وجہ سے عورتوں نے خاص اصطلاح وضع کی جسے "آواز کا ڈوب میں آنا" کہتے ہیں ڈوب کے معنی بھی یہی ہیں کہ آواز غوطہ میں آگئی - سو غم پڑ گئی - لکھنؤ کے بعض پرانے گویے اور ڈھاڑیوں کے منہ سے "آواز ڈوب کھا گئی" بھی سنا ہے - اس محاورے کا مطلب بھی یہی ہے -

الغرض یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کا وجود قدیم زمانے سے اردو میں پایا جاتا ہے - آج تک رنگ کے ساتھ ڈوب دینا شریف و وضیع عورت مرد کی زبان پر جاری ہے جو کوئی اس مشہور لفظ سے ناواقف ہے یا اسکی جگہ "ڈبونا" لکھتا یا بولتا ہے وہ زبردستی اُردو الفاظ کے محققین کی فہرست میں اپنا نام درج کرا رہا ہے -

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ شعر کا وصف "رنگین" کے ساتھ کیا گیا ہے - پس "ڈوب دینا" شعر کا کسی تازہ رنگ میں یا بلا کے رنگ میں بالکل صحیح اور قاعدے کے اندر ہے - قرآن میں ہے واخفض لھما جناح الذل والدین کے لیے انکسار و فروتنی کا بازو جھکا - یہاں مقصود صرف ذُل ہے یعنی فروتنی اختیار کرو - لیکن بازو کی وجہ سے خفض یعنی جھکانے کا حکم دیا گیا - ایسی صدہا مثالیں کلام پاک سے مل سکتی ہیں - کسی کا یہ عذر کہ "ہم نے شعر کی تحسین میں یہ جملے نہیں سنے" بالکل مفید مطلب یا مُزیلِ صحتِ کلام نہیں - استعارہ و کنایہ و مجاز و تشبیہ جان سخن ہے - انصاف کی عینک لگا کے دیکھیے آپ کو اور اُن مشاہیر کو بھی جنھوں نے بے سمجھے بوجھے اپنے علم کا نہیں نادانی کا ثبوت دیا ہے آخر پچھتانا پڑے گا - یہ پچھتاوا طعن و تشنیع کی اور صوری شکل اختیار کر چکا ہے - کچھ دنوں میں ذم کی کسر بھی نہ رہے گی اور "مادر بدر" کی نوبت آ جائے گی - اسلیے کہ دو نزل گروہوں میں گرم مزاج رکھنے والوں کی قلت نہیں اُن لوگوں نے بہت بُرا کیا جو پوچھا کچھی کا دامن اتنا پھیلا دیا - اس توسیع سے یہ حضرات چند مطلبی فوائد حاصل کر سکتے ہیں مثلاً جن لوگوں کو انھوں نے مبارز (مجیب) قرار دے کے مشورہ دیا کہ نادان بن جاؤ - اے ہے غضب ہو گیا ان گیارہ فتووں نے قوا اُردو کو تباہ کر دیا اب وہ اس قابل نہیں رہی کہ شرفا کی زبان پر جاری ہو - انھوں نے در پردہ یہ بھی سمجھ لیا کہ مشاہیر کا "نقصان علم" نمایاں ہو تو جو کوئی انجمن (معراج الادب) یا رسالہ (مبصر) ان مشاہیر کے منہ لگے گا اُسکی بدنامی ضرور ہوگی - تمام ہندوستان ان مشاہیر کا معتقد ہے - ذلت ہوگی انکی اور مراد بر آئے گی ہماری - نہ انجمن رہے گی نہ رسالہ وھو المقصود -

لکھنؤ کا غرور ٹوٹ گیا - ہماری بیہودگیاں جو تحریر و تقریر کے ذریعہ سے بازار گرم کر رہی ہیں میدان خالی پا کے اینڈی بینڈی پھر رہی گی "اندھوں میں کانے راجہ" کوئی معیار ہی نہیں تو کھوٹے کھرے کا پرکھ کون کھولے گا - بس ہم ہی ہم ہوں گے ہم کہیں گے :-

سمن بغرض قرار داد امور تنقیح طلب

مقدمہ نمبر ۱۴۴ سنہ ۱۹۲۹ء

عدالت دیوانی منصفی بلگرام مقام بلگرام ضلع ہردوئی -

۱ - کنٹی } پسران بلدیو ترم اہیر پیشہ زمینداری ساکنان
۲ - شیام ول } موضع مہدائن کلاں پرگنہ کٹھیاری مدعی

بنام

جی سنگھ وغیرہ مدعا علیہ

بنام
۱ - ۔۔۔ سنگھ ولد بشیر سنگھ } اقوام ٹھاکر ساکنان موضع ۔۔۔
۲ - ۔۔۔ سنگھ ولد دیال سنگھ } زمیندار ۔۔۔ پرگنہ کٹھیاری
۳ - برج راج سنگھ ولد دیال سنگھ } تحصیل بلگرام ضلع ہردوئی -
۴ - بالکرام مع پسران شیو دت شکر اقوام برہمن ساکنان موضع کنیٹھہ پرگنہ ساندی تحصیل بلگرام ضلع ہردوئی ...
۵ - سالکرام " " " مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعیان نے تمہارے نام ایک نالش بابت فک رہن کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۹ ماہ نومبر ۱۹۲۹ء وقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ مدعی مذکور کی کرو اور تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر تم بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو - مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہوگا -

آج بتاریخ ۸ ماہ نومبر ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا -

تنبیہہ - تم کو حکم ہوتا ہے کہ بیان تحریری بتاریخ ۱۹ ماہ نومبر ۱۹۲۹ء داخل کرو -

دستخط حاکم
مجلہ انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری بدفتر منصفی بلگرام ضلع ہردوئی ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک -

" آدمالن کی طرحدار زندگیاں - طرح معاشقہ میں گوہر فشانی ...... ہاں اسے برق پاش فطرت عالم رنگ و بو میں ملیغم شور بن جا - تلاطم - آہ تلاطم خون تلخ کا تلاطم ——— آہ وہ متموج دورۂ شلوار - جان و دوشیزگی جان سے خستگی - یم سکوت لب فروز - یم یاقوت جلوہ و رزت"

اور دُنیا اس بیداد کی داد دے گی - علامہ بے ہمتا خالق ارض و سمائے ادبیات کا لقب ملے گا - یہ "اکشی شعریت" (نۂ شاعری) کی دھوم مچے گی - اگلے شعرا میں سے بعض کے خلاف تعصب کی آگ ہم روشن ہی کر چکے ہیں - موجودین میں سے بعض پر بیہودگی اور یاجی پن پر مبنی غیر وارد اعتراضات کا سلسلہ جاری ہے - ہمارا استقلال اُن کو خاک میں ملا دے گا جو آج انجمن بنا کے رسالے نکال کے اُبھرنا چاہتے ہیں - دُنیا اگر آنکھوں والی ہے تو دیکھے کہ جو مشہور شاعر اس اکھاڑے میں مقابلہ کرنے کے لیے زبردستی ڈھکیلے گئے ہیں انھیں اس رزم احمقانہ سے کیا نفع ملے گا - لکھنؤ اور اُسکی شاعری پر اسوقت نگاہ نہ فرمایئے وہ ختم ہو گئی اور آپ ہی کی عنایت سے ختم ہو گئی - کیوں؟ اپنی بے علمی اور کوتاہ نظری کا اقرار فرما کے! یہ کان آشنا نہیں - مہمل ہے - لغو ہے - سمجھ میں نہیں آیا - میں یوں کہتا ہوں - میں یوں لکھتا ہوں - میں فلاں سے ملا تھا تو اُنکی زبان سے یہ لفظ میں نے نہیں سُنا - اہل زبان کے تیور نہیں رکھتا - ہائیں "زور بل" یہ تو گالی ہے شرفا اور "ثقات" کی زبان پر آہی نہیں سکتی - (الی غیر النہایہ)

جواب تحقیقی دیا گیا سند کے ساتھ دیا گیا - سند میں کاملین کے اقوال پیش کیے گئے - اب بتایئے کہ آپ کے متذکرہ صدر جوابات سے تکذیب کس کی ہوئی؟ آپ کی یا ان مسلم الثبوت اساتذہ کی؟ میں عرض کرتا ہوں کہ دونوں گئے گزرے ہوگئے - باقی کہ قدما کی کرہین کا سلسلہ تو برابر جاری ہے اُنہی غیر صحیح النسب رسائل و تصانیف پر نظر ڈالیے جو اسوقت قدما کی تراز و میں تل رہے ہیں - اور آپ نے جنکی ذرہ بھی نہیں کی اگر کی تو یہ کہ ہم تنہا ہیں "مرا چنا بھاڑ نہیں پھوڑتا" آپ کیوں ہونٹ کھولتے - آپ تو اُستاد ہیں "اول خویش بعدہ درویش" قدما کا تاثیت تو یہ ہوا - اب رہے آپ تو جو کوئی مشہور محاورات سے انکار کرے خواہ اتفاقاً یا بسبب عدم علم وہ خود ہی اپنی ذات کو مضحکہ بنا کے آج نہیں تو کل شکست کھائے گا - پُرانے محاورات یا بول چال یا درستی زبان کی مامتا اُن لوگوں کے پیٹ میں کہاں سے گھس گئی جو دہلی اور لکھنؤ پر حملہ کرنے کی تیاری میں ہیں اسی لیے تو بیچارے ہم اساتذہ پر تکالیف کی ورزش کرتے رہتے ہیں - اپنی تقریر تحریر میں جنھیں کبھی غلطی محسوس نہ ہوئی - رسائل و جرائد و تصانیف میں کبھی صحت زبان کا لحاظ نہ رکھا - خود جانتے نہیں اسکا اقرار ہے - مگر دوسروں سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہیں - جدید ہندو زبان رواج و شہرت کی محتاج ہے - آپ کی زبان شہرت اور رواج سے محروم ہونے والی ہے - پھر آپکو پوچھیگا کون؟

ایک واقعہ اسوقت یاد آگیا - جناب منشی محمد سجاد حسین مرحوم سابق مالک اودھ پنچ نے اپنی ایک تصنیف کا نام "احمق الذی" رکھا جب یہ کتاب مکمل ہو گئی تو اس کا ایک نسخہ منشی صاحب مرحوم نے مجھے بھی دیا - میں نے دبی زبان سے کہا کہ نام غلط اور خلاف محاورہ ہے - منشی صاحب متفکر ہوئے - دیر کے بعد انھوں نے فرمایا تمھارا قول صحیح ہے مگر "احمق الذی" کی جگہ "احمق الذین" لینے میں حرج ہی کیا ہے - آج لوگوں کی زبان پر "احمق الذی" ہے کل ہی "احمق الذین" ہو جائے گا - ارے بھئی دُنیا میں احمق زیادہ ہیں اسیلیے صیغہ جمع زیادہ مناسب ہے - میں نے جواب دیا کہ حرج ہے - آپ نے وہ تلمیح نہیں سُنی جو اس لفظ سے متعلق ہے -

زہیر بن خباب بن ہبل الکلبی کا چھوٹا بھائی عدی بن خباب بیوقوف اور بکی تھا - زہیر اسے ہمیشہ سمجھایا کرتا تھا کہ بے تکی باتیں نہ کیا کرو - "الاحمق الذی یصمت خیر من الذی یتکلم بلا طائل" (جو احمق چپ رہتا ہے وہ بہ نسبت فضول گو کے بہتر ہے)

ایک رات عدی جاگ رہا تھا اسکے سامنے چوروں نے سیندھ لگائی مگر یہ چپ سادھے پڑا رہا بولا نہیں - صبح کو زہیر سے کہا کہ بھائی سُنا

"سمندر اُس پار کا نیا جانور"

”من درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال“

رات چور آئے تھے اُنھوں نے یوں سیند لگائی۔ یوں آپ کی تھلی بغل میں دبائی۔ یوں لے بھاگے۔ زبیر نے پوچھا کہ تم نے مجھے کیوں نہ پکارا تو فرمایا: الاحمق الذی یصمت اکثر۔

"احمق الذی" مخفف ہے اسی جملہ کا۔ احمق الذی کہنے سے ارسال مثل ہی کی وجہ غلط ہو جائے گی۔ منشی صاحب مرحوم کی صدق نیت ہی قابل تقلید ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ بھئی اب تو کوئی چارہ نہیں مجھے یہ قصہ معلوم نہ تھا۔ تمھارے کہنے پر تنبہ تو ہوا مگر اب حمدی کی نسل کو خدا نے ترقی دی ہے زبیر کے وقت میں تو ایک ہی تھا ہمارے عہد میں ہزاروں ہیں۔ یہ تو کہا مگر ہمیشہ اس غلطی سے مکدر رہے۔ مرزا محمد عباس حسین مرحوم ہوش مصنف "مرزا ستاہ" نے ایک مرتبہ اُنھیں اسی لفظ پر ٹوکا مگر یہ ٹوکنا طعن آمیز تھا تو اُن سے کہنے لگے کہ آپ جب تک "احمق الذی" کی صحت پر دلیل نہ دیں اُس وقت تک میں یہی کہونگا کہ "احمق الذین" صحیح ہے۔ وہ تو کھڑے ہوگئے اور منشی صاحب نے ہنسنا شروع کیا۔

الحاصل ہر جگہ کی آبادی کا حلق اپنے طرز کا نرالا سانچا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اُردو وطنی اور پردیسی الفاظ کا مجموعہ ہے فارسی عربی یا ترکی الفاظ یہاں کے باشندوں کے گلے میں پڑے اور موم کی طرح اُنھوں نے شکل بدلی اُنکی اصل کا پتا لگانا دشوار تو ہے مگر محال نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے (یعنی جناب طباطبائی نے) تحقیق الفاظ میں تھوڑی سی زحمت مرزا صاحب کے استفسار پر قربان بھی کردی۔ (ایک دلیل اوپر بیان ہوئی دوسری یہ ہے کہ عالیجناب نے اُس مدح و ثنا کا جو "تاریخ ادب اُردو" میں آپ کی نسبت درج ہوئی ہے صلہ عنایت فرمایا)۔

کسی بادشاہ کی صحبت میں ایک اجنبی شخص آیا علمی مذاکرہ ہو رہا تھا نوبت بہ نوبت لوگ ایک خاص مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ جب اس اجنبی کی باری آئی تو اس نے فصاحت اور صحت خیال کی بانگی کچھ اسطرح دکھائی کہ بادشاہ نے اسے قریب مسند جگہ دی۔ بزم علم برخاست ہوئی۔ مگر اجنبی کو جانے کی اجازت نہ ملی۔ دستر خوان بچھا اور رسول ہوا سر بڑھایا گیا۔ طعام کے بعد شراب آئی۔ ایک جام اجنبی کے سامنے بھی پیش کیا گیا۔ اجنبی کھڑا ہو گیا۔ اور کہا کہ مجھے اُمید نہیں ہے کہ ظل اللہ کو اُن چند عقل کی باتوں پر جو اس خاکسار کے دماغ میں ہیں حسد ہوا ہوگا۔ پائیں فرش سے کنار مسند شاہی تک اس حقیر کو اُنھیں چند کلمات نے پہونچایا ہے۔ یہ چیز دشمن عقل ہے۔ کیا عجب ہے کہ خرد کا ٹٹو پچھلے پاؤں سے لنگڑا اور فخر کا دھڑ بے سر ہو جائے تو پھر وہی کوچہ گردی کس مپرسی اور در بدری ہو۔

تاریخ ادب اُردو میں جناب کے فضل و علم کا اعتراف اور شبیہ مبارک کا شائع ہونا اُن خدمات کی وجہ سے تھا جو اُردو زبان سے متعلق جناب نے انجام دیں۔ اب وہ جواب غیر مکمل و نادرست کی مئے بدرنگ و بدذائقہ کی بدولت جن وادیوں آیا تھا اُنھیں دہوں گیا۔ آشفتہ کی طرف سے غصہ اُتر جانے کے بعد اگر آپ کے مداح صاحب نے آپ کے جوابی افادات پر غور فرمایا تو اپنی مدح کو دل ہی دل میں غلط قرار دینگے۔ مداح صاحب تو خیر مگر دوسرے تذکرہ نویسوں نے کوئی نیا تذکرہ مرتب کیا تو وہ محاسن کے ساتھ یہ بھی لکھیں گے کہ جناب طباطبائی لوگوں کی خاطر سے غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط قرار دینے میں بے باک تھے۔

محاورات میں کسر و انکسار ہوتا رہتا ہے باوجود کسر و انکسار اُنکی قدیم ہیئت بھی باقی رہتی ہے۔ قبول و عدم قبول کا حق اہل زبان کو ہے۔ اہل زبان احتیاط کے وقت غور کر لیتے ہیں کہ تصرف بے اصل نہو۔

مثلاً حکیم آشفتہ صاحب نے "زور بل" کو بمعنی قوت استعمال کیا۔ اسمیں کلام نہیں کہ قوت زور بل ہم معنی الفاظ ہیں۔ شعر میں شاعر کی ذہنی قوت صرف ہوتی ہے سامعین اسی قوت کا اندازہ لگا کے اُسکی داد دیتے ہیں۔ اچھے شعر یا کلام کے لیے اور بھی اوصاف ہیں مثلاً روانی متانت، رشاقت، رقت حُسن ترکیب موزونیت، وغیرہا۔

استفسار میں آشفتہ صاحب کا قول ناتمام درج ہوا ہے "جس زور بل میں آپ نے یہ مطلع کہا ہے" کے آگے کچھ اور بھی ہوگا۔ خیر وہ ناتمام ہی سہی مگر اعتراض کی توضیح نہ مرزا صاحب نے فرمائی نہ اُنکی طرف سے جواب دینے والوں نے۔ یہ کوئی محاورہ نہیں ہے۔ دو لفظیں ہیں آپ ان پر اعتراض یہی ہوسکتا ہے کہ بے محل صرف ہوئیں یا ان کا استعمال غلط اور ممدوح الی المطلوب نہیں ہے۔ یہ لفظیں ہر لکھنے پڑھنے والے کی زبان پر جاری ہیں۔ جو لوگ لکھنؤ میں پیدا ہوئے ہیں وہ سنتے ہیں اور پڑھے لکھے آدمیوں کی زبان سے سُن سکتے ہیں۔ مستفسر نے ازراہ عدم دیانت اس جملے کو محرف لکھا "جس زور بل پر آپ نے یہ مطلع کہا" اصل مضمون غالباً آپ نے نہیں دیکھا۔ "در" تحریف صریح کی دم سے کریز میں گرا ہے اور دیکھ کے آپ نے لکھ دیا "یہ فقرہ اہل زبان کے تیور نہیں رکھتا۔ ہم اگر آپ کی جگہ ہوتے تو علمی مسائل میں بے محل مسخرے پن سے باز رہتے اور لکھتے کہ "پر" غلط ہے "میں" ہونا چاہیے جسطرح کہ "دورنگ کیا" کے متعلق جواب دیا ہے۔ یا دھوئیں پار کر دینے کے بارے میں لکھا ہے کہ دھوئیں اُڑا دینے ہونا چاہیے۔

ہاں خوب یاد آیا۔ "دھوئیں پار کر دیے" پرانا محاورہ ہے اور ہم نے سنا بھی ہے۔ شیخ محمد جان شاد مرحوم لکھنوی پیرو میر شاگرد میر عرش جن سے بہتر محاورات وضرب الامثال کسی دوسرے شاعر کے کلام میں موجود نہیں فرماتے ہیں صفحہ ۵۰۔ دیوان مطبوعہ ۱۳۰۰ھ "تاریخی سخن ہے مثال" ۱۲۹۳

دکھلا کے خال و گیسو تا کو نشانہ دل
گولی بھی وہ لگائی جو پار ہو دھواں تک

یہ شعر اُن کے دیوان میں موجود ہے۔ پس ایڈیٹر صاحب اودھ پنچ نے جو اپنے جواب میں یہ لکھا کہ یہ لشکری محاورہ ہے تو کیا غلط لکھا۔ بات کے معنی تو یہ ہیں کہ "دھوئیں اُڑا دینے" کی توضیح کیجیے اور اس مقام پر اس محاورے کے بے محل ہونے کا ثبوت پیش کیجیے۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب اس محاورے کے محل استعمال سے واقف نہیں آئندہ قسط میں ہم ایک اجمالی مضمون الفاظ اور محاورے کے کون و فساد پر لکھینگے ایڈیٹر صاحب کی نظریں تو عینک کی محتاج ہیں لیکن علمی نظر زبان پر محیط ہے۔

(باقی آئندہ)

راقم

ادبار الادب والانتشار

جلسوں کیسے ضد اور ایک دوسرے کا جھنڈا دار کر تشدد نیم روزانہ بنا
استغفراللہ ۔ میں نے کبھی بیہودہ سعد لقمان کی مسند نشین
جرم ہوتا اپنے نیم بیان نہیں کیا ۔ اگر اس سے کا کامل
ہو سکے

گر دو چکد چند بہ نظر ہائے تا ل
ہر ذرۂ خاک آئینۂ مہر نا نیست

تو وہ جناب کا حسن نظر ہے ۔ میرا کلام نہیں والسلام ۔

مولانا پنچ کی نوٹ بک

خوش بختی مفت

ہمارے شہر کی شیعہ کانفرنس گزشتہ سال بہت نفع میں رہی یعنی ہماری پیشگوئی کے بموجب بیگن بیچے بڑا بیگن بھی سوکھا ہوا ۔ صدر نشین یعنی نواب صاحب البتہ نفع میں رہے میزبان با فیض ہزہائنس بہر خیر پور سندھ کے یہاں مزے مزے کے کھانے اڑائے ۔ شکار کھیلنے کے لیے بیش قیمت بندوق بطور مزید و مدال ۔ اتنی بڑی کانفرنس کے صدارت بندہ صاحب ملک ست غذا ، لطیف مفت ۔ بندوق شکاری مفت صدر نشینی بزم قومی مفت تفریح مفت تھینک یو (تالیاں) زنی مفت ۔ صلوات مفت ۔ پرستش صورت عکسی (فوٹو) در دفتر کانفرنس مفت ۔ حضور حضور کی صدائیں لاجا لوجی ۔ حقداروں اُمیدواروں کی چوچو پوچو ۔ ان سب چیزوں نے جو دل میں خون بڑھایا وہ بھی مفت ۔ سال بھر تک کانفرنس کے سکریٹری صاحب عرائض نویسی کرتے رہے وہ بھی مفت نتیجہ یہ ہوا کہ دفتر کے سال بھر کے مصارف بھی عنایت نہ ہوئے جو سوکھے بیگن کی ترکاری ہی کانفرنس کے پیٹ میں پڑجاتی ۔ زہے قسمت اُس کانفرنس کے جسکی صدارت ایسے والیانِ ملک فرمائیں ۔ اب خوش بختی مفت میں کیا شک رہا ۔

سال پیوستہ جناب ناظم الحق کی صدارت ان ہزہائنس صاحب کی صدارت سے غنیمت تھی حالانکہ اُسکے کی شکایت تھی ۔

اب یہ تیسرا سال ہے سُنتے ہیں کہ ابکی بمبئی کے سالار صاحب صدر نشین بزم قومی ہونگے ۔ پر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں یہ سال بھی وسط میں بیگن نیم نہ ہو جائے ۔ خدا کرے ہمارا اندیشہ غلط ہو ۔

ثابت نمیشود بہ تو خونِ شہید عشق
خنجر بدست ادی و حاشا در آستیں

کرم محبوب جناب ظفر الملک علوی نے آخر اس دلی عقیدے سے استعفا دے دیا ۔ کہ خاکسار ایڈیٹر اودھ پنچ دسینا پوری ہے ۔ لہذا افسوس کہ اسم نویسی والا مضمون ناتمام رہا ۔ اور "ترادش" بھی ادھوری رہ گئی ۔

مضمون ترادش بھی نظیر اکبر آبادی کا مجبر ہے

زچہ چیدا غائب اُس پہ گلا ندارد
پانی کا گرمیوں میں مجبر ملا تو پیا

سیتاپوریوں میں بھی خرفار ہتے ہیں ۔ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ زبان اکتسابی شئے ہے ۔ جب زبان ریختہ گھٹنیوں چل رہی تھی اُس وقت کوئی مرکز نہ تھا ۔ جس نے محنت کی اور جسے خوش مذاقی کا جوہر سخن آفریں جل شانہ کی طرف سے عنایت ہوا خواہ وہ دکن کا ہو کہ دلی کا آگرے کا رہنے والا ہو یا لکھنؤ کا وہی ملک الشعرا بنا اور وہی ہمارے واسطے مستند ہے ۔ آج بھی یہی حال ہے ۔ جو لوگ محنت کرتے اور غلطی سے زبان کو بچاتے ہیں دُنیا اُنکی قدر کرتی ہے ۔ آقا طفر علیخاں جناب مہر و جناب سالک نہ دلی کے رہنے والے ہیں نہ لکھنؤ کے مگر یہ حضرات جناب ظفر الملک سے جو لکھنؤ کی سرحد پر رہتے ہیں ۔ (بلکہ اکثر لکھنوی اشخاص سے) فصاحت میں بازی لے گئے ۔ یہ لوگ محنت کرتے ہیں خدا کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا ارادہ درست ہے توفیق شامل حال ۔ گھر سے باہر نکلتے ہی تو کانوں میں آواز آتی ہے " رب دی موجاں ہیں " اسپر بھی تحریر اکثر غلطیوں سے پاک ہوتی ہے ۔ یہ دور کی مثالیں ہیں ۔ منشی سجاد حسین مرحوم سے کون خلاف زبان میں بازی لیجا سکا ؟ ۔

اُن طعن آمیز باتوں کا جواب جو " ترادش " سے بمقتضائے " الا انا ۔ ۔ ۔ " ۔ ایڈیٹر اودھ پنچ تہذیب کی آزردگی کا باعث ہوئیں وقت کا طالب ہے وقت ملنے پر بھی ہم سے وہ انداز کلام نہ برتا جاسکیگا جو محبوب کرم جناب ظفر الملک نے اختیار فرمایا ہے دلیل کا جواب دلیل سے ہوتا ہے ۔

خلیفہ منصور کے سامنے ایک لیر باغی جسنے خاص فوج کا سامنا کر دیا تھا لایا گیا ۔ خلیفہ غصے میں تھے ماں کی گالی دے کے ازراہ استحقار کہنے لگے ۔ ابے تجھ جیسے بھی سپاہی ہوتے ہیں ؟ باغی نے نگاہ گرم دیکھا اور کہا ، کل میرے اور تیرے درمیان تیغ اور تلوار کا معرکہ تھا آج دشنام اور کلمات نا ہنجار کا ۔ تجھے یہ بھی خیال نہیں کہ میں لو آزاد برگ و نیا بہ قضا ہوں ۔ زندگی سے ہاتھ دھو چکا اگر پلٹ کے تیرے دشنام کا جواب دشنام سے دوں تو کیا نقصان ہوگا ؟

نصیحت معقول تھی خلیفہ نے سر جھکا کے آزادی کا حکم دیا ۔

محبوب کرم حضرت ظفر الملک اسوقت بقول خود مظفر و منصور ہیں ان کلمات پر غور فرمائیں ۔ بہرحال میدان بودہ باشد ۔

المختصرات

پولیٹکل مطلع پر پھر اُس بدرگنگی کوئی جواب نہیں ۔ اسی افسردگی میں ایک ٹن چراغ گل پگڑی غائب ۔ کیسی وہ سالِ قسط کماں کی اصلاح ۔ گول میز ہو گئی گول کے بعد چوکور ۔ چوکور کے بعد مستطیل یعنی لمبے پڑو ۔ اکثر کانگریس والوں کا یہی خیال ہے خدا کرے جھوٹ ہو ۔

دورِ جدید ۔ نام کا ایک اور ہفتہ وار اخبار کا قد نکلا ہے بقول بو نصیبن خالی پچھو ڑو اڑ جائے ۔ پنجاب اس موضوع میں بہت فیاض ہے مگر اب یہ فیاضی حد اسراف تک پہنچ گئی ہے ۔

شہر فتحپور سے ہمارے کرم دوست سید صغر علی شاہ وارثی شاہ پوری نے ایک ہفتہ وار پرچہ جاری کیا ہے " معلیا " اسکا نام ہے ۔ چند نمبر دیکھنے کے بعد مشورہ مجاناً (بغیر فیس واجرت) حاضر کیا جائے گا ۔

دیکھیے بیماری کب جان چھوڑتی ہے ہے
اک نہ اک روگ ہی رہا ہم کو
روز سر کم چھوا اخبار آیا

اودھ پنچ لکھنؤ جلد ۴۴ ——— ۲۸۳

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تمیزہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی صلابت بے رورعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً ایسا کبھی نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کردیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی بندگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کرلی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے ترمیم داخلی تحریریں بذریعہ [illegible]

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی مصلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۴۴ نمبر ۴

مضامین

۱۸ نومبر ۱۹۲۹ء

وائسرائے کا اعلان

رباعیات

جس کی تھی دھوم آگیا پیش نظر   انگریزی پالیسی کا سر سبز ثمر
سرکار نے کانگریس کو تسلیم کیا   کہیے اسے اتحاد کا تازہ ثمر

دہلی لندن میں ایک ساتھ

دہلی لندن میں ہو گیا ہے اعلان   تصدیق ہوئی جو تھے گزشتہ فرمان
یعنی دینگے جو کچھ کہ وعدہ ہے کیا   سن لے اسے کان کھول کر ہر انسان

اعلان پہ اختلاف آرا

سنتے ہیں بڑے لاٹ کی اسپیچ ہے گول   کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ سمجھو انمول
کالونی کی ہمسری کا وعدہ نہیں منظور   برٹش کی پالسی کا کہیے اسے گول

ہوس آف لارڈز میں ہیچ پیچ

برکن ہیڈ بولتے نہیں میٹھے بول   ریڈنگ ادھیڑتے ہیں اسپیچ کا جھول
اب رکھئے پاسفیلڈ پرمور کی بات   ان دونوں نے کھولدی ہے اعلان کی پول

یعنی

یہ تو مطلب نہیں کہ مل جائیگا آج   کہتے ہیں جسے زمانے میں سب سوراج
باقی رہا یہ کہ کب؟ تو قید اسکی نہیں   یہ طے کرے گا پھر کبھی برٹش تاج

ہوس آف لارڈز کے مباحثہ پر ہند میں کھلبلی

دولتمندوں کا ہوس دربار خاص (ہوس آف لارڈز)   کرتا ہے من گڑھنت اظہار خاص
یعنی جو کچھ کہا ہے بہلانے کو ہے   پوشیدہ ہے اعلان میں انکار خاص

یعنی

جب وقت آئیگا تو ملے گا جو ملے   جلدی نہیں ہو سکتی نہ کچھ ہوگی ڈھیلے (دیر)
کہتے تو ہیں دینگے ہاں۔ مگر آئے تو وقت   بے وقت کی شہنائی ہے جتنے ہیں گلے

کچھ نوجوانان بنگال و نیز دیگر صوبجات

سو بھاش یہ کہتے ہیں کہ ہے ڈھول میں پول   اعلان میں گتھیاں ہیں مرتاں ہے اور جھول
کچھ اور بھی ہمدرد یہ کہہ اٹھے ہیں   سچ ہے کہ سہانے ہیں یہ دور کے ڈھول

یعنی

آزادی کا ذکر ہی نہیں ہے اس میں   کالونی کی ہمسری نہیں ملے اسمیں
کانفرنس کے بعد حال ہوگا ظاہر   پنہاں ہے عجیب کون سی شے اسمیں

یعنی

اک پونڈ جو تولیں تو ہے اک اونس کے ساتھ   اقرار ملا ہوا ہے ری نونس کے ساتھ
معنی میں جو فرق ہے کھل جائے گا   ہے اینٹ انونس اور پرونونس کے ساتھ

(اعلان دہلی میں انونس منٹ لکھا گیا اور لندن میں پرونونس منٹ)

اعلان کا اثر

اس کا فتویٰ چلے گا ہندوستان پر   یعنی تینتیس کروڑ جسم و جان پر
سب پہ اس کا اثر برابر ہوگا   پرشاد اور ناتھ۔ سنگھ پر اور خاں پر

بیوقت کسی کو کچھ ملا ہے؟

اعلان کا یہ خلاصہ مضمون سمجھو   موزوں جو نہیں اسے بھی موزوں سمجھو
بے وقت کسی کو کچھ ملا ہے یارو   وعدہ جو ہوا اسی کو [illegible] سمجھو

کانگریس کے مکھیا لیڈر اعلان کو پسند کرتے ہیں

گاندھی اور موتی لال کو ہے منظور   ہیں عقل کے پورے اور کامل ہے شعور
مسلم لیڈر بھی اسکے فیور میں ہیں   پاتے نہیں اعلان میں کوئی بھی فتور

(مختلف لیڈروں نے مل کر جواب اعلان دیا)

اک رائے ہوئے جواب اعلان دیا   سب نے مل جل کے حتی الامکان دیا
اب اور جواب دیتے سرکار کو کیا   ہاں ہاں [illegible] نے پاسبان دیا

کانگریس کی چار شرطیں پہلے منظور ہوں تب آگے قدم بڑھے

قیدی آزاد ہوں گرفتار رہا   تشدد ہو کانگریس کی ہمت افزا
ہم پلہ ڈومی نین کے اسٹیٹس ہو   چھوڑے سرکار اپنے دل کی دبدھا

ق

یہ ہو تو ہمیں ہے ہر طرح سے منظور   لندن میں ہو کنفرنس چشم بد دور
اعلان دوم ہو جو کھلم کھلا   سمجھیں کہ ہم ہنوز دلی ہے دور

مسٹر اسٹینلی ریڈ ٹائمس میں لکھتے ہیں

کالونی کی ہمسری کا از حد ہے جوش   ہر گوشہ سے اٹھ رہا ہے طوفان خروش
پوری نہ کرے گی سلطنت مانگ اگر   خالی ہندوستاں سے ہوگا آغوش

جھوٹوں سے بیوپار نہیں

اب اپنی کسی طرح سے بھی ہار نہیں   سب طرح سے جیت سمجھو انکار نہیں
کہتے ہیں جو وائسرائے وہ ہوگا ضرور   کیا سمجھے ہو جھوٹوں سے تو بیوپار نہیں

بگڑے ہوئے نوجوانوں سے

کیوں بنتے ہو عیب جو نظر بد نہ کرو   جو کچھ ملتا ہے اسکو تم رد نہ کرو
اک دن میں کہیں ملتی ہیں ایسی چیزیں   اسطرح سے کانگریس کی اب بھد نہ کرو

نچوڑ کی بات

اک لو اور دوسرے پہ دعوے رکھو   ہر وقت کمیں گاہ پہ دھاوا رکھو
تا منزل مقصود پہونچ جاؤ گے   اسپ کاوش کا جاری [illegible] رکھو

"ندیم"

جدید اللغات

(ردیف با)

بائی - باؤ (آتشک) کی کان - مادرِ شیطانی جسکی نزدیکی بائی کو بائی نکالے - آفت میں ڈالے۔

باب - کتاب کے پیٹ کے بچے - فصل کے باپ۔

بابا - فقیروں کا تکیہ کلام - بچے ہوا بھی صاحب کو بابا کہتے ہیں - اندھا - دکن میں ضعیف ہوکر خود بخود بابا صاحب ہوگیا۔

بابو - سررشتہ کا کلرک ایک ہے مگر ہے خوفناک لقب بنگالہ کے صاحب لوگوں کے حق میں اکثر یہی لقب ہی شادی ہوجاتی ہے۔

باجا - مسلمانوں کی جڑ بشرطیکہ مسجد سے متصل ہو۔

باجی - مہذب مونو زنانہ زبانوں کا لقب

بادام - وہ چیز جس کا روغن نہ نکلے یعنی معشوق کی آنکھ۔

باد ہوائی - انگریزوں کے وعدے جواریوں کا قول - تماشبین مہاجن کی دولت - رنڈی کی محبت - شیطانی کا پرسش۔

باد صبا - عشاق کا پیغام بر پیک معشوقوں کی زلفوں کی بھیر پھیلانے والی آیا۔

بادہ - شئے حلال - محبوب اہل انگلستان - ملک کی جائز آمدنی کا وسیلہ شاعروں کی فطرت لطیف (عقل) دام دنیے کے دیوانہ بننے کا ذریعہ - پری جو سمندر اوس پار سے آ کے عقل و حواس اڑا لے جاتی ہے۔
حضرت واعظ کی وعظ کا موضوع بحث۔

بار صحبت ناجنس مفلسی میں مہمان کی آمد۔

بیاہ بہو - جوان لڑکی دختر بشرطیکہ پردے میں ہو۔ رنڈی کے مقابلہ میں بیوی کا غمزہ - میاں بی بی کے جھگڑے میں ہمسایہ کی مداخلت - شوہر کے بے تکلف دوست اور اور اور ہمہ تن سر صفت - ہمہ جہت - پارہ کھری۔

بار بردار - متعدد لڑکیوں کا باپ - قبیلے کا سردار۔ انسان حامل الانسان۔

بارو - نازک سا غمزہ - جھوٹا عذر - بڑھاپے کا عشق بچوں کی والدہ کا چہلا - دلہن کی کشش کا وصل - فسردہ دل کی ظرافت - مفلس کی جوانی - بدصورت کا معاملہ

بازہ - **بازی** - یعنی ہندوستان مسلمانوں کا عجز مشغلہ - جیسے بازی قمار بازی بم بازی - رنڈی بازی لیڈر بازی - اخبار بازی - مذہب بازی - یہ بازی وہ بازی - غرضکہ بازی بازی بازیچہ با ایم بازی۔

باغی - ذکر مطالبہ و طلب - انسانی حقوق کی خواستگاری وہ ہندوستانی جو مہتمم گھونٹ اور شکایت کرے۔
سمجھا ہو مفہوم۔

بافندگی - کھدر بننا - گاندھی کی شاگردی۔

بالائی - آمدنی تنخواہ سے علاوہ - مال رشوت۔ سرکاری عملے کا موروثی حق - غریبوں کی چربی سے

"صلح کل برطانیہ بعد تخفیف قوت عسکری واسلحہ"

پوٹا چکنانے والی چیز - پاک ظاہر کمائی۔

باقی - فوارہ گم خزانہ - خانہ بے صاحب خانہ - مہم ہیچ

بالغ - ۲۱ سال کا مرد - ۱۴ سال کی عورت - اس سے قبل جرم قابل جرمانہ و قید - (تفصیل بلوغ میں آئیگی۔

بان - از ملحقات آخر کلمہ آن کا تابع مہمل۔

بانجھ - خزانۂ مخفی - مول بے فیض - سید براکم بخیل امیر بے الف اور بے ہموزہ - بے وفا دوست - حکیموں کی روزی کا ٹھیکرا - بنیوں سے بے تعلق - جوانوں کی جانی دشمن - عقلا کی دادرس بچپن کی عصمت زائل کرنے والی - ہو تو مصیبت - نہ ہو تو آفت۔

بُت - نئی دولہن - سنگدل معشوق - کعبہ کا نانا آوارہ ساکن - ریاضی کا پروفیسر۔
بد - مشہور ہے مگر اطلاق بدل گیا ہے۔

برّہ (بفتح با ے موحدہ) شہروں میں کم مستعمل ہے دیہات کی بول چال میں داخل ہے - دیہاتی اس بچہ و ترت کا نام ہے جو اپنے ابا کی بلاطلب کا مستحق خاص ہو - مگر لڑکے میں جو رنج دہ ہیں کے بچپانے تھوں - ہاں دلبر بے بیر بیر ہو تو اچھا ہے مگر خالی خولی بچھڑا سے گوبر ہو تو ہزار درجہ غنیمت!

بریانی - مسلم لیڈروں کی مرغوب غذا - سرائی دورے کے زمانے میں لازمی ہے - طبیعت گرما گرم رہتی ہے - وہ لیڈر ہی نہیں جو بریانی نہ کھائے - اور بریانی کا ذائقہ و مکھائے۔

برزدولی - باردولی - بجدولی - سب مرادف ہیں برزدولی بروزن جنبہ دولتی بالکل صحیح ہے - باردولی "بار" کے معنی آپ پڑھ چکے ڈول - دولت کی جمع ہے دولت اور حکومت مرادف ہے۔
اب دونوں لفظوں کو ملائیے - رہا برزدولی تو مشہور ہے کہ یہاں ایک ولی رہتے تھے کھدر کی برد (معنی چادر) اُنکی اتنی وسیع ہوئی کہ اسقدر دے اور بندہ لے لوگ "برزد" بھی پڑھتے ہیں (برزد = جاڑا) بردکا مقتضے ہے ٹھنڈک یا لا اوس - یہ ٹھنڈک ولایت تک پہونچی - اب اسکے اصطلاحی معنی "لوح طلسم کشا" کے ہیں۔

برداشت - مخفف "جہ دم بر برداشتم مادہ برآمد" انظلام یعنی قبول ظلم - کمزوری دکھانے کی نشانی۔

> ہم تو فریاد و فغاں آہ و بکا کرتے ہیں
> جن سے کچھ ہو نہیں سکتا وہ دعا کرتے ہیں

بردھاموتن - شیخ البقر - انگریزی طرز تحریر دیہاتی لفظ ہے مگر نہایت با معنی ہے اردو میں اسکے ہم معنی کوئی لفظ نہیں لہذا سفارش کی جاتی ہے کہ لوگ اسے دیہاتی یا بازاری لفظ نہ خیال فرمائیں بیل چلتے چلتے دھار مارتا ہے - کندھوں کے جھونکے سے دھار پر اثر پڑتا ہے اور صاحب لوگوں کے دستخط کی تصویر سڑک کے صاف تختہ پر خود بخود کھنچتی چلی جاتی ہے۔

ارمغان شیراز

عرفی شیرازی کو کون نہیں جانتا یہ وہ شخص تھا جو چند سال اور زندہ رہتا تو شہنشاہ اکبر کے درباری شعرا کا چراغ گل کر دیتا۔ "ارمغان شیراز" میں صرف ۳ سکے غزلیات کی تنقید ہے۔ مکرمی سید یوسف حسین صاحب موسوی۔ ایم۔ اے۔ ریسرچ اسکالر لکھنؤ یونیورسٹی کی طبع نقاد نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ تمہید میں سید صاحب نے عرفی کی غزل گوئی پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں اُن کا دفاع کیا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب نے تالیف کتاب میں بہت محنت سے کام لیا اور سلیقہ صرف کیا ہے۔

یہ کتاب بی اے اور دبیر کامل کے نصاب میں داخل ہو گئی ہے۔ کتاب صورتاً اور سیرتاً خوب ہے آخر میں منتخب غزلیں ہیں۔

عرفی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مسودات اُستاد مرحوم سید محمد حاذق طہرانی کے پاس تھے اُن سے میں نے مانگ لیے تھے۔ آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے اسکا تذکرہ مرحوم حاذق الملک حکیم اجمل خاں (رح) سے کیا اُنھوں نے عاریتہً مسودات طلب فرما لیے پھر وہ گم ہو گئے اگر اسوقت موجود ہوتے تو عرفی کی غزلوں میں جو الحاقی شعر مؤلفین کی غفلت سے شامل ہو گئے ہیں وہ علیحدہ ہو سکتے تھے۔ مگر اتنا یاد ہے کہ جتنی غزلیں اب عرفی کے کلیات میں ہیں اصل مسودے میں اتنی نہ تھیں۔ سید صاحب کا یہ خیال صحیح ہے کہ جب خانخاناں کے حکم سے محمد قاسم اصفہانی سراجانے عرفی کے مرنے کے پچیس برس بعد مسودہ ترتیب دیا تو ایک حاطب اللیل کی طرح جو رطب و یابس اِدھر اُدھر سے ملا وہ عرفی کے سر منڈھ دیا۔ غیروں کے سیکڑوں شعر عرفی کو بدون محنت مل گئے۔

بہرکیف "ارمغان شیراز" قابل قدر کتاب ہے۔ غالباً نور افشاں ۳ رز بر گنج لکھنؤ کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

جواہر طب حصۂ اول

حکیم سید محمد ہادی صاحب گیاوی نے عام فہم اُردو میں یہ کتاب تالیف کی ہے۔ اس حصہ میں امراض معدہ تک علامات و اسباب و علاج سے بحث کی ہے۔ جو لوگ باقاعدہ درس نہیں لے سکتے۔ مگر میڈیکل سے فی الجملہ واقف ہونا چاہتے ہیں وہ اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ کاغذ عمدہ ہے لکھائی چھپائی اچھی نہیں ۹۶ صفحہ کا حجم ہے قیمت ۱۲ کسی قدر زیادہ ہے۔

حکیم صاحب موصوف سے بہ نشان "سلسلہ پوری سرکل ۱۲/۴۳ ناگپور سی پی" دستیاب ہو سکتی ہے۔

صد کلمۂ علیؑ ابن ابیطالب

محترمی عالیجناب مرزا محمد عسکری صاحب نے یہ کتاب ہمیں لغرض مطالعہ اس فرمائش کے ساتھ عنایت کی ہے کہ مترجم کی محنت کی داد ہم اپنے قلم سے دیں۔ یہ جزو مثل صد پند لقمان جواہر زواہر حکمت سے مملو ہے۔ تجربی اور علمی اعتبار سے دُنیا بھر کے بکار آمد ہے۔ اس موضوع میں سب سے پہلی کتاب نثر اللآلی ہے جو متقدمین سے کسی صاحب ہمت نے جمع کی تھی اسمیں تقریباً ہزار کلمات حکمت ہیں جن پر عمل ہو تو دنیا بد اخلاقی سے پاک ہو جائے۔ نثر اللآلی کے بعد دُرر و غُرر کے نام سے ایک کتاب جمع کی گئی جسمیں تخمیناً دس ہزار اقوال ہیں۔ نثر اللآلی کامل ابھی تک چھپی ہے صرف دیوان حضرت علی ابن ابیطالب کے خاتمہ پر پچاس ساٹھ کلمات اُسمیں سے انتخاب کر کے چھاپے گئے ہیں لیکن دُرر الکلم و غرر الکلم بمبئی میں چھپ چکی ہے۔

صد کلمۂ علی ابن ابیطالب میں خوبی یہ ہے کہ ہر کلمیانہ قول کا نظم ترجمہ رشید و طواط مشہور شاعر نے کیا ہے۔ ان حکمت کے موتیوں کی ثنا و صفت ہماری زبان ادا نہیں کر سکتی۔ مسٹر اے۔ ایچ ہارلے ایم اے آئی۔ ای۔ ایس۔ پرنسپل اسلامیہ کالج کلکتہ نے عربی متن کے ساتھ رشید و طواط کا نظم ترجمہ کئی معتبر نسخوں سے مقابلہ کر کے شائع کیا ہے اور آخر میں انگریزی ترجمہ بھی خود لکھا ہے۔ جن لوگوں کو ان زریں اقوال پر عمل کرنا چاہئے تھا وہ تو عمل کر چکے مگر ہمیں یقین ہے کہ مسٹر ہارلے نے ایک خزانہ جسکے مقابلے میں طلسم آسمان کا مجموعہ ہیچ ہے پیش کر دیا ہے۔ طلسم آسمان کا خزانہ ہر دستی کے وارثوں کے قبضے میں ہے لیکن یہ خزانہ فی سبیل اللہ ہے دشمن اور دوست ایکے مختار اور مالک ہیں صرف کرنے والا خائن ٹھہر نہیں سکتا۔ قیمت معلوم نہیں آنریری سکرٹری مسلم انسٹی ٹیوٹ ۱۲ ولیسلی اسٹریٹ کلکتہ سے مل سکتا ہے۔ قول (نمبر۲) عربی فارسی انگریزی نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو۔

متن۔ الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا

(لوگ ابھی تو سو رہے ہیں۔ مرنے پر آنکھ کھلے گی اور جاگیں گے)

فارسی ترجمہ از رشید وطواط۔

مرداں غافل انداز عقبٰے
ہمہ گوئی بخفتگاں مانند
ضرر غفلتے کہ می ورزند
چوں بمیرند آنگہے دانند

انگریزی نظم از مسٹر ہارلے

Men are asleep, - when - they die, they become awake. نظم (1) men are heedless of their latter end. (2) one may liken all to the sleeping. (3) The harm they do and their heedlessness (4) is a knowledge gained from death's [illegible]

مدارس اسلامیہ پر موقوف نہیں یہ کتاب ہر درسگاہ میں داخل نصاب ہونی چاہیے۔ فقط۔

مراسلہ

(از جناب ترنج لکھنوی)

جناب اڈیٹر صاحب تسلیم

آجکل ہر ایک جاہل کی یہی آرزو ہے کہ اہل کمال سے بڑھ کے ہمت اور قابلیت اور علم کے اعتبار سے ہو تو خیر لیکن یہاں تو کوئی نسبت ہی نہیں لہذا التماس ہے کہ آپ اودھ پنچ کے صفحات اپنی املا بحث کے واسطے مخصوص رکھیں دوسرے جرائد ایسے حضرات کی خبر اچھی طرح لے سکتے ہیں ان کے لیے

بے غرض انڈیا

"دور بھی کرو۔ قربان کیا تھا یہ سڑا ہوا گندی بوٹی کا گندہ شوربہ"

ندیدہ ہندوستان

"نہ اکٹھے نہ دیا نکٹے نے کھایا جیب بلی نہ سواد پایا"

گر نسیم نکہت صبح بر چمن بگزشت
کہ گل ز بوے تو برتن چو صبح جامہ درید
اصغر علی محمد علی تاجران عطر

تو ہم سے نیاز مندی ہی کافی ہیں ۔ شیلا روجی اور تحقیق اصول لغات کا کام اُردو میں ابتک نہیں ہوا اسمیں ہرج نہونا چاہیے اگر اودھ پنچ کے صفحات ان حضرات کی نذر ہو گئے جو اودھ پنچ سے میدان داری صرف اس ہوس میں کرنی چاہتے ہیں کہ انکے کھوٹے مال کو فروغ ہو تو یہ بہتر ہوگا۔

پرسوں میں ایک پرچہ میں آپ کا پرائیوٹ خط دیکھ کے متعجب ہوا کہ آپ نے کس سے دوستانہ شکایت کی۔ کجا وہ کجا آپ بھلا جو آپ کی تحریر اچھی طرح سمجھنے اور صحیح پڑھنے کی قابلیت نہ رکھتے ہوں اُن سے خطاب کیا معنی۔

....

....

خیر طلب سراج الحسن سراج لکھنوی

عزیزی - میں آپ کی عنایت اور حمایت کا شکر گزار ہوں۔ میں نے صرف دوستانہ شکایت کے طور پر ضرور ایک رقعہ لکھا تھا کہ آپس میں نہ چھڑے۔ مگر مہذب شرمیلے صاحب معلوم نہیں اپنے دل میں کیا سمجھے۔ شرم اور تہذیب دونوں اچھے عنوان تھے اگر میں اس پر کچھ لکھتا تو شاید لطف سے خالی نہ ہوتا۔ بہرحال جب تک ممکن ہے آپ کے دوستانہ مشورے پر عمل کروں گا۔ اِذا مَرّوا باللغو مَرّوا کراماً

والسلام — ممتاز

مولانا پنچ کی نوٹ بک

شہادت غیر مقبول

عاشق صاحب جو راز عشق پوشیدہ رکھنے پر مرتے ہیں جب کبھی جان دینے پر آمادہ ہوتے ہیں تو معشوق کی گلی میں کھڑے ہو کے کھڑکی کھلنے نقاب اُٹھنے کا انتظار کرتے ہیں۔ ادھر وہ جلوہ آرا ہوا اُدھر عاشق جانباز نے ازار بند سے افیم کی گولی یا سنکھیا کی پڑیا نکالی۔ ہائے کا نعرہ مارا مختصر نصیحت کا عنوان قائم کیا "اے بے وفا۔ دغا شعار۔ جفا پیشہ۔ ظالم ستم کیش۔ موذی۔ بے مہر۔ یہ دیکھ افیم کی گولی ہے بھری کالی کالی ساتیں کاٹے نہیں کٹتیں اب یہ کالا دھن ہے اور میں ہوں۔ بس اسی میں خیر ہے کہ ؎

نفسم رسیدہ برلب ہوس نظارہ باقیست
بعیادتم گزر کن کہ ہنوز چارہ باقیست

ورنہ خون تیری گردن پر ہوگا۔"

اگر تیر ہدف مدعا پر پہونچا تو خیر۔ نہیں تو بھاد ساتھ کھولا بکری کی دُم سے مینگنیاں باہر نکلتی ہیں مینڈکی ظرف کی حلق کے سوراخ میں مینگنیاں بھرلیں۔ چاہے دُنیا بھر کو خبر ہو یا نہو۔ جس پر جان دی وہ تو جان گیا۔

ملک یا وطن کا عشق پوشیدہ رکھنے کے قابل نہیں اس عشق میں پٹنے مار کھانے بیڑیاں پہننے میں رسوائی نہیں۔ کٹتی ہے تو سوا بالشت بڑھتی ہے ؎

افشائے راز عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اُسے جتا تو دیا جان تو گیا

مگر عراق کے وزیر اعظم سر عبد المحسن کی سرگزشت حب وطن عجیب و غریب ہے سُنا جاتا ہے کہ آپ وطن کو رقیبوں (انگریزوں) کے بس میں دیکھ کے آپے سے باہر ہو گئے ... ؎

عشق تو ہرگز نمی تواں دید
کہ گشتہ تو شود دیگرے و من زندہ

غیرت نے کچھ اتنا جوش دکھایا کہ نہ اپنی کہی نہ دوسرے کی سُنی کوٹھری کے دروازے بند کیے اور پستول سینہ پر رکھ کے داغ دیا۔ ٹھائیں سے آواز ہوئی نہ عشق رہا نہ عاشق - طرفہ ماجرا یہ کہ راز عشق کا محرم کسے بنایا؟ صاحبزادہ بلند اقبال کو جو یورپ میں بغرض تعلیم قیام پزیر ہیں۔ بزدلی کسی کی ہوا بھی نہیں معلوم ہوتی۔ مگر جس موت میں حماقت کو دخل ہوتا ہے اُسے ہی حب کہتے ہیں۔ جو یوں ہی عاشقان وطن اپنی جان دیتے رہے تو لیلی وطن بے مجنوں کی رہ جائے گی۔ اغیار السیں بسینگے راستے کے خار خود بخود جل گئے تو آرام نصیب دشمنان وطن ہوگا نہ وطن کو فائدہ پہونچے گا نہ اہل وطن کو۔

بس ہماری دانست میں یہ شہید صاحب بیوقوفوں کی بزم کے صدر ہیں ان کا نام نامی عشاق کی اُس فہرست میں درج کرنے کے قابل ہے جس کا نام مہذب آدمی نہیں لیتے۔ اگر یہی فائدہ ہوتا کہ اہل وطن اس مرگ احمقانہ کا پروپگنڈا کرتے اور اغیار سے کچھ حقوق اپنے واپس لینے کی سعی فرماتے تو خیر جان کی تھوڑی سی قیمت مل رہتی۔ اب تو وہی مثل ہے "چڑیا اپنی جان سے گئی کھانے والوں نے سوادہ پایا" بڑی بڑائی یہ کہ دوستوں کی طرف سے چند ہمدردی کے تار خاندان والوں کے نام آجائیں گے۔ یا چند بے وقوف اس حماقت کی جھوٹی داد مضامین کے ذریعے سے دینگے۔

قاتل جب تک غیر نہو اُسوقت تک مقتول کے ساتھ ہمدردی نہیں ہو سکتی - وزیر صاحب کی جان کا وبال "غیرت وطنی" کے سر جھونکا جائے تو غیرت جیسی قابل عزت نہیں رہتی۔ چند روز میں "غیرت" بدنام ہو کے وطن سے دل سے دماغ سے نکال باہر کر دی جائے گی۔ دُنیا کا دھندا عبرت حاصل کرنے یا عبرت دلانے سے چلتا ہے۔ اس موت کو عبرت سے کوئی علاقہ نہیں۔ اور اگر مذہبی اعتبار سے نظر کیجیے تو نفس محترم امانت خدا ہے اپنی خواہشوں پر قربان کرنے کا حق کسی متنفس کو نہیں۔ وہ تو جان آفریں جنت کے عوض مول لے چکا۔ ہر جانباز کو جان دینے سے پہلے عرضی دے کے تصرف کی اجازت لینی چاہیے۔

"بندہ پرور! اب روح کا طائر قفس عنصری میں رہنے سے انکار کرتا ہے اُسکا تقاضا ہے ؎

یا کنج قفس یا دانہ دہ یا مرغ را آزاد کن

اس بارے میں حکم مناسب عنایت ہو۔ اور ملائکہ کو ہدایت کی جائے کہ نزع روح کے تمام اوزار مہیا رکھیں۔ واجب بود عرض نمود"

جان آفریں کی مخفی حکمت انتظام کردے گی۔ وبائی بیماریاں۔ نیم حکیم حکومت وقت (بطور قصاص ہی سہی) جہاد۔ لڑائی بھڑائی۔ ورثہ خواہ رشتہ دار۔ مرگ ناگہانی حوادث ارضی و جرخی (سماوی) ہزاروں حیلے موجود ہیں۔ بہرکیف یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ میاں اس طرح جان دینے پر خوش ہیں تو بہتر ہوتا۔

پولیٹیکل تنخنخ (کھنکار)

عرب کے ایک ظریف نے اپنے بھائی سے اس بات پر شرط کی کہ تمہارا (جہاں) جو اور کھنکارو نہیں تو تمھے درہم دوں گا۔ بھائی تھا چالاک اس نے ایک گھونٹ پیا۔ تمھے ہوئے دہی میں کمن کی پھٹکیاں ہوتی ہیں جو اکثر گلے میں چپٹ جاتی ہیں اور مجبورا کھنکارنا پڑتا ہے۔ یہی ہوا گھونٹ پیتے ہی کھنکارنے کی ضرورت ہوئی تو بھائی صاحب نے فرمایا کبشتی املحہ جانے حلقی کی قرأۃ میں گلے پر زور دیا جاتا ہے "املحہ کی ذرح" نے کھنکار کا فائدہ دیا۔ دوسرا گھونٹ اٹھا کو کہا نبیت اقسیم وہ بھی اتر گیا تیسرے پھندے میں فرمایا وانافیہ اسجم۔ اب دونوں بھائیوں میں بحث ہونے لگی ظریف نے کہا "قد تنخنخت" (تم نے کھنکارا) بھائی نے پورا قافیہ پی کے جواب دیا "من تنخنخ فلا افلح" (کھنکارنے والے کی ایسی تیسی)۔
یہ دونوں بھائی ادیب تھے ظریف نے صرف کھنکارنے کی قید لگائی تھی کوئی بات چیت کی تبدیش تو کی نہ تھی۔ بھائی نے شرط جیت لی۔

ہمارے وائسرائے صاحب بہادر ولایت گئے تھے مٹھا نوش فرمانے۔ پی آئے تو ہندوستان میں سوچ کے کھنکارنے پر مجبور ہوئے۔ اس کھنکار پر ولایتی پارلیمنٹ سے آواز بلند ہوئی "قد تنخنخت" یہ تو چپ ہو رہے مگر "بین" صاحب یوں گلا صاف کیا "من تنخنخ فلا افلح" بایں معنی کہ یہ کھنکار درحقیقت گلا صاف کرنے کی غرض سے تھی لیکن کھنکار کی صورت نہ رکھتی تھی اہل ہند میں سے کچھ لوگ اس حلقی قرأۃ کو "اخ تھو" سمجھے۔ اور بعض نے معانی پر غور کرنا شروع کیا کہ "کبشتی املحہ" (ہندوستان کا مینڈھا خوبصورت ہے) "نبیت اقسیم" (تجارت کی گھاس تری ہے) "وانا فیہ اسجم" (اور میں اسمیں بہت بھلا لگتا ہوں۔ یا میری توم) اب مٹھا پارٹی ہندوستان میں جمع ہوئی ہے۔ دیکھو کہ یہ ہو تو ضرور کھنکار رہے۔ کوئی پوا نہیں

باتیں ہیں اور سبا قاعدہ باتیں ہیں۔ پنڈت جواہر لال اُن لوگوں میں ہیں جو وائسرائے کے اعلان کو کھنکار سمجھتے اور شرط ہارجانے کا اُن پر الزام لگاتے ہیں اُن کے والد پنڈت موتی لال نہرو دونوں طرح بیٹھے ہوئے ہیں یعنی یہ تو یقین ہے کہ اب یہ پولیٹیکل تنخنخ ہے گلا صاف کرنا مد نظر تھا کھنکار نے الفاظ کی صورت اختیار کرلی۔ بہانہ مل گیا۔ لیکن وہ جو ڈومینین اسٹیٹس کا غیر خالص دہی کی شکل میں مستعمل ہوگیا اس کا استعمال ضرور تھا یہ لہذا یہ تنخنخ ہرگز تنخنخ نہیں کانگریس کا سالانہ میلہ قریب ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ سب کے گلے چھلے ہوئے ہیں۔ تعجب نہ ہوگا اگر کہا لیڈر کھنکارنے میں تمام عقل باتیں غیر مفہوم الفاظ کا جیس اختیار کرلیں۔ اخ اخ اح اح اح اح حقا تنخنخ فلا افلح۔

الہ آباد کا تنخنخ سنئیے۔ یہ کانفرنس وائسرائے کے اعلان یا تنخنخ کے متعلق پارلیمنٹ کے سادہ مباحثوں کو تنخنخ اور تردد کی نظر اور تشویش کی آنکھ سے دیکھتی ہے اور امید کرتی ہے کہ گورنمنٹ کی خشک کھنکار جلد تر امیروں کا اگال غریبوں کے پیٹ کا ادھار بنیگا۔ کچے کیلے کی پھلی یا پھکا بالائی اور دہی کھائیں اور تنخنخ کا مرض نہ ہو۔ ناممکن۔ محال۔

المختصرات

آخر وہی ہوا جو ہم نے کہا تھا یعنی بالفعل عروس کا لکا سر و اصل شعر کا الف وصل ہے جسکی قسمت میں تقطیع سے گرنا لکھا ہوا ہے۔ فروری یا مارچ میں ہم نے لکھا تھا کہ امیر حبیب اللہ سے امان اللہ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں ؎

یہ میں نے مانا کہ آج کابل میاں امان تو نہیں رہے گا
سمجھ لے بیرے بھی دل میں اپنے کہ بچہ سقو نہیں رہیگا

امان اللہ گئے۔ میاں سقو آئے سقو بھی لیجائے ؎

بر تواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست
پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را

نادر خانی جہانسے میں سینس کے حجرکاؤ کرتے چلتے ہوئے اب وہ نادر دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں پشت گرمی برطانیہ کا شرف حاصل ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو سود یٹ حکومت انھیں اپنا مارند اور دشمن خیال کریگی۔ اور کیا

عجب ہے کہ (خاک بدہان دشمن) ؎

یک گردش بالشویک گری
نہ نادر بچا نہ نادر نے نادرالا

کا آوازہ بلند ہو۔ خدا خیر کرے۔

لاہور سے ایک ہفتہ وار اخباری کاغذ اقدام نامی وارد ہوا ہے۔ اگر ہر ہفتے تین اخباری کاغذوں کا یہی سلسلہ رہا تو شاید اخباری کاغذوں کا شمار اخبار بینوں سے بڑھ جائے۔ بہرحال آنے والے کی خدمت میں اہلا و سہلا کہنا فرض ہے۔

رفیق ہند نام کا ایک ہفتہ وار بارہ بنکی سے جدید شائع ہوا ہے۔ اور وعدہ کرتا ہے کہ پالیسی کی توضیح قدم جانے کے بعد کی جائے گی۔ بہتر ہے خدا وہ دن لائے اور آپ کی پالیسی ہمارے نزدیک بھی قابل ستائش ہو تو اسوقت ہم بھی آپ کے خدمات کا اعتراف کرینگے بالفعل تبریک و تہنیت و رود مسعود محمود قبول فرمائیے لکھائی چھپائی خاصی ہے۔ قیمت فی پرچہ دو پیسے رفیق کے ٹائٹل کے اندر لکھی ہوئی ہے لیکن سالانہ قیمت ڈھونڈ ھنے سے کوہ قاف میں بھی نہ ملی۔

یہ نیا معاصر دوسرے اخباری کاغذوں پر جو طبقہ تعلقداران اودھ کے اصلاح اعمال و افعال کے دربے ہیں معترض ہے کہ انھوں نے بروں اور اچھوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا ہے۔ یہ اعتراض معقول لیکن جو لوگ اچھے ہیں وہ کیوں برا مانتے ہیں۔ اگر اچھے تعلقدار اخباری کاغذوں کو بروں کی اصلاح میں مدد دیتے یا جو رسفید کے طرفدار بنجائے اگر لارڈ سڈنہم یا لارڈ ریڈنگ یا سر مائیکل اوڈوائر یا کوئی اور نمک خوار ہند خدانخواستہ اس حسرت میں مرگیا کہ ہائے ہندوستان آزاد ہوا جاتا ہے تو واللہ بہت صدمہ ہوگا۔ کیا معنی کہ لاکھوں روپیہ ہندوستان نے کھلا کے تو انھیں پالا اور دشمن بنایا ہے۔ زیست کا لطف دشمن یا حاسد کی زندگی تک ہے۔ وہ زندگی ہی کیا جو دشمنی کا مزہ نہ چکھے۔ لہذا اہل قلم سے التماس ہے کہ ان لوگوں کے طول عمر کی دعائیں مانگتے رہیں۔ یا اللہ انکی زندگی دراز کر۔ یہ آنکھوں سے دیکھ کے جلیں اور برطانیہ عظمیٰ ہم پر صحیح معنی میں نوازش فرمائے۔ آمین۔

ضعیفی دور کرنے کی تدبیر

معلوم ہوتا ہے کہ ضعیفی ٹل نہیں سکتی لیکن انگریزی کتب سے ضعیفی دور کرنے کی تدابیر نکالی ہیں ... جیسے ... اعضا کو حرکت دیتے رہیے پھر کبھی تنفس کی شکایت اور دیگر بیماریوں کا اندیشہ نہ ہوگا۔ اعضا کو کس طرح حرکت دینی چاہیے اس کے واسطے کتاب میں ۳۴ تصاویر دی گئی ہیں کسی اُستاد کے سکھانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب زیادہ تر بیماریوں کے واسطے مفید ہے جو گھر سے باہر ورزش وغیرہ کرنے کا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے بدہضمی بواسیر اور دیگر امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں ہم خود اس کے مطابق عمل کرکے فائدہ حاصل کر چکے ہیں اس کتاب کی صفات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی ہے تاکہ عام طور پر لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ملنے کا پتہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

جس طرح طلوع آفتاب سے

تاریکی کا دور ہونا قدرتی امر ہے

اسی طرح مقویات سرتاج عالم اننگ لنگرہ گولیوں کے استعمال سے قبض۔ بدہضمی۔ خون اور مادہ تولید کی خرابی۔ جریان بدخوابی اور دیگر امراض مخصوصہ کا دور ہو جانا قدرتی امر ہے ضرور تجربہ کریں۔ قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ۔ پانچ ڈبیاں چار روپیہ

المشتہر: وید شاستری منی شنکر گووند جی جامنگر کاٹھیاواڑ۔

ایجنٹ اندر چند اینڈ کو چوک لکھنؤ

شرائط ایجنسی

(۱) روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ادا ہوتے ہی پرچہ کی روانگی موقوف کر دیجائیگی۔

(۳) پانچ پرچہ فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کیجائیگی۔

(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چار پیسہ کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔

(۵) علاوہ خاص حالتوں کے بے اترے پرچہ واپس نہ لئے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟

اگر آپ اسکار ہی ادویات دستکاری نسخہ جات اور جال ... طبیبوں کے اکثرون اپنی کمائی لٹا کر صحت سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس عالم یاس میں بکفایت صحت حاصل کرنا یا بیچار مخلصانہ مشورہ کے خواہشمند ہیں۔ اگر آپ لکھنؤ کے نامور تجربہ کار اور خلاق اطبا کے مشورہ نسخے بلا ادائے فیس فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک کارڈ لکھکر دواخانہ معدن الادویہ کی فہرست جدید طلب فرمائیے خود بھی فائدہ اٹھائیے اور دوسرے بھائیوں کو بھی نفع پہنچائیے۔

تمام خط و کتابت بصیغۂ راز رہتی ہے

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ گوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ ۲۶، ۱۹۲۷ء

(۱) اُردو کو زندہ کہنے والے دل کو تازہ کرنے والے سیاسی ادبی اخلاقی مضامین اور کارٹون کا مجموعہ خزانہ کتب میں محفوظ رکھنے کے قابل قیمت فی جلد ۶؍ معہ محصولڈاک۔

(۲) ۱۹۲۸ء کی چند ششماہی جلدیں جولائی ۱۹۲۸ء لغایت دسمبر ۱۹۲۸ء برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں قیمت مع محصولڈاک ۳؍

(۳) جلد ۱۹۲۶ء کے ۱۰ نمبر ان نمبروں میں انشاپردازی کے بہترین نمونہ موجود ہیں ظریفانہ مضامین کے مشتاقین کو جلد طلب فرمانا چاہئے۔ قیمت عہ علاوہ محصول۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

سیاحت ظریف

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کا منظوم سفرنامہ عراق عجب دلچسپ نظم ہے۔ ہنسیے اور شاعری کی شاعرانہ اُستادی سے فائدہ اُٹھائیے قیمت فی جلد ... ٹکٹ بھیجئے یا وی پی اور منی آرڈر جھنجھٹ ہے۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

غذائے روحانی

معدن الموسیقات

یعنی

وہ بے نظیر کتاب جس نے صحیح ہوا میں گرہ لگا دی۔ ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کی حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے۔

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

اس کے حصۂ اوّل کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تاحال موسیقی کے جزو عملی میں اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کے حصۂ دوم میں مصنف نے اساتذۂ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

تان سین کے عہد سے کے زمانۂ حال تک صدہا اساتذۂ فن کی گائکی اور ان کے گلے سے نقل کی ہوئی و معروف ... کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے۔

اُستاد محمد علی خان

میاں تان سین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی ... اس کتاب میں اُن سے نقل کی گئی ہیں ... کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے ہیں اسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جس طرح کہ اُستاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ فی الحقیقت ... نے ہزاروں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے حصۂ دوم نہایت مقبول ہوا ہے ... کے اُستادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔

اصلی قیمت علاوہ محصول صہ ہے لیکن جو صاحب آخر دسمبر ۱۹۲۹ء تک چار روپیہ نذر لیکر ... ارسال ... وہ رعایتی قیمت کے فائدہ میں رہیں گے۔ رعایتی قیمت کا ذکر ...

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

اُردو زبان کی ہر قسم کی کتابیں اس پتہ سے طلب کیجئے۔ منیجر جنرل بکڈپو پاٹا نالہ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں، مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تکیہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس کی نسبی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گو یہ بھی اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منھ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلئے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جہت۔ رائے کی صلابت بے روے و رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر کیجیے۔ انشاء اللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اسوجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ مانگنے والوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپ کے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا بھی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامہ منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دل کانے پر نیاز مند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں۔ ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی پرچے کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کرلی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے انکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے مشتہر نہ دانی تحریر ... [illegible]

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور ان کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہونا چاہیے۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۴۱

مضامین

۲۵ نومبر ۱۹۲۹ء

جدید اللغات

بقراط ۔ ایک حکیم کا نام ہے۔ مگر اب جو کوئی کج بحثی کرے اُسے ٹکسیا بقراط کہتے ہیں۔ زبان کے تصرفات ہیں۔ بقراط سے بقری اور بقری سے بگی ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں۔

بک بک ۔ تقریر۔ اسپیچ خصوصاً لیڈر کی۔

بک بک جھک جھک ۔ ہنڈ بق بق زق زق۔ خواہ مخواہ اور بے نتیجہ اشغال سے کنایہ ہے مگر ہند ہونے کے بعد بامعنی لفظ "بک بک" کا تابع مہمل جھک جھک پیدا ہو گیا۔

بک جھک (جیم بالکسر) زبانی اظہار غصہ کے ہم معنی ہے۔ اکثر اہلیہ مقدسہ پر جب غصہ کا اظہار کرنا پڑتا ہے تو بکنے جھکنے کے سوا اور کوئی بس نہیں چلتا۔ بعض محققین "جھک" کو "جھینک" کا مخفف سمجھتے ہیں۔ "جھینکنا" سرزنش کے ہم معنی ہے بریں لحاظ تابع مہمل نہیں ہے۔ بلکہ "جھک" بھی ایک مستقل لفظ ہے۔

بکر و بکارت ۔ (اچھوتی چیز) دوشیزگی اسکا ترجمہ ہے حال کے تعلیم یافتہ اس معنی کے جوہری نہیں حالانکہ یہ وصف خود حضرت مریم کے اوصاف عالیہ میں سے ایک اعلے وصف ہے اور "کنواری مریم" کی قسم کھائی جاتی ہے لیکن مریم کی جنس جو یورپ میں ہے اسکی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتی۔ اور تقلید یورپ ہندوستان میں "کنوارپنے" کا جو شرف نورین کے پیشانیوں پر چمکتا رہتا تھا اب بوسۂ ناجائز کے نیلگوں نشان کے نیچے دبنے والا ہے۔ بکر وصف فکر بھی ہے یعنی اس فکر کا نتیجہ جس کے دامن تک دوسرے کا ہاتھ نہ پہونچا ہو نتیجہ بکر فکر کہلاتا ہے۔ فکر سے بھی اس وصف کا ناپید قریب الوقوع سمجھنا چاہیے۔ انجمنی کرم فرمائی کو زوال ہے شاعروں کی فکر ہو گئی ہے زن بازاری۔ دوسروں کے شوہر و کلام چھین لینا اسکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے بس "بکر و بکارت" میں کوئی فاصلہ نہیں رہا۔ ایک ساعت یا ایک شب کس گنتی کس شمار میں ہے۔

بلاق ۔ شاقول الانف لیعنی لنگر پہلوان مبنی۔ ناک میں لٹکانے کا آویزہ دیوار فاصل منخرین کی دورو نزدیک کا گجدر۔ دائمی رہنے کا قائم مقام شاعروں کا نقطہ فصیح "رخواہ کسی شعر میں ہو" چاہ زنخدان او پہونٹ کا گڑھا کا جھول کن لوا "نہیں" ناک کوتے کی جھلجھل۔ واجد علی شاہ مرحوم کی چڑھ و سنی ہمیں لکھتے ہیں کوئی میرے سامنے بلاق لٹکا کے نہ آئے شہر میں اسکا رواج کم ہو گیا مگر دیہات میں زور لگا رہے ہے خصوصاً زنان بازاری میں سے جب دیکھیے اس "نولہ منجمد" کی بہار ہے۔

بقال ۔ باقلہ فروش مگر اب اطلاق غلہ فروش بنیے پر ہوتا ہے جو خشک لقول بیٹھا ہے۔ اسے عاکم قوم کا دوسرا نام سمجھنا چاہیے کیا معنی کہ بقل و عقل ایک ہی چیز ہے۔

بلوغ ۔ زندگی کی ستیاناسی۔ دیوار پر پھاندنے اور پھندوانے کا سامان۔ والدین کی نافرمانی کی بسم اللہ۔ آرزوؤں کے کالج میں داخلہ۔ خواہشوں کا اُبھار۔ شریک جرم کی تلاش۔

بم ۔ اُف اُبھی چیز۔ آلہ مردی و مردانگی جدید۔ بزدلی ہند کا ابطالیہ استدلال۔ بشرطیکہ اسمبلی میں نہ بیٹھے۔ دشمن کے سامنے سے بھاگا ہوا..... ہاتھی جو اپنی فوج پر شیر ہوتا ہے۔ دھواں دھار لڈو۔ بگڑے دل معشوق۔ بہانۂ قانون سازی۔ اگر طیاروں سے کسی پُرامن شہر پر گرے تو نرم دلی اور رقت قلب کی دلیل۔ بالفعل اس بابارانِ رحمت کے گول گول گرما گرم اولے ہُن کی طرح فلسطین کا دل ٹھنڈا کر رہے ہیں۔ چیز اپنی شہرت کی وجہ سے کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ لفظ دہن تعاوت بھی اس کا نام ہے۔

بندر ۔ ڈارون کا باوا آدم۔ سائنسی تہذیب یعنی تجربی حکمت کی حد نظر۔ دشمنان ابوالبشر کا موروث اعلے وہ درخت جس نے ایک ہی مرتبہ اچھا پھل (انسان) پیدا کیا پھر دوسرا پھل ویسا نہ دیا اصالت پر آرا۔ پھل بجا لاتا جا بجا اُگا اور پھیلا مگر اصلی خواص ضرور یورپ میں باقی ہیں۔ اگر ڈارون صاحب نہ پیدا ہوتے تو یہ لوگ اپنے جد اعلے سے ناواقف ہی رہتے۔ ناحقیق ہونے کا سیاہ ٹیکا ماتھے پر لگتا۔ خدا نے بڑی خیر کی۔

بندش ۔ سارداابل کی تانت۔ "نسل" پکڑنے کا چیل جھپٹا۔ جس چیز پر عائد ہو تباہ ہو جاتی ہے۔ صرف "زناکاری" کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔

بندا ۔ آغوش گوش کا طفل درخشاں صورت۔ عاشق یا شوہر کی جان کا وبال۔ ہر وقت کا نا پوسی کرنے والا بے جان مشیر۔ بالیوں کا مختصر نائب۔ بالے بجلی کا اکلوتا فرزند۔ بُن گوش کے گلے کا کٹھلا۔ وہ ہار جو بل کے قریب رہے اندر نہ جانے پائے۔ بجھن مکرر و دعوت خالی

بنڈرا ۔ دولہا۔ احمق حقیقی۔ نو گرفتار زنجیر ہمی۔ شادی زدہ۔ زربخت پوش۔ خر زیر پالان زریں۔ اسیر خوشدل۔

بندھن یا بندی دولہن۔ امتحان گاہ مردی۔ بار بر دوش دیگر۔ آرام گیر ابدی۔ بیہودہ سوالات۔ رنجیاالات بیہودہ خدا دفع مادہ: مظلومہ ہو یا ظالمہ بہر حال قابل رحم۔ چادر غصہ پروت۔ ابتدا میں حور۔ آخر میں بھوت۔

بندوق ۔ غیر قابل الذکر اوزار۔ ہندوستان میں علامت وحشت۔ اپنے وطن یورپ میں آلۂ تہذیب و فتح قلعۂ تمدن۔ "بندوقچہ" (گولی) اسکے بچہ کا نام جانداروں کی جان لینا جس کا کام ہے۔ اسکے موجد نے دنیا پر احسان کیا۔ ملک الموت کا فرض دشوار تھا آسان کیا۔ تیز بچہ ہوا۔ یہ فرزند آتش انسان پیکر خاک۔ پہلے ہمارا روح فرسا ہوئی پھر آگ نے خاک کو رام کا ڈھیر بنایا۔ عناصر کی جنگ جاری ہے نقصان ملک کے ہاتھ ہے۔ دِہ والی مرگ "عرفت"۔

بینک ۔ زنبیل سرمایہ داری۔ کتاب ہم آغوشی۔ بوسہ۔ پیغمبر محبت۔ دیباچہ کتاب ہم آغوشی۔ اور

کبھی تمہید وصل - پیک ہوا و ہوس - کانوں کی راہ بخار شباب کھینچنے کی پینگی - مختصر صفحہ بہر - کانوں بیز اُتر کرنے کا آلہ - ولایت میں چنبر کبھی کبھی ہے یعنی جہاں سب کچھ ہے وہاں قومی چندے کا ذریعہ بھی ہوتا ہے - اس چٹاخ پٹاخ سے چٹ پٹ نیلامی کا تھیلا بھر جاتا ہے "زخ" کی تیزی کانوں پر رہ جاتی ہے اسے نقاشی عشق اور تجلی اقرار بھی کہتے ہیں -

بنگ یا بھنگ - سیاسی دوا - جرأت زبا - فلک سیر ارض پیما - سادھوؤں کی آنکھوں کا جلال -

بہادر - خدا سے نہ ڈرنے والا مگر زور آور انسان کا غلام -

بہتان - دلیل کم -

بہار - دیوانگی کی آنا -

بہانہ - جائے پناہ مُنہ چھپا -

بہروپیا - غیر مستقل مزاج لیڈر بے پالسی کا اخباری کاغذ زرپرست ایڈیٹر -

بہرا - جو اپنے مطلب کے علاوہ اور کچھ نہ سنے - صاحب لوگوں کو یہ مرض بہت ہوتا ہے -

بہری - موقع شناس رنڈی گوشت کی بوٹی دیکھے یا خزانے کا چوہا دیکھ پائے تو فوراً جھپٹ کر بیٹھے -

بہو - دشمن کُٹنی ساس نندوں کے لیے تختۂ مشق ستم - وہ جس کا خاندان بھر قابل ہتک حرمت ہو - کنیز حقیقی جسکے فرار کا خوف نہیں - اب کسقدر سوانگی ہے - آئندہ اس لفظ کی تعبیریں کی جائیں گی سُسر کی داڑھی کا مسخرا - ساس کے بالوں کا موچنا حاکم علے الاطلاق - زبان کی پھانسی - گلے کا پھندا - بٹ پارے کا کانٹا - ساس سُسر کی ماتا کی درسانی بی - جس میں قرضدار کی لاش بھی بہی ہے -

آسانی رفتار کا تماشا

قرض کا دنیا الٹرین سے - بیڑا پار ہو - مہاجنوں کی دو دھاری تلوار ہے - ڈبی موتی سرو کا داؤ -

بی اے - سند ہمہ دانی سفارش نامہ برائے نوکری حکومت کی ہم دیا لی کا شرف - اپنے مخلص قومی کا ذریعۂ لعنت - میز کرسی برقی - دشمنی کے استعمال کا استحقاق - دین اور کتب دینیہ کے نسخ و فسخ کا اجازت نامہ -

بیاج - دریائے ناپیدا کنار - مول سے پیاری چیز کبھی ڈبلا نہیں ہوتا - خمیر سرمایہ -

بیچا - زوال حسن کے بعد جو شکل ہو جائے - (دفعہ ۱۴۴ تعزیرات ہند متعلق حق نان و نفقہ از ہندوستان) -

بید - نخل بے ثمر مگر عصا بے پیر بعرف عام میں ایک مہذب سزا جو مجرم کے چوتڑ کھلواتی اور چوتڑوں پر حرکت بیچا کا گہرا نقش جاتی ہے -

بیرسٹر - بالغ مجذوب دلہا - ترجمہ لغات ہو یا کسر کا حمول نازک بدن سریع العفونت - پچنے کے تنباکو کا خفیف دیباچہ مصروف ہوس آزادی کا دماغ کے دورے کا ہے کا خیالی مشورہ -

بے قابو - توسن طبع اخبار ولیس - موجودہ عرض اہل غرض - بمنزلہ بی بی "بے" کلمۂ نفی جس چیز کے پہلے جوڑ دیجیے وہی نابود ہو جاتی ہے لیکن "بے" کا دوسرا نام متناقض وجود ہے -

بے کلی - بہانہ محرومی شاہد پرستان بازاری یعنی اُجرت ..... طرب کرنے کا حیلہ -

بیکار و بیکاری - بار زمین - دھرتی کی چھاتی کا پتھر کسی شاعر کا قول ہے ؎

آدمی نارہ چوں شود بیکار
یا شود دُزد یا شود بیمار -

مگر حرف تشقیق (یا) جمیع حدود کا احاطہ نہ کر سکا - کیا معنی کہ شغل بیکاری ہزاروں بیکاروں کی چوری اور کسی بیماری - اجی اٹھاؤ قلم اور بن جاؤ کسی اخباری کاغذ کے ایڈیٹر - یا رسالے کے مدیر - ورنہ لیڈر بننا تو بالکل آسان ہے - یہ بھی نہ سہی - پیری مریدی کی پختہ ہانڈی اور مذہبی چولھے کی آتش افروزی دال گلانے کی ذمہ دار ہے - یہ نہیں تو شکار کھیلو شاعری کرو - یہ سب اقسام بیکاری ہیں -

بیگار - وہی جو بیٹھے سے بھلی ہو جاتی ہے ؎

آؤ دُگا کا چوسر کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

مگر یہ مفید چیز زبردستوں کو بن مانگے مل جاتی ہے -

[1] تصرف بر بنائے قانون تمدن جدید

قانون منع کرتا ہے مگر جن لوگوں کے ہاتھ میں قانون کے اونٹ کی باگ ہے وہ مانعت کی چلنے نہیں دیتے۔ لہٰذا اسے نعمت بے نتیجہ سمجھنا چاہیے۔

بھیا پار - ایمان کا جوڑا ہے۔

بیت المال - معرب در اصل "پیٹ المال" تھا یعنی حسبقدر مال مردم ہے پیٹ میں بھرتے چلے جاؤ جب خلافت فنڈ ہوجاتا ہے انگوٹھا فنڈ۔

بیل - پشو جوڑ گھوڑا تا ہے مگر اس سے لوگ رشتہ جوڑتے گھبراتے ہیں ہا! خدا کسی کو کسی کا شوہر نہ کرے۔ **بیل** بالکسر (یائے مجہول) ڈرونیوں کی اصطلاح میں بیل پڑنا "گانے بجانے کے اثنا میں انعام پانے" کے ہم معنی ہے۔ ایک میوہ بھی ہے مگر خدا اس کے رسوا کن اثر سے بچائے۔ ورنہ ایک مرتبہ چور کو پکڑوا دیا۔ چور صاحب چارپائی کے نیچے چھپے تھے۔ متقدائے خانہ اپنی اہلیہ سمیت چارپائی پر دراز تھے اتنے میں چور کی بو آئی۔ گھر بھر میں بیل کسی نے کھایا نہ تھا۔ لالٹین لوسیں یہ دھی (لڑکی) کا پادگھی کا بہو کا پادھی دکھن ملا ہو! مشتعل کا ہر اتر الونگ شپاری "یہ بیل پادے کون پادا؟" چلیے ڈھنڈیا پڑی اور بیچارے دھرے گئے (یوشیدہ نہ رہے کہ پاد، فحش نہیں ہے ٹھیٹ اردو میں ریح بطن اور ٹوز کا یہی ترجمہ ہے۔ اسکے علاوہ نقل قول کی مجبوری۔ مزید براں لغت کے نقص کا خیال بھی ہے)۔

بیلا - انگریزی باجا۔ پائل پیدا ہوا ہے یعنی دیوبیکر اوپر سر نیچے۔ ٹیڑھی انگلیوں سے راگ کاگھی یہی باجا نکالتا ہے۔ اُلٹا ان لپسند کرنے والوں کو مرغوب ہے۔

بین - بالکسر وہ ساز جو بھینس کے آگے بجانا چاہیے۔ اور اگر بجانے والے کیٹس و بیجوڑ بین ہوں تو ہندوستانیوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھینس (گر ددھاری) بننا اور پاگر (جگالی) کرنا مفید ہے۔

بین - بالفتح مُردے کے اوصاف ذاتی کا پروپگنڈا۔

بھائی - سہیم مساوی خصم اور نوار۔

بھابھی - تفریح گاہ برادر شوہر (دیور)

بھات - بنگالیوں کا پلاؤ۔

بھاجی - بھات کی زوجہ۔ (مادہ)

بھاٹ - اخبار نویس جو کسی لیڈر کی پالسی کا پابند ہو

بھاپ - کرمد فریق کا وکیل۔

بھیا ما - عرق غیرت۔ کونسل کے سرکاری ممبروں کی اسپیچ جو کسی خود غرضی کی حمایت کرنے والے قانون کی ضرورت پر دی جائے۔

بھدا - شعر جو غیر مانوس الفاظ سے مرکب ہو اس عنز ے کی صفت جو نہ چاہنے والے ملاقاتی سے کیا جائے

بھانڈ - جو اپنی حالت یا حرکت پر دوسروں کو ہنسنے کا موقع دے۔

بھگتیا - بھانڈ کا جوڑ۔

بھولا - (لواو مجہول) بھولا پن امیر کی حماقت کی صح۔

بھیک - ڈر و دُعا۔

(تمام شد ردیف با)

(باقی آئندہ)

راقم

ع بلوری

نوٹس نسبت دکھانے وجہ کے (نمونہ عام)

بعدالت جناب سب جج صاحب بہادر اول ہرائچ

نمبر ۱۲۲ سنہ ۱۹۲۹ء مدعیہ ترمیم ڈگری حسب دفعہ ۲ ضابطہ دیوانی

بابو کندن لال ولد لالہ گوپی ناتھ مالک فرم موسومہ کندن لال لچھمن لال قوم اگروال ساکن محلہ کھیب گلی شہر لکھنؤ

بنام

۱ سندھیشر ولد گنگا پرشاد قوم برہمن حصہ ساکن ڈیوالی محال شہر کانپور

۲ شنکر ولد سورجبل قوم برہمن سوکل محلہ انور گنج شہر کانپور

۳ لالہ راجپوت ولد نا معلوم قوم اگروال، مالک دکان موسومہ بہاری لال راجپوت واقع محلہ جرنیل گنج شہر کانپور

۴ لالہ شنبھو رام ولد نیمال قوم اگروال مختار عام دکان موسومہ تلسی رام چھالا واقعہ محلہ نیا گنج شہر کانپور

۵ لالہ کا بلرام ولد نا معلوم قوم اگروال مالک دکان موسومہ کالو رام نند کشور واقعہ محلہ نیا گنج شہر کانپور

۶ لالہ جگنا تھ ولد نا معلوم قوم تعال مالک دوکان موسومہ کلو لال جگناتھ واقعہ محلہ جرنیل گنج شہر کانپور

۷ مسماۃ چمپلی کنور بیوہ سورجبلی قوم برہمن سوکل ساکن محلہ انور گنج شہر کانپور بر مکان بے شنکر سوکل مدعا علیہ

چونکہ مقدمہ مندرجہ عنوان میں مدعا علیہم مندرجہ بالا بہ اوجود اجرائے احکام کرر سے کررتعمیل تونکل نہیں ہوئی ہے لہٰذا بذریعہ اشتہار اردو پنچ اخبار لکھنؤ مدعا علیہم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ بتاریخ ۹ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء حاضر عدالت ہوکر پیروی مقدمہ کی کرو ورنہ تمہاری غیر حاضری میں درخواست ترمیم ڈگری کا تصفیہ کیا جائیگا۔

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

غزل

جو حصہ دے کے سنتا ہے غزل اے مہرباں میری
تو پہلے سامنے رکھ دیجیے وہ ہانڈیاں میری

ارے صیاد سنو اپہلے سیڑھی ساتھ لے نڈوں کی
وگرنہ ہاتھ آئے گی نہ شاخ آشیاں میری

مری مادہ کو مجھ سے لبس سے پہلے لا کے ملوا دو
اگر صیاد ہیں مدنظر دلجوئیاں میری

ہوا اور یوں ہوا افطار روزہ ہجر جاناں کا
بڑے سوکھے ہوئے انکے دہی کی پھلکیاں میری

کہا شاد دیکھ لے سارا زمانہ ربط اُلفت کا
چلو یونہی سہی شکر تمہاری کھمیاں میری

جواب عرض مطلب یہ کہا لیلیٰ نے مجنوں سے
تمہیں اپنی پڑی ہے اور ہے فاقہ سے ماں میری

بدست عوام فروخت کے لیے

سمن بغرض انفصال مقدمہ

(آرڈر ۵ قواعد ۱۰ و ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء)

نمبر مقدمہ ۶ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت جناب منشی شیخ ظہور حسین صاحب بہادر اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول اسٹیٹ متعلقہ ضلع رائے بریلی۔

لالہ جیتی لال ولد لالہ ہرسی رام قوم مہاجن ساکن گھنڈونڈوارہ زمیندار موضع لیبو کٹرا سنجنہ پرگنہ ندو پور مدعی

بنام

مسماۃ پھول کنور زوجہ ٹھیری سنگہ و دیوت رجوسری سنگہ بیسران گوپال سنگہ و مکھا رام سنگہ ولد لسو سنگہ [illegible] کنور زوجہ جیکہ قوم ٹھاکر ساکنان نگلہ بھوری نزد مانداری پرگنہ ابھیل ضلع بدایوں و ساکنان نیوبر سنگہ ٹھاکر ساکن ادری کٹرہ پختہ پرگنہ ندو پور و رام سنگہ و نایر سنگہ و رکھو بیر سنگہ پیسران اودو سنگہ قوم ٹھاکر ساکنان گڑھی چاچیری تحصیل کا سگنج زمینداران موضع اولائی کھوٹیشہ پرگنہ ندو پور مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بقایا مالگذاری حسب دفعہ ۲۲ ایکٹ نمبر ۳ سنہ ۱۹۰۱ء دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۹ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء وقت ۱۰ بجے دن کے بمقام اسٹیٹ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور کل امور متعلقہ تنقیح مقدمہ کا جواب دے سکیں یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جو ایسے سوالات کا جواب دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعویٰ کی کرو اور ہرگاہ جو تاریخ تمہاری حاضری کیلئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر تمہارا اعتماد ہے حاضر کرو اور دستاویزات جن پر تم بتائید اپنے جواب دہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بلغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲۳ ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۹ء جاری کیا گیا۔

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

غضب خدا کا بچّوں کی شادی کردی!
دہت تمہاری آرزوؤں کی ایسی تیسی"
دھرے گئے دلِ خانہ خراب کے بدلے

عیب ندارد
نکاح تو شد جرم - پھر آؤ یونہی سہی

ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
دیکھیے پھولوں کی لاج رکھیے گل عارض کے رنگ سے انکار رنگ پھیکا ہوا جاتا ہے۔ خوشبو درکار ہے
تو یہ عطر حاضر ہے
کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

-ضرورت ہوا۔ سامنے بورڈ لگا تھا مگر التفات کی ضرورت نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ وکیل کے دفتر میں بجز کرسی کا غذ یا کتابوں کے سوا اور ہوتا ہی کیا ہے۔ محرر اور وکیل شرفیوں لٹو کرسی پر بیٹھے "واللہ بھیج" کا وظیفہ پڑھتے اور قسمیل چبا کے جی بہلا رہے تھے۔ بڑے میاں نے پوچھا حضرت یہاں کیا بکتا ہے" دونوں میز بان ہنسے اور بنانے کے طور پر کہا "یہاں بیوقوف بکتے ہیں" بڑی بی ابتک خاموش تھیں دیدے مٹکا کے بولیں "پیارے چلو یہ دوکان تو اجڑ گئی ہے ساری دوکان میں صرف دو ہی رہ گئے ہیں"

(۵) ایک دیہاتی شہری جوڑا آکسفورڈ پہونچا اُسوقت سٹیشن میں لفٹ نکل رہا تھا۔ لگ چکا تھا آپ جانیے لفٹ پر پہلے پہل چڑھنا آسان نہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ تحت الثریٰ میں دھنسے چلے جا رہے ہیں بڑی بی کی سانس تلے اوپر ہونے لگی۔ بڑے میاں کا ہاتھ پکڑ کے بولیں "پیارے اس آفت سے بچاؤ اگر یہ نہیں تو پیارے ضرور مر جاؤں گی" بڑے میاں نے گھبرا کے جواب دیا:-

"جانی کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ سٹیشن والے کمبخت صرف ماشہ بھر تھوکنے پر بھی چالیس شلنگ جرمانہ وصول کرتے ہیں۔"

(۶) ایک باشندۂ ڈبلن شاعر امریکہ گیا۔ وہ پہلی دفعہ میں "لکھن چکر" پر جو سوار ہوا تو۔ بادِ رفتاری نے حواس پراگندہ کر دیے چلا کے کہنے لگا "پناہ بخدا نہایت اندیشناک"

امریکن ساتھی "بالکل ہنم"

ڈبلن ٹی "آہ۔ تم اہل امریکہ بہت جلد سرگرم ہو سکتے ہو"

(۷) ایک بڑی بی پہلی مرتبہ ریل پر سوار ہو کر بیڈ فورڈ کی عازم ہوئیں۔ بارنسٹیل جنکشن پر بیڈ فورڈ جانے کے لیے گاڑی بدلنی پڑتی ہے۔ قلی نے کہا "میڈم کیا آپ بیڈ فورڈ جائیں گی" میڈم تھیں مہذب۔ جواب دیتی اُن کی بلا۔ جب گاڑی فراٹے بھرنے لگی تو جھلا کے بولیں "یہ گستاخ کہیں کا۔ جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام۔ زبردستی مخاطب کرنا چاہتا ہے"

بہرحال خدا حماقت کو باقی رکھے۔ چاہے کہیں ہو۔

فاطمہ بغیر حماقت کے عقلا کی زندگی بے حلاوت اب کیجیے اسمبلی میں بم پھینکنے والوں کی گستاخی کمبختوں نے خواہ مخواہ تخاطب کا ڈول ڈالا فقط

شمس الہدیٰ

منطق آرا بیگم بنام حکومت ہند

سنو بوا۔ میں بہت دنوں سے ہندوستان کی رُت بدلی ہوئی دیکھ رہی ہوں اور یہ بھی کہ فراج کے بگاڑ سے تم بھی بچی ہوئی نہیں ہو۔ تمھارے دل سے لگی ہے کہ کسی نہ کسی قوت (تالون) کی گرمی سے بغاوت کا بیج جل جائے اور پھر اگلے سے دن پلٹ آئیں مگر بوا کسی کی جوانی پلٹ کے آئی ہے جو تم یہ ہوس رکھتی ہو سنتی ہوں کہ زلیخا نئے سر سے جوان ہو گئی تھی مگر دنیا بھر میں ایک عورت اگر جوان ہو لی بی تو کیا ہوا۔ میں بھی بڑھیا رہی تم بھی بڑھیا ہو اور دوسری عورتیں بھی بڑھیا ہیں۔ اسکے علاوہ بی زلیخا جوان ہوئیں بھی تو پھر عزیز مصر کا پہلو نہ گرما سکیں۔ ہندوستان یوسفؑ نہیں وہ تو ہے ہی عزیز مصر ہے اسکے لیے تمھیں جوانی کی ہوس نہ ہو تو اچھا ہے۔ اور اگر گلٹیاں بدلوا کے تم نے جوانی کا رنگ روپ نکالا ہے تو اس بڈے سے کو بھی گلٹیاں بدلوا کے جوان بننے دو اسلیے کہ کوئی جوان مرد اپنی نانی کی پہلو نشینی پسند کرتا ہے نہ پھپھی کر ڈیل جوان عورت دادا کی سیج آباد کرنے پر مائل ہوتی ہے۔

لالچ اور ڈر یہ دو چیزیں ضرور کچھ دنوں کے واسطے اس قسم کا رشتہ جوڑ دیتی ہیں مگر یہ رشتہ کچے سوت کا ہوتا ہے۔ اے ذری سا جھٹکا لگا اور پھسپھسے ٹوٹ گیا۔ نہ رہا تے ہیں تو سانٹھ گانٹھ ہو سکتی ہے اس نگوڑے، شیشے ہیں رشتے بھی نہیں ہیں جو سانٹھ لگے عورت بے رشتے ہو یا مرد بے رشتہ ہر حال جیک اور سانٹھ قبول کرنے کی صلاحیت ایک ہی میں ہوتی ہے لالچ یا خوف سے جو بناوٹی رشتے پیدا کیے جاتے ہیں وہ موافق مزاج نہیں ہوتے وہ غرض کے رشتے ہوتے ہیں۔ ابھی قیصر جرمنی کی مرحومہ بہن ان رشتوں کا رونا روتے روتے مری ہیں اور یہ پہلی مرنے والی نہ تھیں جنھوں نے دولت کا لب لگا کے ایک جیو رو بے رشتہ جوان سے سانٹھ گانٹھ کی۔ غریبوں کو تو یہ دن میسر نہیں ہوتے۔ اُن کا نام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے لیکن بادشاہ زادیوں اور امیروں میں سیکڑوں ایسی مثالیں ملیں گی۔ مرد جوان ہوا تو لالچ یا خوف کے مارے ظاہر میں بڑی بی کا پاؤں مرید بنا رہا۔ ادھر آنکھ اوٹ ہوئی اُدھر کسی چھبیلی پر ڈورے ڈالے۔ اسی طرح عورت جوان ہوئی تو چھپا چھپا کے اپنے ہم سن سے آنکھ لگا بیٹھی۔ یہی دُنیا کا دستور ہے۔ بوا تم خود بھی ماشاءاللہ عقلمند ہو رولٹ ایکٹ کی دھمکی کا نتیجہ دیکھ چکی ہیں کہ ساورش کا دڑ بہ کھل گیا۔ اور ایسا کھلا کہ اب اصلاحات اور اختیارات کی طمع بھی اسے بند نہیں کر سکتی۔ تم لالچ دلاتی ہو مگر تمھارے دشمنوں کو بھاتی نہیں۔ وہ اپنے کام میں مشغول ہیں۔ اِدھر اُدھر کے واقعات سے میں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ انتقام لینے کا جو طریقہ اب اختیار کیا گیا ہے وہ گزشتہ طریقہ کی بہ نسبت زیادہ خوفناک ہے یعنی نوجوانوں کے دلوں میں یہ اُمنگ پیدا ہو گئی ہے کہ جتھا قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک یا دو آدمی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں اور کھلم کھلا جرم کر کے اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہن لیں یا پھانسی کے تختہ پر جھوجھولیں۔ اسوقت ایک مقدمہ میرٹھ میں چل رہا ہے۔ دوسرا لاہور میں پھول پھل رہا ہے دونوں قضیوں کا دل حکومت کی نگاہ میں بھی بہت بڑا ہے اور رعیت کی نظر میں بھی۔ اس مقدمہ بازی کا فیصلہ جو کچھ ہو اس سے بندی کو غرض نہیں یعنی ملزم بری ہو جائیں تو اُنکی تقدیر اور پھنس کے سزا پائیں تو تمھاری تدبیر۔ میں تو یوسفؑ کی بھی خیر خواہ ہوں زلیخا کی بھی۔

معاملہ حُسن و عشق کا نہیں غرض اور لالچ کا ہے خود غرضی اور ہوس کی جگہ جب تک حُسن و عشق کو نہ ملیگی اُسوقت تک ایک طرف جان پر کھیل جانے اور دوسری طرف پکڑ دھکڑ جیل خانے بھیجو سولی دو کا تماشا ختم نہ ہوگا۔ خفیہ بغاوتی انجمنیں اب قائم نہونگی۔ اسمبلی بم کیس کے ہیرو مسٹر بھگت سنگھ کے بیان کا خوانی مطلب مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ ٹہر جاؤ

ضعیفی دور کرنے کی تدابیر

موت کو کوئی نہیں روک سکتا لیکن امریکہ کے سائنسدانوں نے ضعیفی دور کرنے کی تدابیر نکال ہی ڈالی ہیں صبح چارپائی پر پڑے پڑے اعضاء کو حرکت دیتے رہئیے پھر نہ کبھی قبض کی شکایت اور نہ دیگر بیماریوں کا اندیشہ رہیگا۔ اعضاء کو کس طرح حرکت دینی چاہئیے اس کے واسطے کتاب میں ۴۲ تصاویر دی گئی ہیں کسی اُستاد کے سکھانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب زیادہ تر بیماریوں کے واسطے مفید ہے جو گھوڑے کی سواری اور ورزش وغیرہ کرنے کا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے بدہضمی بواسیر اور دیگر امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم خود اس کے مطابق عمل کر کے فائدہ حاصل کر چکے ہیں اس کتاب کی صفات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی ہے تاکہ عام طور پر لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ملنے کا پتہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

جس طرح طلوع آفتاب سے

تاریکی کا دور ہونا قدرتی امر ہے

اسی طرح مقویات سرتاج عالم اننگ نگرہ گولیوں کے استعمال سے قبض۔ بدہضمی۔ خون اور مادہ تولید کی خرابی۔ جریان بدخوابی اور دیگر امراض مخصوصہ کا دور ہو جانا قدرتی امر ہے ضرور تجربہ کریں۔ قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ ٹھیان صاحب جبر المشتہر۔ وید شاستری منی شنکر گووند جی جامنگر کاٹھیاواڑ۔

ایجنٹ اندر چند اینڈ کو چوک لکھنؤ

شرائط ایجنسی

(۱) روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم مخصوصہ کے ختم ہوتے ہی پرچہ کی روانگی موقوف کر دیجائیگی۔

(۳) بلکہ پرچہ فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کیجائیگی۔

(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چار پیسہ کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔

(۵) علاوہ خاص حالتوں کے بیرنگ پرچہ واپس نہ لئے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟

اگر آپ اشتہاری دواؤں و عطائی نسخہ جات و جاہل مغرور طبیبوں کے ہاتھوں اپنی کمائی لٹا کر صحت سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس عالم یاس میں بکفایت صحت حاصل کرنا یا بیجا و مخلصانہ مشورہ کے متلاشی ہیں۔ اگر آپ لکھنؤ کے نامور تجربہ کار اور حذاق اطبا کے مشورہ سے بلا ادائے فیس فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کا ڈاکخانہ دواخانہ معدن الادویہ کی فہرست جدید طلب فرمائیے خود بھی فائدہ اٹھائیے اور دوسرے بھائیوں کو بھی نفع پہنچائیے تمام خط و کتابت بصیغہ راز رہتی ہے

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ ۲۶ و ۲۷ ۱۹۲۸ء

(۱) اُردو کو زندہ کرنے والے دل کو تازہ کرنے والے سیاسی ادبی اخلاقی مضامین اور کارٹون کا مجموعہ خزانہ کتب میں محفوظ رکھنے کے قابل قیمت فی جلد ۲ معہ محصول ۱۱۔

(۲) سنہ ۱۹۲۸ء کی چند ششماہی جلدیں جولائی سنہ ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۲۸ء برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں قیمت مع محصولڈاک ۔

(۳) جلد سنہ ۱۶ء کے ۱ نمبر ان نمبروں میں انشا پردازی کے بہترین نمونہ موجود ہیں ظریفانہ مضامین کے مشتاقین کو جلد طلب فرمانا چاہئیے۔ قیمت عہ علاوہ محصول۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

سیاحت ظریف

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کا منظوم سفرنامہ عراق عجیب و دلچسپ نظم ہے۔ ہنسیے اور شاعری کی شاعرانہ آستادی سے فائدہ اٹھائیے قیمت فی جلد ٹکٹ بھیجکر وی پی اور منی آرڈر منگائیے۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

غذائے روحانی

معارف النغمات

یعنی

وہ لاثانی کتاب جس نے صحیح ہوا میں گرہ لگائی اور ایک گراموفون کی طرح سُروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے مہلا حرکات کا غذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے۔

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

اس کے حصۂ اوّل کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور ہندستان والے جانتے ہیں کہ تاحال موسیقی کے جز و علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کے حصہ دوم میں مصنف نے اساتذۂ فن کے علم سینہ کو

علم سفینہ بنا یا ہے

یعنی

تان سین کے عہد سے لے کے زمانۂ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائکی اور ان کے گلے سے نقل کی ہوئی ہزارہا چیزوں کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے۔

حضرت استاد محمد علی خان

میاں تانسین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں اُن سے نقل کی گئی ہیں لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیے گئے اُسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں۔ جسطرح کہ اُستاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ فی الحقیقت مصنف نے ہزاروں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکر اس کتاب کو مرتب کیا یہ حصۂ دوم نہایت مقبول ہوا تمام ہندوستان کے استادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔

اصلی قیمت علاوہ محصول صہ ہے لیکن جو صاحب آخر دسمبر سنہ ۲۹ء تک چار روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائینگے وہ ایک عیسہ کے فائدہ میں رہیں گے۔ رعایتی قیمت کا وی پی نہ ہوگا۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

اُردو زبان کی ہر قسم کی کتابیں اس پتہ سے طلب کیجئے۔ منیجر جنرل بکڈپو پاٹانالہ لکھنؤ

W S MAN IS NOT TO BE DICTATED HE IS TO DICTATE UNTO OTHERS ARISTOTLES
۱۹۲۹
LUCKNOW
1929
OUDHPUNCH
جلد چہارم
M.B.KHAN ARTIST
DOGAYON LUCKNOW

توجّہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے نتیجہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روے و رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اُس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بناء بر ایں ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انہیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کروالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار جناب نامہ مینجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند مینجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ آیا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں مینجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے مشتہرین خود اپنی تحریروں کے ذمہ دار ہیں

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں اُنھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ — نمبر ۹۲

مضامین

۲ر دسمبر ۱۹۲۹ء

جورو جان کی نسبت خیالات نادرہ

ہر وقت ہے تیرا ذکر کچھ اور نہیں — تیرا ہی کرشمہ ہے یسار اور یمیں
اے زوجۂ دلفریب جو ہے تو ہے — تیری درگاہ کا ہوں سجادہ نشیں

(۲)

تیری ہر اک ادا کا مارا ہوں میں — کر سکتا نہیں ذرا بھی تجھ سے چوں میں
تیری ہی رضا جوئی ہے مقصود دلی — جس وقت جو حکم دے وہی کردوں میں

(۳)

اے زوجۂ مشفقہ مری جان ہے تو — آسائش و عشرت کا جو سامان ہے تو
اولاد کی دولت سے غنی تجھ ہی سے — بچوں کی جیتی جاگتی کان ہے تو

(۴)

گلدستہ ہے مرد اور گلدان ہے تو — اسکو کہیں میزباں تو مہمان ہے تو
تیری ہستی سے ہے عروج شوہر — دنیا داری کی طرفہ ترجمان ہے تو

(۵)

خوش قسمت ہے فدا ہوا جو تجھ پر — جوش الفت کا تجھ سے ملتا ہے ثمر
مشہور ہے چار دانگ عالم میں تو — تیرا چرچا جہان میں ہے گھر گھر

(۶)

مقراض زباں تری جہاں چلتی ہے — سانچے میں وہاں کے گفتگو ڈھلتی ہے
دانا شوہر بھی سر جھکا دیتا ہے — الفت کی آسیا میں جب دلتی ہے

(۷)

غم کو انسان کے فنا کر چھوڑا — بحر الفت میں آشنا کر چھوڑا
کیا سحر حلال سے کیا قابو میں — دانا کو بھی نادان بنا کر چھوڑا

(۸)

الفت کا ابال اور ہیجان ہے تو — بچوں کے تولنے کی میزان ہے تو
اک بولی تین کام صادق تجھ پر — ماما۔ انا ہے اور نگہبان ہے تو

(۹)

پڑ جاتی اگر نہ تیری یاری کی لت — بڑھ جاتی دل سیاہ کاری کی لت
کیفیت الفت میں ہے جو یہ نشو و نما — اسکا باعث ہے آبیاری کی لت

(۱۰)

جو کچھ کہ کہیں اسکی سزاوار ہے تو — گھر تیرا جو نقطہ ہے تو پرکار ہے تو
پہلو میں گھس کے اسطرح بیٹھتی ہے — گویا کہ میاں میان ہے۔ تلوار ہے تو

(۱۱)

تو چاک کمہار کا۔ تو لد کی مشین — ایسا کہنا تو کچھ نہیں ہے توہین
تیری مدح و ثنا میں ہے لطف عجیب — یعنی کرتا ہوں میں خود اپنی تحسین

"ندیم"

جدید اللغات

(ردیف پائے فارسی و ہندی)

پابندی۔ خدا کے حکم کی ضروری نہیں مگر جورو جی کا حکم نہ ٹلنے پائے یہی پابندی کا "اپ ٹو ڈیٹ" مفہوم ہے بعض اساتذۂ لغت کے نزدیک "فیشن" کی پابندی اصلی پابندی ہے باقی تمام پابندیاں نقل ہیں۔ اور اسی میں اطاعت زوجہ محترمہ مدظلہا بھی داخل ہے بعض دیگر علمائے لغت کا قول ہے کہ "مادر و پدر آزاد" ہونا اسکی ضد ہے۔ اشیا اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں پس جو کوئی "مادر و پدر آزاد" ہو وہی پابند ہے۔

پاپا۔ قبلہ گاہی کا مہذب لقب "سر" نمی گویند۔

پابوسی۔ ہندوانی رسم۔ طریق اظہار عقیدت۔ دلیل ترجیح پائے جگر آلود بر جبین مصفی۔

پاپوش۔ یکے از آلات حرب زنانہ۔ پہلے گھیتلا۔ آرام پائی۔ چڑھواں۔ [illegible] زیر پائی مغلی۔ ٹاٹ بافی۔ نقشی کیمخی پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔ پھر گرگابی۔ ہاف بوٹ۔ سلیپر۔ ہاتھی مکان کا رواج ہوا اور ہرن کھری کی مستانہ لغزش نے دل لبھایا۔ اب نیئے کی نما نوک عام پسند ہے۔ جو کبھی کبھی ہندوستانی تلیوں

اطلاع تاریخ بغرض تصفیہ مراتب اشتہار نیلام

بعدالت دیوانی سب ججی اجلاس جناب مولوی سید خورشید حسین صاحب بہادر جج ماتحت ہردوئی مقام ہردوئی۔

مقدمہ نمبر ۱۴۱ ۱۹۲۶ء

مقدمہ اجرائے ڈگری نمبر ۶۰ ۱۹۲۹ء

رادھے شیام پسر تیتنی کالیچرن و مسماۃ مولاری بیوہ کالیچرن اقوام برہمن ساکن شاہ آباد محلہ دلیر گنج ڈگریداران۔

بنام

مسماۃ گلقندی بیوہ [illegible] قوم برہمن ساکن شاہ آباد محلہ دلیر گنج تحصیل شاہ آباد ضلع ہردوئی مدیون ڈگری۔

بنام۔ مسماۃ گلقندی مدیونہ مذکورہ الصدر مدیون

ہرگاہ کہ مقدمہ مندرجہ بالا میں ڈگریدار نے نیلام جائداد غیر منقولہ کی درخواست کی ہے لہٰذا تم کو اس اطلاعنامہ کے ذریعہ مطلع کیا جاتا ہے کہ تاریخ سترہ ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء واسطے طے کرنے مراتب اشتہار نیلام کے مقرر کی گئی ہے۔

آج بتاریخ ۲۸ ماہ نومبر ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری دفتر سب ججی ہردوئی ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

کی تلی کا امتحان بھی تیتی ہے۔ بکار آمد چیز ہوتے ہاتھ لگے۔ سر پڑے یا پاؤں میں آئے استعمالی چیز ہے۔ پیٹ بھرے یا نہ بھرے گر جو کما تا ہو وہ اقرار نہیں کرتا بشرطیکہ ولایتی ہو۔ اگر انہوں بھی ہو بھلے تو فقیروں میں نام روشن کرے۔ ترجمہ ہندی "جو دیا" ہے اسلیے کہ "نر و مادہ" کی قید سے خالی ہے۔

پاپ - عبادت۔ کارثواب کا انقلابی نام۔ عورتوں کو پردے میں بٹھانا۔

پاجی - ہر وہ شخص جو مخاطب سے اختلاف رائے رکھتا ہو۔

پاجامہ - غلاف محاسن زن و مرد۔ لباس قابل ترک۔ فطرت کی بے تمیزی کی اصلاح۔ وہ چیز جس سے غصہ میں انسان باہر ہو جائے۔

پادر ہوا - خیالات اہل ہند مطالبات کانگریس۔ خواب حکومت آزاد۔ ہندوستانیوں کا اتفاق ملی۔ اخبار نویسوں کا آذوقہ۔ رنڈیوں کا مقدر۔ لاٹ صاحب کی اسپیچ۔ واعظوں کی تقریر۔ عقائد و فقہیات اہل اسلام موجودہ حال کے نئے رواج ہوا عہد آزادی لی گھر بسی کا غصہ۔ بہت وسیع المعانی لفظ ہے۔

پارس - سنگ راسخ۔ جو پتھر پر رگڑنے سے تانبے کا کس دیتا ہے۔ یورپ کی مس سیمتن کے ساتھ سونا۔ بالفعل معزول شاہ ایران معزول مہاراجہ اندور اور سر آغا خان پارسی اسکا تجربہ کر رہے ہیں۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ مس وہ ہے جس سے لاکھ کا گھر خاک ہو جاتا ہے۔ میل سے آدمی مس ہو اور گھر مس نہ جائے تو وہ پارس نہیں قارورہ ہے۔ اگر اپنی شفا چاہے تو پتھر پہ گھسا کر

پارسا - کلمہ تشنیع برائے زن بدکار۔ دیگر معنی ندارد بجنس فریب الفقدان۔

پارہ - مزاج معشوق۔ دل عاشق جبتک پہلو میں ہے۔ وہ تمام پارہ جو عاشق کو مجازی بنائے وہ پارہ کا پہلو گرائے۔ تیسرے کو امیدوار بنائے۔ سب کچھ آگے سب کھو جائے۔ دولت دست ناکساں۔ قسمت اہل ہند۔ لیڈروں کی پالیسی۔ اہل فکر کی جوانی۔

پاسداری - حق گوئی۔

پاکبازی و پاکباد - باصطلاح شعرا۔ رندیوں کی صفت خاص۔ باعتبار لغت جدید وہ شے جو خواہشیں پوری کرسکتا ہو پھر بھی محروم رہے۔

پاگل - پابند مذہب۔ اسیر دام انسانیت۔ پرائے فائدے کے لیے اپنے سر مصیبت مول لینے والا۔ جو ترجمہ ہے جنون کا۔ للجنون فنون۔ دنیا میں پاگل زیادہ تھے مگر اب انگریزی تعلیم وانع جنون ہے۔

پاپڑ - بیلنے کی چیز بغیر بیلن کے بیلے جاتے ہیں ان پاپڑوں کو معدے سے تعلق نہیں ہر مصیبت پاپڑ بیلنے کی مشق کرواتی ہے۔ اہل ہند بیلنے کے فن میں نہایت مشاق ہیں۔ خصوصاً مشتاق کا قول ہے ؎

عشق وہ کھیل نہیں ہے جسے لڑکا کھیلے
ہم نے اس راہ میں ہیں سیکڑوں پاپڑ بیلے

پاچال - جولاہوں کی اصطلاح ہے۔ باعتبار جدید زمانہ اہل ... پاچال میں ... آج ... کی ... بہت ... ہو گیا پر ... ساتھ لگائی ہوئی ہے کمتر کے پھیر میں جو پڑے ہیں وہ پاچال سے واقف ہوتے جاتے ہیں۔ الفاظ دیگر پہ پیل ... ۔

پامال - آرزوہائے اہل ہند کا مسکن۔

پانگر بنگالی - رہائی غلط۔ مال وقت و مال غیر کے ہضم کا عمل۔

پاربنیہ - بھولا ہوا طرز عمل۔ "پچھا" اسی لفظ کا بگڑا ہوا مرقع ہے۔

پازیب - اسیران سیاسی کی بیڑی۔

پالش - چپڑ۔ خوشامد۔ حکام کے بوٹ پر زبان کی برش سے کی جاتی ہے۔ کام کی چیز ہے۔ قائم مقام روغن کاد۔

پاموز - موزہ دریا۔ سپیکر جس کی زبان میں لکنت ہو۔ گھنگرو باندھ کے ناچنے والی رنڈی کو بھی کہتے ہیں۔

پالان - سرکاری خطاب۔ آدمی سے گدھے کی صورت میں تبدیل ہونے کا عمل۔

پاشوییہ - حرارت دماغ کا استحالہ یعنے خوشامد۔

پامالی - اہل ہند کی آرزوؤں سے متعلق ایک وصف ہے۔

ڈومینین اسٹیٹس بمنزل برساند

کانگریس کی تیاری اور بوتلوں پر راہ پیمائی

پالودہ - زن سن رسیدہ کے رخسار۔

پٹارا - توندیلا مقرر۔ پٹاری اسکی مادہ۔

پٹن گھسی - کھردری بے آب تاب پالش۔

پٹیالا - ہر وہ ریاست جو رعایا پر مہربان ہو۔ انکی جان و دولت آبرو پر بے دھڑک تصرف کرے۔ یہانتک کہ پرائی جورو کو بھی اپنی جورو خیال کرے۔

پٹھان - کابلی ہو یا نہ ہو خانہ جنگی پر ہمہ آمادہ و ہتیار ہے۔ "ہوا لپٹھان" تبرا۔ اسی طرح اس گروہ کے لیے عمدہ صفت ہے جس طرح شیعوں کے لیے تبرا کا وصف ذاتی۔

پنجال۔ بمعنی پنچال ۔ چڑیوں کی بیٹ (لغتہ) طائر خوش فرحی کا بہانہ (اصطلاحاً) ریفارمز ایکٹ کے معجون مرکب کا جزو اعظم۔

پہلا پایہ ۔ اہل ہند کا ملوک مال۔

پردہ ۔ حماقت اسلاف ۔ قابل ترک عقلائے روزگار۔ بیماری پابندی کا گھر ۔ خلاف حسن ۔

پڑاوا ۔ جیل خانہ ۔ جہاں خام مجرم پہونچ کر پختہ کار ہو جاتے ہیں ۔ وہ مقام جہاں ہندوستانی اسلحہ بنتے ہیں اور آپس میں چلتی ہے تو چلتے ہیں ۔ نیتجتہً ہندوستانی اسی کے استعمال سے "فائز" کے مستحق ہوتے ہیں ۔

پکڑنا پکڑ دھکڑ ۔ اس فعل کے لیے تیز درکار ہے۔ پولیس اس عمل میں سلیقۂ خاص رکھتی ہے۔ "پکڑ" (الصیغہ امر) معنی مذموم ہیں مگر سرکار سے جب سرکار سے جب حکم مل جائے تو مضائقہ نہ دارد ۔ "پکڑ" حاصل مصدر ۔ مصدر کے اکھاڑے میں لیڈروں کی کشتی ۔

پگڑی ۔ سر کا لنگا ۔ اُتر جائے تو عزت ندارد ۔

پلوٹھا ۔ مقدمۃ الجیش اولاد ۔

پن گھٹ ۔ قدیم شکار گاہ عشق و عاشقی ۔

پنگھوڑا ۔ حسن فطری کا نہالا ۔

پن چکی ۔ وہ آلہ جو گیہوں کے ساتھ گھن پیسے ۔ میدہ اڑے پر کرہ جائے ۔ تجارت اہل فرنگ در ہند ۔ دہن آرسہ وہ دو دانت میں آنے کے زمانہ ثابت کرتے ۔

پنبہ دہن ۔ وہ جوان دولھن جسکے لب کا زائقہ ریشائیل دولھا چکھے ۔ جیتے جی منہ میں روئی ٹھسے ۔

پنبہ در گوش ۔ جوانی ۔ وہ مجسٹریٹ جو پولیس کے قبضے میں ہو ۔

پنچایت ۔ کچہری جسمیں انصاف مفت حاصل ہوتا تھا ۔ مگر جرمانہ (دکھی پکی) کی رقم سے قوم بھر کا پیٹ بھرتا تھا ۔

پنجیری ۔ "دعوت زفاف" اور دردزہ کا بدل ماحصل ہے

پنجرہ ۔ سینۂ عاشق جس میں طائر دل نبی جی بھیجو ۔ سنہوبی بی کا پیارا "مٹھو" بولتا ہے ۔

پٹن ۔ باپ کا پشیت ۔

پینس (فینس بھی کہتے ہیں) جنازۂ زندہ یعنی جیتے جی چار کے کندھے پر سوار کرنے والی سواری حشمت ۔

ملا ۔ ہوش دان علم ۔

پہاڑ ۔ بن بیاہی لڑکی ۔ صحبت ناگوارا ۔

پیچ ۔ ریاے معروف) ہزار نعمتوں کا بدل ۔

پھیپا ۔ ملال مشکلات دنیا ۔ (ہم معنی لپول)

پیزار ۔ آلہ حرب بیکاراں و ہیچمیرزاں ۔

پیدا کشی ۔ گناہ اوّلی ۔

پیر ۔ (بکسر اول) آنکھ پھوڑ ٹیڈا ۔ بن داموں غلام بنانے والا ۔ دزا مہ فنیع ۔ مرزوق بے محنت بجز جوان ۔ خدائی فوجدار ۔ جان مال کا مختار ۔ پدر خود ساختہ ۔

پیچش ۔ گنگری ۔ (اگر گلے میں ہو) نزلہ (اگر دماغ سے ہے) آنوں زاگر معاے مستقیم سے خارج ہو) قانون دیوانی و مال ۔ سیاسی معدے میں ہو تو آنوں کے

سمن لغرض انفصال مقدمہ

مقدمہ نمبر ۳۴۵۳ سنہ ۱۹۲۹ء

بعدالت جناب مرزا منعم بخت صاحب سکنڈ اڈیشنل جج بہادر شہر لکھنؤ

دیبا پاسرن ولد بابو کرشن سہائے قوم کالستھ ساکن کرشنا راما ہوٹل محلہ گنیش گنج شہر لکھنؤ مدعی

بنام

کرشن سروپ ساسن مدعا علیہ

بنام کرشن سروپ ساسن ولد ہری سنگھ قوم برہمن ساکن مونیا محلہ راولپنڈی

ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابتہ حق کے دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲۰ ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء بوقت ۱۰ بجے دن اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جواب دہی دعوی مدعی مذکور کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لیے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اپنے جواب دعوی کی تائید میں جن گواہوں کی شہادت پر یا جن دستاویزات پر تم استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز ان کو پیش کرو ۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہو گے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا ۔

آج بتاریخ ۲ ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا ۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری بدفتر ۱۰ بجے سے چار بجے تک

اطلاع نامہ بنام رسپانڈنٹ مشعر اطلاع تاریخ مقررہ سماعت اپیل

بعدالت ڈسٹرکٹ جج بہادر گونڈہ بمقام گونڈہ

مقدمہ اپیل نمبر ۱۱ سنہ ۱۹۲۹ء

معین الدین خاں اپیلانٹ

بنام

زین خاں وغیرہ رسپانڈنٹان

اپیل بنا راضی فیصلہ بابو بنکا موہن لال اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول مقام گونڈہ

۲ امان خاں
۳ حسین خاں
۵ ابو محمد خاں
پسران امراؤ خاں قوم پٹھان پیشہ زمیندار ساکنان موضع رجوا پور (حصہ سی) پرگنہ بہاڑا پور

۶ مساۃ مقبولن بیوہ عبدالرزاق خاں
۷ عبدالخالق خاں رسپانڈنٹ نمبر ۸
۸ عبدالرؤف نابالغ بولایت مساۃ مقبولن
اقوام پٹھان ساکنان موضع جھپا دوکا پرگنہ صدام پور ضلع بہرائچ

۱۱ صمصام علیخاں
۱۲ تعلقدار خاں
پسران لنگا خاں قوم پٹھان ساکنان موضع تندوا پرگنہ گنار اپور ضلع گونڈہ

۱۳ رام پرشن سنگھ
۱۴ رام دولارے سنگھ
۱۵ سنا کا سنگھ
نابالغان پسران گیا پرشاد بولایت مساۃ دہراجی عرف دولاری اقوام چھتری ساکنان موضع پیری ماری سنگھ بہاڑا پور ضلع گونڈہ

۱۶ ھیشم تیاما عرف بھکئی
۱۷ ترعبون نابالغان بولایت بھیشم تیاما
۱۸ ترتوکی عرف بگئی برادر حقیقی خود
پسران ڈوارشان برج بھوکن مصر ساکنان موضع دھنسا پرگنہ بہاڑا پور تحصیل و ضلع گونڈہ

۱۹ رام پیارے ولد رام بہت مصر ساکن موضع شیکولی پرگنہ بہاڑا پور ضلع گونڈہ

۲۱ مومن علی خاں ولد آباد خاں
۲۲ اسمعیل خاں ولد حیدر خاں
قوم پٹھان ساکن موضع کھنڈوری پرگنہ بہاڑا پور ضلع گونڈہ

۲۳ عبدالرحمن خاں ولد دوست محمد خاں قوم پٹھان ساکن موضع تندوا پرگنہ بہاڑا پور ضلع گونڈہ

مطلع ہو کہ اپیل بنا راضی ڈگری اس مقدمہ میں مسمی معین الدین خاں نے پیش کیا اور وہ اس عدالت میں درج رجسٹر ہوا اور اس عدالت نے تاریخ ۱۸ ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء واسطے سماعت اس اپیل کے مقرر کی ہے اور اگر خود تم یا تمہارا وکیل یا کوئی اور شخص جسکو تمہاری طرف سے اپیل مذکور میں جواب وسوال کرنے کا مجاز ہو حاضر نہ آئیگا تو اسکی سماعت اور تجویز تمہاری غیر حاضری میں یک طرفہ کی جاے گی ۔

آج بتاریخ ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا ۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری عدالت جج گونڈہ ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

ساتھ خون بہاتی ہے۔ نزلہ جھاڑتی ہے۔

پیاسا۔ (یاے معروف) خون پیے گناہ۔

پیسنا۔ دفتر کی نوکری۔

پیال۔ مایۂ تن آسانی دہقانیاں۔ قالین غربا و مساکین۔

پیام۔ پیار کا کوکا۔ نیشن برادر رضاعی۔

پیچیدگی۔ حاصل قسمت اہل ہند۔

پیپل۔ مایۂ فساد معبود۔ بنائی شریک فی الملک بھتنیوں کا آشیانہ یا کاشانۂ دارالسلطنت۔

پیتل۔ طلاے دہقانی۔

پھاپھا کٹنی۔ کمزور مقدمہ کی وکیل۔

پھیپھڑولالہ پن۔ وزیران ہند اور حضرت ویسرائے کی پالیسی متعلق ہندوستان

باقی آیندہ

راقم

ع بلہوری

کلکتہ اور انیجانب علیہ الرحمہ

مکمت مآب حضرت ناپنچ بہادر دام نبغعہ۔ بخاری سلام قبول کیجیے۔

بس یہ نہ پوچھیے کہ کہاں رہے اسکے ساتھ ہی کچھ روز کے لیے ترک وطن کا سبب بیان کرنا بھی فضول ہے۔ یہ تو وہی بزرگ سمجھ سکتے ہیں جو اصل کوئی نما سیار ہوں اور ان کا حقیقی تعلق بھی شام سے ہو۔ بہرحال کسی سبب سے انیجانب علیہ الرحمہ نے وطنی محبت کا رشتہ توڑکر سیدھے کلکتہ کی سدھیاں بھریں۔ اے حضرت! کلکتہ پہونچکر تو یہ بھول گئی۔ جو ملتا ہے اُسکی زبان کسی دوسری ولایت کی معلوم ہوتی ہے جس سے کوئی بات پوچھی "بھالو" "مرشاء" "اچھے" "کی کرے" "کوماجانچے" "اذیرچھے" کے تشاکے سننے بھالو اور ہوش بنے مُش مُش ہشا کی ژنکار سی اور اپنا سا منہ لیکے رہ گئے۔ غضب یہ کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ ٹکر ٹکر منھ دیکھتے اور ساری بہڑکا کے بیٹھ پھیر لیتے ہیں۔ ہزار وقت دوشواری ون ختم ہوا سمجھے تھے کردن کا سوش بل میں گیا رات کے بھالو کی سیاہی خواب آور ہوگئی۔ مگر ایں خیال ست و محال ست وجنوں۔ رات کیا آئی قیامت آئی۔ دو بجے رات تک کھٹ کھٹ پوں پوں بھوں بھوں کی آوازیں بیدار باش ہشیار باش کی تنبیہ کرتی رہیں۔ ۲ بجے رات کے بعد موٹروں اور گاڑیوں کی گھڑگھڑاہٹ میں کمی ہوئی ذرا دیر کے لیے آنکھ لگی تھی کہ پھر وہی دھاچوکڑی شروع ہوگئی۔ تمام رات سر پر کدال چلتے رہے اسطرح ایک ہفتہ گزر گیا۔

یہاں ہوٹلوں میں کھانے کا یہ عالم کہ الٰہی توبہ یوں تو نام گنانے کے لیے ہر چیز ملتی ہے یعنی کباب کوفتہ شامی کباب سیخ کے کباب بریانی۔ بیانب مرغ مسلّم یہ وہ اظیرہ وغیرہ لیکن کوئی ذری کھاکر دیکھے تو قدر معلوم ہو۔ انیجانب تو یہی کہیں گے کہ ایسا کھانا اللہ دشمنوں کو بھی نہ کھلائے۔ ایسے گندے ہوٹلوں سے لکھنؤ کے چانڈو خانے صفائی میں لاکھ درجہ بہتر ہوں گے۔

پیخانے کی وہ تکلیف کہ صبح کو اچھا خاصہ انسان جنگلی جانور یا لوٹن کبوتر بن جاتا ہے یعنی ایک بلڈنگ میں کم سے کم ڈیڑھ سو کرایہ دار رہتے ہیں اور بلڈنگ کے متعلق صرف دو پیخانے ہیں اب فرمائیے کہ ڈیڑھ سو آدمی ایک پیخانے میں کتنا وقت صرف کرینگے صبح جاپہنچے کمرے سے اُٹھا لوٹا لیے پیخانے پر پہرہ دینے لگا نمبر کسی طرح نہیں آتا اور پیٹ میں دھاچوکڑی مچی ہوئی ہے ایک ہفتہ تک یہ مردود نے بفراغت پیٹ خالی کیا ہو اپنے حسابوں اسکا حقہ پیا جرکین کے ساتھ ہو۔ آپ جانیے مستہ حضور یتیک پیسے ہونے پر صحت قائم ہے۔ کھانا اور کھانے کا فضلہ بنا کے پیٹ میں رہنے رہنا رنگ لایا۔ شدت سے بڑے نزلہ ہوا تپ نے گھیرا۔

اب علاج کی سوجھی اور ایک بنگالی مہربان کے ساتھ بنگالی ڈاکٹر کے یہاں جا دھمکے۔ ڈاکٹر صاحب دواخانے میں براجرہے تھے اطلاع کرانے پر بایں ہیئت منہ بناتے کھانستے کھنکارتے دونوں ہاتھوں سے دھوتی سمیٹے ننگے بدن برہنہ پا برآمد ہوئے اور اپنی زبان میں کچھ فرماکر بیٹھ گئے فاعل۔ بندۂ نجار نے اپنے ساتھی بنگالی سے (جو کچھ اردو بول لیتے تھے) دریافت کیا کہ ڈاکٹر صاحب کیا فرماکر چلے گئے؟ بنگالی بابو نے کہا کہ ڈاکٹر بول گیا ہے کہ ہم نہانے مانگتا ہے تو م (تم) لوگ کو ابھی ٹھہرنے ہوگا ہم نفٹین منٹس پیچھے (بعد) براُم (بیمار) کو دیکھنے سکیگا۔ نو بجے ڈاکٹر صاحب برآمد ہوے اور آتے ہی انیجانب کو انبی! بنگلی؟ تو بنگلی زبان میں مخاطب کیا جب کچھ سمجھ میں نہ آیا اور بجز خاموشی کوئی جواب سوجھا تو ڈاکٹر صاحب مسکراکر اسطرح گویا ہوے۔

ڈاکٹر۔ میاںجی! توم (تم) کون اجار (آزار یعنی بیماری) لے کر آیا۔

انیجانب۔ ایکہفتہ سے روزانہ بخار آتا ہے ہر وقت پیٹ میں خفیف درد رہتا ہے۔ طبیعت مالش کرتی ہے۔ کسی غذا کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی سر میں بھی درد رہتا ہے۔

ڈاکٹر۔ ہم تمرا مالش والا اور گجا (غذا) والا بات سمجھنے نہیں سکا۔ اسکو ساتھی بنگالی بابو نے سمجھایا۔

ڈاکٹر۔ اچھا! دیکھو میاںجی! یہ بنگالہ دیش ہے توم (تم) روج نہاؤ اور بھات بھی جرور کرکے کھاؤ۔ تاب توم (تب تم) اچھا رہنے سکے گا اجو داگر اس ماقف نہیں کرنے سکا تو بہوت (بہت) دیک ہوگا۔ ہم جو بولا ہے یہ جرور کرکے کرنے ہوگا۔

انیجانب۔ ایسے بخار اور زکام میں بھی غسل کر سکتا ہوں۔

ڈاکٹر ہاں البت (بیشک) کرنے ہوگا۔ ہم تمرے ڈوز دوا دیتا ہے فورنا آور س پیچھے ایک ڈوز کھانے ہوگا اور دودھ کھانے ہوگا پھر (پھر) سالہ بخار دور بھاگ جائے گا۔

تین خوراک دوا لے کر واپس آیا اور حسب ہدایت چار چار گھنٹہ بعد دوا پی۔ بخار تو نہ آیا مگر زکام خشک ہوگیا کوہ بینی کی آبشار بند ہوئی۔ اور نچلی سوت آدمن بن کے پھوٹ بہی یعنی پیچش شروع ہوگئی۔ ساری رات پیخانے میں بیٹھکر گزاری صبح

"ناچ کھلاڑی کھلاڑی دھنک دھنا - دمڑی کے پٹے باز ہیں"

'صبت بازیگر صحوارده ... دزد دکاں برده بیازی دره'

گل صبحدمے بجور برآشفت و بریخت
با باد صبا حکایتے گفت و بریخت
بدعہدی دہر بیں کہ در چندیں روز
سر بر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت
اگر موسم خزاں میں بھی تازہ پھولوں کی نکہت سے لطف اٹھانا ہو تو اصغر علی محمد علی عطر سازان چوک لکھنؤ
سے عطر کی ایک شیشہ طلب کیجیے۔ بہار باغ ناپائدار ہے۔ اور اسکی خوشبو پائدار ہے

ہدایت کے موافق غسل کیا اور حال کہنے کے لیے ڈاکٹر کے پاس چلے غسل کرنے کے بعد راستہ کی ہوا کا یہ اثر ہوا کہ دونوں جانب پسلیوں میں درد سے حق ہمسائی ادا کرنے کی ٹھہرائی ڈاکٹر صاحب کے گھر پہونچتے پہونچتے درد قابل برداشت نہ رہا اتفاق سے ڈاکٹر صاحب اپنے برامدہ میں ٹہل رہے تھے دیکھتے ہی فرمایا۔

کہو میاں جی! کہا رغبا نہ تو نہیں آنے سکا۔

اینجانب - اجی بخار گیا چولہے بھاڑ میں اب تو جان پر بنی ہے تمام رات چھینک رہی زکام خشک ہو گیا اور اب نہانے کے بعد سے پسلیوں میں شدید درد ہے۔

ڈاکٹر صاحب - اوہ! اسکا فکر (فکر) مت کرو اب شالہ بخار نہیں آنے سکے گا آج فیور چھوڑ بھرتی ڈوز دوا کھاؤ۔

اینجانب - ارے صاحب سینے کے درد کی آپ کچھ دوا دیجیے

ڈاکٹر - ہم بولتا ہے تم کو ہم ادکی فیور مت کرو یہ سب شالہ ہمارا دوائی سے بھاگ جائے گا۔

اینجانب - بس! جناب اپنی دوا رہنے دیجیے آپ کی ڈاکٹری سمجھ گیا خدا جانے کون خوش قسمت مریض ہے جو آپ کے علاج سے اچھا ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے یہاں سے اٹھکر حکیم دہلوی صاحب کے مطب میں آیا حکیم صاحب حال سن کر ہنستے

رسالۂ معیار لکھنؤ

ادبائے سخن سنج و شعرائے ہنرمند رسالہ معیار کو اب تک بھولے نہونگے جو گزشتہ دور اشاعت میں رسائل پر بس ٹھہ بے عیب گہرائے آبدار پیش کرتا رہا

یہ رسالہ پھر انجمن معین الادب لکھنؤ آئندہ ماہ جنوری ۱۹۳۱ء سے اپنے تمام قدیم خصوصیات کے ساتھ پھر نکلنے والا ہے۔ لکھنؤ اور دیگر مقامات کے ادبا میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں انھیں نیست و نابود کرنا اسکے اجرا کا خاص مقصد ہے۔ تنقید و اعتراضات سے قطعاً احتراز کیا جائیگا۔ ادبی تاریخی اخلاقی نظم و نثر مضامین اسمیں شائع ہوں گے اور انجمن معین الادب کے مشاعرہ کی غزلوں کا انتخاب بہ ترتیب حروف تہجی و تقابل کوائف حسب دستور سابق بھی پیش کر تا رہیگا۔ ہر انگریزی ماہ کے دوسرے ہفتہ میں ہر پابندی وقت شائع ہوگا۔ خریداران سے پہلے درخواست ہے کہ اس کی قلمی اعانت میں سعی فرمائیے۔

المشتہر

سید منظر حسین تہذیب سکرٹری انجمن معین الادب لکھنؤ

فرمایا کہ یہ ملک مرطوب ہے یہاں بخار کی حالت میں غسل کرنا اچھا نہیں بھلا بتائیے میں کوئی طبیب ہوں خیر نادم ہو کے چپ ہو رہا حکیم صاحب نے نہایت توجہ سے نبض دیکھی۔ دونوں وقت کی دوا بارہ آنے میں آتی ہے اب بخار بالکل نہیں آتا درد بھی کافور ہو گیا البتہ ابھی ضعف ہے۔ خدا ہندوستان اور کاروباری شہروں کی ٹھک ٹھک سے محفوظ رکھے اللہ کسی کو کلکتہ نہ لائے اور اگر میری طرح کوئی شامت زدہ آ جائے تو ان بنگالی ڈاکٹر صاحب کے قریب ہو کر نہ نکلے اور نکلے تو سب سے پہلے گور و کفن کا انتظام کر لے۔

راقم

بیمار مرکوب قیس پوری از کلکتہ

مولانا پنچ کی نوٹ بک

ایجوکیشنل گزٹ

یہ ایک اردو رسالے کا انگریزی نام ہے جس کے ایک جھوڑ پانچ اعلےٰ تعلیم یافتہ افاضل (گریجویٹ) بی ٹی ناظم و راقم و مؤلف و مدیر ہیں۔ خوبصورت چھپائی ہے عمدہ سفید چکنا موٹا کاغذ ہے - لال سنہرا اور نیلی سیاہی لگائی ہے۔ پس کوئی تعجب نہیں اگر علاوہ ذراج محکمہ تعلیم الاطفال پنجاب یوپی بمبئی پریزیڈنسی بہار اڑیسا - کیور تھلہ و پٹیالہ کا دل اسے دیکھ کے لوٹ پوٹ ہو گیا یہ کھلونے بالے بھولوں کے،،

ہم بارہا عرض کر چکے کہ ریویو (تنقید) کی

ضرورت

ایک مسلمان معلمہ خاتون مسلم گرلز پرائمری سکول (مدرسۂ نسواں) کے لیے درکار ہے تنخواہ حسب لیاقت دی جائے گی۔

درخواستیں جلد بنام سکرٹری منیوسپل بورڈ اٹاوہ یوپی آنی چاہئیں۔

المشتہر

سکرٹری منیوسپل بورڈ اٹاوہ

فرمائش ہم سے نہ کیجیے۔ ہم ایک مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں کیا معنی کہ آجکل تنقید کے معنی ہیں مداحی اس مداحی میں صدق سے کنارہ کشی جزو اعظم ہے۔ آپ ہی کہیں تو پبلک سے فریب کیا نہیں تو آپ سے مفت کی ٹھائیں ٹھائیں مول لی۔

کم از کم آپ دل میں یہ تو ضرور کہیں گے کہ اودھ پنچ ایک بد بین پرچہ ہے۔ اسے اپنے سوا اوروں میں ادبی محاسن نظر نہیں آتے۔ واللہ حضرت آپ کا خیال غلط ہے۔ اودھ پنچ یعنی اینجانب سے زیادہ اردو کی ترقی دیکھ کے خوش ہونے والا کوئی شخص نہ ہوگا۔ دوسرے کے نقص کا اظہار اینجانب کے کمال میں اضافہ نہیں کر سکتا۔

اب آپ ہی ملاحظہ کیجیے "افکار حفیظ" کے عنوان سے جو نظم شائع ہوئی ہے ؎

ابھی چاہتا ہوں بہت دور جینا

بہار آفرینا - بہار آفرینا

طلاب کے کس مرض کی دوا ہے خصوصاً یہ مطلع ؎

عبادت کی لذت نہ جی بھر کے پینا

یہ کیا زندگی ہے - نہ مرنا نہ جینا

شاعر نے وقت ضائع کیا اور آپ نے پرچے کا ایک صفحہ ایسے فضول اشعار سے ضائع کر کے طلاب کے دماغ میں گند بھرا۔ علے ہذا القیاس خیالات احسن ؎

ہلکا سا تبسم جوانی ہونٹوں پہ رقصاں ہے

شوخی سے حیا شاید اب دست و گریباں ہے

مطلب یہ ہوا کہ جب شوخی اور حیا دو چڑیلیں جوتی پیزار کرنے لگیں انکے تیور دیکھ کے تبسم ہونٹوں پہ ناچنے لگا۔ "تبسم بھی کس کھنک کا لونڈا ہے؟ دوسرا

اعلان

اناؤ اور رائے بریلی کے اضلاع میں کینال کی کچی سروس روڈ پر موٹر روڈ رولر چلانے کے لیے ایک ہوشیار مستری کی ضرورت ہے۔ کہ جس کی درخواست معہ تعداد تنخواہ مطلوبہ و نقل سرٹیفکٹ فوراً بنام جناب صاحب اکزیکٹو انجنیر بہادر ناگڑ ڈویژن سارودہ کینال بمقام لکھنؤ آنا چاہیے۔

مطلع سنیئے ؎

دل ذرّہ سے قائف ہے صحرائے گریزاں ہے
جوشِ جنوں تماشہ پیرِ دست و گریباں ہے

ذرّہ کوئی آگیا جنجال ہے جسے دیکھ کے دل ڈرا اور جنگل سے دم کی لنگوٹی کر گیا۔ مگر دل ماجسب ڈرے تو ذرّے سے اور وحشت و خرد میں ہجرت مشت خواہ مخواہ ہونے لگی اب سمجھ میں نہیں آتا کہ وحشت و خرد کی جنگ سے دل ڈر کے بھاگا یا ذرّے کی ہیبت سے اور اس ذرّے " مردود کو وحشت و خرد سے کیا علاقہ ہے ؟

پھر فرماتے ہیں ؎

آوارہ مزاجی پر نکہت کی نہ جا غافل
برباد تو ہے لیکن گلزار بداماں ہے

مطلب یہ ہوا کہ نکہت گُل کے اندر نہیں بلکہ گلزار اپنے دامن میں لیے پھرتی ہے۔ گُل اور گلزار ایک ہی چیز ہے ؟ گُل نکہت بداماں ہے یا نکہت گلزار بداماں ؟

دوسرا شعر ہے ؎ وحدت بھی ہے کثرت بھی جلوت بھی ہے خلوت بھی
نکہت ہے نہاں گُل میں گلشن میں پریشاں ہے

یہاں وحدت بمعنی خلوت ہے اگر نہیں تو پھر ذکر کثرت سے مراد شئے واحد کی وسعت ہے۔ دو اصطلاحیں اہل تصوف کی برباد کی گئی ہیں۔

انھیں نظموں پر منحصر نہیں جتنی نظمیں ہیں سب اس رنگ میں باورنگ کی ہیں۔ نثر مضامین کسی قدر درست ہیں مگر طلباء کے دل و دماغ پر کسی خاص قسم کا اثر پیدا نہیں کر سکتے مثلاً " بیت کا پھل " ایک معقول مضمون ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حامد اور زبیدہ کی پرورش ایک ہی جگہ ہوئی سب ستور زمانہ محبت کے پینگ بڑھے مگر ماں باپ کے مرنے کے بعد میاں حامد چلے گئے اپنے چچا کی تولیت میں۔ چچا تھے پاجی انھوں نے کٹنا پالر کے حامد اور زبیدہ میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ زبیدہ حامد پر بقول انشا۔ " نگاہ ولکا نخی " اُس نے دہر کی پوری شیشی حلق میں انڈیل کے دارالبوار کی راہ لی۔ یہاں حامد جو زبیدہ کے یہاں پہونچے آئے تو خبر سُن کے بیہوش ہوئے نعش پر زار گرگئے۔

نوجوانوں کو " ایجوکیشنل گزٹ " کا دیا ہوا یہ سبق یاد رکھنا چاہیے جس سے حُسنِ اخلاق اور عقل کے دفتر مرتب ہو سکتے ہیں۔ دہمبر کی تلقین ہے نہ قول فکریہ کا صحیح استعمال بتایا ہے نہ کوئی تنبیہی تعلیق یا حاشیہ ہے۔

زبان کے متعلق ہم کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔

باعتبار قیمت رسالہ مفت ہے عوام سے تین روپیہ سالانہ۔ شاگردان مدارس سے ڈھائی روپیہ سالانہ۔ جالندھر (پنجاب) سے شائع ہوتا ہے اُمید ہے کہ محکمۂ تعلیم جس سے ایک کم اڈیٹر شاگردان مدارس کو دلوا رکھی ہے بچانے کی جانب زیادہ توجہ فرمائینگے۔ اگر مدارس قیس عامری کی درسگاہ عشق ہوگئے تو لینے کے دینے پڑ جائینگے۔ دہر کی شیشیوں کی ڈانٹ کھلنے لگی صاحبزادے لنگوٹی باندھنے لگیں گے اور میں تو ہوں گا کتنے پھر ہنگے فوج طفلاں کنکر پتھر کے ساز و سینگڑے سے آراستہ ساتھ ہوگی۔ یا پھر لیونا ٹک اسیلم (پاگل خانہ) کے ہوسٹل میں زنجیر و زنگو درستی سے تشویق بٹھائیگی۔

بہرحال اصلاح عقل کی ضرورت ہے۔

ہائے مونزا اور ہائے حطّی

یہ علامت ہے اُن اخبار نویسوں کی جو دوسرے کی

استقبالی بادِ بہاری میں کانفرنس کی ڈھال لیکر قلم کا بھالا سنبھال کے شریک ہونگے۔ چھوٹی لا والے سید ام العمت ہیں۔ بڑی ح سوائے حقیقت اور مقبولیت ۔ جدت کو شکایت پیدا ہوئی کہ امید پنچ کا " ثالث " اور " سرفراز " کے " سین " اور " پارسے " جیم " نے کیا قصور کیا تھا۔ جہاں تک " الف " کا اس بحث سے تعلق ہے یہ کہنا مناسب ہے کہ پیارو اگر ہم اس مصیبت میں پھنستے تو اللہ بُرا کا موقع ابھی ہم کو شکر گزار ہیں فہرست مرتب کرنے والوں کے جنھوں نے ہیں ایذائے محض سے بچایا آئی گئی بڑی " ے " اور " چھوٹی ڈ " والوں کے سر گئی۔ یہ اپنا حج کرینگے اپنا تیج کرینگے ملنا ملانا جھنجھی کوڑی نہیں۔ بقول بدنصیبوں کے : خاک لگے نہ خاک بچے خاک دھیلے میں بھر لے ۔ ؎

چشم سو روپیہ مار و ثانی و اردو پکس یہ ٹیسو کے ساتھ " چاند سورج کی جوڑی " کا ترجیع بند کہنے والے بھی مزے میں رہتے ہیں۔ " انگلی جھنجھیا چھلی چوٹ " میں حصہ بانٹ تو ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بھی نہیں۔ اس بادِ بہاری کے جلوس نے شکریہ میں اگر اخباری قلم کی آزادی (بذریعہ سرٹیفکیشن) وائسرائے صاحب پاس کردیں تو خیر یوں بھی سہی۔

ہم اُن لوگوں میں نہیں جو طفیلی بن کے جائیں اور جب پرسش ہو کہ تم کون ؟ تو کہیں ہم وہ ہیں جنھوں نے آپ کو باقاعدہ بلانے کی زحمت نہیں دی بلا عذر چلے آئے۔ یہ بھی تو نہیں کہا کہ " خاکسار اڈیٹر بولے نجار میں قتیل " ہے۔

المختصرات

جنگ و لیل صلح ۔ ہزور اسلحہ دخانیہ نت نئی جنگ جو خوش نصیب آزاد حکومتوں میں ہوا کرتی ہے رو کی جائیگی اسلیے امریکہ نے اکیس کروڑ ڈالر درستی نظام فوج میں صرف کر دیے۔ بہانہ اچھا ہے۔ دوسری حکومتیں بھی اسی حیلے سے کام لینگی لہٰذا اب " امن و امان " آبادی ہیں ہندوستان کے حق میں سہی کشتگان لشکر کے حق میں کوئی شبہ نہیں۔

ایک نئی جنگ ۔ خاکسار اڈیٹر میں اور عواق دہر میں چھڑ گئی ہے۔ ہم عذر کرتے کرتے شرمائے جاتے ہیں ناظرین ہر طے شکایت کرکے پشیمان ہونگے۔ آہ ! کوئی امریکہ اس جنگ لیشیانی کو ختم کر دیتا۔ خدا نے یہ منحوس سال ختم کر دیا۔ آئندہ سب اچھا ہی اچھا ہوگا۔ زندگی با امید قائم ہے۔

اطلاعنامہ بنام مدعا علیہ نابالغ و ولی

بعدالت جناب منصف صاحب بہادر منشی مقام سلطانپور
پیشی ۱۸ ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء

مقدمہ نمبر ... سنہ ۱۹۲۹ء

بھگوان بخش سنگھ وغیرہ — مدعی

بنام

لال سنگھ وغیرہ — مدعا علیہ

بنام مسماۃ درپتی نابالغہ دختر سورج بلی بولایت باپگھریر پرشاد وکیل ساکن اتروسا پرگنہ الدیو تحصیل کادیپور ضلع سلطانپور ہرگاہ مقدمہ مندرجہ عنوان میں مدعی نے ایک درخواست گزرانی ہے کہ مدعا علیہا نابالغ کا ایک ولی دوران مقدمہ مقرر کیا جائے لہٰذا تم نابالغ کو اور تم کو ذریعہ اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر تعمیل اطلاعنامہ ہذا سے اندر پیشی ۱۸ ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء کے اندر ایک درخواست اس عدالت میں نسبت تمہارے یا تم مسماۃ درپتی نابالغ کے کسی دوست کے ولی دوران مقدمہ مقرر کیے جانے کی نہ گزرانوگے تو عدالت کسی اور شخص کو نابالغ مذکور کا ولی واسطے اغراض مقدمہ کے مقرر کر دیگی۔

آج بتاریخ ۵ ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت — دستخط حاکم بخط انگریزی

وقت حاضری بعد فرصت ۱۰ بجے سے نو بجے تک

ضعیفی دُور کرنے کی تدابیر

موت کو تو کوئی نہیں روک سکتا لیکن امریکہ کے سائنسدانوں نے ضعیفی دُور کرنے کی تدابیر نکالی ہی ڈالی ہیں صبح چارپائی پر پڑے پڑے اعضاء کو حرکت دیتے رہئے تو پھر کبھی قبض کی شکایت اور دیگر بیماریوں کا اندیشہ نہ رہے گا۔ اعضاء کو کس طرح حرکت دینی چاہیئے اس کے واسطے کتاب میں ۲۴ تصاویر دی گئی ہیں کسی اُستاد کے سکھلانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب زیادہ تر بیوپاریوں کے واسطے مفید ہے جو گھر سے باہر سیر اور ورزش وغیرہ کرنے کا موقعہ۔ نہ ملنے کی وجہ سے بدہضمی بواسیر اور دیگر امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم خود اس کے مطابق عمل کر کے فائدہ حاصل کر چکے ہیں اس کتاب کی صفات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی ہے تاکہ عام طور پر لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ملنے کا پتہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

جس طرح طلوع آفتاب سے

تاریکی کا دور ہونا قدرتی امر ہے

اسی طرح مقویات سرتاج عالم اننگ نگرہ گولیوں کے استعمال سے قبض۔ بدہضمی۔ خون اور مادہ تولید کی خرابی۔ جریان بدخوابی اور دیگر امراض مخصوصہ کا دور ہو جانا قدرتی امر ہے ضرور تجربہ کریں۔ قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ۔ بلکہ ڈبیاں چار روپیہ

المشتہر۔ وید شاستری منی شنکر گووندجی جامنگر کاٹھیاواڑ

ایجنٹ اندر چند اینڈ کو چوک لکھنؤ

شرائط

(۱) روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے فوائد مستثنیٰ ہر پرچہ کی روانگی موقوف کر دی جائیگی۔

(۳) بلکہ پرچہ فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔

(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چار کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔

(۵) علاوہ خاص حالتوں کے پرانے پرچے واپس نہ لئے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟

اگر آپ استاتذہ اودیات و عطائی نسخہ جات و جاہل مغرور طبیبوں کے ہاتھوں اپنی کمائی لٹا کر صحت سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس عالم یاس میں بکفایت صحت حاصل کرنا یا سچا دنفصات مشورہ کے متلاشی ہیں۔ اگر آپ لکھنؤ کے نامور تجربہ کار اور حذاق اطبا کے مشورہ و نسخہ جات سے فیض فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک کارڈ لکھکر دواخانہ معدن الادویہ کی فہرست جدید طلب فرمائیے خود بھی فائدہ اٹھائیے اور دوسرے بھائیوں کو بھی نفع پہنچائیے۔ تمام خط و کتابت صیغہ راز رہتی ہے

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ ۱۹۲۷-۱۹۲۵ء

(۱) اُردو کو زندہ کہنے والے دل کو تازہ کرنے والے سیاسی ادبی اخلاقی مضامین اور کارٹونوں کا مجموعہ خزانہ کتب میں محفوظ رکھنے کے قابل قیمت فی جلد ہے معہ محصول۔

(۲) سنہ ۱۹۲۰ء کی چند ششماہی جلدیں جولائی سنہ لغایت دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں قیمت مع محصول ڈاک ہے۔

(۳) جلد سنہ ۱۶ء کے ۱۵ نمبر ان نمبروں میں انشاپردازی کے بہترین نمونہ موجود ہیں ظریفانہ مضامین کے شائقین کو جلد طلب فرمانا چاہئیے۔ قیمت عہ علاوہ محصول۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

سیاحت ظریف

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کا لکھنؤ سے ظریفانہ عراق تک عجب دلچسپ نظم ہے۔ تشبیہ اور شاعری کی شاعرانہ اُستادی سے فائدہ اُٹھائیے قیمت فی جلد ٹکٹ بھیجیئے یا وی پی اور منی آڈر بھیجئے ہے۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

غذائے روحانی

معدن النغمات

یعنی

وہ بے نظیر کتاب جس نے ہندوستان بھر میں ایک گراموفون کی طرح سُروں کے صحیح طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے مع حرکات کاغذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے۔

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

اس کے حصہ اول کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تاحال موسیقی کے جزو و علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کے حصہ دوم میں مصنف نے اساتذۂ فن کے علم سینہ کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

تان سین کے عہد سے لیکر زمانۂ حال تک صدہا اساتذہ فن کی گائی ہوئی چیزیں نقل کی ہوئی ہیں اور نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے۔

اُستاد محمد علی خان

میاں تانسین کے آخری یادگار تھے صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں اُن سے نقل کی گئی ہیں بلکہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر رہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدائے کتاب میں لکھ دیئے گئے اُسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں۔ جس طرح اُستاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ انکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ فی الحقیقت مصنف نے ہزاروں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے حصۂ دوم نہایت مقبول ہوا تمام ہندوستان کے اُستادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔

اصلی قیمت علاوہ محصول ہے لیکن جو صاحب آخر دسمبر سنہ ۲۹ء تک چار روپیہ بذریعہ منی آڈر ارسال فرمائینگے وہ ایک روپیہ کے فائدہ میں رہیں گے۔ رعایتی قیمت کا وی پی نہ ہوگا۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

اُردو زبان کی ہر قسم کی کتابیں اس پتہ سے طلب کیجئے۔ منیجر جنرل بکسٹال و پوپاٹانالہ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

M.B.Khan

توجہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں، مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے فیض مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور [illegible] کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس کی نقلیں بھی کرتے ہیں اور کرتے بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جہت زمانے کی [illegible] بے رو رعایت لکھنؤ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے پرچے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہرحال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپ کے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو ہر ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بسلامت۔ بنابریں ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان صدق اگر اپنی بےبسی سبب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انہیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اٹھائیں مذہب یا وضعداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ کھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے منیجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گمشدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے انکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے مشتہر خود اپنی تحریر کے بذمہ خود ذمہ دار ہیں

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی مصلحت پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور ان کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص ان میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ ان کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۴۳

مضامین عیر

بابت ۹ دسمبر ۱۹۲۹ء

گفتگوے گربہ و موش

گربہ بگرفت موش را ناگاہ | گفت اے دیگونہ است احوال
موش با گربہ و قسم گفتا | نہ ز حال آگہم نہ ز استقبال
کرد تا ریک دیدگان مرا | دیدن رویت اے بدیع جمال
گربہ گفتا خموش باش فضول | کاز تملق نمی شوم اغفال
من "بدیع الجمال" کے بودم | از زمان قدیم تا الحال
موش گفت ایں شکستہ نفسی ہا | ہست دستور صاحبانِ کمال
ورنہ حسن و جمال و فضل شما | حائے چشمہ است و آب زلال
حال تکلیف ایں ضعیف ذلیل | چیست اے قائم بلند اقبال
کشتن یک ضعیف بے چارہ | نیست درخورد صاحبان جلال
وانگہے بے گناہ و بے تقصیر | خون ناحق مسلم است وبال
گربہ گفتا کہ لفظ بے گنہی | در کلامت نمودی استعمال
گنہے نیست بدتر از دزدی | کہ ترا ہست مسلک و آمال
موش گفتا کہ نسبت دزدی | بر نژاد من ست لفظ محال
گربہ گفتا کہ بعد استنطاق | می شود واضح از شما افعال
لتہ و کتہ تا بود انبار | گنجہ و تاچہ سفرہ خورد و جوال
ہمہ از دزدی تو سوراخ شد | ہست گرشتہ تو یا دلال
موش گفت اے تو عدل را دستور | بری از دزدی است ایں اعمال
من مفلس ز فرط گرسنگی | می برم غلہ بہر اہل و عیال
گربہ گفتہ درست ایں مطلب | از حبوبات جملہ بر تو حلال
دشلی پیرہ زن نمودی ریش | پارہ کردی ازاد نخ غربال
طرہ سوزنی معاززہ عروس | بچہ علت بجویدی اے محتال
پولہائے ضعیفہ را بردی | کن بیاں احتیاج خود بربال
فرش غلطی و رخت خواب و گلیم | کلہ و کیوہ و مسامہ و شال
سیدری ریش می کنی ہمہ را | نیست انہا متاع از نقال
ادحبوبات نیست ایں اشیا | لیس شمائی مخرب اموال
دزد بیت گر درو ے حاجت بود | شاید اندر جوات بود اہمال
لکن الآن در سیاست تو | عازمم در کمال استعجال
نوشش جان کرد موش فربہ را | برد کیفے از ایں جواب و سوال
اے مہندس حقیقت دزدی | کار موش است نیست کار رجال

مہندس دستگردی

دزدی کی مذمت شاعر کو مقصود نہیں۔ نظم مذکور فی الحقیقت ایک پولیٹکل نظم ہے جسمیں بہ دلائل معقول اپنے پیٹ بھرلے کا سامان بی گربہ خانم لے گیا ہے۔ بندر بھی (ایک موذی) جانور ہے اور چوری کیا سرزوری پہ ہر وقت تعیں رہتا ہے۔ یہ بات قابل تفصیل ہے کہ بی گربہ خانم میاں بندر سے کیوں مواسہ نہیں کرتیں۔ آجکل ایران کی شاعری ملکی اور وطنی فوائد پر مبنی ہوتی ہے جسمیں لفظی صحت کی پروا نہیں کی جاتی۔ اردو کی جان پر گریہ وزاری بیکار ہے فقط

اڈیٹر

سال حال کی آخری ہچکیاں

لگا ہے تار ہچکی کا خبر رحلت کی آتی ہے

مرگ پر خوشی بد اخلاقی ہے شرط یہ ہے کہ مرنے والا جاندار ہو۔ یہ سال ۱۹۲۹ء تفتگی جو فضاے عالم پر چھایا ہے کسی جاندار کی نشانی ہوتی تو ہمیں بھی رنج ہوتا اور بھی آنسو بہاتے۔ مگر کیمیا ساز مختلف دھاتوں کے کشتے بنا کے خوش ہوتے اور خوشی کے آنسوؤں سے بھی گال تر نہیں کرتے۔ دیدوں کے قرع معکوس میں اجال جونی بھی پیدا ہو یہی حال قدرت کا ہے اگر آج اُس نے حکمت کی کُنجی کی تُھدی بنا کے سیماب زمانہ کی کپڑ مٹی (گل حکمت) فرمائی اور تدبیر کی خشت رکھ کے رواداری کی آنچ سے انگائی اضطراب دفع کرنے کی ٹھہرائی ہے تو ہفتہ روز بعد شہد سہاگے گھی (آب حیوۃ کیمیائی) کا غوطہ پھر اس اُڑ چکنے والی دھات کو زندہ کر دے گا۔ پھر وہی جنوری (جانوری) ہو گی وہی فروری (فروری) ہر چند کہ سال کا خاتمہ اور ایک سال کا عمر کی مدت سے گھٹنا ہے مگر جس چیز کا ضرر محسوس نہیں ہوتا اُسکی پروا کوئی نہیں کرتا۔ بہرحال

کٹے خوشی سے تو ہے عمر خضر بھی تھوڑی | وگرنہ نیم نفس بھی بہت ہے جینے کو

ہنسنے ہنسانے والوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ بن آئے یا جائے ہر ہچکی پر گھونٹ آب آتشیں کا نوش فرمائیں۔ صداے "ہک ہک" کو مغنی و مطرب گلے کی "مرکی" سمجھیں اور بھاؤ بتائیں:-

پہلی ہچکی

تُہہ ہک ہک ہک ہک ہک ہک | ملکی دھندے سب گئے
خالق باری سرجن ہار | ملکی بیڑا لگا دے
ہک ہک ہک ہک ہک ہک ہک

دوسری ہچکی

گول میز کا چل گیا داؤں | اسم اللہ خدا کا نا
نا ٹکا بھید کہ اندرون بھید | کالا اجلا سیہ سفید

بہتا پانی ہو جائے گا۔ بالفضل "جگہ جاہ صرف چاہ" کی حکمت اور قضیہ "زمین بر سر زمین" کے سپرد کر جاتا ہوں۔ اگر حیات کا چراغ باقی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ شورہ پشت پڑوسی آپ کو کتاب سیاست کا سبق پڑھا جائینگے۔ اور "امن بعد از فساد" پر نہایت عمدہ لکچر دینگے۔ میری امریکن بی بی کی اولاد، روسی بی بی کی اولاد سے ساز باز کر کے چین میں چینی کا ڈھنڈورا پیٹیگی۔

یہ خوب یاد دلایا۔ یورپ کو کس کے سپرد کیا؟

یہ بالفعل بے ایمانی کے حوالے کیے جاتا ہوں۔ اسکے ملک کے نقرہ کا حق مجھے مدت ہوئی کہ چھین گیا۔ اہل کفر اسے اللہ میاں کی لاڈلی اولاد کہتے ہیں دنقل کفر کفر نباشد) میری خورد بین عینک مجھے بتاتی ہے کہ علمی ترقی کی راہیں ان پر کشادہ رہینگی لیکن عالمگیری کا مادہ ضعیف ہو جائیگا یعنے تمام عالم کو اپنی ملک سمجھنے کا جنون رفتہ رفتہ دفع ہو رہا ہے۔ آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ جنگ سے بھی بڑی ایک لڑائی ہوگی جو ان مختلف گوری قوموں میں بیر بہوٹی کے خواص پیدا کر دیگی یعنی جب یہ دیکھیں گی کہ آس پاس کوئی نہیں تو رینگنے کے لیے ہاتھ پاؤں نکالیں گی۔ لیکن ادھر کسی دوسرے نے چھوا اور ادھر ہاتھ پاؤں پیٹ کے نیچے سمٹے۔ عدو جسم وہی ہو گئے جو پہلے تھے۔

"خیر بھتیجی یہ تو ایک خواب ہے جسکی تعبیر خدا جانے کب ملے گی۔ اب یہ بتائیے کہ اہل فریقہ کا حشر کیا ہوگا۔ انھیں کس پر چھوڑ چلے؟"

"ابھی یہ توقعت سے یورپ کی سیاسی خوراک بنے یورپ کے پیٹ میں ہیں لہذا کسی کے سپرد کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں چلتے چلاتے صرف ایک عام تجویز پیش کیے جاتا ہوں کہ ان مستعمرات کے باشندوں کی نسل کی حفاظت کی جائے۔ ورنہ جسطرح ڈاکٹر ڈارون کا باوا آدم ایک مرتبہ کارخانے میں ڈھلا پھر مشین ٹوٹ گئی اور آدم ساز کمپنی کا دیوالا نکل گیا اسی طرح یہ موٹے ہونٹ کالی رنگت والی لنگولی بند نسل بھی مادۂ تولید سے محروم ہو جائیگی اور سڑا اورنی باوا آدم کے نسلی اجزائے ترکیبیہ کا ادنیٰ اثر بھی باقی نہ رہے گا۔ ممکن ہے کہ اس بابا آدم کی مرد دلپسند ہمدردی سے کام لے۔

"بجا ارشاد ہوا۔ ایسی تجویزوں کا حشر یہ ہے

وہی ہوگا جو سرزمین فلسطین نے اپنے ہمدردوں کی عنایات سے دیکھا۔ اب یہ فرمائیے کہ نسل امریکانی کا ولی حقیقی آپ کسے قرار دیتے ہیں؟"

"لاحول ولا قوۃ یہ تو نرے ناشدنی انسان ہیں۔ خونریزی (سفک الدماء) کا حق سلب کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ میاں نے جب آدم کو پیدا کر کے خلیفہ روئے زمین بنایا تو مردم شناس فرشتوں نے خونریزی اور جنگجوئی کی بو پا کے حضرت باری سے وجہ پوچھی کہ یہ خونی جانور اس عہدے کا مستحق کیوں قرار دیا گیا۔ حضرت احدیت و صمدیت نے صاف جواب نہیں دیا یہی فرمایا کہ میں جانتا ہوں تم کچھ نہیں جانتے۔ گردنیں جھک گئیں۔ پس معلوم ہوا کہ خونریزی بھی انسانی خواص طبیعیہ میں داخل ہے۔ منطق کہتی ہے کہ سلب شے عن نفسہ محال ہے لہذا جو انسان ہے وہ کسی نہ کسی وقت خونریز بھی ضرور ہے۔ تم دیکھو گے کہ تخفیف اسلحہ و سد باب خونریزی کی تجویز بھی ایک معرکۂ جدال و قتال آراستہ کرے گی۔ خونریزی کے نئے اوزار گڑھنے میں امریکا والے ....

....

کسی طرح اہل یورپ سے پیچھے نہیں لہذا انھیں اپنجانب ان کی متضاد طبیعت کے سپرد کرتے ہیں۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ آپ سارے زمانے کا حال تو پوچھ گئے بھولے تو اپنے وطن شریف کو۔ ایک صاحب کے پاس نتھو اونٹ تھے ہر منزل پر پہنچ کے ونٹوں کا جائزہ لیتے تھے جب گھر

"پنڈت جی بتاؤ تو سہی کیا ہونا ہے۔ ہوا اڑ رہا ...."

"چپ! ... کہ چپ کی داد غفور رحیم دیتا ہے ...."

میرے نیچے نوا رست پر بیٹھے بیٹھے شمار کا لگا لگایا گروہ تنو کی جگہ ننانوے رہ گئے۔ تو وجہ کیا؟ حضرت ..ن اونٹ پر سوار تھے اُسے شمار نہ کرتے تھے۔ آپ بھی ننانوے کے چکر میں پڑ گئے - اپنی سواری کا اونٹ نہیں گنتے؟"

"نہیں حضرت - ہندوا ہے وطن کو بھولا نہیں بات یہ ہے کہ میرا وطن، میرا ملک ' وہ شمال ' سرحد کا آپ اور آپ کے پیش رو چلے ہی آتے ایک زبردست ولی کے سپرد کر چکے۔ ولایت کے منتظامیں نابالغ اور اسکے ولی سے ٹھائیں ٹھائیں جھائیں جھائیں آجکل زوری ترقی پر ہے"

"جی ہاں - مگر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان شرائط میں ہندو نے کیا ترمیم کی ہے؟"

"اماں جاؤ اپنی ایسی تیسی میں - تم بیچارے کیا ترمیم تنسیخ کروگے - زبانی جمع خرچ کے سوا تمہیں آتا ہی کیا ہے - بڑے آئے ترمیم تنسیخ کرنے والے شملہ والے اعلان کی سالگرہ ہر موقع پر ہوتی ہے - بڈھیا سٹھیاں جب کسی جانب سے آزادی کا مطالبہ ہوتا ہے تو اسی اعلان کا حوالہ دے کے فرماتے ہیں بی بی کا پیارا پیارا مٹھو

سب کو خدا اور خدا کا رسول

نہ غافل ہو اور خدا کو نہ بھول

لیبی جی بھیجو مدد انڈیا آفس کی - دم رخصت و رحلت تم نے بھی کلمہ محمد کا دل سے بھلایا - وہی سبق دہرایا تو کیا کمال کیا - میرٹھ میں ایک مقدمہ کھڑا کر کے چلے - لاہور میں دوسرا فساد برپا کر کے دیئے آگئے ہی بساتین گو بٹک " کتنے دلوں کو پٹوا دیا - مذہبی بغاوت کے بھوت کی آڑ پکڑی اور ملکی بیداری اس بہانے سے غفلت کی تھپکی بلائی تمہارے دم قدم کی برکت سے وائسرائے اور صدر اسمبلی سر بمہر سب ہوئی - پیرا ایسا بھاگوان تھا کہ ہم پر سر کونسل چلا - انتقامی قوت کی بانکی نوجوانوں کو دکھانی پڑی - بٹلر کمیشن بنا کے بیکار خواہ مخواہ تم نے خالی کرایا - اب کہاں تک تمہاری بے مروتی کا رونا رو ئیں اور انقلاب کا آ لگا گائیں - ہم تو آئے تھے مزاج پرسی کرنے - تم نے

اُسکے عوض دل دکھانے کی ٹھہرائی - اچھا اب فراغ پرسی ہو چکی - بھلا جس کا مزاج خود ہی نا ساز ہو وہ کسی کی مزاج پرسی کیا خاک کریگا - تم پر اور تمہارے مزاج پر لعنت - جاؤ دفان ہو خدا اب تمہارا منہ نہ دکھائے - فقیر کی آخری پیشن گوئی سن لو کہ ایک زمانہ لینی تمہارے منہ بولے بچے بالے تمہیں کبھی بھولے یاد نہ کرینگے - تمہاری ہڈیاں پسلیاں منتظم ہیچ دیکھ لیا میں بہت گندی جائینگی تم ابھی تک سال تھے نکلنے کے ابھی "بل" اور "بیل" کی صورت اختیار کر گئے یعنی ترقی کے بعد تنزل عالم عالم ہوگا - یہ نہ سمجھنا کہ اپنے بارہ اعضا و جوارح کے ساتھ مدتر عالم تمہیں کسی خزانہ میں تھیلی کے اندر بھر کے رکھے گا ابھی تم لپیٹ کر دوں آئے اور چلے گئے کرۂ ارض کے تمام باشندوں میں سے صرف انسان ہی کی نوع ہے جسے تمہارے ساتھ علاقہ رہتا ہے جنتریاں بنتی ہیں -

گھڑیوں جیبوں کلائیوں اور دیواروں میں نصب ہوتی ہیں ایک ایک پل گنا جاتا ہے ایک ایک گھڑی کی جہ سنائی جاتی ہے جو ہم نہ ہوتے تو دنیا میں تمہارا کوئی نام بھی نہ لیتا کہ میاں ۱۹ سنہ کون تھے اور بابو ۲۹ سنہ کس کھیت کی مولی ہیں - ہمارا تمہارا حسن سلوک اور تمہارا یہ برتاؤ کہ مار کھیل بگاڑ کے رکھ دیا کسی پر سانحہ وارد ہوئے - بیماریاں ہوئیں تو ویسی ہی جان لیوا - پولیٹیکل رنج میں وہ گرہیں وہ گتھیاں پڑیں کہ الٰہی توبہ - ساری چوتھ تمام اُمنگ مفلس کی جوانی ہو کے رہ گئی جس کی جوانی کو دیکھتے ماتھا ڈھیلا نظر آئے - خوب ہوا کہ اصلاحات ہند کا سلسلہ تمہارے عہد میں ہیوں کا تیوں رہا - کانگریس کا اجلاس بھی تمہارے اندر میں نہ ہوتا تو اچھا تھا - دیکھو ابکی لاہور میں یہ قومی جلسہ ہونے والا ہے پنجاب وہ مقام ہے جہاں ہر شخص ہر مسئلہ میں پیغمبر اور خدا بننے کی ہوس رکھتا ہے - خود مسلمانوں کے سو دو سو فرقے (یعنی گھر پیچھے ایک فرقہ) وہاں ہیں کوئی چھپن فیصدی حقوق مانگتا ہے اور کوئی سو فیصدی پر اڑا ہوا ہے بعض ایسے ایثار والے بھی ہیں جو ازراہ انکسار صفر فی صدی پر قناعت کرنے کو موجود ہیں - خیر تمہیں

قدرتی جیل خانے کے داروغہ کی حفاظت و حمایت میں سونپا"

"اجی تم تو خواہ مخواہ بگڑتے جاتے ہو - ہماری جانب کی برائیاں تمہارے نوک زبان پر ہیں مگر خوبیوں سے عمداً چشم پوشی کرتے ہو - دیکھو ابھی کل ہی کا ذکر ہے کہ ہماری جانب نے اپنے ایک صاحبزادے سے پیر ہوس جوان سر آغا خاں کی شادی دھوم سے رچائی - ہندوستان میں بوڑھیا دولہن جب کہیں رسے بیاہ کے آتی ہے تو سسرال کی ٹھٹھولیاں دولہن کا دل اس گیت سے زخمی کرتی ہیں :-

"بڑھاپے بیٹی یہ سسرال سے خطاب آیا

کہا یہ دولہا نے نانی کا اب شباب آیا

مقابلے میں کہیں ستی ہے اور نہ تنجن ہے

عوض میں نیل کے شیشی بھر خضاب آیا

اُڑ چکے بال جن سے تھی صورت کا نور

کہیں دولہن کو جو غصے نہ پیچ و تاب آیا

یہاں معاملہ برعکس ہے - دولہا نے سن سفید اور دولہن نے سرخ و سفید بالفعل شادی کی مبارکباد دی گائی جاتی ہے

لٹ کھولے بال سنوارے گھونگھٹ اٹھلا بنا

اس ہیبے کو نیڑی سو ہے چیٹ پٹا چوے گال بنا

آگے کا حال خدا ہی جانے - میاں بیٹی تو نیز ہر دولہن ہے ولایتی یہ کیفیت رہی " ہر ہونڈ و اس کشتی کا جن بلڑھا ڈھونڈ ہے سواری ، ہاں یہ ممکن ہے کہ شیخ چلی کی بکری بنا کے بدھ دنے کی مینگنیاں " کروا چھوڑے -

"ابے چپ - خدا تجھے غارت کرے - ایک شادی کروائی اُسکے بارے میں بھی بُری فال زبان سے نکالتا ہے - ہمارے ہز ہائینس کو خدا نے خدائی کا مرتبہ دیا ہے لیس بخدا وندان معاف کند خدا ہند - وہ مرشد برحق ہیں جتنے کام اُن کے ناحق ہیں وہ سب حق ہیں - جب نور خاص کا تقاطر فیض نا متناہی تقسیم کرے گا دنیا تر جائے گی -

جھگڑا مچا ہی کو لے چلا سہرا لا بنا

ہمارے ہز ہائنس ہیں پیشوا ، پیشوائی بجا لائے اب اُنکی اُمت کو بھی اعتراض کا حق نہیں کہ ہماری نذر عابدانہ کی رقم عشرت کدوں میں صرف ہوتی ہے -

چین :- "ٹھہر تو سہی"
روس :- "رہ تو جا"
ماموں :- "لیوں کیوں یہ شہدپن"
دونوں :- "اچھا پھر کبھی دیکھا جائے گا"

گل صبحدمے بخود برآشفت و بریخت
با باد صبا حکایتے گفت و بریخت
بدعهدی دهر بیں که در چندیں روز
سر بر زد و غنچه کرد و بشگفت و بریخت
اگر موسم خزاں میں بھی تازہ پھولوں کی نکہت سے لطف اٹھانا چاہیں تو اصغر علی محمد علی عطر سازان چوک لکھنؤ
سے عطر کی ایک شیشی طلب کیجیے۔ بہار باغ ناپائدار ہے۔ اور اسکی خوشبو پائدار ہے

اچھا اچھا۔ جا۔ مردود کہیں کا اب نہ صورت دکھانا۔

واقف

بسمل بزمانہ

مولانا پنچ کی نوٹ بک

"ڈوسنی کا مرغ سحر خیز" اور ستیا گرہ

ایک تھیں بی ڈوسنی انھوں نے ایک مرغا پالا تھا جو صبح ہوتے ہی ککڑوں کوں کی صدا دے کے گھر بھر کو جگا دیتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز گھر کے دڑبے میں ہوئی لڑائی بی ڈوسنی جھلائیں گرستی میں لے دے کے تھا ہی کیا؟ وہی مرغا جھٹ سے مرغا بغل میں دبایا اور کہنے لگیں "لو موؤ میں جاتی ہوں اب تمھارے گھر تک صبح نہ ہوگی"

ہمارے گاندھی جی نے بھی ایک مرغا پالا ہے مرغا ہے نسل کا ولائتی آئرلینڈ سے اس کا تخم دستیاب ہوا تھا۔ اس مرغے کا نام ہے "ستیا گرہ"۔ ہندوستان میں اسکی نسل پھیل رہی ہے جس گھر میں اس مرغے کی بدولت مرغیاں انڈا سی ہوئی ہیں وہاں سے وقت بے وقت ستیا گرہ کی ککڑوں کوں سنائی دیتی ہے چنانچہ (بحوالہ حرانیما) ایک نئی صدائے "ستیا گرہ" آگرہ سے بلند ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک ڈاکٹر صاحب نے کسی بانجھ امیرزادی کا علاج گرانقدر انعام کی چاٹ میں کیا۔ مگر جب ماہ امید ہو گیا تو حق محنت کا انڈا تاخیر و بخل کی سلین سرکی سے ہو گیا گندہ۔ مریض یا اسکے عزیز نے ڈگری ڈگری کہہ دیا اب ڈاکٹر صاحب کے مرغ طبع نے مشورہ دیا کہ لگے ہاتھوں ستیا گرہ کر ڈالو۔ چرنا چگنا موقوف۔ آج نہ سہی کل جب کہ سونے کا انڈا دینے والی قسمت کڑ کڑا کے بیضہ دے گی بیضہ بامراد چوزہ نکالے گا چوزہ بڑھکے پلوسا ہوگا تو حق سعی ضرور مل جائے گا۔ یہ ستیا گرہ حقیقۃً مرغا ہے جو فاقہ کشی کی ڈوسنی بغل میں دبا کے گھر سے نکلی اور کہتی جاتی ہے "لو موؤ اب تمھارے گھر میں صبح نہ ہوگی" وہ پہر بانگ چارپائی پر موے پڑے رہنا۔

اخلاقی حیثیت سے اس قسم کی فاقہ کشی خودکشی کے مرادف ہے۔ ٹھیکے پر علاج کرنا اور تحریری معاہدہ سے بے پروائی ایک حماقت ہے پھر اپنی حماقت کا بدلہ اپنے تن پیٹ سے لینا دوسری حماقت ہے خدا کا دیا ہوا جسم انھیں خدمات میں کام آنا چاہیے جنکی ہدایت آسمانی کتابوں میں ہے "ظلم علے النفس" سفیہ و جائز نہیں۔ اگر مریض یا اسکے وارث نے کوئی دستاویز تحریر نہیں کی تب بھی کچہری کا دروازہ بند نہیں صعف کی مرغی کڑک نہیں ہوتی اور کڑک ہو بھی جائے تو قانون کا پر تھکنوں کے آرہا بگڑوں کے ورن تیا چار انڈے دلوا سکتا ہے۔ یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو دنیا کی لعنت ملامت کی بیچ سے انڈا دلوا لیتی ہے وہ خاک ہی سہی۔ مگر نیز سے تو اچھا ہے بازاریں دام کھرے ہی ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی نہ سہی تو رہ جاؤ تمھارا ایمان گیا میرا مال گیا" ایک تسلی دینے والا فقرہ یا کلمہ ہے کھسیان بلی مٹانے کے لیے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت بندہ غلام مال و بندہ زر نہیں خادم طبیعت ہے نفع رسانی خلق اللہ بندے کا فرض ہے یہ تو مریض کی خوشی پر منحصر ہے دے تو واہ واہ نہ دے تو واہ واہ۔ میں نے خالصاً لوجہ اللہ خدمت کی تھی انعام و اکرام کی پروا نہ کبھی تھی نہ اب ہے۔

سنتے ہیں کہ تین مہینے سے ڈاکٹر صاحب کے پیٹ کا دڑبا لقمہ ہائے غذا کے گول اور لمبے انڈوں سے خالی ہے۔ آنتیں ساکت و صامت ہیں۔ ابھی تک کاذب الوعد مریضہ "قی قی" نہیں کرتی۔ لوگوں نے کہہ سن کے ڈاکٹر صاحب کو "قبل از ولادت بچانہ مریضہ" دودھ پلانا شروع کر دیا ہے مریضہ پر اخلاقی دباؤ پڑ رہا ہے۔

شاید کہ ہیں بیضہ آید بریں بال عنقا آرزو

مسئلہ فلسطین یا فلس طین

فلسطین کو یہودیوں کا وطن خاص و مستقر مخصوص بنا کے مسٹر بالفور نے اپنی عقل [illegible] میں [illegible] کا سنگ" چلا یا تھا اب اس کھیل کے [illegible] دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ کشت و خون کا عمل دخل ہے اور یہ سنگ کا [illegible] معیار ٹھہرایا جاتا ہے۔ ۱۹۲۹ء کے غدر کے [illegible] کارناموں میں یہ خونریزی کہیں لکھ رکھنے کے قابل ہے جو آج فلسطین کے عربوں اور یہودیوں میں پھیلی ہوئی ہے جس سے متعلق سب کا ہم ہے کہ مسٹر [illegible] نے یہ فتنہ برپا کیا وہ [illegible] کلیات و جزئیات [illegible]

آوارۂ غربت نتواں دید [illegible]

خواہم کہ گر بتکدہ سازند حرم را

اگر فلسطین کے عربوں کی ہستی ڈھیلی [illegible] اور دوسری قوت یہودیوں کی [illegible] بڑھتی تو عالم آسان تھا۔ عرب وہی ہیں جو ایک ہزار برس سے [illegible] لیکن [illegible] قائل ہیں کہ صیہون کے یہودی ابھی [illegible] میں خالی پستول بندوق ہی نہیں انکے قبضے [illegible] تو پیں بھی ہیں فلوس طینی کا چلن انھیں آلو بنانے [illegible] رہا ہے۔

خیر یہ تو غیر ممالک کا قصہ ہے۔ آگ جانے [illegible] دھونکنے والے کی بلا جانے لیکن ہم نے بزبان بے زبانی [illegible] خبر سنی ہے کہ لوگ مسٹر بالفور کے لیے دست بدعا ہیں "یا اللہ انکی اردن کی جگہ بالفور کو سب کا وائسرائے بنا دے۔ اے ترے صدقے اے ترے قربان اپنی قدرت دکھا دے قیصر باغ ہمارے والی کوٹھی سکندر باغ بنارسی باغ چھتر منزل حضرت گنج کی متعدد کوٹھیاں ڈپٹی کمشنر کا آشیانہ یہ سب عمارتیں شہزادگان اودھ اور محلات شاہی کا مسکن تھیں۔ اب شاہی نسل تو جھونپڑوں میں رہتی ہے نہ گھر ہے نہ در ہے اور [illegible] غیرت انگلینڈ ان عمارتوں میں [illegible] اڑاتے ہیں مسٹر بالفور کو یہودیوں کی اتنی مامتا ہے کہ انھیں اپنی آنکھوں قدیم مسکن سے بے دخل نہ دیکھ سکے تو ان شہزادوں کی مامتا جو انکی قومی رعایا ہیں کیا عنک نہ ہوگی ابھی ان شاء اللہ دیکھیے گا کس طرح [illegible] آشیانہ شہزادے نواب زادے بامراد دریوں پر قبضہ کرتے ہیں یہ جناب خان بہادر راجہ صاحب [illegible] کوٹھی سے یہ ہمارے باوا جان کی بنوائی [illegible]

سُنا جناب آپ نے موتی محل سے تو بوریا بدھنا سمیٹیے کے چلتا دھندا کیجیے بس ہو چکی مروت۔ ڈیر مسٹر امپیریل کلب۔ لیڈیوں کا ناچ ختم کیجیے۔ اب یہاں آپ کی جگہ بھیروں ناچے گا۔ مسٹر با عقل آدمی منصف مزاج ہیں آپ کو یہاں الٹے بلیے ناش کھیلنے شراب لنڈھانے بھاؤ بتا کے ناچنے کا ہرگز حق نہیں " اچھی آمین! جے مسٹر بالموکی۔

مشبہ بہ کی فضیلت مشبہ پر

(سر لزلی اسکاٹ کی سعی لا حاصل کا نسوت ترجمل پانی)

فرشتوں جب کسی سے ہو وہ تجویز سعی لا حاصل
مرے اعمال میں لکھ دو یہ محنت رائیگاں کرلیا

۱۹۲۸ء میں جبر اگر ریاستہائے ہند کی جانب سے بٹلر کمیشن کے جلتوں چھڑا تھا اسکی تان ۱۹۲۹ء میں لو لی بیٹل (اندرائن) کا پھل کر واہی سہی مزہ لو رکھتا ہے مزہ گیا اپنی ایسی تیسی میں اسکی پوری چوری پیچھے کا حل گرا کے بہت سی الھڑ گنا بیکار دل کی آبرو تو بچا لیتی ہے۔ بٹلر صاحب نے خوب دوڑیں ہلکیں۔ سر لزلی اسکاٹ نے اچھی طرح اپنی جیبیں بھریں مگر حاصل نہ اتل لذی نہ اُتل لذی۔ خیر بٹلر صاحب کے لیے تو حکومت ہند نے ایک کار بیکار بمقتضائے صلۂ رحم نکالا تھا۔ البتہ سر لزلی سکاٹ صاحب کی خوش قسمتی واقعی فکر رکھنے کے قابل اور کارگزاری دل کی کھنڈی میں ٹانک رکھنے کے لائق ہے۔ یہ کارگزاری ایک بخیل کی ضیافت سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک آفت زدہ مسافر کسی بخیل کا مہمان ہوا چار ناچار بیچارے کو خاطر تواضع کرنی پڑی۔ بی بی نے کہا رکابی میں بچاتی ہوں تم مہمان کے واسطے شہد لے آؤ۔ میاں نے برتن ہاتھ میں لیا اور شہد فروش کی دکان پر پہنچے " اچھی تمہارے یہاں عمدہ شہد ہو تو اس برتن میں دے دو۔" عطار بولا " شہد تو میرے پاس ایسا عمدہ ہے کہ مکھن کے آگے شرما جائے " میزبان صاحب برتن اٹھا کے آگے بڑھے آدمی تھے شاعر تخیل نے مشورہ دیا کہ شہد تو مشبہ اور مکھن ہے مشبہ بہ مشبہ بہ افضل ہے لہٰذا شہد کیوں لو مکھن کیوں نہ خریدو۔ آگے زبادہ (مکھن فروش) کے پاس ہے یا تھوڑا مکھن دیدو مگر اچھا ہو۔

مکھن والے نے بات چکنائی " میرا مکھن اپنی چکنائی اور لطافت کے اعتبار سے روغن زیتون کو نیچا دکھاتا ہے "

پھر وہی مشبہ اور مشبہ بہ کا جھگڑا بروئے کار آیا میزبان صاحب بادیا اٹھا کے زیت فروش کی دکان پہ جا پہنچے " اے میاں زیات تھوڑا سا روغن زیتون درکار ہے مگر ہو اچھا۔ کیا معنی کہ ایک مہمان عزیز کو تناول کرانا ہے۔" زیات نے بولے روغن قائل ہو " حضور میرے روغن کی کچھ نہ پوچھیے آبِ زلال اسکی لطافت کے آگے ہیچ ہے "

اچھا اب معلوم ہوا سے
آب در کوزہ و من گرد جہاں می گردم

خدا کی عنایت سے ڈھیروں پانی گھر میں ہے مکھن افضل ہے شہد سے روغن زیتون افضل ہے مکھن سے اور زمزمیل ذات ٹھنڈا ملائم خوشگوار پانی افضل ہے روغن زیتون سے تو کیوں دام خراب کروں۔ کٹورا اٹھایا سیدھے گھر پہونچے بی بی بھوسی کی چار ٹکیاں پکا رکھی تھیں شاید وہ آجکل کی ڈاکٹرنی تھیں انھیں اندیشہ ہوا کہ نشاستہ دار چیزیں ذیابیطس پیدا کرتی ہیں۔ بیوی جب سے مکھن ہمیشہ ذیابیطس کی بیماری میں مبتلا رہتا ہے اگر وہ گیہوں کا نشاستہ نہ کھاتا تو ہرگز ذیابیطس کا شکار نہ ہوتا۔ الغرض وہ بھوسی کی کھُتری پھانسوں دار ٹکیاں مہمان کے سامنے رکھی گئیں اور خورش کی جگہ دسترخوان ہی پر بھرا کٹورا پانی کا رکھ دیا گیا۔ ایشیائی دستور یہ ہے کہ دسترخوان پر پانی کا ظرف نہیں رکھتے یہ بدشگونی ہے فاتحہ میں پانی اور کھانا ایک ہی خوان یا کشتی میں رکھا جاتا ہے۔ مہمان صاحب نے تعجب سے میزبان کی طرف دیکھا۔ صاحب خانہ آدمی زیرک اشارہ فہم نکتہ سنج تھے اس نگاہ کے معنی سمجھ گئے " فرمایا بھائی صاحب کچھ اندیشہ نہ کیجیے۔ ما شاء اللہ مشبہ بہ افضل ہوتا ہے مشبہ سے شہد سے اچھا مکھن مکھن سے بہتر روغن زیتون روغن سے بہتر آب قراح بس یہی خورش ہے۔ تصور صادق ہے تینوں ذائقے اسی ایک چیز میں موجود ہیں۔ اللہم صل پانی پی کے پیٹ بھلے بھر لیے اسکے علاوہ وکل شئی حی من الماء" ہر چیز پانی سے زندہ ہے یہی اور زندگی بڑھا کیے "

سر لزلی اسکاٹ ریاستہائے ہند کی خاطر سے کٹورا لے کے شہد لینے گئے تھے آدمی ہیں شاعر پانی پھیال میں بھر لائے ریاستیں شکر گزار ہوئیں۔ سرہارکورٹ بٹلر تو جو کچھ اُنکی تجویزیں اور اُنکے فیصلے غیر موجبہ کے نتائج ہیں وہ کلاہ مسخرگی مکلیج جواہر مصنوعی کی صورت میں پریسی کا اور مرصع پیش کر چکا۔ حضرت کے سپرد یہ کام تھا کہ اپنی تجویز سے ریاستہائے ہند کے لیے ایک عمدہ قسم کا تاج (طرز محل اعلا بیت جا کے بنوا لاؤ۔ تو وہ بنوا لائے اسے کوئی تو مداری " کی ٹھیکرے والی ٹوپی کہتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ جاے کی کیتلی جس غلاف میں رکھ کے حبس دم یا دم پخت ہونے کا سبق لیتی ہے اُسی میں شیشہ موتی ٹانک ٹونک کے لیلھارن مرغے کی دُم لگا دی ہے اللہ بس باقی ہوس۔ ریاستیں بے بس ہیں۔ واقعی ہندوستانی نکاحی بیاہی عورتیں بے بس ہوتی ہیں اور اپنی بے بسی کا اظہار گیتوں میں کرتی رہتی ہیں۔ بیچاریاں روٹھیں بگڑیں کس برتے پر سے

منگائی تھیں جھینٹیں لے آیا موا اٹیں مارے جلن کے
منگائی تھی بستی لے آیا موا اٹی ..... مارے جلن کے
منگائے تھے آلو لے آیا موا بھالو .... مارے جلن کے

اب سرہارکورٹ بٹلر فرماتے ہیں چہ غم چہ غم۔
میاں لزلی اسکاٹ کہتے ہیں ہیچ نہ غم ہیچ نہ غم
ریاستیں کہتی ہیں ...... مرے سو ہم

رہی کمبخت رعایا تو وہ انگریزی حکومت کی خود غرضی اور اپنے رئیس کی سنگدلی اور بدچلنی کی درسانتی میں پھنسی ہے چکیا گھمر گھمر۔ سیدا الگ گرتا ہے اور چوکر الگ۔ باقی در نشستہ معلوم خواہد شد۔

التماس

حضرات! سال آخر ہے قصور مجبوری قابل گرفت نہیں۔ اودھ پنچ بیشک تکلیف و تاخیر سے شائع ہوا مگر یہ سال میں اگر کچھ پرچے ناغہ ہو گئے تو بیدلی کی کوئی وجہ نہیں بلکہ عنایت اپنی خریداری کی تجدید اور بعدہ خریداران جدید کی توسیع فرمائیے فقط — ۲۰ دسمبر

ضعیفی دُور کرنے کی تدبیر

موت کو تو کوئی نہیں روک سکتا لیکن امریکہ کے سائنسدانوں نے ضعیفی دُور کرنے کی تدابیر نکالی ہیں۔ ڈرائی ہین جیسے چارپائی پر پڑے پڑے اعضا کو حرکت دیتے رہیے پھر کبھی قبض کی شکایت اور دیگر بیماریوں کا اندیشہ نہ رہیگا۔ اعضا کو کس طرح حرکت دینی چاہیے اس کے واسطے کتاب میں ۴۴ تصاویر دی گئی ہیں کسی اُستاد کے سکھانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب زیادہ تر بیوپاریوں کے واسطے مفید ہے جو گھومنے پھرنے اور ورزش وغیرہ کرنے کا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے بدہضمی بواسیر اور دیگر امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر خود اس کے مطابق عمل کر کے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کتاب کی صفات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی ہے تاکہ عام طور پر لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ملنے کا پتہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

جس طرح طلوع آفتاب سے

تاریکی کا دور ہونا قدرتی امر ہے

اسی طرح مقویات سرتاج عالم اننگ نگرہ گولیوں سے ضعف اعصاب قبض۔ بدہضمی۔ خون اور مادہ تولید کی خرابی۔ جریان بدخوابی اور دیگر امراض مخصوصہ کا دور ہو جانا قدرتی امر ہے ضرور تجربہ کریں۔ قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ۔ پانچ ڈبیاں چار روپیہ

المشتہر۔ وید شاستری ہنی شنکر گوبند جی جامنگر کاٹھیاواڑ۔

ایجنٹ اندر جیند اینڈ کو چوک لکھنؤ

شرائط ایجنسی

(۱) روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ختم ہوتے ہی پرچہ کی روانگی موقوف کر دی جائیگی۔

(۳) پانچ پرچہ فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کیجائیگی۔

(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چار آنہ کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔

(۵) علاوہ خاص حالتوں کے بیرنگ پرچہ واپس نہ لئے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟

اگر آپ اشتہاری دواؤں و عطائی نسخہ جات و جاہل و خود رو طبیبوں کے ہاتھوں اپنی کمائی لٹا کر صحت سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس عالم یاس میں بکفایت صحت حاصل کرنا یا بلا معاوضہ مشورہ کے خواہشمند ہیں۔ اگر آپ لکھنؤ کے نامور تجربہ کار اور حاذق اطبا کے مشورہ سے بلا ادائے فیس فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک کارڈ لکھکر دواخانہ معدن الادویہ کی فہرست جدید طلب فرمائیے تو دیکھی فائدہ اُٹھائیے اور دوسرے بھائیوں کو بھی نفع پہنچائیے۔

تمام خط و کتابت بصیغہ راز رہتی ہے

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ لٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ ۱۹۲۷-۲۸ء

(۱) اُردو کو زندہ کہنے والے دل کو تازہ کرنے والے سیاسی ادبی اخلاقی مضامین اور کارٹونوں کا مجموعہ خزانہ کتب میں محفوظ رکھنے کے قابل قیمت فی جلد للعہ محصولڈاک۔

(۲) ۱۹۲۸ء کی چند ششماہی جلدیں جولائی ۱۹۲۸ء لغایت دسمبر ۱۹۲۸ء برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں قیمت مع محصولڈاک للعہ

(۳) جلد ۱۹۲۶ء کے ۱۶ نمبر ان نمبروں میں انشاپردازی کے بہترین نمونے موجود ہیں ظریفانہ مضامین کے شائقین کو جلد طلب فرمانا چاہیے۔ قیمت عہ علاوہ محصول۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

سیاحت ظرافت

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب مرحوم لکھنوی کا منظوم سفرنامہ عراق عجیب دلچسپ نظم ہے۔ جس میں ظرافت کی شاعرانہ استادی سے ظاہر ہوتی ہے۔ ... ٹکٹ بھیجکر طلب کیجئے ... منی آرڈر بھیجئے۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

غذائے روحانی

معارف النغمات

یعنی

وہ بے نظیر کتاب جس نے سچ مچ ہوا میں گرہ لگائی اور ایک گراموفون کی طرح سُروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کا غذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے۔

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

اس کے حصۂ اوّل کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تاحال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کے حصۂ دوم میں مصنف نے اساتذۂ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنا دیا ہے

یعنی

تانسین کے عہد سے لیکر زمانۂ حال تک صدہا اساتذۂ فن کی گائکی اور ان کے نکات نقل کر کے موسیقی کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے۔

مصنف اُستاد محمد علی خان

صاحب نے تانسین کی آخری یادگار ہیں صدہا راگوں کی صورتیں اور معلومات اس کتاب میں اُنہوں نے نقل کی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد ... ابتدا سے کتاب میں لکھے ہوئے گیتوں کی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں۔ جسطرح کہ استاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے یہ کام نکال سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ دیگر مشاہیر کا ... اس کتاب میں ملے گا۔ نواب ... نے ہزاروں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکر یہ کتاب تیار ہوئی۔ حصۂ دوم نہایت مقبول ہوا۔ ... اس میں موجود ہے۔

اصلی قیمت ...۔ محصول علاوہ ہے لیکن جو صاحب آخر دسمبر ۱۹۲۹ء تک چار روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں گے وہ ایک جلد کے فائدہ میں رہینگے۔ رعایتی قیمت کا دی پی نہ ہوگا۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

اُردو زبان کی ہر قسم کی کتابیں اس پتہ سے طلب کیجئے۔ منیجر جنرل بکڈپو پاٹانالہ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجّہ شرط

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے تہذیب مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منہ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روے و رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

مینجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے ملک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہٰذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیں اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو چھ ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ مانجیر شما بہ سلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان علم اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انہیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا ناداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ خورد ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے مینجر کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دولتخانے پر نیازمند مینجر خود نہیں پہنچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہٰذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی نمبر روانہ ہوتا ہے اگر اُسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے لہٰذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

(۸) جن اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں مینجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے مشتہرین اپنی تحریروں کے خود ذمہ دار ہیں

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی مسلک یا پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تنقیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انہیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

مینجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ — نمبر ۴۴

مضامین

مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۹ء

مُراسلہ

مکرمی جناب ایڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ زاد لطفہٗ
تسلیم۔ مزاج مبارک۔ دیگر یہ کہ یہ غزل مع اعتراض وجواب اعتراض آپ اپنے روزنامہ میں شائع فرما دیں تہ دل سے شکر گزار ہوں گا۔ اور ایک آنہ کا ٹکٹ ہمراہ عریضہ ملفوف ہے آپ ایک روزنامہ بھی ارسال فرما دیجیے گا تا کہ میں آپ کی عنایت اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ممنون و رہین منت ہوں فقط

نیاز مند ایم عبدالحق مسلم بنارسی

غزل

کسی کی انتظاری میں یہ نقشہ روز ہجراں تھا
جو اٹھا تو پریشاں تھا جو بیٹھا تو پریشاں تھا
عبث نکلے ہے صحرا صحرا میں پریشاں تھا
یہ مشت خاک ہی میری غبار کوئے جاناں تھا
اسی کو تو زمانہ حسن کا اعجاز کہتا ہے
جدھر رخ پھر گیا تیرا گلستاں ہی گلستاں تھا
نظر کے سامنے تھا کوچۂ جاناں کہ دم نکلا
قضا آئی کہاں مجھکو کہاں کا مجھکو ارماں تھا
نہ کیونکر دشت میں گھبرا کے میری جاں نکل جاتی
چمن سے دم الجھتا تھا بیاباں تو بیاباں تھا
اسیروں کی تو اکثر لاش نکلی ہے عزیزوں کو
مرے مرنے پہ بھی برسوں مقفل باب زنداں تھا
کھلی آنکھیں نہ میری عمر بھر اس واسطے مسلم
وہ جمود اپنا جہاں میں خواب تھا لیکن پریشاں تھا

مندرجہ بالا غزل کے دوسرے مطلع کے مصرع ثانی پر جناب حکیم مقبول صاحب نامد شاگرد حضرت بیخود صاحب دہلوی و جناب منشی غلام حسین الفاضل صاحب عزم بنارسی و جناب کاظم حسین صاحب کاظم بنارسی کا یہ اعتراض ہے کہ ردیف تھا کے بجائے تھی ہونی چاہیے جیسکہ اسی بنارس کے کچھ اور بھی کرم فرما ہیں جو پس پشت تو اعتراض کرتے ہیں مگر روبرو اعتراض سے گریز کرتے ہیں لہذا میں اس اعتراض کا جواب شائع کرتا ہوں اور جن جن حضرات کو بھی شکوک رہ جائیں وہ مہربانی فرما کر اسی اخبار کی کسی آئندہ اشاعت میں شائع فرما دیں۔

جواب اعتراض

مصرع۔ یہ مشت خاک ہی میری غبار کوئے جاناں تھا۔
نثر۔ میری ہی یہ مشت خاک غبار کوئے جاناں تھا۔
(۱) جملہ اسمیہ میں افعال ناقصہ کی تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ زبان اردو میں مقرر نہیں ہے کبھی فعل کی تذکیر و تانیث اسم کے لحاظ سے ہوتی ہے کبھی خبر کی رعایت سے یہ چند مثالیں مسلم الثبوت استادوں کے کلام سے پیش کرتا ہوں جنہیں دہلی اور لکھنؤ کی شاعری کے رکن بھی ہیں ملاحظہ خاطر ہوں۔

(الف) دریائے غم سے پار اترنے کے واسطے
تیغ خمیدہ یار کی لوہے کا پل ہوا (ذوق)

(ب) ہجر میں ہر شعاع شمس مجھے
ہو گیا ہے خدنگ سونے کا (ناسخ)

(ج) ادھر تو قرض ہوا اور ادھر نہ آیا زر
بکائی کھیر بھی قسمت سے ہو گیا زلیا (نظیر)

(د) وہ آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا۔

جو اصحاب جواب الجواب اعتراض کا قصد فرمائیں وہ ہمراہ نوازش مدلل اور واضح طور سے شائع فرمائیں ذاتی رائے ذوق و ناسخ جیسے اساتذۂ فن کے مقابلے میں کوئی چیز نہ سمجھی جائے گی۔ فقط مسلم بنارسی

پتہ

ایم۔ عبدالحق مسلم نمبر ۲۵/۱ بازار سدانند شہر بنارس

حضرت!

اودھ پنچ اب روزنامہ ہو نہیں۔ ہفتہ نامہ ہے معترض صرف ایک ہی مطلع تھا مگر حضور نے اس بہانے سے پوری غزل عنایت فرمائی اسکا شکریہ قبول فرمائیے۔
مطلع مذکور میں "مشت خاک" بدل ہے اور "غبار" مبدل منہ۔ ایک ہے مونث دوسرا ہے مذکر ایسی حالت میں رابطہ فعل یا علامت خبر کی نسبت تانیث و تذکیر تخییری ہوتی ہے۔ عرب عموماً تذکیر کو ترجیح دیتے ہیں۔ فارسی میں تذکیر و تانیث کا جھنجھٹ ہی نہیں یعنی وہاں مذکر و مونث میں کوئی تنازع و جھگڑا نہیں ہوتا۔ اردو کی صرف و نحو میں اصطلاحات عربی لیے ہیں مگر تعبیر اصطلاح میں فرق ہے۔ بہرحال آپ "خاک" کی تانیث کا لحاظ کرتے تو "تھی" بھی کہہ سکتے تھے اور غبار کی تذکیر کا پاس بھی بیجا نہیں جو بعض معترضین نے اردو کی بوالعجبی پر غور نہیں کیا۔
مشت خاک کی صورت غبار کی شکل میں "تھی" کو بیجا نہ بنانے تو تعجب ہے۔ خصوصاً آجکل کہ ہر مونث مذکر ہونے کی آرزو میں مبتلا ہے۔ والی خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بیبیاں تو تیغ زن بھی ہو گئیں۔ معاملہ فصحاء کی پسند پر موقوف ہے اس قسم کے جملوں میں اگر وہ تانیث کی علامت بر بنائے افضلیت فصیح سمجھتے ہوں تو پھر ان کی مرضی وہ یوں ہی کہیں۔ "یہ مشت خاک میری غبار کوئے جاناں تھی" یا بالعکس اسکے علامت تذکیر پسند ہو تو وہی کہیں جو آپ نے کہا۔
جو سندیں آپ نے پیش فرمائی ہیں وہ صحیح ہیں مگر ان کے خلاف ڈھونڈھنے سے ملیں تو وہ بھی صحیح ہونگی لہذا لفظی تانیث و تذکیر کے تنازع میں دو مذکروں کو نہ لڑنا چاہیے۔ اس فیصلے کے بعد اگر کوئی صاحب اثبات دعوے یا ابطال دعوے کے متعلق مضمون بھیجیں گے تو ہرگز درج نہ ہوگا۔ مطمئن رہیے۔ فقط۔ پنچ۔

کیا بھول گئے

ہندوستان کے مختلف مقامات پر ۹ شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۲۷ء کو آسمان پر ہمارے پیارے نبی کا اسم پاک محمد جلوہ گر ہوا تھا وہ مبارک تاریخ قریب آ گئی۔
جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کا نام آسمان پر روشن کیا تھا آؤ ہم مسلمان اپنے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مقدس زمین پر روشن کریں۔ اس آسمانی شہادت کی یادگار منانے کا آسان طریقہ یہ ہے۔
۹ شعبان المعظم کو ذکر رسول پاک کریں۔ ہر شہر میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کریں جس میں اس آسمانی شہادت پر مکمل روشنی ڈالیں۔ ہر شہر میں مقامی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے اس آسمانی شہادت کی یادگار منائی جائے۔

نوٹ

امید ہے کہ ہر اسلامی اخبار میں یہ چند سطریں شائع کر دی جائیں گی۔

حبیب علی عبدالرسول شاکر
ایڈیٹر نسیم سحر جبلپور

”سب خیریت ہے سب کھیم کشل“

منجانب جاں بلب ۱۹۲۹ء

ڈیر مسٹر پنچ۔

آپ کی مزاج پرسی اور رقابلیت کا شکریہ۔ فی الحقیقت مزاج پرسی کے قابل حضور کا حال تو ہے کہ آپکی پانچ سو غیر حاضر یاں خریداروں کے رجسٹر میں درج کرا کے اپنے انتظام کو رسوا کیا۔ عذر قبول کرنے والے ہوتے ہیں ”کرام الناس“ یعنی سخی آدمی یا انحراف۔ انجانب قبول آپ کے آدمی ہی نہیں دوسرے یہ کہ شل آپ نے ضرور سنی ہوگی وجیسا تو ہے ویسا میں تجھ سے آپ نے وہی کیا جو تمام انسان حضرت شیطان کے ساتھ کرتے ہیں یعنی اپنے تمام گناہوں کی گٹھری باندھ باندھ کے ان کے سر پر رکھ دیتے ہیں۔ چلیے فرصت ہوئی۔ احباب کی قلت اپنی تنہائی ملکی بدمذاقی سے اپنے عذرات میں کوئی تعرض نہیں کیا۔ ہاں صاحب کہو تو

تجھ پر ملک ہے دگر دگر ہے

حالانکہ آپ دور سال حال علیل تھے اور فرض کر لیجیے کہ تائیفائڈ اور ملیریا انجانب کا فرستادہ تھا جو آپ کے مصور پر آپ کے استاد پر مسلط تھا آخر دوسرے مقامات کے اہل قلم کے قلم کی پوری نبض کیوں لٹ گئے

حضر جناب کا الزام نہ ادرگاہ کی مسم کمر پڑی پر گو گر بیٹھے جاتے ہے تو پھوٹے منہ سے کہہ دیجیے کہ ہاں بھی ”بخیر گزشت“ ”کام اچھا ہے وہی جس کا مآل ہے“ اگر خدا نے جناب کے دل دوست منزل میں ذرا بھی حسن ظن کی گنجائش رکھی ہے تو ”خیریت“ ضرور گھس بیٹھے گی آپ سے یہ کہلوا چھوڑے گی کہ انجانب نے ”بڑی خیر کی“ ابھی ایک نہیں کئی بڑی خیریں ہیں۔ (۱) جتنے فاقہ کش حاضر الموت جاں بلب گھر یلیں جوتنے والے سنگ سینۂ زمین اپنے لیے اپنے متعلقین کے لیے اپنے بال بچوں کے لیے اپنے کنبے قبیلے کے لیے عذاب جان تھے ان سب کو بندے نے چلتا کیا۔ کیوں کہ ایسوں کی زندگی سے فائدہ ہی کیا تھا۔ جب چین سے بیٹھے سدھے ہیں۔ دیکھیے اگر میں یہ حرکت نہ کرتا تو دنیا کے ڈاکٹر ہرگز یہ فتویٰ نہ دیتے کہ غذا کی کمی سے خون بدن میں نہ رہا جو بیماریوں کا مقابلہ دو ڈرم دوا ہیں گرم پھر کے کرتا۔ ہندوستان مفلس اور دانہ دانہ کو لوگ بھوک اور بے حدی کے کشتہ ہیں

بڑے بڑے لیڈروں کی تقریریں ہر گو قوت پیدا ہوتی وہ کبھی اپنی نقلی صوری کھا شاملکا کے سامنے کی ہم آگھوں سے جما رکھے پیار ہو اتنے گوارا سکتے آنسو کے پانی سے روانی پیدا ہو گئی۔ والله پانی کی فراوانی کیا ”خیریت“ کی دلیل نہیں ؟ ع

پیتا ہوں خون دل نہیں حاجت شراب کی
دل جل رہا ہے کس کو ہوس ہے کباب کی

(۲) انجانب کے پیشرو نے کابل میں جو آگ لگائی تھی اُس پر کس نے خاک ڈالی؟ دیکھیے اب صرف دھواں رہ گیا ہے۔ یہ دھواں آگ کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ شعلہ کے وجود پر دال نہیں۔ شیطان کے کان بہرے اگر یہ دھواں مستقل ہو کے آئندہ شعلہ کی صورت اختیار کر لے تو مجھے کیا۔ جو مجھ سے ہو سکا میں نے کیا۔ شکر ہے غنودگی طاری ہو گئی۔ جب تک انجانب کا دم ہے یہ انگڑائی نہ لے گا۔ آگے کا ذمہ دار کوئی اور ہے میں نہیں ہوں۔ تو جناب کیا یہ خیریت نہیں ؟۔ کیا خیریت کے سر پر سینگ ہوتے ہیں ؟۔

(۳) سال ماضی میں ہندو اور مسلمان آمادۂ حرب مستعد بہ پیکار تھے یہ انجانب ہی کا جگرا تھا جو کفن پھاڑ کے بول اٹھے ”اتفاق اتفاق“ ”اتحاد اتحاد“ رہی ذبانی رزم توہ بزم میں بھی ہو جاتی ہے اس سے

”ایک پیش ہونے والا رزولیوشن“
”اگر ہوس است ہمیں قدر بس است“

بحث نہیں مثل مشہور ہے "ہونی بات ہو کے رہتی ہے" پس اس جانب اس بات میں شالمار ویرہ سے اچھے رہے۔

(۴) سنہ ء سے ایک لپٹا لپٹایا چرس کھایا ہنکلا شکرپارا یا کاغذ منبر کی دراز میں پڑا تھا لوگ اس کا نام بھول گئے تھے یہ بھی نہ جانتے تھے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ تقدیر کے لکھے کی طرح کبھی پڑھا بھی گیا یا نہیں۔ اینجانب نے ویسرائے کے دل کو جھنجھوڑا کہ میاں ذری یہ کاغذ تو اٹھا کے دیکھو اس میں کچھ لکھا بھی ہے یا نہیں؟ انھوں نے گھبرا کے اسے کھولا۔ "ارے یہ تو اعلان آزادی ہند یا حریت نامہ غلامان بے دام و بے زر ہے" بیچارے بوکھلا کے سیدھے ریلوے اسٹیشن پر اور اسٹیشن سے سیدھے جہاز پر اور جہاز سے بخط مستقیم ولایت پہونچے کام جو کچھ کیا ہو وہ اللہ جانے یا اُن کا دل جانے یا اُن کا نامۂ عمل جانے مگر اتنا ہم نے بھی سُن لیا کہ اُنھوں نے حکومت سے پوچھا "پھر دوہرا دیں جو اس کاغذ میں لکھا ہے؟" اعلیٰ حکومت نے جواب دیا "شوق سے مگر دیکھو ہندوستان کے کھلے دشمنوں کے سامنے نہ دُہرانا۔ یہاں سے چپ چاپ اپنے دار الحکومت (ہند) جاؤ وہاں پہونچ کے مٹھیں تو ہیں نہیں خالی ہاتھوں پر ہاتھ پھیر کے گنا دینا۔ تنگرفے آوردہ ام برخوردار ان این میوۂ تازہ ولایت را بسر و چشم بگیرید" اگر آپ کے دل میں ذرا بھی انصاف ہے تو کہہ دیجیے کہ یہ علامت خیریت ہے یا نہیں ؎

اسکو بھولا نہ چاہیے کہنا

جو کہ تیرہ سال اُس طرف جائے اور تیرہ سال بعد یاد آئے

لاحول ولا قوۃ مصرعے کی دُم لمبی ہو گئی۔ یوں کہیے

یاد آئے جو بعد سیزدہ سال

(۵) مولانا پنچ اس امر میں بھی نری خیریت ہی خیریت مخفی تھی کہ مسٹن اوڈوائر اور دوسرے فسادیوں نے ولایت میں بیچارے صدر ویسرائے پر لعن طعن کی۔ نائب وزیر ہند سے لوگوں نے پوچھا یہ کیا کرتے ہو۔ کیا کھا زری پھر تو کہنا ہو ہوش نیاتے مزاج کی خیریت منگاؤ" اور یہاں سے گھا بندھا سا تُلا جواب دیا گیا "ابھی وہی کہتے ہیں جو ۱۹۱۷ء میں کہا تھا۔ میاں اس وقت کیا تمہارے کان کو کوے لے گئی تھی" پھر پوچھا گیا کہ "تو کیا اب؟" اور تڑسے ٹکڑا سا تڑاقہ کے جواب دیا گیا "اب اور کب کی تفصیل نہ پہلے کی گئی تھی نہ آج کی گئی" بس پوچھنے اور بھانجی مارنے والوں کے ہوش درست ہو گئے۔ ہندوستانی اہل علم و عقل نے مسٹن اور سر اوڈوائر کے سے جلد بازوں پر لعن طعن کی ؎

دیتے ہیں تورڈ کے ٹکڑا سا مجھے صاف جواب

اے ظفر کھا کے چلے جو مرے ٹکڑے گھر سے

ارے اب تو کہو کہ ہاں انجام بخیر ہوا۔

(۶) داس بابو کو اسی مرض میں ہلاک کیا جس میں اُن کا سارا وطن مبتلا ہے یعنی "دہی بھوک" کی قلت اور خلوص معدے کی شکایت۔ مولانا پنچ کہیے یہ احسان تھوڑا ہے۔ مرنا برحق ہے۔ کہیے ہاں مگر ہمدرد وطن ہو کے مرنا کار دارد۔ یہ تو لازمۂ زندگی ہے۔

اچھا بتائیے آپ بجز خیریت کے اس واقعہ کو اور کن لفظوں میں تعبیر کرینگے۔

(۷) اسمبلی میں بم چلا اور خیریت رہی۔

(۸) یا ہندر اور دوسرے مقامات پر بم بنے بھی پکڑے بھی گئے اور خیریت رہی۔

(۹) دنیا بھر کے باغی پکڑ آئے اور خیریت رہی۔

(۱۰) بھوک ہڑتال زوروں پر ہوئی پھر بھی خیریت۔

(۱۱) کچہریاں آباد ہیں۔ لہذا خیریت۔

(۱۲) پولیس گرفتاریوں میں مشغول ہے اور خیریت ہے

(۱۳) رشوتوں کا بازار اچھی طرح گرم ہے اور خیریت ہے کسی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی۔

(۱۴) آپ کے ہزاروں لاکھوں میں صرف ایک متنفس سا بقضائے الٰہی نہ بہ عمل بندہ فوت ہوا۔ احسان مانیے یا نہ مانیے مگر کہہ دیجیے خیریت ہوئی۔

(۱۵) ان تمام باتوں کے علاوہ کسی مفسد باغی شریر نے بڑے لاٹ صاحب پر نامردی کا ہتھیار یعنی بم چلایا۔ کھانے پینے کی چیزوں سے تو ہندوستان کو نفرت ہے ساری الا بلا اسی کار کے سر گئی آدھا حصہ لتھڑ وہاں اجل ہوا۔ مسافر بال بال بچے کیا خیریت اسکا نام نہیں کسی اور چیز کا نام ہے۔

واللہ آپ ہیں احسان فراموش خیریت کا امتحان کر چکے پھر بھی وہی رٹے ہے۔ جائیے آپ سے ملاقات ترک۔

راقم

خیریت اقبال ۱۹۲۹ء حاضر السفر

پنچ مل خدا۔ خدا مل پنچ

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
عشق کا اُن کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

واللہ دنیا بھی عجب چیز ہے۔ نیم خبطی وہمی بدگمان تنگ خیال حضرات لگتے گھڑیوں لگاتے ہیں کہ حضرت کیسا بم اور کیسی پارٹی بھلا یہ بھی یقین کرنے کی بات ہے کہ ہمارے دوست لارڈ اروِن کے آگے طے الارض

اطلاع نامہ بنام دیہیان نسبت تعین تاریخ سماعت درخواست دیوالیہ

(دفعہ ۹ ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر مقام ہردوئی

درخواست دیوالیہ نمبر ۳ ۱۹۲۹ء

• مقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ ... سندر لال ... ولد ... قوم ... ساکنان ... پرگنہ ملانواں ضلع ہردوئی۔

بنام جملہ صاحبان

ہرگاہ بلدیو پرشاد ... نے عدالت ہذا میں بذریعہ عرضی مورخہ ... ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء درخواست کی ہے کہ وہ حسب دفعہ ... ایکٹ دیوالیہ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء دیوالیہ قرار دیا جاوے اور ... نام فہرست دائنان میں جو مدیون مذکور نے داخل کی ہے پایا جاتا ہے لہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عدالت نے تاریخ ۲۵ ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء واسطے سماعت درخواست مذکور بصدور اور لینے بیان مدیون کے مقرر کی ہے۔ اگر تم کچھ اس معاملہ میں پیروی کرنا چاہتے ہو تو اصالتاً یا بذریعہ وکیل جو حال مقدمہ سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو مع ثبوت حاضر ہو۔

آج بتاریخ ۱۸ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

سوچا ہوا ڈیل

کانگریس: ہوں۔ ہوں۔ ہوں۔ ہائے ہائے۔ کیا کروں

پنجاب: ایک گولا میری خاطر سے اور سہی۔ ایں ہم بالائے دوش

ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست — کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

"دیکھیے پھولوں کی لاج رکھے گل عارض کے رنگ سے اس کا رنگ پھیکا ہوا جاتا ہے خوشبو درکار ہے تو یہ عطر حاضر ہے"

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

یقین کامل ہے کہ اگر انگریزی حکومت ذاتی منافع کی ایک حد قائم کرنے کے بعد مکیاؤ خود غرضی و اختلاف انگیزی کو طلاق دے اور خالص بہی خواہی خلق کے جذبے سے کام لے کے ہندوستانیوں کے باہمی نفاق کو روکے تو یہ بم بازی اور باغیانہ مخفی چالیں مسدود ہو جائیں گی۔

مزدوروں کی حکومت مقبول شخصیت "نام بڑا اور درشن تھوڑے" بہت نیک نام تھی آج اہل ہند کی کسوٹی پر جو اس کا سونا کسا گیا تو سپیدی کی اچھی خاصی جھلک دے رہا ہے۔ توقع باقی نہیں تو غرض ۔۔۔ عاید سود۔ آشفتہ حواس جلد باز نوجوان بپھرے ہوئے ہیں اور بم بازی کے سوہان پر اپنے خون سے دندانے بنا کے رگڑے پر رگڑا گھستے پر گھستا دے رہے ہیں یہ کسی آئینی پر امن نظام کی خوشحالی کی دلیل نہیں۔ واللہ یہ بڑی نحوست ہے خاص نحوست ہے رئیس و رعیت دونوں کے لیے نحوست سے

بارہا گفتم و از گفتۂ خود دل شادم

مثل مشہور ہے "صدقہ دیا رد بلا" لہٰذا ممکن ہے کہ صرف ایک ہی تدبیر ملتی کی ازلی نحوست دفع کرے کوئی صاحب عقل اس ناگوار اور منحوس واقعہ کی تائید نہیں کر سکتا جو ہمارے دوست لارڈ اروِن پر دلی منحوس دلی خونریز دلی میں وارد ہوتے وقت گزرا۔ امید ہے کہ باایں ہمہ بم بازی (غیر دشمن) کی زہر آمیز شیریں بیانی پر اعتماد نہ کرینگے اور نحوست مقام کو ملحوظ رکھ کے بے زبان ہندوستانیوں کو اپنا عاشق صادق تصور فرمائیں گے۔ فقط۔

حماقتوں کی فہرست بیوقوفیوں کا پشتارہ

سُنیے صاحب ہنستے گھر بستے ہیں۔ دنیا میں آج حماقت کا وجود نہ ہوتا تو واللہ عقلمندوں کی زندگی کا سہارا ہی نہ رہتا۔ یہ نہ سمجھیے کہ احمق کسی ادبار زدہ شخص کا لقب ہے۔ نہیں اس دنیا میں اکثر صاحب اقبال احمق نظر آتے ہیں۔ سب تو سب ہماری گورنمنٹ بھی اللہ رکھے احمقوں کی سرتاج ہے یہی وجہ ہے کہ اقبال اُسکے دم قدم سے لگا ہے۔ اچھا پہلے سرکاری حماقتوں کا حال ملاحظہ کیجیے کہ سال بھر میں گلزار سفاہت میں کتنے گل بوٹے پیدا ہوئے۔

دُنیا کا قاعدہ ہے کہ حُسن خلق و مدارات کرنے کے بعد صلہ میں محبت و اُلفت کی توقع رکھتی ہے مگر سرکاری حماقت کی چھاتی سراہنے کے قابل ہے کہ پکڑ دھکڑ مار دھاڑ کو محبت کی ترقی کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ یہ حماقت نہیں تو کیا ہے باانہمہ حماقت اُسکے باقبال ہونے میں کسے شک ہے۔ کرتی ہے نفرت بڑھانے کی تدبیریں خدا جانے کیا طلسم ہے کہ جتنی ہیں تو محبت بڑھتی جاتی ہے۔ ابتدائی مہینوں میں سائمن صاحب کے دورے نے چند بارے سفاہت کا ٹانا پا کھول دیا پولیس کو گھروں میں گھس کے خالی از عقل ہونے کا ثبوت دینا پڑا۔ گورے جٹے پڑھے لکھے افسروں کو دیکھیے اور قیصر باغ کے نابالغ لڑکوں سے ہشت مشت ملاحظہ فرمائیے۔ کوئی بڑا شہر اس ہنگامہ سے بمشکل بچا ہوگا۔ حکومت نے ڈنڈوں کے زور سے دل فتح کر لیے اور راہ ان میں قلعہ بنا کے اپنے محبوب ۔۔۔ کی منادی کروا دی۔ دلوں میں پولیس گھسی اور جس گوشے میں محبت کے قابل فرق مال کا سُراغ لگا فوراً بحق سرکار ضبط کر لیا۔ سائمن صاحب اپنی حماقتوں کا پشتارہ باندھ کے چل دیے تو تسخیر کی پوٹلی سے میرٹھ کی سازش کا عمل "حب" چلا خوب چلا اور اب تک چل رہا ہے۔ ابھی یہ کارنامہ سفاہت پروان چڑھا نہ تھا کہ سازش لاہور نے انڈے بچے نکالے اس سے قبل مسٹر سانڈرس کا قتل کسی بیہودہ شخص کے ہاتھوں ہو چکا تھا بس حماقت نے اس واقعہ کو بھی منجملہ ہموں شاندرہ ہزار میں شامل کر دیا۔ سب سے آخری حماقت گورنمنٹ دام اقبالہ سے ہوئی کہ امیدوار بنا کے اہل ہند کو مایوسی نے گھاٹ اتارا۔ چنانچہ گول میز ڈھالکنی معلوم ہوتی ہے۔ مجموعہ افعال احمقانہ یعنی "سائمن رپورٹ" اسی میز کے تختے پر سوار ہے۔ جو امر حماقت سے شروع ہوتا ہے اُسکا خاتمہ اقبالمندی پر ہو تو ہو مگر نتیجہ حماقت کا حماقت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ نئے سال کا آغاز بھی حماقت سے ہوگا خدا انجام بخیر کرے۔

اب سُنیے اہل ہند کی حماقت کا حال۔ اس ۔۔۔ کو مدام سے مطالع المبادت کوئی لگاؤ نہیں جتنی تجویزیں اصلاح ملک کے متعلق کی گئیں وہ سب مبنی بر حماقت ہیں کیا معنی کہ اہل وطن باہم بے اعتباری و عناد کا سبق کسی طرح نہیں بھولتے۔ ایک دستور العمل تیار ہوتا ہے۔۔۔

. . . .

. . . . اور بے اعتباری اُسپر خط نسخ کھینچ دیتی ہے۔ ڈومینین سٹیٹس کا مسودہ جسے نواب نخلق آرا بیگم ڈومنی سٹ سٹ کے لقب سے یاد فرماتی ہیں مزاج اہل ملک کا مطالعہ کیے بغیر تیار ہوا۔ آپ جانتے ہیں حماقت کا نسخہ ڈھیلا ڈھالا نہ تھا۔ چند حماقتیں جلدی میں رہ گئیں۔ جلدی کی حماقت اسوجہ سے سرزد ہوئی کہ ولایتی اُستاد الحمقا نے ہندوستانی عقلا کا امتحان لینے کی غرض سے موٹا سا طعنہ دیا۔ "اجی تم خود ہی واقف نہیں ہو کہ تمہارا منشا کیا ہے۔ آخر تم کس طرح کی حکومت چاہتے ہو۔ کچھ منھ سے پھوٹو تو دل کا حال کھلے مگر تم تو اندھا دُھند بیٹھے ہو تم بھلا کیا کھاکے ایسا نظام نامہ مرتب کر سکو گے جو تمہارے باہمی عناد و حسد پر غالب آئے"۔ ہم اگر ان عقلا کی جگہ ہوتے تو واللہ پکار کے اس طعنہ آمیز حماقت کا جواب بایں الفاظ دیتے:۔

"بجا ارشاد ہوا خداوند۔ ہم ایسے ہی ہوتے تو پھر آپ کی ضرورت کیا تھی۔ پہلے آپ اپنے آئندہ طرز عمل کو سمجھا دیجیے کہ اب کیا ارادہ ہے تو جو کچھ ہمارے دل میں ہے ہم بھی عرض کر دینگے خداوند نعمت ابھی سے اگر ہم اپنا منشا ظاہر کر دینگے تو خود ہی آپس میں پھوٹ پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائینگے جناب کی اگلی پچھلی سخاوت و بیہودہ سماحت کا حال اچھی طرح معلوم ہے۔ اب تک آپ نے جو کچھ عنایت فرمایا وہ بے پوچھے کچھ دیا کیا دیا اور اس داد و دہش سے ہمیں نفع پہونچا یا نقصان یہ ہم کبھی عرض کرینگے۔ بالفعل "حصہ بقدر جثہ" کے متعلق آپ کی مہربانی کی وسعت دیکھنی ہے"۔

فرش طائفہ اقوام کی حماقت عین عقل ہوتی ہے اور بدنصیبوں کی عقل خالص الخالص حماقت۔ ادھر سے جو مسودہ نظام عمل مرتب کیا گیا اُس نے پلو پلیے میں لڑنیا کی

ضعیفی دُور کرنے کی تدابیر

موت کو تو کوئی نہیں روک سکتا لیکن امریکہ کے سائنسدانوں نے
ضعیفی دُور کرنے کی تدابیر نکال ہی ڈالی ہیں صبح جا بیانی پر پکا
[illegible] اعضاء کو حرکت دیتے رہئے پھر کبھی قبض کی شکایت اور
دیگر بیماریوں کا اندیشہ نہ رہے گا۔ اعضاء کو کس طرح حرکت
دینی چاہئے اس کے واسطے کتاب میں ۳۴ تصاویر دی
گئی ہیں کسی اُستاد کے سکھانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب
زیادہ تر بیماریوں کے واسطے مفید ہے جو گھر بیٹھے ہم سنا اور
ورزش وغیرہ کرنے کا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے بدہضمی
بواسیر اور دیگر امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں ہم خود اس کے
مطابق عمل کرکے فائدہ حاصل کر چکے ہیں اس کتاب کی صفات
کو دیکھتے ہوئے ہم نے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی ہے
تاکہ عام طور پر لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ملنے کا پتہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

جس طرح طلوع آفتاب سے

تاریکی کا دور ہونا قدرتی امر ہے

اسی طرح مقویات سرتاج عالم آتنک نگرہ گولیوں کے استعمال
سے قبض۔ بدہضمی۔ خون اور مادہ تولید کی خرابی۔ جریان
بدخوابی اور دیگر امراض مخصوصہ کا دور ہو جانا قدرتی امر ہے
ضرور تجربہ کریں۔ قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ۔ بلکہ ڈبیاں چار روپیہ
المشتہر: وید شاستری منی شنکر گوبند جی جامنگر کاٹھیاواڑ
ایجنٹ اندر چند اینڈ کو چوک لکھنؤ

شرائط ایجنسی

(۱) روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔
(۲) رقم جمع شدہ کے ختم ہوتے ہی پرچے [illegible] وی پی کی جائیگی۔
(۳) پانچ پرچے فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کی جائیگی۔
(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چار آنہ کمیشن
ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔
(۵) علاوہ خاص حالتوں کے پرانے پرچے واپس لئے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟

اگر آپ مستند ادویات و عطائی نسخہ جات و جاہل خود رو
طبیبوں کے [illegible] اپنی کمائی اور صحت سے مایوس ہو چکے
ہیں اور اس عالم یاس میں کفایت صحت [illegible]
سچا مخلصانہ مشورہ کے خواہشمند ہیں۔ اگر آپ لکھنؤ کے
نامور تجربہ کار اور حذاق اطبا کے مشورے سے [illegible]
فیس فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک کارڈ لکھ کر
دواخانہ معدن الادویہ کی فہرست مفت طلب فرمائیں خود بھی
فائدہ اٹھائیے اور دوسروں [illegible]
تمام خط و کتابت صیغہ راز میں رہتی ہے

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ [illegible] لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ

(۱) اردو کو زندہ رکھنے والے دل کو تازہ کرنے والے سیاسی
ادبی اخلاقی مضامین اور کارٹون کا مجموعہ ظریفانہ کتب
میں محفوظ رکھنے کے قابل قیمت فی جلد [illegible] معہ محصول۔
(۲) سنہ ۱۹۲۸ء کی چند ششماہی جلدیں جولائی ۱۹۲۸ء
لغایت دسمبر ۱۹۲۸ء برائے فروخت دفتر میں موجود
ہیں قیمت مع محصول ڈاک [illegible]
(۳) جلد ۱۹۱۶ء کے ۱۲ نمبر ان نمبروں میں انشاپردازی
کے بہترین نمونہ موجود ہیں ظریفانہ مضامین کے شائقین
کو جلد طلب فرمانا چاہئے۔ قیمت عہ علاوہ محصول۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

سیاحت ظریف

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کا منظوم سفرنامہ
عراق عجب دلچسپ نظم ہے۔ [illegible] اور [illegible] کی
شاعرانہ اُستادی سے فائدہ اٹھائیے قیمت فی جلد [illegible]
ٹکٹ بھیجیے یا وی پی اور منی آرڈر [illegible]

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

غذائے روحانی

معدن النغمات

یعنی

وہ بے نظیر کتاب جس نے [illegible] گرامو فون [illegible] کے محفوظ رکھنے [illegible]
[illegible]
[illegible] مشہور [illegible] کتاب ہے۔
اس [illegible]
[illegible] اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی [illegible] کتاب کے
[illegible] علم موسیقی
کو
[illegible] بنا یا ہے

یعنی

[illegible] زمانہ حال تک صدہا اساتذہ
فن کی گائکی اور ان کے [illegible] نقشہ کی مروجہ دھرپد
کا نقشہ [illegible]

اُستاد محمد علی خان

[illegible] صدہا راگوں کی دھرپد
[illegible] اس کتاب میں [illegible] نقل کی گئی ہیں علاوہ
کہ اگر آپ سُر کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو
سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدا سے کتاب
میں لکھ دیے گئے اُسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں۔
جس طرح کہ اُستاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا
سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر [illegible]
[illegible]
[illegible] روپیہ صرف [illegible] عمر کی محنت سے کام
لیکے اس کتاب کو مرتب کیا [illegible]
کے اُستادوں کا سرمایہ ناز [illegible]
اصلی قیمت علاوہ محصول [illegible] ہے لیکن جو صاحب
آخر دسمبر ۱۹۲۹ء تک چار روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائینگے
وہ ایک روپیہ کے فائدہ میں رہیں گے۔ رعایتی قیمت کا وی پی نہ ہوگا۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

اُردو زبان کی ہر قسم کی کتابیں اس پتہ سے طلب کیجئے۔ منیجر جنرل بکڈپو پاٹانالہ لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳

توجّہ شرط ہے

(۱) اودھ پنچ میں بھرتی کی خبریں نہیں ہوتیں۔ مذہبی جھگڑے نہیں ہوتے۔ بے نتیجہ مضامین نہیں ہوتے۔ اودھ پنچ بھانڈوں اور مسخروں کی طرح ہنسانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک حکیم کی طرح قابل ضحک امور پر خود ہنستا ہے۔ دوسرے اس ہنسی کی تقلید بھی کرتے ہیں اور گریہ بھی۔ اودھ پنچ صرف اپنی بضاعت پر قانع اور منقولات سے بے نیاز ہے۔

(۲) قیمت کی زیادتی پر منھ نہ بنائیے۔ نہ حجم کی کمی پر تیوریاں چڑھائیے اسلیے کہ گوہر و خزف میں فرق ہے بلکہ افادات کی جدت۔ رائے کی اصابت بے روے و رعایت نکتہ چینی صحیح نتائج واقعات اور بنیادی اصلاحات اخلاقی و سیاسی و ادبی پر نظر رکھیے۔ انشاءاللہ سال بھر کے مجموعے میں آپ کو سیکڑوں ایسے جواہر مل جائیں گے جن کا ثانی کسی دوسرے خزانے میں نہ ملے گا۔

منیجر کی نہایت ضروری گزارش

قواعد و ضوابط

(۱) اُجرت اشتہارات اور قیمت اودھ پنچ بہر حال پیشگی لی جاتی ہے۔

(۲) شاگردان مدارس کے ساتھ بشرط تصدیق ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر صرف سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کی رعایت کی جائے گی یعنی چار روپیہ (للعہ) سالانہ قیمت لی جائے گی۔ یہ ضروری شرط ہے۔

(۳) قیمت اودھ پنچ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اس وجہ سے کہ طوالت کے علاوہ وی پی بھیجنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) نمونہ بازوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اودھ پنچ ایک مشہور ظریف پرچہ ہے اور مدتوں سے مُلک کی خدمت کر رہا ہے نمونہ کے طور پر ایک پرچہ دیکھنے سے اُسکی تمام خوبیاں ناظرین دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر ایک نمبر میں نئے مضامین ہوتے ہیں ممکن ہے کہ جو پرچہ نمونے کا آپ کو ملے اس میں آپ کے مذاق کے مضامین نہوں۔ اور دوسرے پرچے میں آپکے حسب خواہش مضامین ہوں۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ آپ امتحاناً تین ماہ کے واسطے خریدار بن جائیے اگر اس پرچے کے مضامین آپ کے مفید مطلب اور مذاق کے موافق معلوم ہوں تو ایک ہفتہ کے اندر مزید تین روپیہ بھیجکر آپ مدت خریداری کو ایک سال تک بڑھا سکتے ہیں۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔ بندہ پرور ایک مشہور یکتا و یگانہ پرچہ کا نمونہ طلب کرنا ہی فضول ہے۔

(۵) طالبان مفت اگر اپنی جیب پر قیمت کا بار نہیں ڈال سکتے تو انھیں لازم ہے کہ چھ سالانہ خریداروں سے قیمت بھجوائیں اور اس طرح اپنے نام ایک سال کے لیے اودھ پنچ بلا قیمت جاری کرالیں۔ دام و درم نہیں تو قدمی کوشش سے فائدہ اُٹھائیں مذہب یا رواداری یا یتیمی کا واسطہ دلانا خلاف حمیت ہے۔

(۶) یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ڈاکیے صاحب ڈاکو ہیں۔ یہاں سے ہم پرچہ روانہ کرتے ہیں وہ راستہ میں گاؤ گھپ ہو جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ ہے کہ ہر نمبر کے اشاعت کے عقب میں پانچ چار عتاب نامے کے نام ضرور آتے ہیں۔ ہر ایک کاپی کے ساتھ ہزاروں خریداروں کے دو لتخانے پر نیاز مند منیجر خود نہیں پہونچ سکتا اور پرچہ کو گم ہونے کی عادت ہے پس اس عادت کا علاج یہی ہے کہ گم شدہ نمبر دوبارہ حاضر خدمت کیا جائے۔ پرچہ کی اشاعت سے غرض یہی ہے کہ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں ناخوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ لہذا عمداً تساہل نہیں ہوتا۔

(۷) میعاد خریداری ختم ہونے سے ایک ہفتہ قبل دفتر سے اطلاعی خط روانہ ہوتا ہے اگر اسکا جواب نہ ملا تو زیادہ تنگ طلبی اور زبردستی نہیں کی جاتی پرچہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہذا تجدید خریداری منظور ہو تو فوراً اطلاعی عریضہ کا جواب ملنا چاہیے جسکی روانگی کی رسید ڈاکخانے سے حاصل کرلی جاتی ہے۔

(۸) بعنوان اشتہارات و اطلاعات کے تحت میں منیجر اودھ پنچ کا نام نہیں ہے اُنکے متعلق جملہ خط و کتابت مشتہر کے نام ہونی چاہیے مشتہرین خود اپنی تحریروں کے ذمہ دار ہیں

(۹) جو مضامین "اودھ پنچ" کی صلح کل پالیسی کے مطابق نہوں گے وہ شائع نہونگے اور اُن کی واپسی پر بھی ہم مجبور نہیں ہیں

(۱۰) مضامین صاف خط میں کاغذ کے ایک ہی رُخ پر لکھے جائیں۔ مذہبی اور ذاتی حیثیت سے کسی شخص یا قوم کی تفحیص اُن میں نہ ہو فقط۔

نوٹ

جو حضرات خریدار ہیں انھیں خطوط اور منی آرڈر میں نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیے جو کہ اُن کے نام کی چٹھی پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

جلد ۱۴ نمبر ۴۵

مضامین

۲۳ ؍ دسمبر ۱۹۲۹ء

منطق آرا بیگم اور بوا نصیبن کا نیاز نامہ

(بخدمت جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے مترجم تاریخ ادب اردو)

مرزا صاحب - بندگی عرض ہے۔

بھلا ہم دونوں کو کیا خبر کہ ہمارے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔ وہ تو کہیے آج اتفاق سے ایک جگہ آپ کی کتاب تاریخ ادب اُردو دیکھی۔ سبحان اللہ کتاب خوب چھپی ہے۔ اصل مصنف صاحب تو خیر اردو کی اصلیت سے کچھ یوں ہی سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ اور ہم سچ کہیں اُن بیچارے کی نظر بھی وسیع نہیں اسی وجہ سے کہ سیکڑوں اُردو نظم و نثر لکھنے والے اُن کی نگاہ سے بچ گئے جن کا نام بھی اُنھوں نے نہیں لیا حالانکہ دُنیا اُنھیں خوب جانتی ہے۔ مگر آپ کے حاشیوں نے کئی مقاموں پر مصنف صاحب کی کمر تھامی اور وہ پھسلنے کے بعد سنبھل گئے۔

حکیم ممتاز حسین صاحب : ایڈیٹر اودھ پنچ کی تعریفوں میں جو کچھ آپ نے تحریر کیا اُسکا شکریہ اُنھیں ادا کرنا چاہیے وہ آپ کے نیاز مند۔ آپ اُن کے مشفق "اپنے دہی کو کھٹا کون کہتا ہے"

ہاں ہم دونوں کو آپ سے گلہ ہے کہ آپ ہمیں بیوقوف مردوؤں سے بھی کم رتبہ سمجھتے ہیں اور جب ہم اُنھیں عقل کی باتیں سکھاتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ "جملہ معاملات میں جا و بیجا بوا نصیبن یا انکی سہیلی منطق آرا بیگم دریائے لطافت کی بی نورن کی طرح آن کر کود پڑتی ہیں"

آپ ہیں پُرانے زمانے کے ہندوستانی مرد۔ عورتوں کا بیچ میں پٹ سے بول اُٹھنا ضرور آپ کو گوارا نہوتا ہوگا۔ پھر خدا رکھے مسلمان بھی ہیں جنکی شریعت نے ہماری جنس کو ناقص العقل ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ ہاں ہم کمزور ہیں ہماری عقل بھی کمزور ہے مگر خدا کی عنایت سے آج بھی ہماری جنس میں ہزاروں پڑھی لکھی دست و قلم عورتیں موجود ہیں جو بڑے بڑے حکیموں بڑے بڑے فیلسوفوں اطبا اور جید ڈاکٹروں اور صناعوں کے کان کاٹتی ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ سیاسی لیڈروں یا عالموں کے دماغ میں خناس گھس گیا تو ہم اُنھیں سبق پڑھاتے اور کام کی باتیں بتاتے ہیں دنیا ہماری باتیں سُن کے جن میں حکمت منطق اور عقل بھری ہوتی ہے ان بیوقوفوں سے کہتی ہے "اماں جاؤ تمہاری عقل ہی کیا تم تو بوا نصیبن اور منطق آرا بیگم کے برابر بھی تمیز نہیں رکھتے" منطق آرا بیگم اور بوا نصیبن کی قدر آپ گھر کی مرغی دال برابر سمجھ کے نہ کیجیے تو نہ سہی۔ لارڈ ارون۔ ریڈنگ۔ چیلم پھورڈ اے تو یہ چیلمسفورڈ۔ ہالڈین مانٹیگو ہارڈنگ بالفور ریمزے میکڈانلڈ سے لے پوچھیے کہ اُنھوں نے سیکڑوں مرتبہ عاجزی کے اظہار اور شاگردی کے اقرار میں کان پکڑے ہیں

سب کان پکڑتے ہیں اُستاد اسے کہتے ہیں

ابھی کل کا ذکر ہے میاں سائمن جو سیاسی کمیشن کے صدر بن کے ہندوستان تشریف لائے تھے یہ کہتے ہوئے واپس گئے کہ اس کمیٹی کے ممبروں میں کوئی بوا نصیبن اور منطق آرا بیگم کی سمجھداری کا جواب دینے والا نہیں۔ سچ ہے۔ یہ اُن کی قدر دانی ہے۔ ایسے نہ ہوتے تو ہندوستانیوں کو سبز باغ کیونکر دکھاتے

آپ کا یہ فرمانا کہ :-

"یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یا اللہ ان ناولوں کے پہلے کیا کوئی مرد دستیاب نہیں ہوتا تھا کہ عورتوں کی طرف سے اور انکی زبان میں یہ مطالب ادا کیے گئے اور اس سے نفس مسئلہ اور اخبار کے ظریفانہ انداز میں کیا اضافہ ہوا"

ہم دونوں کو ناگوار ہوا۔ آپ سخن شناس اور سخن سنج ہیں پھر بھی داد نہیں دیتے کہ بڑے بڑے مسئلہ فلسفہ حکمت اور سیاست کے زنانی بول چال میں ہم دونوں نے سمجھا کے رکھ دیے بلکہ اور اُلٹا اُلاہنا دیتے ہیں۔ بھلا مرد کو مرد دستیاب (جُڑ جاتے) ہو تو لطف ہی کیا۔ پھر مرد بھی کون جو بڑھاپے میں بھی تعلیم کے قابل ہیں میرا بس چلتا تو اُنھیں اناؤں کے سپرد کر دیتی کہ تھوڑے دنوں اور گود میں رہیں اور باہر نکلیں تو سمجھدار آدمی نام نہ رکھیں یہ نہ کہیں کہ کن پھوہڑ اناؤں کی تعلیم ہے؟ جو یہ بچے گھامڑ کے گھامڑ ہی رہے۔

مرزا صاحب آپ یقین کیجیے کہ کوئی مرد ایسا نہیں جس نے مردانگی کا سبق ماں کے آنچل تلے نہ سیکھا ہو۔ بے ڈھنگی ماؤں کا ذکر نہیں جو خود بھونڈی بڑی بے سلیقہ ہیں اور اپنے بچوں کو بھی عمر بھر چھچھی جان بنائے رکھتی ہیں صاحبزادے جو "بیوی زادہ" بن کے باہر نکلے تو انگلیاں اُٹھنے لگیں "یہ وہ جاتے ہیں اپنی اماں کے لاڈلے"

آپ تعجب کرتے ہیں کہ اس سے ظریفانہ انداز میں کیا اضافہ ہوا۔ اے کیا یہ کم ہے کہ مرد بہ مرد فلاں مشہور شخص نے ایسی حماقت کی بات کہی جس پر عورتیں بھی ہنستی ہیں۔ عرب جب کسی بیوقوفی کی بات کی ہجو کرتے ہیں تو کہتے ہیں :-

"ھذا مما یضحک بہ الثکلیٰ"

(یہ بات ایسی ہے جس پر زن پسر مردہ کو بھی ہنسی آجائے اور روتے روتے تبسم نکل آئے)

عرب ہی کا دستور تھا کہ جب کوئی فوج شکست [?] کھا کے بھاگنے پر آمادہ ہوتی تو سردار فوج کا عورتوں سے کہتا تم ان بے غیرتوں کو غیرت دلاؤ۔

ہندوستان میں عورت ہے پاؤں کی جوتی مگر پاؤں کی جوتی کوئی بیکار چیز نہیں یہی کام بہت ہے کہ پاؤں آبلے چھالے سے محفوظ رہتا ہے۔

آپ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اودھ پنچ میں مضمون عورتوں کی طرف سے لکھے جاتے ہیں یعنی مضمون نگار مونچھوں والی عورتیں ہیں۔ مان لیجیے کہ یہی ہے تو کیا بیچ دار پیاری پیاری نتھری نکھری ستھری زنانی زبان میں مضمون لکھنا اور خواہ مخواہ کے مردوں کو انکی غلطیوں پر تنبیہ کرنا فائدے سے خالی ہے؟ مدرسوں کی پڑھنے والی لڑکیاں اپنی زبان غارت کر رہی ہیں وہ کھڑی بولی ہو گئی ہے کہ مرد بھی اُسے سُن کے لغت کی کتابیں اُلٹنے لگتے ہیں۔ ہماری پُرانی بول چال مٹ رہی ہے اگر کوئی مرد اس زبان کو باقی رکھنے کی

کوشش کرتا ہے تو کیا بُرا کرتا ہے۔ یہ اعتراض تو آپ ہر ایک ادبی پرچہ پر کر سکتے ہیں جسمیں مس اکبری رولھن صاحبہ۔ مسز مقصود ایم اے۔ بی اے۔ ایڈیٹر نوشتہ خاتون نزدانی جگیدہ خانہ مشتمل بیگم صاحبہ بی اے کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ آپ نے ایسے بھی پوچھا ہوتا کہ یا اللہ کیا تمہیں مضمون لکھوانے کو دریدہ نہیں ملتا جو ان پردے میں بیٹھنے والیوں کے مضمون پرچے میں بھر دیتے ہو۔ پھر مضمون بھی کیسے جن پر نانی زبان کا پرچھاؤں بھی نہیں پڑا۔ اودھ پنچ ہے نہ وہ چھوٹے چھوٹے جملے ہیں۔ نہ ایسے الفاظ کوئی عورت بولتی ہے۔ مفید بات عورتوں کی زبان سے نکلے یا مردوں کی زبان سے ملک کے لیے بہتر ہے۔ ہماری زبان میں بھی باریک و دقیق حکیمانہ مضمون کے ادا کرنے کی قوت اتنی ہی ہے جتنی کہ مردانی زبان میں۔ پھر آپ کا یہ ارشاد کہ ہمارے ملک میں تعلیم نسواں ابھی اس درجہ کو نہیں پہونچی کہ ایسی عورتیں پیدا ہو گئی ہوں جو سیاسی اور علمی معاملات میں کوئی صائب رائے رکھتی یا اسکا اظہار کر سکتی ہوں۔ پھر اس نئی اپج سے اودھ اخبار پر ... مضمون کا الزام عائد کرنے سے فائدہ ہی؟ تو اور بھی قیامت ہے۔ عورتیں اب کانگریس کے اجلاس میں بھی شریک ہوتی ہیں۔ انھوں نے اپنی انجمنیں بنائی ہیں اُسمیں رزولیوشن پاس کرتی ہیں ملکی حق مانگتی ہیں مردوں کی جنبہ پاسداری اور بھیجا کھانے پر آمادہ ہیں۔ فرنگستان جاتی ہیں وہاں سے فیشن سیکھ کے آتی ہیں شعر کہتی ہیں۔ رسالے نکالتی ہیں۔ اُن پر آپ نے کیوں تعجب نہ کیا۔ کیا پردے میں بیٹھنے والیاں آنکھ کان عقل نہیں رکھتیں یا علم حاصل نہیں کر سکتیں۔

آخر ہماری تو زبان میں کیا کیڑے پڑے ہیں۔ آپ ریختہ کی سگی چھوٹی بہن ریختی کہہ کے اُسے کھاتے ہیں اور ان تھرچھوڑے الفاظ میں کیا لال لگے ہیں جنہیں عورتیں اپنے خاص الفاظ چھوڑ کے استعمال کریں۔ ایک دن ہمارے پڑوسی مولانا کے گھر میں بلی کی والی آئی۔ مولانا تیچے پھر کے تو بچے کے پاس کھڑے ہو کے فرمانے لگے "اے ضعیفہ یہ ملازمہ صاحبہ خود سودہ برہاں گیٹ دیتی ہے یا عدد؟"

اُن کی بی بی بلغ العلیٰ بیگم نے جب دیکھا کہ مولوی صاحب کی بولی خونچے والی کی سمجھ میں نہ آئی (آپ جانیے اتنا اپنے پاس کی باتیں خوب سمجھتی ہے) کو لیا مطلب سمجھایا کہ "اری ٹکلیاں تول کے بیچتی ہے یا گن کے"

مولانا اپنی بی بی کا شکریہ ادا کر کے فرماتے ہیں: "هٰذا مَتاعٌ تشتهي الانفس وتلتذ به الاعين"

بی بی فرماتی ہیں "الحمد للہ الذی رزقنی حلو ًا طیبا" پھر مٹھائی کا بوٹا جو تھا سو کیا بی بی اُس وقت تک بچکی والی کا بتا ملطب سمجھا کیں جب تک انھوں نے اپنی خاص زبان اختیار نہیں کی ریختی نظم ہی کی قسم ہے نثر کی قسم نہیں۔ بہرحال منطق کے اعتبار سے وہی اعتراض اُن مضامین پر بھی وارد ہوتا ہے جو عورتوں کے نام سے مردانی بول چال میں لکھے جاتے ہیں زیادہ خطاکار وہی مرد ہیں جو عورتوں کا نام لے کے اُن کی زبان بگاڑتے ہیں۔

باقی سب طرح خیریت ہے بال بچوں کو ہماری طرف سے دعا کہہ دیجیے گا فقط

راقمہ

بوانصیبن منسلق آرا بیگم

۵۶ فیصدی کا مطالبہ

التماس و اطلاع

یہ سال کا آخری نمبر ہے ۵ پرچے اس سال کے ہم پر قرض ہیں جو توسیع میعاد خریداری سے ادا ہو جائے گا چودہ سال کے بعد یہ پہلا اتفاق ہے کہ اتنے پرچے ناغہ ہوئے مگر سدا ایک سے دن نہیں رہتے۔ جو لوگ اس سے بددل ہو گئے انھیں مطمئن رہنا چاہیے کہ قانون قدرت بھی کبھی بدل جاتا ہے موسم آیا اور صاحب سو کھی شکنا گئے۔ انشائی بدن تو محل حرارت ہے بیماری دکھی کا ساتھ ہے۔

جو لوگ فائل جمع کرتے ہیں اُنکے پاس کوئی پرچہ نمبر تو اطلاع دیں جو نمبر موجود ہیں وہ بھیجدیے جائینگے اگر جواب دفتر کی طرف سے موصول نہ ہو تو سمجھ لیں کہ پرچہ دفتر میں نہیں ہے۔

الملتمس منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

رباعیات

تہذیب نو کی کرشمہ سازیاں

(از محمود گیلانی کوٹلوی)

پردے کو ہٹا کے آج عصمت کی کلی!
چہرے پہ گلٹ کرکے وہ لیڈی نکلی
کہتی ہے کہ "پردہ تھا سلف کی بدعت"
اس رسم کو میں ہوں گنوانے والی

گردن میں جو کالر بھی ہے اور ٹائی بھی
فیشن بھی ہے یا تھوڑی سی رسوائی بھی
مہمل عصر جدید کی میں بیگم لاریب
با پوش ستے میری موجود رسوائی بھی

ہاں چاہیے پیارے مجھے اک سوٹ نیا!
اور پاؤں میں ڈاسن کا بھی اک بوٹ نیا
آغوش میں غیروں کی تو جاؤں گی کبھی،
سکھلا دو اگر جو کو بھی اک جھوٹ نیا

پیرس بھی گئے تو ایر لندن بھی ہوئے
انجم کی طرح قوم میں روشن بھی ہوئے
حیرت نہیں اگر "علم مہذب" کی طفیل
اللہ سے اور دین سے بدظن بھی ہوئے

بیکار جواں پھرتے ہیں ہر سال مدام
عنقا ہے ملازمت، نہیں اسمیں کلام
تہذیب جدید پر سکھاتی ہے ہمیں،
بیکاری سے بہتر ہے رہے زن کا غلام

اسلاف کو کہتے تھے کہ ہیں دمڑی کے غلام
کرتے ہیں نفس کی پوجا، ہیں من کے غلام
آتی ہے صدا سلف کی قبروں سے آج
"اخلاف یہ اچھے ہیں کہ ہیں زن کے غلام"

تہمت (نمبر ۱)

واقعی تہمت بُری چیز ہے۔ مگر کیا بُری چیزیں پسند نہیں کی جاتیں جب ایک شاعر لمبا چوڑا قصیدہ ممدوح کی شان میں لکھتا اور اسے گردش فلکی کا مالک و مختار پروردگار کا ساجھی اور شرکت دار ٹھہراتا ہے تو حضور ممدوح دامت عاقبتہ پھول کے کُپا ہو جاتے ہیں۔ دل معدن گہر ہے جود وسخا ہے، ہاتھ روانی میں دریا ہے۔ فرشتے رکاب کے جلو میں چلتے ہیں۔ قدسی و کروبی اُن کے دروازے پر سنتری دیتے نظر آتے ہیں۔ عزرائیل اُن کی شمشیر کا نام ہے۔ قدرت اُنکی شمشیر کا نام ہے۔ دولت اُن کی لونڈی ہے مال اُن کا غلام ہے۔ اُنکے قبضے میں دُنیا کا آرام ہے۔ کائنات پر اُنکی سلطنت ہے۔ حوادث پر اُنکو قدرت ہے۔ دارا و کیا گمرا جتنک دربانی کا حق ادا کرتا ہے۔ سکندر کی سلطنتیں تک خاک ہو گئیں مگر ابتک اُن کا خط بناتا آئینہ برداری کا فرض پورا کرتا ہے۔ نگاہ قہر بجلی ہے نظر مہر جنت ہے۔ سارے جہان میں انھیں کی برکت ہے شراب کے قدح چڑھا کے زُہاد سے پاؤں چھُواتے ہیں۔ بازاری عورتوں سے بغل گرم کرکے صلحا کی بخشش اُخروی پر احسان کرتے اور بہشت میں گھر بنواتے ہیں۔ حواس اُن کا اساس انفاس روحانییں، قیاس اُن کا کلید قفل متفلسفین جاہلیں کے شریعت کی آبرو بڑھاتے ہیں۔ مال غیر پر تصرف فرما کے عدالت کی شان دکھاتے ہیں کیوں حضرت کیا یہ تہمت نہیں؟ مگر اس تہمت کا صلہ ملتا ہے اور کوئی بُرا نہیں مانتا۔ اچھی تعریف اور مدح کی آڑ میں کسی کو آدمی سے شیر بنائیے اشرف المخلوقات کی فہرست سے نکال کے عجائب المخلوقات اور حیوانات کے ذیل میں نام درج کر دیجیے تو کوئی پروا نہیں کرتا۔

وجہہ کلہ قمر وجسمہ کلہ اسد

(چہرہ ہمہ تن چاند ہے اور ڈیل سب کا سب شیر ہے) کہنے پر ممدوح جھومنے لگتا ہے۔ تورلوں کے منہ کھولدیتا ہے مزا تو جب آتا ہے جب ایک شاعر دوسرے شاعر کی مدح کرتا ہے۔ اور اس سے بھی لطیف تر واقعہ یہ ہے کہ خود شاعر صاحب اپنی ذات فصاحت سمات کو مجمع کمالات فرض کر لیتے ہیں یعنی اپنے نفس کو شاعری کی تہمت دے کے ممدوح سمجھنے لگتے ہیں۔

"واہ کیا بات ہے میرے ذہن رسا و طبع نقاد کی اے میاں جیوں واللہ میں نے مشاعرے میں سخنور کے منہ سے اپنی تعریف کروالی"

ہمارے ایک دوست نے دکن سے ایک شاعر صاحب کی غزل اس توصیف کے ساتھ بھیجی ہے کہ حضرت اپنے مداح آپ ہیں۔ غنیمت ہے کہ شاعری کی تہمت کسی دوسرے نے آپ پر نہیں لگائی کلام کا نمونہ یہ ہے

آرزو اُن کو ہے خدائی کی
مجھ کو ہے اُن سے آشنائی کی

دیکھیے مطلع ہی تہمت آلود ہے معشوق صاحب اپنی ذات کو خدائی سے متہم کرتے ہیں اور عاشق یا شاعر صاحب اپنے نفس کو آشنائی سے۔ آشنائی ایسی چیز ہے جس کا اثر فاعل اور مفعول دونوں کی ذات پر عائد ہوتا ہے۔ نہ تو خدائی کی تہمت یا آرزو

حسب آرڈر ۵ قاعدہ ۲۰ ضابطہ دیوانی

نوٹس

بعدالت جناب سید حسن ارشاد صاحب بہادر منصف اُنھیں نتھارمیاں۔

اجرائے ڈگری نمبری مقدمہ ۱۵۵ سنہ ۱۹۲۹ء

رام دیو سنگھ و راج دیو سنگھ نابالغان پسران رام نادر سنگھ ولی شیو نرائن سنگھ چچا حقیقی ساکنان سرائے گوامی پرگنہ بدوسہ تحصیل و ضلع سلطانپور۔

بنام

رام لکھن سنگھ

بنام رام لکھن سنگھ ولد مہراگ سنگھ ساکن امیرن پور پرگنہ الدیہ تحصیل کادی پور ضلع سلطانپور

ہرگاہ ڈگریدار نے درخواست اس عدالت میں گزرانی ہے کہ زر ڈگری بذریعہ نیلام جائداد غیر منقولہ وصول کرا دیا جاوے۔

لہٰذا تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بوقت ۱۰ بجے بتاریخ ۱۸ ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء اس عدالت میں حاضر ہو کر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو درخواست مذکور تمہاری غیر حاضری میں سماعت کی جاوے گی اور بتاریخ مذکور حاضر عدالت ہو کر بیان کرو کہ آیا جائداد نیلام طلب تمہاری موروثی ہے یا مکسوبہ۔

آج بتاریخ ۲۳ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

وقت حاضری: قبل ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

تیع ہے نہ آشنائی کی تہمت۔ وہ آشنا جو خدائی کی ارزانی سے یاری آشنائی گوارا نہ کرے گا لہذا تہمت ہی تہمت باقی رہی پھر بھی شاعر صاحب خوش ہیں اور کہتے ہیں اس پایہ کی غزل آج دُنیا میں کوئی نہیں کہہ سکتا۔ فرماتے ہیں ؎

ایک عالم سے کی وفا تو نے
لیک مجھ سے ہی بے وفائی کی

یا وفاداری کی تہمت صحیح ہے یا بے وفائی کی۔ خدا جانے وفا کا مستحق عالم تھا یا شاعر۔ اگر شاعر تھا اور عالم نہ تھا تو پھر عالم کے حق میں بے وفائی کرنے کی تہمت اسکے سر منڈھی گئی اور اگر شاعر مستحق وفا نہ تھا تو پھر بے انصافی کا الزام جو لگوائے کلام سے ثابت ہوتا ہے تہمت اور بڑی تہمت ہے۔

"ایک مجھ سے ہی" کی فصاحت بھی تہمت ہے خدا اس سے محفوظ رکھے۔ دوسرا شعر ہے ؎

تم بلایا مگر نہیں آیا
بیحیائی کی لب کشائی کی

دیکھیے یہ بھی تہمت ہے البتہ موصوف اسکا مطلب آج بھی نہیں کھلتا کہ بیحیا کون ہے؟ لب کھولنے والا یا لب کشائی کرنے والا کون ہے؟ کون نہیں آیا؟ میں نے بلایا وہ نہیں آیا۔ میں نے بے حیائی کی جو ہونٹ کھولے یعنی اپنی بات ضائع کی" یہ مطلب شعر سے واضح نہیں ہوتا۔ اگر کہا جائے کہ شاعر صاحب حال کی زبان پر شعر کہتے ہیں ولی دکنی کے عہد کی اُردو نہیں بولتے تو واللہ تہمت ہے۔ یا جو کوئی کہے کہ کسی کو بلانا بیحیائی میں داخل ہے وہ اپنی ذات پر صاحب عقل ہونے کی تہمت رکھتا ہے کیا معنی کہ بلانے والا بے حیا نہیں بے وقوف ہے جس نے تیغ میں جونک لگانے کی فکر کی۔ ممکن ہے کہ شاعر نے بیحیائی کا مجرم معشوق کو گردانا ہو یعنی میں نے بلایا تھا وہ مردود نہیں آیا اور لگا بے حیائی اور بے باکی سے گفتگو کرنے۔ ایسی صورت میں "لب کشائی" کی جگہ شستہ زبان کی ضرورت ہے۔

تیسرا شعر ہے ؎

بات میں تم خفا جو ہوتے ہو یہ خیر ہے میں نے کیا بُرائی کی

بات میں خفا ہونا بات پر تہمت ہے۔ بات پر کہئے تو تہمت سے محفوظ رہتے۔ بات اچھی بھی ہوتی ہے بُری بھی۔ بُری بات کہنے والا کبھی اپنے نفس کو الزام نہیں دیتا نہ اسے محسوس ہوتا ہے کہ میں نے بُرائی کی۔ بات تفصیل و تشریح کی محتاج ہے ابھی اور بُری ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا لہذا اگر کوئی کہے کہ یہ شعر اچھا ہے تو اُسنے شعر پر تہمت لگائی۔

چھٹا شعر سنیے ؎

زلف پُر پیچ میں پھنسا ہے دل
نہیں اُمید اب رہائی کی

دل کمبخت تو بغل کے موکھے میں جھولا جھول رہا ہے اگر باہر نکل کے پھنسیگا تو پہلے بغلوں کے بالوں کے اُن ریں اُلجھے گا پھر زلف تک پہونچے گا۔ زلف کے جھاڑ جھنکاڑ میں پھنستا تو لوگ دیکھتے اور جھینگا مچھلی کی طرح یا کانٹا پھینک کے شست اور لنگر ضرور پھینکتے نہیں رہائی کی اُمید نہ ہونا بھی تہمت ہے۔ اور دل کا زلف میں پھنسنا بھی۔

پانچواں شعر ؎

پھر نہ دُنیا کی کوئی چیز پسند
تم نے جس سے کہ آشنائی کی

شعر یہ کامل اللفظ ہونے کا اتہام ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس سے تم نے آشنائی کی پھر اُس نے "دنیا کی کوئی چیز پسند نہ کی۔ اس طرح الفاظ کی تخفیف اور معنی کی تکمیل ایک ظریف شاعر نے خوب کی ہے فرماتا ہے ؎

ہم اُن سے حالت دل اپنی جب اظہار بیٹھے ہیں
بگڑ بیٹھے ہیں لڑ بیٹھے ہیں اور تکرار بیٹھے ہیں

"کر" دونوں قافیوں کے بعد محذوف ہے اور معنی میں کوئی نقص نہیں آیا۔ مگر "جد" اور "ہزل" میں بہت فرق ہے۔ اس شعر میں محذوفات بپاس خاطر ظرافت معاف ہیں۔ اور یہاں بر بنائے تہمت شاعری۔

مقطع حاضر ہے ؎

کیوں نہ قاتل پہ ہو .... فدا
دیر تک خنجر آزمائی کی

فدا ہونے کا سبب اگر یہ ہے کہ گردن پر خنجر کارگر نہ ہوا دیر تک کارگر نہ ہوا اور شاعر صاحب اتنا غفیل ہونے سے بال بال بچے تو خنجر پر برش و تیزی کی تہمت ہے اور قاتل پر مقتول کا احسان ہونا تہمت۔ جلد پر انسانی جلد ہونے کا اطلاق بھی تہمت۔ اور اگر فدا ہونے کا یہ سبب ہے کہ حضرت قاتل نے دیر تک خنجر آزمائی فرما کے شاعر صاحب کو خدا نخواستہ خدا گنج کا ٹکٹ دلوا دیا اب وہ قید غم سے آزاد ہیں تو شاعر صاحب پر زندہ حی و قائم ہونے کی تہمت ہے آخر بولتا کون ہے۔ شاعر صاحب اپنی ذات کو غالب مرحوم کا عزیز قریب مشہور کرتے ہیں خدا کرے یہ اُن بیچارے پر تہمت ہو۔ اے ہاں مرے پر تہمت لینا ہے تو سنت اہل زمانہ مگر پھر بھی بُری بات ہے۔

تہمت نمبر (۲)

حسد تہمت آزادی مردم نگہداشت
کیں مراد نیست کہ بر تہمت آں ہم صحبت

انتزار تہمت انتساب غیر صحیح جس طرح شاعروں کا روزگار مشغلہ اور ممدوحین کی سیری دل کا سبب ہے اسی طرح پولیٹیکل کھلاڑیوں کی رنگوں میں بھی حرکت کا موجب دیکھیے ملکی لیڈر ہمارے لارڈاروں پر تہمت لگاتے تھے کہ وہ بہی خواہ ہند ہیں اور ہندوستان کی پالیٹکس انکے پیش نظر ہو رہی تھا وہ وعدہ بہی کہ اہل ہند کی خواہش کے مطابق پروان چڑھے گی یعنی "فائیو ٹائمز ٹیسٹ" نہ وہی اہل ہند کی خواہش کے جواز کا اقرار کرتے ہیں نہ مسٹر برنرے میکڈانلڈ یا مسٹر ویجوڈ بین جن پر آزاد مزدوروں کا سرغنہ ہونے کی وجہ سے ستم زدوں کی ہمدردی کی تہمت رکھی گئی تھی۔

اس تہمتستان میں تہمت کی ہر جگہ عملداری ہے۔ تہمت کا گز و سکہ جاری ہے۔ مثلاً مہاتما گاندھی پر پالیٹیشن ہونے کی تہمت۔ جواہر لال نہرو پر آزاد کامل ہونے کی تہمت۔ مالوی پر حامی اتحاد ہونے کی تہمت مسٹر محمد علی پر صاحب عقل ہونے کی تہمت۔ آزادی کے رزولیوشن پر کانگرس کے محب ہونے کی تہمت۔ اس رزولیوشن سے انگریزی استبداد کو نقصان پہونچنا تہمت اہل ہند پر محب وطن ہونے کی تہمت۔ ستیا گرہ کے زبانی دعوے کرنے والوں پر استقلال اور ثبات کی تہمت۔

ریگستان نفاق میں کامل آزادی کی تلاش

منزل پہ پہونچے تو اشک ریزاں
صحرا میں آئے تو خاک بیزاں
القصہ آخر افتاں و خیزاں
رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بہ منزل
چل مری موٹر دھک دھک دھک دھک دھک دھک دھک دھک

ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
"دیکھیے پھولوں کی لاج رکھیے گلِ عارض کے رنگ سے اسکا رنگ پھیکا ہوا جاتا ہے۔ خوشبو درکار ہے
تو یہ عطر حاضر ہے"
کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجران عطر چوک لکھنؤ کے عطروں میں تازہ پھولوں کی نکہت ہوتی ہے

سودیشی تجارت پر فریفتگی اور قومیت کی تہمت۔ مذہبی
اخبار نویسوں پر پادری ہونے کی تہمت۔ مولوی پر مذہبی
کی تہمت۔ لیڈروں پر شہرت طلبی کی تہمت۔ رمالوں
ملاؤں سیانوں پر غیب دانی کی تہمت۔

ایسی حالت میں ہماری قومی جلس نے خطرناک
کے دعویٰ کیا ہے کہ اب انگریزی حکومت کو چھٹی کا
دودھ یاد آ جائے گا۔ یارو اہل وطن کے دل ٹٹول
کے دیکھو اور پوچھو کیوں بھائی تم اغیار کے طرز حکومت
سے ناراض ہو تو دل اپنے اوپر خود تہمت لے گا کہ ہاں
ہاں ہم تو بالکل پائمال ہوئے جا رہے ہیں ہمیں اپنی
آنکھوں یہ طرز پسند نہیں۔ پھر سوال کرو کیا تمہیں
اپنوں کا اقتدار پسند ہے؟ ان سے محبت کرتے ہو
ان پر حسد تو نہیں کرتے ان پر بھروسا ہے؟ تو معاملہ
گومگو میں پڑ جاتا ہے۔ اگر اپنی قوم پر بھروسا ہوتا
تو ہم اس وطنی محبت کو تہمت ہی کیوں قرار دیتے۔
غیروں کی صورت سے نفرت اپنوں کی ترقی پر حسد

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

...یلوں پہ شدہ ... ور قانون ... لوگوں سے کسی غلط
ظالمانہ قانون کی حمایت ترک کرنے کی فرمائش کیجئے اور
دیکھئے وہ قبول کرتے ہیں؟ آپس کے معاملات میں
پنچایت کا حکم جس کو ضرر پہونچے وہ کبھی نہیں مانتا
اور غیروں کے بنائے ہوئے قانون سے فائدہ حاصل
کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چند حرفی خطاب اور القاب
غیروں کا عطیہ ہیں مگر اُسکے حاصل کرنے میں جہنم بھی
مول لینا پڑے تو اور نہ بلا سے۔ خان بہادری کی تہمت
لگ گئی یہی تہمت کروٹ کروٹ جنت ہے۔ کونسلوں
کی ممبری سراسر تہمت ہے جو حکومت وقت نے اختیارات
معقول اپنے ہاتھ میں رکھنے کے باوجود لگائی ہے
اور جو لوگ قومی انتخاب کے پروانے لیکے چیمبر میں
داخل ہوتے ہیں وہ بھی نیابت قوم کی تہمت اپنے
سر منڈھ کے داخل ہوتے ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو باسانی
قومی اشارے پر یہ لوگ ایوان کونسل چھوڑ دیتے
نہ سرکاری ممبر بنتے نہ قومی۔

اب کانگریس نے پھر اس تہمت کا امتحان لینا غور
کیا ہے ہماری دانست میں تو یہ امتحان بھی تہمت ہے
اور جو کوئی اس امتحان میں پورا اُترے اُسکی کامیابی
مبنی بر تہمت ہوگی کیا معنی کہ اس کامیابی سے وہ خود
اپنا خون دل جلائے گا اور اہل وطن اُسکی پیروی
میں بزدلی دکھائینگے یہ کامیابی نہیں کامیابی کی
تہمت ہے۔

سُنتے ہیں کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے ۳۱ دسمبر کو آدھی
رات ادھر آدھی رات اُدھر سوتا سنسار جاگتا پاک پرچم
آزادی کا جھنڈا اُٹھایا اور اُس جھنڈے میں تہمت
آزادی کا پھریرا لٹکایا قفس میں رہنے کی عادت جن
لوگوں کو ہے وہ اس جھنڈے کے جلو میں چلنے کا دعوے
کرتے ہیں مگر پہلے ہی سے آزادی کی تہمت کا طوق گردن
میں ڈال کے گول میز کانفرنس کے گول گھیرے میں
جانے کا ارادہ کر چکے وہ ارون صاحب کے تہتی پیغام
کی غلامی فرما رہے ہیں وہ بھی ہندوستانی ہیں اور تہمت
آزادی کے نام لیوا۔ بس ملک بھر تہمت اتفاق کی
زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ نہ کچہریاں چھوٹیں گی نہ
مال زمین چھوڑی جائے گی نہ ڈاکخانہ اور تار گھر چھوٹیگا
نہ مال غیر کی دلالی جسے ہزبان تہمت تجارت لیتے ہیں
ترک ہوگی۔ نہ کونسلوں کی بہشت سے ہاتھ اُٹھے گا
نہ مالگذاری بند ہوگی نہ اسٹامپ کی خریداری موقوف
ہوگی نہ شراب سے توبہ ہوگی نہ بجلی کی روشنی بجھیگی
نہ ہیٹ سوٹ بوٹ جو کہ یورپ نژادی کی تہمت ہے
اُترے گا۔ چند نعرے ہونگے اور لارڈ صاحب بہادر کی
غضب آلود نگاہ متہم بجرم دلی دبدبے سے مل کے انصاف
تہمت آلود سے مزوج ہوئی اُدھر تہمت آزادی کا حل
ساقط ہوا بیچارے گاندھی دو تین مہینے تک تہمتی روزہ
رکھ کے مجنوں کی پسلی بن جائینگے۔ هذا ما ابتغات
علیہ الندامہ۔ اس تہمت بازی میں ایک پہلو یہ بھی
نکلتا ہے کہ واہمہ خلاق ہوتا ہے یعنی ممکن ہے
تہمت میں اصلیت کے اوصاف پیدا ہو جائیں مگر
یہ کب ہوگا؟ خدا جانے تہمت زدہ خوشحال ہندوستان

مولانا پنچ آپ اپنی کامیابی اور قدر دانی اہل ملک
کی تہمت پر خوش ہوتے رہے ہیں امسال کا آخری سلام
تہمت زدہ پیش کر کے دوسرے سال حاضر ہونے کا وعدہ کرتا ہے والسلام

راقم ——— خاکسار ادبار الادب الملک

مولانا پنچ کی نوٹ بُک

"جن"

ہمارے کرمفرما جناب نیاز فتحپوری کی یہ رحم بخشی
نرالی ہے کہ اُنھوں نے اردو میں ایک ماہانہ رسالہ "جن"
کے نام سے نکالنا شروع کر دیا۔ اب جو کوئی اسے پڑھے گا
آدمی سے نرا "جن" ہو جائے گا۔

آبی ہوائی آتشی حیوانات کا تذکرہ کتابوں میں ہے
اور میاں "جن" تو وہ ہیں جن کے مخصوص کارنامے
مسلمانوں کی آسمانی کتاب میں بعنوان خاص مذکور
ہیں۔ اگر قرآن میں "خلقتنی من نار و خلقته
من طین" کا متکبرانہ دعویٰ آدم پر فضیلت جتانے
کی غرض سے کوئی قائل نہ کرتا تو شاید ہمیں ان کے
مادۂ تکوین کی اطلاع بھی نہ ہوتی نہ یہی معلوم ہوتا کہ
ان کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ نہ ان روحانیوں کے مسخر
ہونے کا گمان ہوتا جو بعض کتابوں میں درج ہیں۔

یہ ان شریر جن یا شیطان کی ذریت؟ ایک مستقل
ہستی کی مالک ہے بعض عملیات سیانے بقول خود اسپر
قابو حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ ظلم یا پہلوانی سے نہیں بلکہ
بارہ بجے رات کو نہا دھو کے پرہیز سے پڑھتے ہیں کلمات
کی ہوائی کمند پھینک کے "اچھو" یا "اچھو" ہو جاتا ہے
شاہ جن والا مقدمہ لکھنؤ میں خوب چلا اور عامل عاطیہ
بری ہو گیا اس وجہ سے ہم بھی قائل ہیں کہ ہاں بھی جنات
کی تسخیر ممکن ہے۔ افسوس اسی ماہ میں بیچارے عبداللہ
حسرتی کو عامل کامل عزرائیل پکڑ لے گیا موصوف کے
مرجانے سے تسخیر جنات کے فلسفے میں آکر لگ گئی ورنہ
واقعات کا ایک عمدہ سلسلہ رسالہ "جن" میں نظر آسکتا

"جن" کی زیارت عرب میں بتیوں کو ہوئی وہ کوہ یہ تک
قائل ہیں "لکل شاعر شیطان" ہر شاعر پر ایک جن
سوار رہتا ہے ایک شاعر بیہوش ہو کے سربازار گر پڑا
لوگوں نے گھیرا جب اسے ہوش آیا تو کہنے لگا: "ما لکم
تکأکأتم علی کتکأکئکم علی ذی جنة افرنقعوا
عنی" کیوں میرے سر پر پلے پڑتے ہو جیسے کوئی
آسیب زدہ پر پل پڑتا ہے ہٹو میرے پاس سے دور ہو
زبان غیر مانوس تھی لوگ اسے بے معنی سمجھے اور کہنے لگے

شیطانہ بتکلم بجلز لصدی (اسکا شیطان ہندی میں بات چیت کرتا ہے) علیہ نواالقیاس اسحاق موصلی مشہور عراقی مغنی مصاحب خاص خلیفہ بغداد کو چند راگ شیطان نے سکھائے (یہ ذکر شاید الغانی میں ہے) دروازہ بند کا بند رہا اور مہمان چل دیا تب معلوم ہوا کہ آخاہ حضرت تشریف لائے تھے کیوں نہو بھلا اس علم کا استاد ان سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔

ایک ملا غریب پر عجب حادثہ گزرا سو رہا تھا خواب میں نظر آئے میاں شیطان ملا ان کو عرصہ سے جلا ہوا تھا اکثر انکی بدولت ٹھنڈے پانی سے نہانا پڑا داڑھی پکڑ کے ایک طمانچہ مار بیٹھا آنکھ کھلی تو اپنی داڑھی اپنا ہاتھ گال سرخ نشان سیلی موجود یہ اپنی اپنی قسمت ہے اسحاق موصلی نے راگ سیکھ کے انعام پایا مولوی کو نقد انقد طمانچہ ملا۔ گالوں پر طبلہ بجوایا۔

شیطان کی انگلی سے خدا پناہ میں رکھے ایک انگلی شیرے کی دیوار پر لگا کے جو تماشا اس نے دکھایا تھا وہ مشہور ہے۔

رسالے کا نام دیکھ کے ہم سمجھے تھے کہ آج ہم نے بھی جن دیکھا وجود جن پر عقلی استدلال کا لطف اٹھائینگے مگر سخت مایوسی ہوئی جب ورق الٹے جب ورق کو دیکھا یہی معلوم ہوا کہ ابلیس کی برادری اور آتشی مخلوق سے مراد "جن" نہیں ہے بلکہ انسانی روحوں کے تماشے دکھائے ہیں جو کالبد سے نکل کے اتنی بے قابو ہو گئیں کہ ہر عامل جیسا ٹرم انھیں جنت یا دوزخ یا عالم ارواح سے پکڑ بلاتا ہے اور وہ بال باندھی چلی آتی ہیں بقا بعد الموت کا مسئلہ ایک فرعی اور فلسفی مسئلہ ہے ارواح کا مستقر بھی معلوم ہے ان کے وجود میں بھی کوئی استبعاد عقلی نہیں۔ یہ آج کھلا کہ مرنے کے بعد ارواح "جن" بن جاتی ہیں۔

بہرحال ہمارے کرمفرما حضرت نیاز فتحپوری کو "جن" کی ملاقات (آخر سال میں) مبارک ہو۔ یہ چیز دلچسپ ضرور ہے۔ مسمریزم کے اصول سے جنھیں دلچسپی ہے وہ پڑھ کے فائدہ اٹھائیں تیم دماغی جنون۔ لکھائی چھپائی اچھی پیمانہ ۲۰×۲۶ قیمت معلوم نہیں۔

شوقین حضرات ہرگز نہ سمجھیں کہ جن کی ... کا نتیجہ ڈاڑھی نچول اور طمانچے کی صورت میں ظاہر ہوگا

پارس سے جاڑے پالے میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا پڑے گا۔

دیوار چین اور کانگریس

کہتے ہیں کہ ایک چینی مصور نے دیوار چین پر تین تصویریں بنا دی تھیں ایک ہنستی ہوئی دوسری روتی ہوئی تیسری ناچتی ہوئی۔ عوام نے جب ان تصویروں کو دیکھا تو وہ مطلب نہ سمجھ سکے ایک حکیم نے انھیں متحیر دیکھ کے یوں معنی سمجھائے کہ یار و جو ہنستی ہے وہ بیاہ کی تمنا دل میں رکھتی ہے امنگیں بھری ہیں آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہیں اور رنج سے ناواقف ہے۔ جو زاری میں مصروف ہے وہ گرفتاری اور پابند لیشی پر رنجیدہ اور نادم ہے۔ ہائے بزرگوں کا حکم نہ مانا جوانی دیوانی کے کارن پاؤں میں بیڑیاں پڑیں اب رہائی کی امید نہیں۔ جو ناچتی ہے وہ جھگڑے بکھیڑے سب جنس کے آزاد ہو گئی ہے اس کا ارادہ ہے کہ دوبارہ یہ روگ نہ پالے چین سے زندگی کے دن کاٹ لے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جناب مصنف آپ ان لوگوں میں تھے جو پہلے اسی نسل سے چلتے ہیں حالانکہ خود بھی پیدا ہو چکے ان کے باپ بھی پیدا ہوئے تھے اور انکی ماں بھی اس عیب کا ارتکاب کر چکی تھی۔ خیر وہ جو کوئی ہوں اپنے رو سے خیال سے انھوں نے تعبیر بھی دی۔ ہماری قوم کی بھی تین حالتیں عالم تصور میں پیدا ہو سکتی ہیں ان میں سے دو تو معلوم ہیں یعنی جوانی کی امنگ میں انگریزی طرز معاشرت طرز حکومت پر دل آگیا۔ صدہا سال پھنسے رہے۔ پھنسنے کے بعد روئے اب تک روتے ہیں اور ابھی مدتوں روئیں گے پھر آخر خود غرضی اور رسمی آزادی کے وجود نابود پر ہمارے دوست پنڈت جواہر لال نے بارہ بجے رات کو ناچنے اور بہادر بتانے کی کیوں ٹھہرائی۔ ابھی ناچ وہ جو مبتلا ہونے کے بعد لنگاڑی پچھاڑی توڑ ناچ جنگل میں مور کی طرح ناچ چاہے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔ واللہ یہ رقص طاؤسی ہے پیارے آزادی بے ہنگم ہیں کہیں پاؤں دیکھ کے شرمانے اور پشیمان ہونے کی نوبت نہ آئے سینکڑوں پارٹیاں ہیں یہ پارٹیاں بھی ہندوستانی افراد سے مرکب ہیں۔ بحیثیت ہندوستانی ہونے کے انھیں بھی ملکی انتظامات میں دخل دینے اور عامل مختار ہونے کا حق ہے اس حق سے اپنا مطلب نکالنے والے بھی احمق اور غافل نہیں۔ آپ انھیں ہندوستانی ہونے کے حقوق سے محروم نہیں کر سکتے۔ نہ اہل ہند کی فہرست سے ان کا نام خارج کر سکتے ہیں ایسی صورت میں آزاد اور اسیر سلسلۂ خود غرضی ہندوستانیوں کے آپس میں جو دھینگا مشتی ہوگی وہ نئے نئے ہاتھ پاؤں اور شاطرانہ چال کی آڑ پکڑ کے دونوں کو ایک دھٹیے میں بند کر دے گی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے پاؤں کی بیڑیاں نہ کاٹیے خدا خوش رکھے مگر خدا بہ پرورد بیڑیاں کٹ گئیں اور پاؤں مرحلہ پیمائی کے قابل بازو پرواز کے لائق نہ ہوئے تو قفس کا دروازہ کھل جانے پر بھی سوا ٹیں ٹیں کے اور کوئی چارہ نہیں بیٹھے رہیے ٹکر ٹکر دیکھیے ؎

پھر وہی کنج قفس پھر وہی صیاد کا گھر

کوئی تعجب نہ ہوگا اگر گھر یہ دشمنوں کے چلتوں "سبز باغ" کا دیدار بھی قیامت پر اٹھا رہے اور صیاد کی بیڑیاں عادت بھی بہ تقاضائے طبیعت ریہود ہو جائے ؎

اُداس دیکھ کے مجھ کو چمن دکھاتا ہے

بہت دنوں میں ہوا ہے مزاج داں صیاد

ایک تھے ٹھاکر انھوں نے برات میں ناچ کرایا ایک بجے رات تک محفل گرم رہی اسکے بعد لوگ اپنے اپنے مقام پر سو رہے مگر ٹھاکر صاحب نے روز خرچا تھا وہ کب گوارا کرتے کہ ناچنے والی آرام کرے اور دام اکارت ہوں جمہائی پر جمہائی آئی آخر فرمانے لگے:

"سنیو نہیں ہم کا آئی ہے نیند تم ناچے جاؤ بھیجیو میں ہم گھر گنڈ دیکھ لیب"

خدا نہ کرے جو ہمارے جواہر لال کا ساتھ چھوڑ کے اہل وطن کہیں یہ تم ناچو ہمیں نیند آتی ہے صبح کو چین فرش دیکھ لینگے اور جو دام اس پولیٹیکل ناچ پر صرف کیے ہیں وہ کوڑی کوڑی وصول ہو جائینگے۔

خاتمہ سنہ ۲۹ء مبارک اور سال نو کی آمد مسعود والسلام

ضعیفی دور کرنے کی تدابیر

موت کو تو کوئی نہیں روک سکتا لیکن امریکہ کے سائنسدانوں نے ضعیفی دور کرنے کی تدابیر نکال ہی ڈالی ہیں صبح چارپائی پر پڑے ہوئے اعضاء کو حرکت دیتے رہیے پھر کبھی قبض کی شکایت اور دیگر بیماریوں کا اندیشہ نہ رہے گا۔ اعضاء کو کس طرح حرکت دینی چاہیے اس کے واسطے کتاب میں ۴۳ اعضاء ورزش کی دی گئی ہیں کسی اُستاد کے سکھانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب زیادہ تر بیماریوں کے واسطے مفید ہے جو گھومنے پھرنے اور ورزش وغیرہ کا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے بدہضمی بواسیر اور دیگر امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں ہم خود اس کے مطابق عمل کرکے فائدہ حاصل کر چکے ہیں اس کتاب کی صفات کو دیکھتے ہوئے ہم نے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی ہے تاکہ عام طور پر لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ملنے کا پتہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

جس طرح طلوع آفتاب سے

تاریکی کا دور ہونا قدرتی امر ہے

اسی طرح مقویات سرتاج عالم آتنک نگرہ گولیوں کے استعمال سے قبض۔ بدہضمی۔ خون اور مادہ تولید کی خرابی۔ جریان بدخوابی اور دیگر امراض مخصوصہ کا دور ہو جانا قدرتی امر ہے ضرور تجربہ کریں۔ قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ۔ بلاغ نعمان چار آنہ

المشتہر۔ ویدشاستری منی شنکر گووند جی جامنگر کاٹھیاواڑ

ایجنٹ اندر سین اینڈ کو چوک لکھنؤ

شرائط ایجنسی

(۱) روپیہ نقد پیشگی جمع کرنا ہوگا۔

(۲) رقم جمع شدہ کے ختم ہوتے ہی پرچہ کی روانگی موقوف کر دیجائیگی۔

(۳) بلکہ پرچہ فی ہفتہ سے کم کی ایجنسی قبول نہ کیجائیگی۔

(۴) بحساب دو آنہ فی پرچہ فروخت کرنا ہوگا اور چہارم کمیشن ایجنٹ صاحب کو دیا جائیگا۔

(۵) علاوہ خاص خاص حالتوں کے بے بکے پرچہ واپس نہ لئے جائینگے۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟

اگر آپ اشتہاری ادویات و عطائی نسخہ جات و جاہل مغرور طبیبوں کے ہاتھوں اپنی کمائی لٹا کر صحت سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس عالم یاس میں بحفاظت صحت حاصل کرنا یا سچا مخلصانہ مشورہ کے خواہشمند ہیں۔ اگر آپ لکھنؤ کے نامور تجربہ کار اور حذاق اطباء کے مشورہ سے بلا ادائے فیس فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک کارڈ لکھکر دواخانہ معدن الادویہ کی فہرست جدید طلب فرمائیے خود بھی فائدہ اٹھائیے اور دوسرے بھائیوں کو بھی نفع پہنچائیے۔ تمام خط و کتابت صیغہ راز میں رہتی ہے

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ گولہ گنج لکھنؤ

مجلدات اودھ پنچ ۱۹۲۶ء و ۲۷ و ۲۸

(۱) اُردو کو زندہ کرنے والے دل کو تازہ کرنے والے سیاسی ادبی اخلاقی مضامین اور کارٹونوں کا مجموعہ خزانہ کتب میں محفوظ رکھنے کے قابل قیمت فی جلد ۶ مع محصولڈاک۔

(۲) ۱۹۲۸ء کی چند ششماہی جلدیں جولائی ۱۹۲۸ء لغایت دسمبر ۱۹۲۸ء برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں قیمت مع محصولڈاک ۳

(۳) جلد ۱۹۱۶ء کے سالانہ نمبر ان نمبروں میں انشا پردازی کے بہترین نمونے موجود ہیں ظریفانہ مضامین کے شائقین کو جلد طلب فرمانا چاہیے۔ قیمت عہ علاوہ محصول۔

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

سیاحت ظریف

یعنی

منشی سید مقبول حسین صاحب ظریف لکھنوی کا منظوم سفرنامہ عراق عجیب دلچسپ نظم ہے۔ ہنسیے اور شاعری کی شاعرانہ اُستادی سے فائدہ اُٹھائیے قیمت فی جلد ۸ ٹکٹ بھیجکر یا وی پی اور منی آرڈر منگائیے۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

غذائے روحانی

معدن النغمات

یعنے

وہ بے نظیر کتاب جس نے ہر پنچ ہوا میں گرہ لگائی اور ایک گراموفون کی طرح سُروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کا غذ پر لکھ لینے کے قواعد سکھائے۔

یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

اس کے حصہ اوّل کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تا حال موسیقی کے جزو علمی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی اب اسی کتاب کے حصہ دوم میں مصنف نے اساتذۂ فن کے علم سینہ

کو

علم سفینہ بنایا ہے

یعنی

تانسین کے عہد سے لے کے زمانۂ حال تک صدہا اساتذۂ فن کی گائکی اور ان کے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے۔

اُستاد محمد علی خان

میاں تانسین کے آخری یادگار ہیں صدہا راگوں کی دھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں اُن سے نقل کی گئی ہیں لطف یہ کہ اگر آپ سُر گلے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتدا ئے کتاب میں لکھ دیے گئے اسی طرح ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں۔ جسطرح کہ اُستاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ دیگر شاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ فی الحقیقت مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لیکے اس کتاب کو مرتب کیا ہے حصہ دوم نہایت مقبول ہوا تمام ہندوستان کے استادوں کا سرمایۂ ناز اس میں موجود ہے۔

اصلی قیمت علاوہ محصول ؏ ہے لیکن جو صاحب آخر دسمبر ۱۹۲۹ء تک چار روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائینگے وہ ایک روپیہ کے فائدہ میں رہینگے۔ رعایتی قیمت کا وی پی نہ ہوگا۔

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

اُردو زبان کی ہر قسم کی کتابیں اس پتہ سے طلب کیجئے۔ منیجر جنرل بکڈپو پاٹانالہ لکھنؤ